لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

محمد رسول اللہ

تخریج شدہ ایڈیشن

محسنِ انسانیت کی سیرت پر منفرد اسلوب کی حامل ایک جامع کتاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبہ اسلامیہ

تخریج شدہ ایڈیشن

حصہ سوم

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

محسنِ انسانیت کی سیرت پر منفرد اسلوب کی حامل ایک جامع کتاب

اس کے مقدمے میں معجزے کی حقیقت، اس کے وقوع پر جدید و قدیم فلسفے، علم کلام اور قرآن مجید کے تناظر میں سیر حاصل بحث ہے، پھر دلائل و خصائل نبوت کا بیان ہے، اسی طرح قرآن و حدیث میں مذکور آیات و معجزات اور اس سلسلے میں غیر معتبر روایات مع تنقید درج ہیں۔ سابقہ آسمانی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارات بھی اس جلد کا خاص حصہ ہیں۔

تالیف

علامہ شبلی نعمانی

علامہ سید سلیمان ندوی

مکتبہ اسلامیہ

کتاب .... سیرۃ النبی ﷺ

تالیف .... علامہ شبلی نعمانی ، علامہ سید سلیمان ندوی

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت .... اکتوبر 2012ء

قیمت ....

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973 فیکس: 042-37232369

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست مضامین سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصہ سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع سوم

سیرت النبی ﷺ کی یہ تیسری جلد جو آنحضرت ﷺ کے منصبِ نبوت، حقیقتِ نبوت اور فضائل و معجزات پر مشتمل ہے، تیسری دفعہ چھپ کر اب منظر عام پر آ رہی ہے، اس اثنا میں بعض مباحث پر جدید تحقیقیں سامنے آئیں، اس لیے پوری کتاب پر نظر ثانی کی گئی، روایتوں اور حوالوں کو اصل ماخذوں سے دوبارہ ملایا گیا، اگر اختلاف نظر آیا تو تصحیح کی گئی، کوئی پہلے سے زیادہ مستند حوالہ ملا تو اس کا اضافہ کیا گیا، کوئی عبارت اگر مشتبہ تھی تو اس کے شبہ کو دور کیا گیا، خصوصیت کے ساتھ معراج کے جسمانی و روحانی، یا حالت بیداری یا خواب کے ہونے کے مسئلہ کو صاف کیا گیا۔

معجزات کی روایتوں کی اصل سے پھر تطبیق کی گئی اور کہیں کہیں حواشی کے اضافہ سے بعض نئے فوائد بڑھائے گئے، کہیں کہیں عبارت کے اغلاق کو بھی دور کیا گیا ہے۔

ایک ظلوم وجہول انسان کی طاقت میں تحقیق کی جو حد تھی، اس نے اپنی وسعت کے مطابق وہ پوری صرف کی ہے، اس پر بھی عصمت کا دعویٰ نہیں، اہلِ نظر سے التماس ہے کہ اگر اب بھی کوئی قابلِ اصلاح چیز نظر آئے تو مؤلف کو مطلع کر کے جزائے خیر کے مستحق ہوں۔

حسنِ خاتمہ کا طالب

سید سلیمان ندوی

۱۶/ شوال ۱۳۷۷ھ - ۳۱/ اگست ۱۹۴۷ء

دارالقضاء بھوپال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلٰی الہ واصحابہ اجمعین.

خدا کا شکر ہے کہ اس نے چند در چند مزاحمتوں کے باوجود سیرت پاک کی تیسری جلد کی تکمیل وانجام کا سامان بہم پہنچایا اور ایک گنا ہگار کو توفیق بخشی کہ ان اوراق کو ترتیب دے کر اپنے سیاہ اعمال نامہ کے دھونے کے لیے آبِ رحمت کے چند قطرے فراہم کر سکے، دوسری جلد ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں چھپ کر نکلی تھی، چار برس کے بعد یہ ۹۰۰ [1] صفحوں کا مجموعہ مشتاق نگاہوں کے سامنے ہے، اس مجموعہ کی تالیف وترتیب، واقعات کی تفتیش وتلاش اور مسائل ونظریات کی بحث وتحقیق میں جو محنت وکاوش اور دیدہ ریزی کی گئی ہے، اس کا بڑا اصلہ یہی ہے کہ صواب کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو اور حقیقت کی منزل سے بعد نہ ہوا ہو، (والعصمة للّٰہ وحدہٗ)

ان اوراق کی تالیف میں ہم اپنے ان محسنوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ان کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا، مشکلات اور غوامض میں مخدومنا مولانا حمید الدین صاحب کے مشوروں نے فائدہ پہنچایا ہے، رفیق کار مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے معجزات کے جزئی واقعوں کے فراہم کرنے میں مدد کی ہے، ہماری جماعت میں بلکہ علما کی جماعت میں پروفیسر مولانا عبدالباری ندوی (معلم فلسفہ جدیدہ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) سے بڑھ کر فلسفہ جدیدہ کا کوئی ماہر نہیں، معجزات کی بحث میں ضرورت تھی کہ اس باب میں فلسفہ جدیدہ کی جو موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں ہیں، ان سے بھی تعرض کیا جائے، چنانچہ میری درخواست پر موصوف نے ''معجزات اور فلسفہ جدیدہ'' کا باب لکھ کر عنایت کیا ہے، جو اس کتاب کے ص ۱۱۷ سے شروع ہو کر ص ۳۱۰ پر تمام ہوا ہے۔

کہیں کہیں آپ کو احادیث کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں مثلاً: بیہقی، ابویعلیٰ، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بزار وغیرہ کے حوالے دوسری مطبوعہ کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ تائیدًا ملیں گے، ہم نے ان کے حوالوں میں دوسرے مفسرین، شارحینِ حدیث اور مصنفینِ سیرت مثلاً: ابن کثیر، ابن حجر، ابن قیم، سیوطی وغیرہ پر بھروسہ کیا ہے، معجزات کے جزئی واقعات میں ایک دو مقام پر قوی روایتوں کے ساتھ اگر ضعیف روایتوں کو جگہ دی گئی ہے تو ان سے مقصود صرف یہ ہے کہ قوی روایتوں سے جس نوع کے معجزات ثابت ہیں، اس نوع کے معجزات کی دوسری تائیدیں بھی گو اس رتبہ کی نہیں، مگر موجود ہیں۔ کتاب میں کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں، جن کی آخر میں غلط نامہ [2] کے اضافہ سے تلافی کی کوشش کی گئی ہے۔

[1] کتاب کی چھوٹی تقطیع کے پچھلے ایڈیشن کے لحاظ سے یہ لکھا گیا ہے۔ [2] اب جدید طباعت میں یہ اغلاط دور کر دی گئی ہیں۔

اس راہ کی ایک منزل آج اور تمام ہوئی، لیکن قلم کے مسافر کو آرام نہیں کہ اب چوتھی منزل اس کے سامنے ہے، احباب دعا کریں کہ یہ جلد چہارم ان کی خدمت میں جلد پیش ہو سکے۔

سید سلیمان ندوی

۱۷/ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلائل و معجزات

﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ (۵/ المآئدۃ:۳۲)

''اور ہمارے پیغمبر لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔''

روحانی نوامیس کا وجود

سیرتِ نبوی کا یہ حصہ آنحضرت ﷺ کے ان حالات، مشاہدات اور کیفیات کے بیان میں ہے جن کا تعلق اس عالم سے ہے جو ہمارے اس مادی عالم اور اس کے مادی قوانین کی حدود سے باہر ہے، جس طرح ہماری یہ مادی دنیا ایک نظام خاص پر چل رہی ہے، مثلاً: رات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے، خزاں کے بعد بہار آتی ہے، ستارے غروب ہوتے ہیں تو آفتاب نکلتا ہے، گرمی جاتی ہے تو جاڑے آتے ہیں، پھول اپنے وقت پر کھلتے ہیں، درخت اپنے موسم میں پھلتے ہیں، ستارے اپنے معین اوقات پر ڈوبتے اور نکلتے ہیں، اسی طرح روحانی عالم بھی اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے، اس کا بھی ایک آسمان و زمین ہے، وہاں بھی تاریکی اور روشنی ہے، خزاں اور بہار ہے، فصل و موسم ہے۔

؎ آسمانہاست در ولایتِ جاں کار فرمائے آسمانِ جہاں

نبوت کے فطری و روحانی آثار

جب روئے زمین پر گناہوں کی تاریکی اور بدیوں کی ظلمت محیط ہو جاتی ہے تو صبح کا تڑکا ہوتا ہے اور آفتابِ ہدایت نمودار ہوتا ہے، باغِ عالم میں جب برائیوں کی خزاں چھا جاتی ہے، تو موسم بدلتا ہے اور بہارِ نبوت [1] رونق افزا ہوتی ہے اور جس طرح زمین، آسمان، چاند، سورج، پھل اور پھول کے خاص خاص قوانینِ فطرت ہیں، جن میں عموماً تغیر نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کی رشد و ہدایت، عذاب و رحمت اور نبوت و رسالت کے خاص خاص اصول و قواعد ہیں، جن میں تغیر راہ نہیں پاتا، انبیا اور رسل اپنے اپنے وقت پر مبعوث ہو کر قوموں کو دعوت دیتے ہیں، قومیں ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہیں، منکرین ہلاک اور مومنین کامیاب ہوتے ہیں اس روحانی جہاد میں انبیا و رسل سے ہمارے علم و دانش سے بالا[illegible] صادر ہوتے ہیں اور ان سے عجیب عجیب خوارق ظہور

[1] خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود باوجود سے پہلے انبیا کا سلسلہ جاری رہا، حضور کی آمد کے بعد جانشینانِ نبوت محمدی یعنی مجددینِ امت اس فرض کو انجام دیتے ہیں، یہ مجددین ملتِ رسول ﷺ کے متبع کامل ہوتے ہیں اور منصب نبوت سے عاری ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں یا ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں یا جماعتوں میں مختلف مجددین ملـ[illegible]ـں، ان کی پہچان کا سب سے بڑا معیار عقائد و اعمال، اخلاق اور طرقِ دعوت میں رسول اکرم ﷺ کا اتباع کامل ہے، ان کا کام یہ ہے کہ وقت کے اوہام و رسوم و اعمال کو جو باہر سے آ کر دین میں شامل ہو گئے ہیں، دور کریں اور امورِ دین میں جو امور مٹ گئے ہوں، ان کو دوبارہ جاری کریں۔

پذیر ہوتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیس انسانی قوانین پر حکمران ہیں

جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پراسرار مخفی قوت ہمارے کالبد خاکی پر حکمران ہے اور ہمارے تمام اعضاء وجوارح اس کے ایک ایک اشارہ پر حرکت کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کی روحِ اعظم اذنِ الٰہی سے سارے علمِ جسمانی پر حکمراں ہو جاتی ہے اور روحانی دنیا کے سنن واصول عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آ جاتے ہیں اس لیے وہ چشم زدن میں فرشِ زمین سے عرشِ بریں تک عروج کر جاتی ہے، سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے، چاند اس کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے، اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند خشک روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں، اس کی انگلیوں سے پانی کی نہریں بہتی ہیں، اس کے نفس پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں اور مردے جی اٹھتے ہیں، وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ وبالا کر دیتا ہے، کوہ و صحرا، بحر و بر، جاندار و بے جان بحکمِ الٰہی اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں، وہ اس کا نہیں بلکہ اس کے رب کا فعل ہوتا ہے اور اسی کی مشیت اور قدرت سے پیغمبر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیس کے اسباب وعلل سے ہم اسی طرح لاعلم ہیں جس طرح جسمانی قوانین کے

لیکن جس طرح ہم کبھی یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص خاص پھول، خاص خاص درخت، خاص خاص ستارے، فلاں فلاں معین اوقات پر ہی کیوں جلوہ نما ہوتے ہیں؟ پھول سرخ کیوں ہوتے ہیں؟ ستارے چمکتے کیوں ہیں؟ شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے؟ چاند اور سورج چلتے کیوں ہیں؟ تخم، درخت، غذا، خون، گوشت کیونکر بن جاتا ہے؟ اسی طرح اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے کہ پیغمبروں کا ظہور اپنے اپنے وقت پر کیونکر ہوتا ہے اور ان سے یہ مافوق العادۃ افعال واعمال بحکم الٰہی کیونکر صادر ہوتے ہیں؟ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ ہوتے ہیں چنانچہ دنیا کا ہر پیغمبر بلکہ روحانیت کا ہر حامل اپنی پراسرار زندگی کے اندر اس قسم کے حالات وکیفیات کی ایک دنیا رکھتا ہے، عالم کی تاریخ آپ کے سامنے ہے، جس میں اگر قوموں کے روحانی معلموں کے حالات وسوانح غور سے پڑھیں تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ وہ، وہ کچھ دیکھتے تھے، جو ہم نہیں دیکھ سکتے، وہ، وہ کچھ سنتے تھے جو ہم نہیں سن سکتے، وہ، وہ کچھ جانتے تھے جو ہم نہیں جان سکتے اور ان سے وہ اعمال بھی صادر ہوتے تھے جو کسی اور سے نہیں ہو سکتے، یہ تاریخی واقعات ہیں جن سے انکار کرنا اسی طرح ناممکن ہے، جس طرح سکندر اور نپولین کی فتوحات اور بودھ اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے وجود سے۔ ہندوستان کی روحانی داستان کا ایک ایک حرف، اسرائیلی نبیوں کے صحیفوں کا ایک ایک باب اور عیسائیوں کی انجیل کا ایک ایک صفحہ اس تاریخ کی مثالیں اور نظیریں ہیں۔

انبیا کا اصلی معجزہ خود ان کا سرتا پا وجود ہے

گو پیغمبر کا اصلی معجزہ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اس کا سرتا پا وجود ہوتا ہے، دیکھنے والوں کے لیے اس کی چشم وابرو میں اور سننے والوں کے لیے اس کے لب ولہجہ میں اور سمجھنے والوں کے لیے اس کے پیام ودعوت میں اعجاز ہوتا ہے لیکن جو لوگ احساسِ حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی اور وہ مادی اور محسوس نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جو بالآخر ان کو دی جاتی ہیں۔

انبیا کے کامل پیرو اُن سے معجزہ نہیں مانگتے تھے

لیکن انبیا کے تبعین میں سے سابقین اولین اور صدقین وصالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ان کو پیغمبر تسلیم نہیں کیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کا معجزہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں مگر چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں، بلکہ یہ جان کر کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم غریبوں کے دست و بازو ہیں، قرضداروں کی تسکین اور سہارا ہیں، مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں۔'' [1] حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی اور دیگر اصحاب کبار رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا، ان کے لیے آپ کا سرتا پا وجود نفس دعوت حق اور پیام اخلاص ہی معجزہ تھا، انہوں نے اسی کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی۔

معاندین معجزوں کے بعد ایمان نہیں لائے

مگر نمرود وفرعون وابوجہل اور ابولہب جو آتش خلیل، طوفان نیل، قحط مکہ اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے پھر بھی ایمان کی دولتِ عظمیٰ سے محروم رہے، لیکن بایں ہمہ ایک درمیانی طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا ہے جس کی بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے زنگ کی کچھ کچھ چھائیاں پڑی ہوتی ہیں، جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ کرنیں ان آئینوں پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں اور ﴿ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴾ (۲۰/ طٰہٰ: ۷۰) پکار اٹھتے ہیں۔

معجزوں سے کن کو فائدہ پہنچتا ہے؟

فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھا تو موسیٰ وہارون علیہما السلام کے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح روم کی پیشین گوئی پوری ہوئی، تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی اور حقیقت کا پیکر ان کے سامنے جلوہ نما ہو گیا۔ [2] یہی طبقہ ہے جس کو معجزات کی ظاہری نشانیوں سے بقدر استعداد حصہ پہنچتا ہے، اس کے علاوہ معجزات کا بڑا حصہ مؤیدات یعنی تائید حق کے لیے غیر منتظر اور غیر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی: ۳۔

[2] جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورۃ الروم: ۳۱۹۴۔

متوقع حالات کا رونما ہونا ہے، مومنین صادقین کو مشکلات کے عالم اور اضطراب کی گھڑیوں میں ان کے ذریعہ سے تسکین دی جاتی ہے اور رسوخ ایمانی اور ثبات قدم مرحمت ہوتا ہے، ان کی بے سروسامانیوں اور بے نوائیوں کی مکافات کی جاتی ہے اور اس سے ان کی دولت ایمانی کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

ان واقعات کا اصطلاحی نام

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے جو یہ مافوق العادت کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں ان کے لیے عام طور پر معجزہ کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن یہ اصطلاح کئی حیثیتوں سے غلط ہے، اول تو اس لیے کہ قرآن مجید اور احادیث میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی جگہ آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو اپنے مفہوم کو نہایت خوبی سے ظاہر کرتے ہیں قدیم محدثین نے ان کی جگہ دلائل اور علامات کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو الفاظ قرآنی کے ہم معنی ہیں، دوسرے یہ کہ عام استعمال کی بنا پر ''معجزہ'' کے ساتھ کچھ خاص لوازم ذہنی پیدا ہو گئے ہیں جو حقیقت میں صحیح نہیں ہیں، مثلاً: اس لفظ سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے، جس کا صدور خاص اس کے اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے اور نیز یہ کہ اس لفظ کے سبب سے اس کا معجزہ ہونا گویا اس کی حقیقت میں داخل ہو گیا ہے، حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ معجزہ پر عقلی حیثیت سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ خود لفظ معجزہ کے غلط استعمال سے پیدا ہو گیا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کو ایک ایسا جامع لفظ درکار ہے جس میں نبوت کے تمام خواص کیفیات، مشاہدات اور اعمال خارقہ عادت و غیر خارقہ عادت سب داخل ہیں، لیکن معجزہ کا لفظ اتنا وسیع نہیں آئندہ جہاں از روئے قرآن معجزہ کی حقیقت پر بحث آئے گی وہاں اس کے متعلق مزید تفصیل کی جائے گی، جس سے معلوم ہوگا کہ قرآن پاک کی اصطلاح کس قدر صحیح اور موزوں ہے، ان وجوہ کی بنا پر صحیح طریقہ یوں ہے کہ ہم اس کتاب میں صرف قرآن کی اصطلاح آیت، برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات و دلائل کو اختیار کریں، تاکہ ہمارا مفہوم زیادہ صحیح طریقہ سے اور زیادہ وسیع طور سے ادا ہو سکے، لیکن چونکہ ہماری زبان میں معجزہ کا لفظ عام طور پر چل گیا ہے اس لیے اس کو یک قلم ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دلائل و براہین و آیات کا تعلق انبیا کی سیرتوں سے

قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں، ان میں ان کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہین اور آیات کا ذکر نہایت مؤثر اور عبرت انگیز طریقہ سے کیا گیا ہے، سیر ملکوت، مکالمۂ الٰہی، رؤیت ملائکہ، رؤیائے صادقہ، استجابت دعا، طوفان نوح، آتش خلیل، عصائے موسیٰ، نفس عیسیٰ علیہم السلام اور اس قسم کے اور بھی بہت سے کیفیات و حالات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا

ہے اوران کے ساتھ ان کے عواقب ونتائج بھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کا خاص تعلق رہا ہے اوراس وجہ سے وہ ان کے واقعات زندگی کا جزولاینفک ہوگئے ہیں۔

انبیا علیہم السلام کی زندگی اگرچہ گوناں گوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاکدان کو اخلاقِ ذمیمہ کے خس وخاشاک سے پاک کرکے محاسن اخلاق کے گل وریحان سے آراستہ کیا جائے، تاکہ برکات آسمانی کا دامن کانٹوں سے نہ الجھنے پائے، اس مقدس فرض کے ادا کرنے میں اگرچہ کبھی کبھی انبیا علیہم السلام کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور مادی آلات کے استعمال میں بھی ان کے جسمانی دست وبازو سے زیادہ ان کے روحانی دست وبازو کام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیا علیہم السلام کے واقعاتِ زندگی میں ان دلائل وآیات کو نہایت اہمیت دی ہے اوران کے ذکر سے گویا انبیا علیہم السلام کے تمام حالاتِ زندگی کو سلسلہ علل واسباب سے مربوط کردیا ہے۔

دلائل وآیات کا تعلق سیرت محمدی ﷺ سے

آنحضرت ﷺ کی سیرت تمام انبیا علیہم السلام کے واقعات زندگی کا خلاصہ، ان کی تعلیمات کا عطر اوران کے حالات ومشاہدات کا برزخ ہے، آپ ﷺ ایک عالمگیر اورابدی مذہب لے کر مبعوث ہوئے تھے، اس لیے آپ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا، جن کو طوفان نوح دفعتہً بہالے گیا تھا۔ جن کو دریائے قلزم کی نہریں نگل چکی تھیں۔ جن کو نفسِ عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ زندہ کردیا تھا اوران سب سے بڑھ کر آپ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا جو ان چیزوں کو صرف عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں، بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اس بنا پر جس چشمۂ فیض نے اسباطِ موسیٰ علیہ السلام کو سیراب کیا تھا وہ ان تشنہ کامانِ روحانیت سے کیونکر بے پروا ہوسکتا تھا، چنانچہ اس نے آنحضرت ﷺ کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنادیا جو اعلیٰ قدرِ مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لیے ضروری تھے، آپ کے اخلاق وعادات معجزہ تھے، آپ کی شریعت معجزہ تھی، آپ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہوسکتا تھا، ان کے علاوہ آپ کی روحانی طاقت نے جسم وروح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا، اس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپ کے لیے بستر لگایا، کبھی سدرۃ المنتہیٰ کے حدود میں رفرف کی سواری کھڑی کی، کبھی ﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ ﴾ (۵۳/ النجم:۱۱) کے نور سے قلب مبارک کو منور کیا اور کبھی ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ ﴾ (۵۳/ النجم:۱۷) کے سرمہ سے آپ کی آنکھوں کو روشن کیا، کبھی نزول رحمت الٰہی کے لیے آسمان کے دروازے کھولے، کبھی وادیٔ حق کے پیاسوں کے لیے زمین کی تہ سے پانی کے چشمے نکالے، کبھی سنگ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر و

کسریٰ کے خزائے دکھائے، کبھی انبیائے سابقین علیہم السلام کی زبانِ الہام سے اپنی کامیابی کے نغمہ ہائے بشارت سنائے اور آئندہ دنیا کے واقعات غیب بتا کر رہروان عالم کو منزلِ حقیقت کے نشان دکھائے۔

آنحضرت ﷺ کے واقعاتِ زندگی کا سب سے بڑا جزو، غزوات و محاربات ہیں، ان ہنگامہ خیز واقعات کے تاریخی علل و اسباب اور ان کے نتائج کا ذکر کتاب کے ایک حصہ میں بہ تصریح گزر چکا ہے لیکن جہاد کے میدان میں آپ کو جو فتوحات عظیمہ حاصل ہوئیں ان میں انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تیغ و خنجر سے زیادہ فرشتوں کے پرے، دعاؤں کے تیر، توکل علی اللہ کے سپر، اعتماد علی الحق کی تلوار کام کرتی نظر آتی تھی، آپ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے اور روئے انور نے، نگاہ کیمیا اثر نے، تقریر دلپذیر نے، اخلاقِ اعجاز نمانے آیات و دلائل بن کر بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے غرض آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر مظہر میں یہ دلائل، یہ براہین، یہ آیات، یہ معجزات، اسبابِ ظاہری کے پہلو بہ پہلو، اسبابِ حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔

دلائل و معجزات اور عقلیت

ان دلائل و معجزات کے الفاظ کو سننے کے ساتھ ہی سب سے پہلے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگتا ہے کہ کیا یہ ممکن بھی ہیں؟ کیا عقلِ خردہ گیر ان کے وقوع کو جائز بھی رکھتی ہے؟ دنیا میں عقل و نقل اور فلسفہ و مذہب کا جب سے وجود ہے ان مباحث پر معرکہ آراء بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن فلسفہ قدیمہ ہو یا جدیدہ، فلسفۂ یونان ہو یا فلسفہ اسلام، مشرق کا فلسفہ ہو یا مغرب کا، ان سب کا حاصل بحث یہ نکلتا ہے کہ اگر کچھ فرقے ان کو ممکن بلکہ واقع سمجھتے ہیں تو دوسرے ان کو محالِ قطعی تصور کرتے ہیں، عقل و فہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم تھا، قائم ہے اور قائم رہے گا لیکن جو لوگ ان چیزوں کے امکان اور وقوع کے قائل ہیں، وہ خود اپنے کج بحث دل اور بدگمان قلب کی تسلی، طمانیت اور رفع شک کے لیے اپنے فہم و ادراک کے موافق مختلف نظریے قائم کرتے ہیں، تاکہ وہ اپنی راز جو طبیعت کی تشنہ لبی کو تسکین دے سکیں ان تمام نظریات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ ان عقل و حواس سے مافوق حقائق کو اپنے دریافت کردہ معلوم و محسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ کیا محسوس و غیر محسوس یا جسمانی و روحانی دنیا دونوں ایک ہی نظام پر چل رہی ہے، کہ ایک عالم کے قیاسِ تمثیلی و استقرائی سے ہم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگانا چاہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جو جانا نہیں جا سکتا اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں اور جو سمجھا نہیں جا سکتا اس کو سمجھنا چاہتے ہیں جب ہماری عقل و فہم کی لنگ پائی محسوسات کے میدان میں صاف نظر آتی ہے تو ماورا سے محسوسات میں اس کی تگ و پو کہاں تک منزل مقصود کے قریب کر سکتی ہے۔

؎ آنانکه وصفِ حسن تو تقریر می کنند خواب نا دیده را ہمه تعبیر می کنند

بہر حال اب تک انسان نے اس ''خواب نادیدہ'' کی جو کچھ تعبیر کی ہے وہ دین کے اوراق میں پھیلائی گئی ہے اور سلسلہ بحث میں سب سے پہلے فلسفہ قدیمہ کے نظریات کی تشریح کی گئی ہے اور اس کے بعد فلسفہ جدیدہ ان چیزوں کی گرہ کشائی جہاں تک کرسکتا ہے، اس کی تفصیل ہے اور آخر میں خود قرآن مجید نے ہمیں اس باب میں جو کچھ تلقین کی ہے اس کو بیان کیا جائے گا۔

دلائل و معجزات اور فلسفۂ قدیم و علمِ کلام

اسلام میں عقائد کی سطح جب تک صاف اور ہموار رہی، دلائل اور معجزات کے متعلق عقلی مباحث نہ پیدا ہوسکتے تھے اور نہ پیدا ہوئے لیکن دوسری صدی میں جب یونانی علوم کے تراجم مسلمانوں میں پھیلے تو وہ ہمارے علمِ کلام کے ضروری اجزا بن گئے اور ان کو اس درجہ اہمیت ہوگئی کہ اب ان سے تعرض کیے بغیر گویا موضوع مزید بحث کے لیے تشنہ رہ جاتا ہے۔ اہل یونان کسی شریعتِ الٰہی سے مشرف نہ تھے، اس لیے وہ نبوت، خواص نبوت، وحی الہام اور معجزہ وغیرہ سے واقف نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص فلسفہ میں ان مباحث کا وجود نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابنِ رشد رحمۃ اللہ علیہ نے تہافۃ التہافہ میں اس کی خاص تصریح کی ہے اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کو جا بجا لکھا ہے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلا فلسفی یعقوب کندی ہے، لیکن چند مختصر رسائل کے سوا اس کی عام تصنیفات ناپید ہیں، کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے اور اسی نے سب سے پہلے ان مسائل کے متعلق اپنے خاص نظریے قائم کیے، چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فصوص الحکم [1] میں نبوت اور خواصِ نبوت کے متعلق بہ ترتیبِ حسبِ ذیل خیالات ظاہر کیے ہیں:

فقرہ ۲۸

صاحبِ نبوت کی روح میں ایک قوتِ قدسیہ ہوتی ہے جس طرح تمہاری روح عالمِ اصغر میں (یعنی اپنے جسم میں) تصرف کرتی ہے اور تمہارا جسم تمہاری روح کا تابع وفرمانبردار رہتا ہے، اسی طرح وہ روحِ قدسی عالم اکبر میں یعنی تمام جسمانیات میں تصرف کرتی ہے اور تمام عالم جسمانی اس کا تابع وفرمانبردار رہتا ہے اور اسی بنا پر اس سے خارق فطرت معجزات صادر ہوتے ہیں اور چونکہ اس کا آئینہ باطنی صاف اور زنگ وغبار سے پاک ہوتا ہے، اس لیے لوحِ محفوظ یعنی اس کتاب میں جو کبھی غلط نہیں ہوسکتی اور ملائکہ کی ذاتوں میں جو کچھ ہے اس کا عکس اس کے آئینہ پر پڑتا ہے اور وہ قدرتِ قدسیہ یا روح قدسیہ اس کو مخلوقات تک پہنچاتی ہے۔ [2]

فقرہ ۲۹

ملائکہ ان صورِ علمیہ کا نام ہے جو بذاتہا قائم ہیں اس طرح نہیں جس طرح لوح میں نقوش یا ذہن میں معلومات ہوتے ہیں بلکہ خود معانی قائم بالذات ہیں اور وہ امرِ الٰہی سے فیض حاصل کرتے ہیں، عام روحِ بشری تو حواس ظاہری کے تعطل یعنی خواب میں اس امرِ الٰہی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے، لیکن روح نبوی (ﷺ) بیداری میں اس سے تخاطب کرتی ہے۔ [3]

---

[1] فصوص الحکم یورپ اور مصر دونوں جگہ چھپ گئی ہے، اس وقت میرے پیش نظر لیڈن ای جی بریل کا نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء ہے۔ (س) اس وقت دائرۃ المعارف حیدرآباد کا نسخہ مطبوعہ ۱۳۴۵ھ پیش نظر ہے آگے اسی کے حوالے بقید صفحات دیے گئے ہیں۔ (ض)

[2] فصوص الحکم، ص:۹۔ [3] فصوص الحکم، ص:۹، ۱۰۔

فقرہ ۴۰

عام روح بشری کا حال یہ ہے کہ جب اس کے حواس ظاہری مشغول ہوتے ہیں تو حواس باطنی معطل ہو جاتے ہیں اور جب حواس باطنی کام کرتے ہیں تو حواسِ ظاہری بیکار ہو جاتے ہیں مگر ارواح قدسیہ کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے حواس ظاہری کی مصروفیت ان کے حواسِ باطنی کو اور ان کے حواس باطن کو مشغولیت ان کے حواسِ ظاہری کو معطل نہیں ہونے دیتی اور دونوں ایک دوسرے کے فرائض میں مخل نہیں ہوتے، بلکہ ان کی تاثیر کا عمل ان کے اجسام سے متعدی ہو کر دوسرے اجسام تک پہنچتا ہے اور وہ انسانی تعلیم سے نہیں بلکہ ارواح و ملائکہ کے ذریعہ سے علم کی تلقی کرتے ہیں۔ [1]

فقرہ ۴۱

عام روحوں کی درماندگی یہاں تک ہے کہ نہ صرف یہ کہ حواسِ ظاہری کی مصروفیت، حواس باطنی کو اور حواس باطنی کی مصروفیت، حواسِ ظاہری کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے بلکہ خود ان کے ایک حس کی مشغولیت دوسرے حس کو بیکار کر دیتی ہے، ہم جس وقت غور سے سنتے ہیں، دیکھتے نہیں، جب دیکھنے میں مستغرق ہوتے ہیں تو سنتے نہیں، خوف کا احساس ہو تو اشتہا نہیں پیدا ہو سکتی، اشتہا ہو تو غصہ نہیں پیدا ہو سکتا، جب ہم فکر کرتے ہیں تو ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے اور جب ذکر کرتے ہیں تو تفکر سے خالی ہو جاتے ہیں لیکن ارواحِ قدسیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی، ان کے تمام ظاہری و باطنی حواس ایک ساتھ کام کرتے ہیں اور ان کا ایک حاسہ دوسرے حاسہ کا عائق و مانع نہیں ہوتا۔ [2]

فارابی کے یہی چند لفظ ہیں جو ابنِ سینا اور ابن مسکویہ تک پہنچتے پہنچتے ایک داستان بن گئے ہیں اور اب چھوٹی اور بڑی تمام اسلامی فلسفیانہ تصنیفات میں باب النبوۃ کے نام سے یہ مسائل شامل ہیں، یہاں تک کہ امام غزالی ورازی کی تصنیفات سے انہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ صوفیہ کے لسان القوم مولانا رومی کے ساز ''نے'' سے بھی یہی آواز نکلتی ہے۔ فلسفہ و عقل کی راہ سے جو حکمائے اسلام منزلِ حقیقت کے جویاں ہیں، ان کے نزدیک نبی وہ ہے جس میں یہ تین باتیں جمع ہوں:

① اول یہ کہ اس کو امورِ غیب پر اطلاع ہو۔

② دوسرے یہ کہ ملائکہ اس کو نظر آئیں اور وہ اس سے کلام کریں۔

③ تیسرے یہ کہ اس سے خوارقِ عادت ظاہر ہوں۔

ان تینوں دعووں کے امکان پر ان کے دلائل بہ ترتیب یہ ہیں:

---

[1] فصوص الحکم، ص:۱۳۔۱۴۔

[2] فصوص الحکم، ص:۱۳۔۱۴۔

اطلاع غیب

یہ عالمِ کائنات ایک باترتیب اور مسلسل نظامِ فطرت پر قائم ہے، جس کا ہر درجہ دوسرے درجہ سے بلند ہے، پہلے جمادات ہیں، جن میں نہ حرکت ہے نہ نمو، احساس ہے نہ ارادہ، نطق ہے نہ ادراکِ کلیات کی قوت، اس کے بعد نباتات کا درجہ ہے، جن میں حرکت ونمو تو ہے لیکن وہ دوسرے صفات سے محروم ہیں، اس کے بعد حیوانات آتے ہیں جن میں حرکت ونمو کے ساتھ ارادہ اور احساس بھی ہے، سب سے آخر انسان کا مرتبہ ہے جس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ نطق اور ادراک کلیات کی قوت بھی ہے، کائنات کے ان چاروں طبقوں میں بھی یکسانی نہیں ہے بلکہ ان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایک ترقی محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ ان کا پست تر نقطہ اپنے پچھلے سے بلند تر اپنے اگلے سے جا کر مل جاتا ہے لیکن کیا اس ترقی کی انتہا یہیں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں ابھی نطقِ ادارک اور احساس وتمیز کا مرتبہ کمال کو نہیں پہنچا ہے انسانوں میں وحشی اور غیر متمدن قبائل سے شروع کرو تو ان سے ترقی یافتہ دو دہقانی اور گنوار ہیں، ان سے اعلیٰ شہری اور متمدن ہیں اور ان سے زیادہ بلند تر علما اور عقلائے روزگار ہیں جو نظر وفکر اور قیاس واستدلال سے مجہول کو معلوم کرتے ہیں لیکن انسانوں کی بلند تر صنف وہ ہے جس کی عقل وہوش کے سامنے نظریات بھی بدیہیات ہیں جن کی روح قدسی اپنے تمام معلومات کو تجربہ ومشاہدہ سے نہیں بلکہ براہِ راست عالم ملکوت سے حاصل کرتی ہے جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ، وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے اور وہ، وہ کچھ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سن سکتے، یہ قوت کمالیہ اور یہ روح قدسیہ جس صنفِ انسانی میں ہوتی ہے وہی انبیا ہیں۔

رؤیتِ ملائکہ

انسان کے علم واحساس کا منبع روح ہے اور اس کے آلات وذرائع اس کے باطنی اور ظاہری حواس ہیں۔ اگر اس سطح زمین پر کوئی ایسا انسان ہو جو ان تمام آلات سے معرا ہو تو وہ نہ کسی شے کا احساس کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کا علم حاصل کر سکتا ہے لیکن جیسے علم واحساس کے ان آلات میں ترقی اور تیزی آتی جاتی ہے اس کے علم واحساس میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک خاص نقطہ پر آ کر وہ رک جاتے ہیں اور مادیات و محسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکتے، لیکن خواب کی حالت میں روح کو مادیات اور محسوسات کی زنجیروں سے جب آزادی ملتی ہے تو غیر مادی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ روح انسانی کے علائق جس قدر مادیات سے پاک ہوں گے، اسی قدر اس کے علم واحساس کے قویٰ میں ترقی ہوگی اور جس قدر اس عالمِ مادی سے اس کو افتراق ہوگا اسی قدر عالم ملکوت کے ساتھ اس کا اتصال بڑھتا جائے گا، اس بنا پر اگر کسی روح میں اس قدر استعداد اور صلاحیت عطا ہوتی ہو کہ وہ عالم بیداری میں بھی ان مادی تعلقات کو منقطع کر سکتی ہو تو جو کچھ عام روحوں کو خواب میں نظر آتا ہے اس سے بہت بڑھ کر اس کو بیداری میں محسوس ومشاہد ہو سکتا ہے، وہ

غیب کی آوازوں کو سن سکتی ہے، فرشتوں کو دیکھ سکتی ہے، ان سے باتیں کر سکتی ہے اور ان کے ذریعہ سے علم و معرفت کا فیض حاصل کر سکتی ہے۔

خوارق عادت

دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی اسباب وعلل کے نتائج ہیں، اسی طرح وہ نفسیاتی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں، نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں اور ان سے ہمارا مادی جسم متاثر ہوتا ہے درخت یا دیوار پر چڑھنے والے کو اکثر یہ پیش آتا ہے کہ جہاں اس کے دل میں خوف پیدا ہوا اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ کانپ جاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ وہمی خوف سے بے ہوش ہو جاتا ہے، بیمار پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے۔ شرمندگی اور خجالت سے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، غیظ و غضب میں چہرہ تمتما اٹھتا ہے۔ یہ کمزور نفوس کا حال ہے، اس سے زیادہ قوی نفوس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں اور اپنی قہر و محبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب نفوس قدسیہ اور ارباب قوت کمالیہ اس مادی دنیا میں بہت کچھ تصرف کر سکتے ہیں۔ [1]

اکثر متکلمین اسلام نے پہلی اور دوسری شقوں کو ایک میں داخل کر دیا ہے اور ہیں بھی وہ درحقیقت ایک ہی امور غیب کی اطلاع، ملائکہ اور روحانیات کا مشاہدہ، رؤیت اور ان سے تخاطب، یہ تمام تر وحی و مشاہدۂ روحانیت کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں اور تیسری چیز کا نام ان کی زبان میں معجزہ ہے، ہم ان دونوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں۔

---

[1] ابن سینا نے اشارات میں تفصیل سے اور نجات میں اختصار کے ساتھ ان نظریات کو بیان کیا ہے۔ نصیر الدین طوسی نے اشارات کی شرح النمط العاشر میں بھی اس کی تفصیل لکھی ہے۔ دیکھئے ص: ۴۱۱، امام رازی نے مباحث شرقیہ جزء ثانی، ص: ۴۲۳، ۴۲۴ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد ۱۳۴۳ھ میں اور ابن مسکویہ نے فوز الاصغر بحث نبوات، ص: ۱۱۹ بیروت ۱۳۱۹ھ میں ان کو لکھا ہے دیگر فلسفیانہ تصانیف میں بھی کم و بیش یہی ہے۔

وحی ومشاہدہ

ہمارے حکمائے متکلمین اور صوفیا نے وحی والہام اور مشاہدۂ روحانیات کی تشریح میں متعدد نظریے قائم کیے ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① الہام فطری اور الہام نوعی

دنیا میں جتنی چیزیں پردۂ عدم سے منصۂ وجود پر آتی ہیں، وہ اپنے اپنے وجود کے ساتھ مختلف قسم کے خواص اور فطری علم اپنے ساتھ لاتی ہیں، گلاب کا پھول سرخ اور چنبیلی سفید کیوں ہوتی ہے؟ کھجور میٹھی اور اندرائن کڑوا کیوں ہوتا ہے؟ ایک ہی زمین اور ایک ہی آب وہوا میں مختلف پودے اُگتے ہیں، مگر ہر ایک کا رنگ، مزہ اور بُو مختلف کیوں ہوتی ہے؟ ان کے خواص اور کیفیات میں کیوں اس درجہ اختلاف ہوتا ہے؟ پرندہ کا بچہ انڈے کے چھلکے سے باہر آنے کے ساتھ زمین سے دانہ چگنے لگتا ہے، بط کا بچہ پانی میں تیرنے لگتا ہے، حیوانات کے بچے ماؤں کے تھن میں منہ لگا دیتے ہیں، چوہے کے بچہ نے گو کبھی بلی نہ دیکھی ہو اور نہ بلی کے بچہ نے کبھی چوہا دیکھا ہو، مگر عمر میں پہلی دفعہ جب ان کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے تو ہر ایک سے اس کے فطری حرکات سرزد ہونے لگتے ہیں۔ ہر حیوان اپنے نفع وضرر کو سمجھتا ہے۔ وہ مہلکات سے بھاگتا اور منافع کی طرف لپکتا ہے، یہ تعلیم ان کو کس نے دی؟ شیر، لومڑی، کتا، بلی، ہر ایک کے بچہ سے وہی اعمال سرزد ہوتے ہیں جو ان کے نوعی خصوصیات ہیں، ان اعمال کا معلم کون ہے؟ کوّے، بُلبلوں کے جھنڈ میں اور بُلبلیں کوؤں کے غول میں نہیں بیٹھتیں یہ ہم جنسی کا علم ان میں کہاں سے آیا؟ چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز جماعت بندی اور ذخیرہ اندوزی کی قابلیت کیونکر پیدا ہوئی؟ ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ معلمِ فطرت نے عطیہ وجود کے ساتھ ساتھ یہ طبعی خصوصیات اور الہامات بھی ان میں ودیعت کر دیے ہیں۔

یہ تو انواع کا حال ہے۔ ہر نوع کے تحت میں اصناف ہیں جس طرح ہر نوع کی خصوصیتیں اور قابلیتیں الگ الگ ہیں، اسی طرح ہر صنف کی خصوصیات اور استعدادات بھی الگ ہیں، ایک کبوتر کی کتنی قسمیں ہیں؟ ایک آم میں کس قدر اقسام ہیں؟ ایک نوعِ انسان میں کس قدر طبقات ہیں؟ ان میں سے ہر ایک صنف، قسم اور طبقہ اپنی مشترک نوعی خصوصیات کے ساتھ کچھ مستقل الگ صنفی اوصاف بھی اپنے اندر رکھتا ہے جو دوسرے اصناف میں نہیں پائے جاتے، افریقہ کے ایک وحشی انسان سے لے کر یورپ کے متمدن شہری تک، ایک ناخواندہ جاہل سے لے کر ایک فلسفی اور حکیم تک، کس قدر مختلف انسانی طبقات ہیں ہر طبقہ اپنے اندر متعدد صنفی خصوصیات اور ادراکات رکھتا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ معلم ازل انسانوں کے ایک اور صنف (انبیا) کو علوم ومعارف اور حقائق واسرار کے وہ الہامات عطا کر دے جن سے دیگر صنفِ انسانی محروم اور ناآشنا ہیں۔

دنیا میں جس قدر علوم وفنون، صنائع وحرف، ایجادات واختراعات پیدا ہو چکے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی بانی،

موجد اور مخترع ہوگا پارچہ بافی اور خیاطی سے لے کر ریاضیات اور میلنکس تک جس قدر صنائع وایجادات اور علوم ومعارف ہیں، وہ کسی نہ کسی ایک شخص کے ذہن کا نتیجہ ہیں۔ اس بانی اور مخترع اول کے ذہن میں اس خاص یا ایجادِ خاص کا خطور کیونکر ہوگیا؟ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دوسرے سے سیکھے بغیر اس کے نفس میں اس مسئلہ خاص اور اس ایجادِ خاص کے متعلق ایک خاص قسم کی سوجھ یا فہم پیدا ہوگئی اور اس کے ذہن میں کہیں سے ایسی حقیقت بے پردہ مشہود ہوگئی جو دوسروں کے لیے تمام تر مستور تھی، یہی الہام ہے، اب جس شخص کو فلسفیانہ الہامات ہوتے ہیں وہ فلسفی ہے۔ جس کو شاعرانہ ہوتے ہیں وہ شاعر ہے۔ جس کو آلات اور مشینوں کا الہام ہوتا ہے وہ آلات ساز اور انجینئر ہے اور جس نفسِ قدسی میں اسرارِ الٰہیہ ،نوامیسِ ملکوتیہ، عقائدِ حقہ، اعمالِ صالحہ، قوانینِ عادلہ کا الہام ہو وہ پیغمبر ہے اور اس کے اس الہام کو وحی کہتے ہیں۔

② انقطاعِ حواس عن المادیات

انسان کے تمام محسوسات اور مدرکات بواسطہ یا بلا واسطہ اس کے حواسِ خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ سے ماخوذ ہیں جن کے کام بہ ترتیب سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور ٹٹولنا ہیں۔ اسی طرح انسان میں پانچ قوائے دماغی بھی ہیں جن کے نام حسِ مشترک، خیال، واہمہ، حافظہ اور متخیلہ ہیں ان قوائے خمسہ کے متفرق کام ہیں۔ حسِ مشترک تو آلاتِ حواس کا خزانہ یا لیٹر بکس ہے، انسان کو اپنے پانچوں حواس کے ذریعہ سے جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ سیدھا حسِ مشترک میں جا کر منطبع ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر خیال میں جمع ہو جاتا ہے اور وہاں محفوظ رہتا ہے۔ واہمہ وہ قوت ہے جو اپنے اس گزشتہ محفوظ خزانۂ مدرکات کا بار بار جائزہ لیتی رہتی ہے اور اس پر احکام جاری کرتی رہتی ہے، مثلاً: دور سے ہم نے ایک زرد سیال شے دیکھی پہلے سے ہمارے خیال میں شہد کی صورت محفوظ ہے اس زرد سیال شے کو دیکھتے ہی ہم نے کہہ دیا کہ ''یہ شہد ہے اور یہ میٹھا ہوتا ہے'' یہ واہمہ کا کام ہے۔ حافظہ میں قوتِ واہمہ کے مخزونات جمع رہتے ہیں اور متخیلہ جس کا دوسرا نام مفکرہ بھی ہے اس قوت دماغی کو کہتے ہیں جو مدرکات خیال کی ترکیب تحلیل کرتی رہتی ہے اور ہمیشہ نئی نئی شکلیں اور عجیب عجیب صورتیں، سینما (صورِ متحرکہ) کے تماشہ کی طرح ہمارے ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے کبھی دوسر کا انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ کبھی بے سر کا چلتا پھرتا انسان مشاہدہ کراتی ہے۔ کبھی پرستان کی سیر کراتی ہے اور کبھی عالم قدس میں جانے کے لیے پر تولتی ہے۔ ذہن کو ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت دم کے دم میں طے کرا دیتی ہے۔ آنکھیں بند کرتے ہی ہماری دوسری آنکھوں کے سامنے جو ہنگامۂ فکر وخیال برپا ہو جاتا ہے وہ اسی کا کارنامہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھنا چاہیے کہ ہماری قوتِ متفکرہ صرف آرام وسکون کے لمحوں میں کیوں یہ تماشے دکھاتی ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا حسِ مشترک ہمیشہ خارج سے آلاتِ حواس کے بھیجے ہوئے محسوسات کی تحصیل ووصول میں مصروف رہتا ہے، اس لیے جب تک بیماری، نیند یا غفلت یا کسی اور سبب سے

آلاتِ حواس میں تعطل نہیں ہوتا، ہمارے قوائے دماغی میں آرام وسکون نہیں پیدا ہو سکتا۔ خواب کی حالت میں جب یہ حواس تھوڑی دیر کے لیے اپنا کام موقوف کر دیتے ہیں، اس وقت ہمارے پر اسرار قوائے ذہنی عالمِ بالا کی سیر کرنے لگتے ہیں اور وہاں کے مشاہدات ومسموعات حسِ مشترک میں آکر ہماری قوتِ متفکرہ کو حرکت دیتے ہیں اور ہم عجیب عجیب چیزیں دیکھنے اور عجیب عجیب آوازیں سننے لگتے ہیں۔ اب اگر کسی کی روح میں اتنی قوت ہو کہ حالت بیداری میں بھی اپنے ظاہری آلات کو معطل کر کے عالمِ بالا سے اپنا سلسلۂ تعلق قائم کر سکے تو اس کو سب کچھ اسی عالم بیداری میں نظر آ سکتا ہے۔

③ قوتِ نبوت

تیسرا نظریہ یہ ہے کہ حواس انسانی صرف پانچ کے اندر محدود نہیں ہیں، چنانچہ شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق میں اس پر دلائل قائم کیے ہیں، بعض جمادات میں نباتاتی اوصاف ملتے ہیں، بعض نباتات ایسے دریافت ہوئے ہیں جن میں قوت حس ہے، جس سے دیگر نباتات عام طور سے محروم ہیں، حیوانات کے مختلف انواع میں بعض ایسے قویٰ کا پتہ چلتا ہے جو دیگر حیوانات میں نہیں، شہد کی مکھیوں میں ایک ایسی عجیب وغریب قوت ہے جس سے ان کو کسی طرح بند کر کے لے جایئے اور کہیں جا کر چھوڑ دیجئے وہ اپنے چھتہ کا راستہ پا لیتی ہیں مکڑیوں کی اقلیدسی اشکال بھی کسی نہ کسی قوت کا نتیجہ ہیں، خواہ اس کا نام جبلت یا فطرت ہی کیوں نہ رکھو اسی طرح ممکن ہے کہ انبیا علیہم السلام میں احساس وادراک کی وہ خاص قوت ہو جس سے اور اصناف انسانی محروم ہیں وہ اپنی اسی قوت قدسیہ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا احساس وادراک کر لیتے ہیں جن کو عام قوائے انسانی نہیں کر سکتے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں اس خیال کو جابجا ظاہر کیا ہے:

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس   آن چو زرّ سرخ و ایں حسہا چو مس

''ان پانچ جسمانی حواسوں کے علاوہ پانچ اور روحانی حواس بھی ہیں، وہ سونا ہیں اور یہ تانبا ہیں۔''

حسِ ابداں قوتِ ظلمت خورد   حسِ جاں از آفتابے می چرد

''جسمانی حواس تاریکی سے قوت اخذ کرتے ہیں تو روحانی حواس آفتاب سے۔''

ہر کہ از حسِ خدا دید آیتے   در برِ حق داشت بہتر طاعتے

''حس نے اس خدائی احساس کی کوئی نشانی دیکھ لی ہے، وہ خدا کے سامنے زیادہ مطیع ہے۔''

گر بدیدے حسِ حیواں شاہ را   پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

''اگر حیوان اپنے احساس سے بادشاہ کا مرتبہ پہچان سکتے تو بیل اور گدھے بھی خدا کو دیکھ لیتے۔''

گر نہ بودے حسِ دیگر مر ترا   جز حسِ حیواں زبیروں ہوا

''اگر احساس حیوانی کے علاوہ تم کو اور دوسرے قوائے احساس نہ ملے ہوتے۔''

پس بنی آدم مکرّم کے بدے کیے بہ حسِ مشترك محرم شدے [1]

”تو بنی آدم کا درجہ اتنا بڑھایا کیوں جاتا اور صرف حس مشترک کی بنا پر محرم راز کیونکر ہوسکتا۔“

فلسفی گویدز معقولات دوں عقل از دہلیز می ماند بروں

”فلسفی لغو معقولات کی باتیں کرتا ہے تو عقل دہلیز کے باہر رہ جاتی ہے۔“

فلسفی منکر شود در فکر وظن گو برو سر را براں دیوار زن

”فلسفی جو صرف اپنی فکر وگمان کے باعث ان حقائق کا انکار کرتا ہے اس کو کہنا چاہیے کہ وہ اپنا سر دیوار پر دے مارے۔“

نطقِ آب و نطقِ بادو نطقِ گل ہست محسوسِ حواس اہلِ دل

”پانی، ہوا، مٹی، ان سب کا نطق اہل دل کے حواس کو محسوس ہوتا ہے۔“

فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس انبیاء بے گانہ است [2]

”فلسفی جو ستون نبوی ﷺ کے گریہ کا منکر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انبیا کے حواس سے واقف نہیں ہے۔“

④ حواس کی غیر محدودیت

اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حواس پانچ ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی حاسہ کسی انسان میں موجود نہیں ہے، تو یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ ان حواسوں کی وسعتِ احساس، ان کے حدود کے اندر محدود ہے اور چند اشخاص کو جو چیز دکھائی یا جو آواز سنائی دیتی ہے، وہ اس لیے غلط ہے کہ عام انسان اس کو دیکھ سُن نہیں سکتے، یا جو چیز ہم کو اس وقت دکھائی یا سنائی نہیں دیتی۔ وہ آئندہ بھی ہم کو دکھائی یا سنائی نہیں دے گی، بالکل ممکن ہے کہ ایک انسان جس کو دیکھ یا سُن نہ سکے، دوسرا انسان اس کو دیکھ اور سُن لے۔ کورنظر پاس کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتے، لیکن تیز نظر میلوں کی خبر لیتے ہیں، بعض انسانوں اور حیوانوں میں بعض قوائے احساس اوروں سے بہت زیادہ تیز ہوتے ہیں، چیونٹی میں قوت شامہ، چیل اور کبوتر میں قوتِ باصرہ، سانپ میں قوت لامسہ، کتوں اور گھوڑوں میں قوت سامعہ معمولی سطح حواس سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے، خود انسان کے حواس کے درجے کس قدر متفاوت اور مختلف ہیں، ایک انسان دور سے آواز سنتا ہے، دور کی چیز اس کو نظر آتی ہے، دور کی نہایت نازک خوشبو محسوس کرلیتا ہے، لیکن کمزور حواس کے انسان ان کا مطلق احساس نہیں کر سکتے، لیکن کسی طریقہ سے اگر ان کے حواس کی قوت اور تیزی میں اضافہ ہو سکے تو وہ پھر اسی طرح دیکھ سکتے، سن سکتے اور سونگھ سکتے ہیں۔ مقدمۂ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک کم نظر انسان یا گراں گوش آدمی جس قدر دیکھتا یا سنتا ہے اگر اس کی قوت بصارت و سماعت کو کسی تدبیر سے ترقی دی جائے تو وہ حیرت انگیز طریقہ سے ترقی کر سکتی ہے اور پھر جس قدر اس کے

[1] مثنوی مولانا روم، ج۲، ص:۱۰٦، مطبع ناصری بمبئی وکلیات مثنوی معنوی مولوی دفتر روم، ص: ۲۲۳تا۲۲٤ کانون انتشارات علمی "ك، ص"۔ [2] مثنوی مولانا روم، ج۱، مرتد شدن کاتب وحی الخ ص:۸٦؛ کلیات مثنوی معنوی مولوی دفتر اول مرتد شدن کاتب وحی الخ، ص:۱۸۳۔ "ك، ص"

حواس میں ترقی ہوتی جائے گی، اس کے احساسات میں اضافہ اور محسوسات میں وسعت آتی جائے گی، ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہے ہم اس کو پینا چاہتے ہیں، اس میں گرد وغبار کا ایک ذرہ بھی ہم کو نظر نہیں آتا، لیکن ہم خوردبین لگا کر دیکھیں تو قطرہ قطرہ میں ہم کو کیڑوں کی بستی کی بستی نظر آئے گی، خالی آنکھ سے ہم کو صرف آفتاب، ماہتاب اور کچھ چھوٹے بڑے روشن ستارے دکھائی دیتے ہیں، یہاں تک کہ بطلیموس کو ثوابت کی حرکت تک محسوس نہیں ہوئی اور اس وقت تک صرف تین سو ستارے دریافت ہو سکے اور جب ایک سے ایک طاقتور دوربینیں نکل رہی ہیں تو ہر نئی دوربین کی ایجاد کے بعد پہلے سے زیادہ ہماری آنکھیں روشن ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ صرف ساتویں درجہ کے ستارے تیرہ ہزار اور آٹھویں درجہ کے چالیس ہزار، نویں درجہ کے ایک لاکھ بیس ہزار، ہم کو اس فضائے آسمانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہر شل کی دوربین سے کل چھوٹے بڑے دو کروڑ ستاروں کی فوج ہم کو دکھائی دینے لگی ہے۔

یہی حال سماعت کا ہے، پہلے ہماری آواز زیادہ سے زیادہ ایک میل جاسکتی ہوگی، ٹیلیفون کی پہلی ایجاد نے اس فاصلہ کو بڑھایا اور دو چار قدم کے بعد شہر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دوسرے گوشہ کے لوگوں سے باتیں کرنے لگے، چند سالوں میں یہاں تک ترقی ہوگئی کہ سویزرلینڈ کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ہم بولتے ہیں اور فرانس میں لوگ اس کو سنتے ہیں، لکھنؤ سے الہٰ آباد دم کے دم میں آپ کی آواز پہنچتی ہے اور اب ہندوستان سے ہزاروں میل دور لندن میں آپ کی آواز پہنچنے والی ہے۔ [1]

ان روزمرہ کی مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حواس کے فعل وانفعال اور تاثیر اور تاثر کے دائرے کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ ایک صنفِ انسانی کے حواس اس قدر تیز، سریع اور قوی ہوں کہ ان کو وہ کچھ نظر آئے جو ہم کو نظر نہیں آتا اور وہ کچھ سنائی دے جو ہم کو سنائی نہیں دیتا، آنحضرت ﷺ نماز کی صف کے اندر فرماتے ہیں کہ مجھ کو اسی مقام سے دوزخ اور جنت نظر آئی، حضرت یعقوب علیہ السلام کو کنعان کی وادی میں بیٹھ کر مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی خوشبو معلوم ہوتی ہے، مولانا رومی رحمہ اللہ اسی خیال کو ان اشعار میں ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حالت میں ایک حس کی تیزی دوسرے حواس کو بھی تیز کر دیتی ہے:

پنج حس بایک دگر پیوستہ اند زانکہ ایں ہر پنج ز اصلے رستہ اند

''حواس خمسہ باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، کیونکہ یہ پانچوں حواس ایک ہی اصل سے نکل کر آئے ہیں۔''

قوتِ یک قوتِ باقی شود مابقیٰ را ہر یکے ساقی شود

''ایک حاسہ کی قوت بقیہ حواس کی قوت بن جاتی ہے۔''

دیدن دیدہ فزاید عشق را عشق اندر دل فزاید صدق را

[1] اس دورِ جدید میں سائنسی ترقی مزید عروج پر ہے۔

''دیدار چشم، عشق کو ترقی دیتا ہے اور عشق دل میں سچائی پیدا کرتا ہے۔''

صدق بیداری ہر حس می شود حسہارا ذوقِ مونس می شود [1]

''سچائی ہر حاسہ کی بیداری کا سبب ہو جاتی ہے اور احساس کو ذوق و وجدان سے مدد ملنے لگتی ہے۔''

⑤ عالم مثال

علمائے اسلام میں جن کے سینے علم و حکمت کے ساتھ نور معرفت سے بھی منور ہیں، انہوں نے نظر و استدلال سے نہیں بلکہ ذوق و عرفان سے ایک اور راستہ اختیار کیا ہے، حکما میں دو گروہ ہیں، ایک وحدیہ اور دوسرا ثنویہ۔ وحدیہ وہ ہیں جو ایک ہی عالم کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک مبدئے عالم صرف ایک ہی ہے ان کی دو جماعتیں ہیں، ایک وہ جو مبدئے عالم صرف مادہ کو مانتی ہے اور مادہ کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتی، یہاں تک کہ عقل و حیات اور قوائے ذہنیہ تک اس کے نزدیک تمام تر مادہ کی نیرنگیاں ہیں ان کو مادیّین اور طبعیین کہتے ہیں دوسری جماعت مادہ سے یکسر منکر ہے وہ صرف نفس اور روح کو تسلیم کرتی ہے اور اس عالم محسوس کو وہم و تصور سے زیادہ رتبہ نہیں دیتی اس کے نزدیک عالم اور عالم میں جو کچھ ہے وہ نفس و روح کے مظاہر ہیں ان کو روحانیّین کہتے ہیں۔

ثنویہ

دو مبدئے عالم تسلیم کرتے ہیں، یعنی مادہ اور روح اور عالم کو ان دونوں کا جلوہ گاہ تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے اوپر کی سطروں میں جن اربابِ معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تین عالم تسلیم کرتے ہیں، ایک تو یہ عالم اجساد یا عالم شہادت جس کو تم مادہ اور مادیات کہتے ہو، دوسرا عالمِ ارواح یا عالمِ غیب جو مادی اور مادیات سے منزہ اور مافوق ہے اور تیسرا عالم برزخ یہ وہ عالم ہے جہاں عالم اجساد اور عالمِ ارواح عالم شہادت اور عالمِ غیب دونوں کے اوصاف اور قوانین مجتمع ہو جاتے ہیں، عالم اجساد کی چیزیں وہاں جا کر پیکر مادی سے پاک ہو کر سامنے آتی ہیں اور غیر مادی معانی اور حقائق اور عالمِ ارواح کی مخلوقات وہاں مجسم اور متجسد ہو کر نظر آتی ہیں

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں لکھتے ہیں:

اے برادر! عالم ممکنات را سہ قسم قرار دادہ اند، عالم ارواح ۱۔ و عالم مثال ۲۔ و عالم اجساد ۳۔ عالم مثال را برزخ گفتہ اند درمیان عالم ارواح و عالم اجساد و نیز گفتہ اند کہ عالم دررنگ مرآۃ است مر معانی و حقائق ایں ہر دو عالم را کہ	عالم ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ عالم ارواح ۱، عالم مثال ۲، عالم اجساد ۳، عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجساد کے بیچ میں کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم مثال عالم ارواح اور عالمِ اجساد کے معانی و حقائق کے لیے آئینہ کے مانند ہے کہ اس عالمِ مثال میں اجساد و ارواح کے معانی و حقائق لطیف صورتوں میں ظاہر

[1] مثنوی مولانا روم، ج ۲، کرامات ابراهیم الخ، ص: ۱۷۷ وکلیات مثنوی معنوی مولوی دفتر دوم، ص: ۳۷٤۔

معانی وحقائق اجساد وارواح در عالم مثال بصور لطیفہ ظہور می نماید چہ در آنجا مناسب ہر معنی وحقیقی صورت وہیئت دیگر است وآں عالم فی حد ذاتہ متضمن صور وہیئات واشکال نیست صور واشکال درو ے از عوالم دیگر منعکس گشتہ ظہور یافتہ است ورنگ مرآۃ است کہ فی حد ذاتہا متضمن، ہیچ صورت نیست، اگر درو ے صورت کائن است از خارج آمدہ است۔ [1]

ہوتے ہیں، کیونکہ اس عالم مثال میں ہر معنی وحقیقت کی ایک خاص مناسب شکل ہے اس عالم مثال میں بذات خود کوئی صورت وشکل وہیئت نہیں ہے یہ صور واشکال دوسرے عالموں سے آکر اس میں عکس انداز ہوتی ہیں جس طرح خود آئینہ میں کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ جو صور واشکال اس میں نمودار ہوتی ہیں وہ خارج سے آکر اس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان بزرگوں کا عالم مثال وہی افلاطون کا عالم مثل ہے لیکن افلاطون فرقۂ وحدیہ سے تھا، یعنی عالم کا مبدأ صرف ایک تسلیم کرتا تھا۔ اس لیے اس کے نظریہ کا منشا صرف یہ ہے کہ اس عالم محسوس میں ہر شے فرداً فرداً جزئی اور مشخص ہو کر آئی ہے۔ نفس کلی اور مطلق نوع کا وجود خارج میں نہیں، مثلاً: ہم کہتے ہیں، انسان ہنستا ہے، گھوڑا ہنہناتا ہے، کتا بھونکتا ہے تو یہ کسی خاص انسان، خاص گھوڑے، یا خاص کتے کی نسبت حکم نہیں ہے بلکہ انسان، گھوڑے اور کتے کی نوع پر یہ حکم لگایا گیا ہے لیکن کلی انسان، مطلق گھوڑا اور مطلق کتے کا وجود تو اس عالم محسوس میں نہیں مگر کہیں نہ کہیں تو اس کا وجود ہونا چاہیے، پھر کہاں ہے؟ عام جواب یہ ہے کہ ذہن میں مگر ذہن جو ہمارے محدود ومختصر دماغ کا دوسرا نام ہے کوئی ایسا ظرف نہیں جس کے اندر یہ ساری دنیا سما سکے اس لیے ایک اور عالم ہے جس میں کلیات اور انواع بستے ہیں، اس عالم محسوس میں جتنی چیزیں ہیں وہ کسی نہ کسی نوع کے تحت میں ہیں، یہ انواع عالم مثل میں ہیں اور ان کے عکس اور سائے جن کا نام افراد اور جزئیات ہے وہ اس عالم محسوس میں ہیں حقیقی وجود ان ہی انواع یا مثل کا ہے وہ گویا قدرت کے سانچے ہیں اور ان سے ہی ڈھل ڈھل کر اس عالم محسوس میں افراد اور جزئیات نمودار ہوتے ہیں مگر ان افراد اور جزئیات کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے وہ صرف اپنی اپنی نوع کے آثار اور ظلال (سایہ) ہیں پھر ان میں سے ہر نوع کی مستقل روح نوعی ہے جو اس نوع کا خدا ہے، اسی کا نام ان کی اصطلاح میں رب النوع ہے۔

یہ ہے مثل افلاطون کی حقیقت، عالم مثال کی حقیقت اس سے بالکل الگ ہے، اس عالم کے قائلین جیسا کہ ابھی امام ربانی کے مکتوب کے حوالہ سے گزر چکا ہے، تین عالم کے قائل ہیں۔ عالم جسمانی، عالم روحانی اور عالم مثالی، عالم مثالی جسم وروح کے احکام کا جامع ہے، اس میں روحانی اشیاء متجسم اور جسمانی چیزیں کسی اور مناسب شکل میں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور وہ معانی وحقائق جن میں جسم وجان نہیں، مثلاً: حیات،

[1] مکتوبات، مکتوب سی ویکم، ج ۳، ص: ۵۷ مطبع نول کشور: ۱۸۷۷ء۔

موت، علم، عقل، جسمانی رنگ و روپ میں وہاں نمایاں ہوتی ہیں ارواح، فرشتے، جبریل جو جسم سے پاک ہیں، اس عالم میں متجسم معلوم ہوتے ہیں، اس کی مثال بالکل خواب کی سی ہے کہ اس میں کبھی روحانیات متجسم ہو کر اور کبھی جسمانیات کسی اور شکل میں نمودار ہو کر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اہل معرفت ان کو دیکھ کر ان کی مناسب تعبیر کرتے ہیں، مثلاً: کبھی خواب میں علم دریا کی صورت میں، غیظ وغضب آگ کی شکل میں، شجاعت شیر کی ہیئت میں نظر آتی ہے، اسی طرح عالم مثال میں بھی معانی وحقائق وروحانیات ومجردات کسی مناسب جسمانی شکل وصورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ان کو دیکھ کر اہل بصیرت ان رموز وکنایات کی حقیقت کو پالیتے ہیں۔ خود عالمِ مثال میں کوئی آبادی نہیں، وہ صرف ایک آئینہ خانہ ہے جس میں عالمِ بالا یا عالمِ زیریں سے جو شکل بھی اس کے سامنے آتی ہے، اہل بصیرت کو نظر آجاتی ہے۔

علمائے اسلام میں سب سے پہلے یہ خیال امام غزالی کے ہاں ملتا ہے لیکن اس کو انہوں نے عالم کے لفظ سے نہیں بلکہ وجود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کسی شے کے وجود کا ثبوت ہمارے پاس اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح اس کا احساس یا تعقل کرتے ہیں ہمارے معلومات ومحسوسات ذہن میں موجود ہیں اور ان کا یہ وجود بھی اسی طرح ناقابل انکار ہے جس طرح عام اشیاء کا یہ خارجی وجود، لیکن نہ ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ چکھ سکتے ہیں، نہ سونگھ سکتے ہیں، نہ ٹٹول سکتے ہیں، اس بنا پر امام صاحب کے نزدیک وجود کی تین قسمیں ہیں: وجود حسی، وجود عقلی اور وجود خیالی۔ اس آخری قسم کی انہوں نے حسب ذیل تفصیل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ زبانِ حال تمثیلی رنگ میں محسوس اور مشاہد بن کر سامنے آئے اور یہ خاص انبیا علیہم السلام اور پیغمبروں کی نشانی ہے، اس کی مثال خواب کی ہے جس طرح خواب میں زبانِ حال پیغمبروں کے علاوہ عام آدمیوں کو بھی تمثیلی رنگ میں نظر آتی ہے اور وہ آوازیں سنتے ہیں، مثلاً: کوئی خواب دیکھتا ہے کہ اونٹ اس سے باتیں کر رہا ہے یا گھوڑا اس کو خطاب کر رہا ہے۔ یا کوئی مردہ اس کو کچھ دے رہا ہے یا اس کا ہاتھ پکڑ رہا ہے یا اس سے چھینتا ہے یا یہ دیکھے کہ اس کی انگلی پر آفتاب سورج یا چاند گہن بن گئی ہے یا اس کا ناخن شیر ہو گیا ہے یا اس قسم کی صورتیں جن کو لوگ خواب میں دیکھا کرتے ہیں، انبیا علیہم السلام کو یہ چیزیں بیداری میں نظر آتی ہیں اور اسی بیداری کی حالت میں یہ چیزیں ان سے خطاب کرتی ہیں ایک جاگتا ہوا آدمی جس کو یہ چیزیں نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتی ہیں وہ اس بات میں کچھ فرق نہیں کر سکتا کہ یہ خیالی گویائی ہے یا خارجی اور حسی ہے خواب دیکھنے والے کو تو یہ فرق اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جاگ جاتا ہے اور خواب و بیداری کی دونوں حالتوں میں وہ فرق محسوس کرتا ہے۔

جن لوگوں کو ولایتِ تامہ حاصل ہو جاتی ہے ان کو یہ تمثیلی رنگ تنہا نظر نہیں آتا بلکہ اس کا اثر عام حاضرین پر بھی پڑتا ہے اس کی ولایت اپنے فیض کی شعاعیں ان پر ڈالتی ہے اور وہ بھی وہی دیکھتے ہیں جو صاحب ولایت کو نظر آتا ہے اور وہی سنتے ہیں جو صاحبِ ولایت کو سنائی دیتا ہے۔ [1]

[1] مضنون به علیٰ غیر اهله، ص: ۱۹۔ مصر۔

احیاء العلوم باب عذاب القبر میں بھی امام صاحب نے اس کی تشریح کی ہے۔ امام خطابی (مشہور امام الحدیث) نے معالم السنن میں اس کو رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ معالم کا اصل نسخہ موجود نہیں، [1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں ان کی رائے نقل کی ہے شریک بن عبداللہ کی روایت جن میں معراج میں خدا کے قرب کی تصریح ہے، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

فمن لم يبلغه هذا من الحديث الاهذا القدر مقطوعًا عن غيره ولم يعتبره باول القصة واخرها اشتبه عليه وجهه ومعناه وكان قصاراه امارد الحديث من اصله واما الوقوع في التشبيه وهما حطتان مرغوب عنهما و امامن اعتبراول الحديث باخره فانه يزول عنه الاشكال فانه مصرح فيهما فانه كان رؤيا لقوله في اوله "و هونائم" وفي اخره "استيقظ" و بعض الرؤيا مثل يضرب ليتأول على الوجه الذي يجب ان يصرف اليه معنى التعبير في مثله و بعض الرؤيا لايحتاج الى ذالك بل يأتي كالمشاهدة [2]

''پس جس شخص کو اس حدیث کا اتنا ہی ٹکڑا (کہ معراج میں آنحضرت ﷺ سے خدا قریب ہوا) حدیث کے دوسرے ٹکڑوں سے الگ ہو کر پہنچا اور اس نے آغازِ روایت اور آخر روایت کو باہم ملا کر نہ دیکھا تو اس حدیث کا مطلب اس پر مشتبہ ہو جائے گا اور اس کا انجام یہی ہوگا کہ یا وہ اصل حدیث سے انکار کر دے اور یا یہ کہ وہ خدا کی تجسیم کا قائل ہو جائے اور یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں لیکن جو شخص اول و آخر حدیث کو ملا کر دیکھے گا تو اس سے اشکال رفع ہو جائے گا کیونکہ حدیث کے شروع میں اور آخر میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا کیونکہ شروع میں ہے کہ آپ ﷺ سو رہے تھے کہ آپ نے دیکھا اور آخر میں ہے کہ اس کے بعد آپ بیدار ہوئے بعض خواب برنگ تمثیل ہوتے ہیں جن کی تعبیر اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح اس قسم کے خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ کی طرح ہوتے ہیں۔''

امام صاحب کے بعد شیخ الاشراق نے اس کا عالم نام رکھا اور اس کی کچھ کیفیت بیان کی، مگر انہوں نے عالمِ مثال اور مثلِ افلاطونیہ کو باہم خلط ملط کر دیا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنی بعض تصنیفات میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔ خواجہ حافظ کے ہاں یہ خیال پایا جاتا ہے:

ع عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است

---

[1] اب یہ کتاب شائع ہو گئی ہے۔ [2] فتح الباری، ج۱۳، ص: ۴۰۲۔

حضرات نقشبندیہ میں نہیں معلوم یہ خیال کب سے قائم ہے۔ بہر حال امام ربانی شیخ احمد سرہندی کے زمانہ کے بہت پہلے سے یہ خیال ان میں پایا جاتا ہے کیونکہ امام ربانی کی تحریروں میں متعدد مقام پر اس کا ذکر ہے ان کے بعد تو حضرات مجددیہ کی تصنیفات میں اس عالم کی نیرنگی اور بوقلمونی پر نہایت پراسرار مباحث ہیں علمائے متکلمین میں سے جس کو سب سے پہلے اس نظریہ کو علم کلام میں استعمال کرنے کا خیال پیدا ہوا وہ مجدد الف ثانی کے ایک مرید مُلّا بدرالدین ہیں، چنانچہ وہ ایک خط میں مجدد صاحب کو لکھتے ہیں:

پس عذاب قبر در عالم مثال خواہد بود دررنگے کہ درخواب در عالم مثال احساس نمایند و نوشتہ بودند کہ این سخن شاخہائے بسیار دارد اگر قبول نمایند فروع بسیار بریں سخن متفرع خواہد ساخت [1]

> ''پس عذابِ قبر بھی عالمِ مثال میں ہوگا، اسی طرح جس طرح کہ خواب میں مثالی رنگ میں درد اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور یہ بھی انہوں نے لکھا کہ اس مسئلہ سے بہت سی شاخیں نکل سکتی ہیں اور اگر آپ قبول فرمائیں تو اس سے بہت سے فروع پیدا ہو سکیں گے۔''

یہی چند منتشر خیالات تھے جن کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک عالم بنا دیا۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں عالمِ مثال کا ایک باب باندھا ہے اور اس کے تمام اصول و فروع بیان کیے ہیں۔

ہم اس موقع پر شاہ صاحب کے اس باب کا پورا ترجمہ درج کرتے ہیں:

> ''جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عالمِ موجودات میں ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر مادی ہے اور جس میں معانی (اعراض و حقائق) ان اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں جو اوصاف کے لحاظ سے ان کے مناسب ہیں، پہلے (اس عالم میں اشیاء کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے تب دنیا میں ان کا وجود ہوتا ہے اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔''

اکثر وہ اشیاء جو عوام کے نزدیک جسم نہیں رکھتیں، اس عالم میں منتقل ہوتی ہیں اور اترتی ہیں اور عام لوگ ان کو نہیں دیکھتے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈھتا ہے۔'' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''سورۂ بقرہ اور آل عمران قیامت میں بادل یا سائبان یا صف بستہ پرندوں کی شکل میں آئیں گی اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت کریں گی جنہوں نے ان کی تلاوت کی ہے۔'' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''قیامت میں اعمال حاضر ہوں گے تو پہلے نماز آئے گی پھر خیرات، پھر روزہ۔'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''نیکی اور بدی دو مخلوق ہیں جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی کی جائیں گی سو نیکی، نیکی والوں کو بشارت دے گی اور برائی، برائی

[1] مکتوب سی ویکم، ج ۳، ص: ۵۷۔

والوں کو کہے گی کہ ہٹو ہٹو لیکن وہ لوگ اس سے چمٹے ہی رہیں گے۔'' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''قیامت میں اور جتنے دن ہیں وہ معمولی صورت میں حاضر ہوں گے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا آئے گا۔'' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت میں لائی جائے گی جس کے بال کھچڑی دانت نیلے اور صورت بدنما ہوگی۔'' اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو میں دیکھتا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح بادل سے قطرے۔'' اور آنحضرت ﷺ نے معراج کی حدیث میں فرمایا: ''اچانک چار نہریں نظر آئیں دو نہریں اندر بہتی تھیں اور دو باہر، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولے، اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں اور باہر کی نیل اور فرات ہیں۔'' آنحضرت ﷺ نے کسوف کی نماز میں فرمایا: ''بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کر کے لائی گئیں۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''میرے اور قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں بہشت اور دوزخ مجسم ہو کر آئیں۔ میں نے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں لیکن دوزخ کی گرمی کی لپٹ سے رک گیا۔'' اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حاجیوں کے چور کو اور ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا، جس نے ایک بلی کو باندھ کر مار ڈالا تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جس نے ایک کتے کو پانی پلایا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت جو عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اس قدر مسافت (یعنی کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سا سکتی اور حدیث میں ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ پھر جبریل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں اور حدیث میں ہے ''بلا جب نازل ہوتی ہے تو دُعا اس سے کشتی لڑتی ہے۔'' اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ''خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ آگے آ، تو وہ آگے آئی پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔'' اور حدیث میں ہے کہ ''یہ دونوں کتابیں پروردگار عالم کی طرف سے ہیں۔'' اور حدیث میں ہے کہ ''(قیامت میں) موت ایک مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان ذبح کر دی جائے گی۔'' اور خدا نے فرمایا کہ ''ہم نے اپنی روح مریم کے پاس بھیجی، تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی۔'' اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ''جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے سامنے آتے تھے اور آپ سے باتیں کرتے تھے اور کوئی ان کو نہیں دیکھتا تھا۔'' اور حدیث میں ہے کہ ''قبر ہفتاد در ہفتاد گز چوڑی ہو جاتی ہے یا اس قدر سمٹ جاتی ہے کہ مردہ کی پسلیاں بھر کس ہو جاتی ہیں۔'' اور حدیث میں ہے کہ ''فرشتے قبر میں آتے ہیں اور مردہ سے سوال کرتے ہیں اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اس کے سامنے آتا ہے اور نزع کی حالت میں فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا لے کر آتے ہیں اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرز سے مارتے ہیں، مردہ شور کرتا ہے اور اس کے شور کی آواز مشرق سے مغرب تک کی چیزیں سنتی ہیں۔'' اور حدیث میں ہے کہ ''قبر میں کافر کے اوپر ننانوے اژدھے مسلط ہوتے ہیں جو اس کو

کاٹتے ہیں تا بہ قیامت۔'' اور حدیث میں ہے کہ ''جب مردہ قبر میں آتا ہے تو اس کو نظر آتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ ٹھہرو نماز پڑھ لوں۔'' اور حدیث میں اکثر جگہ آتا ہے کہ ''قیامت میں خدا بہت سی مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا اور آنحضرت ﷺ خدا کے پاس اس حالت میں جائیں گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا اور یہ کہ خدا انسانوں سے بالمشافہ بات چیت کرے گا۔'' اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ان حدیثوں کو جو شخص دیکھے گا تین باتوں میں سے ایک نہ ایک بات اس کو ماننی پڑے گی یا تو ظاہری معنی مراد لے اور اس صورت میں اس کو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑے گا، جس کی کیفیت ہم بیان کر چکے ہیں (یعنی عالم مثال) اور یہ صورت وہ ہے جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے، چنانچہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی رائے ہے اور یہی مذہب ہے۔ یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے کے حاسہ میں واقعات کی یہی شکل ہوگی اور اس کی نظر میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہوں گے گو اس کے حاسہ کے باہر ان کا وجود نہ ہو، قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ ''آسمان اس دن صاف دھواں بن کر آئے گا۔'' اس کے معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی کے قریب قریب لیے ہیں یعنی یہ کہ لوگوں پر قحط پڑا تھا تو جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اس کو بھوک کی وجہ سے آسمان دھواں سا معلوم ہوتا تھا، ابن ماجشون (مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثوں میں خدا کے اترنے اور مرئی ہونے کا ذکر ہے ان کے معنی یہ ہیں کہ خدا مخلوقات کی نظر میں ایسا تغیر پیدا کر دے گا کہ وہ خدا کو ایسی حالت میں دیکھیں گے کہ وہ اتر رہا ہے اور جلوہ دکھا رہا ہے اور اپنے بندوں سے گفتگو اور خطاب کر رہا ہے، حالانکہ خدا کی جو شان ہے اس میں نہ تو تغیر ہوگا نہ منتقل ہوگا اور یہ اس لیے ہوگا کہ لوگ جان لیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتیں بطور تمثیل بیان کی گئی ہیں جن سے مقصود کچھ اور ہے لیکن جو شخص صرف اس احتمال پر بس کرتا ہے میں اس کو اہل حق میں شمار نہیں کرتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے عذاب قبر کے بیان میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ان تمام واقعات کے ظاہری معنی صحیح ہیں اور ان کے اندرونی اسرار مخفی ہیں لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک یہ اسرار فاش اور کھلے ہوئے ہیں تو جن لوگوں پر یہ اسرار فاش نہ ہوں ان کو ان کے ظاہری معنوں کا انکار مناسب نہیں ہے کہ ایمان کا آخری درجہ تسلیم اور اقرار ہے۔ [1]

اس کے بعد دوسرے متفرق ابواب میں وحی، معراج، رؤیتِ ملائکہ، ملاقاتِ انبیا علیہم السلام، براق، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ سب کی تشریح اسی عالم میں کی ہے، ہم نے آگے چل کر ایک عالم رؤیا کا قائم کیا ہے، اس میں دکھایا ہے کہ اس اصول کی صحت پر آیات و احادیث سے استناد ہو سکتا ہے۔ ان تمام نظریات پر ایک نظر ڈال لینے کے

---

[1] حجة الله البالغة، جزء اوّل، ص: ۱۰، ۱۱ مطبع خيريه: ۱۳۲۲ هـ۔

بعد یہ بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا درجہ دلائل و براہین کا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ان سے ہر نظریہ کا ماحصل صرف اسی قدر ہے کہ بظاہر ان چیزوں کو تسلیم کرنے میں عقل کو جو استحالہ یا کم از کم استبعاد نظر آتا ہے وہ کم یا دور ہو جائے اس لیے ہر گواہ نے اپنے اپنے ذوق اور طریقِ فکر کے مطابق اپنے تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ سے ایک ایسا تمثیلی نظریہ قائم کیا ہے جس پر قیاس کر کے وہ باتیں جو تجربہ و مشاہدہ سے ماوراء ہیں ان کا کچھ دھندلا سا خاکہ ذہنِ انسانی میں قائم ہو جائے کہ وہ ان کے انکار و استبعاد کی جرأت نہ کر سکے اور قلبِ بدگمان اور عقلِ نارسا کسی قدر تسلی پا سکے، ورنہ ظاہر ہے کہ شاہد سے غائب پر، محسوسات سے غیر محسوسات پر، تجربیات سے ناممکن التجربہ حقائق پر، جسمانی قوانینِ فطرت سے روحانی خصائص پر استشہاد کیونکر کیا جاسکتا ہے؟

کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بہ حکمت ایں معمارا

مُعجزات

ہمارے متکلمین کے نزدیک معجزہ وہ امر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعویٰ صداقت کے لیے دنیا پر ظاہر کرتا ہے، اس کے لیے چند شرائط ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ خارق عادت ہو، تو گویا معجزہ کی عام تعریف یہ سمجھی جانی چاہیے کہ معجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی تصدیق کے لیے صادر ہو، اب معجزہ کے ثبوت میں اصل اشکال جو پیش آتا ہے، وہ یہ ہے کہ عالم کائنات ایک نظامِ خاص پر قائم ہے، ہر شے کی ایک علت اور ہر حادثہ کا ایک سبب ہے، علت اور سبب کے بغیر کوئی شے پیدا نہیں ہوتی، علت و معلول کا جو سلسلہ اشیاء میں نظر آتا ہے ان میں باہم اس قدر لزوم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے منفک نہیں ہوسکتے، ہر شے میں ایک خاصیت ہے جو اس سے الگ نہیں ہوسکتی اور نیز جس شے میں جس چیز کی خاصیت نہیں ہے اس کا اس سے صدور بھی نہیں ہوسکتا، آگ جلاتی ہے، سمندر بہتا ہے درخت ساکن ہے، پتھر چلتا نہیں، سورج میں نور ہے، کنکر بولتے نہیں، سنکھیا زہر قاتل ہے، انسان مرکر پھر جیتا نہیں، اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آگ نے جلایا نہیں، سمندر دفعتہً تھم گیا، درخت چلنے لگا، پتھر حرکت کرنے لگا، آفتاب میں سیاہی آگئی، زہر کھا کر آدمی مرا نہیں اور انسان مرکر اشارے سے پھر جی اٹھا تو درحقیقت وہ اس پورے نظام فطرت کو جس پر دنیا قائم ہے درہم برہم کرنا چاہتا ہے، علل و اسباب کے تارو پود کو بکھیر دینا چاہتا ہے اور اشیاء کے ان طبائع اور خواص کے اعلانیہ انکار پر آمادہ ہے جو بارہا کے تجربہ سے ثابت ہوچکے ہیں اور جن میں کبھی تخلف نہیں ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نظامِ فطرت، یہ سلسلہ علل و اسباب، یہ طبائع اور خواص اس درجہ ناقابل تنسیخ ہیں کہ ان میں کسی قسم کی تغیر و تبدیلی نہیں ہوسکتی، فلاسفہ اور حکما کے ایک گروہ کے نزدیک یہ نظام، یہ سلسلہ، یہ اصول ناقابل شکست اور ناقابلِ تغیر ہیں۔ حکمائے اسلام کا گروہ (مثلاً: فارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ وغیرہ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ توضیح ہے کہ اس نظام فطرت اور سلسلہ علل و اسباب میں نہ تغیر و تبدل ہوسکتا اور نہ دنیا میں کوئی شے بغیر علت عادیہ اور سبب طبعی کے پیدا ہوسکتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کہ معجزات اس نظام و سلسلہ سے الگ ہیں اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں بلکہ وہ بھی علل و اسباب طبعی کے نتائج ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم ان علل و اسباب کے احاطہ سے اب تک قاصر ہیں اور وہ اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہیں ممکن ہے کہ تحقیقات انسانی کا دائرہ کبھی اتنا وسیع ہوجائے کہ ان کے علل و اسباب ہماری فہم میں آجائیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تسلیم ہے کہ عالم میں ایک خاص نظامِ فطرت، موجودات میں سلسلہ علل و معلولات اور اشیاء میں طبائع و خواص ہیں لیکن ہم ان کی اس درجہ ہمہ گیری کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کسی حال میں اور کسی طریق سے شکست نہیں ہوسکتے آج تک ہمارا علم یہ ہے کہ نباتات دانہ سے، پرندے انڈے سے اور حیوانات نطفے سے پیدا ہوتے ہیں مگر ممکن ہے کہ کل وہ ان کے بیچ کے وسائط اور ذرائع کے بغیر دفعتہً پیدا ہوجائیں، غرض یہ کہ خرق

فطرت کلیتہً محال نہیں ہے، اشاعرہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ تو عالم میں حقیقتاً قوانینِ فطرت ہیں اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں بلکہ ہر شے سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو درحقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت اس میں پیدا کر دیتا ہے، اشاعرہ کے اس عقیدہ کا نہ صرف مدعیانِ عقل نے بلکہ اربابِ ظواہر [1] تک نے مضحکہ اڑایا ہے لیکن درحقیقت یہ خیال ایسا نہیں ہے کہ اس کو ہنسی میں اڑا دیا جائے، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

فلاسفہ اور حکما کی وہ جماعت جو قوانینِ فطرت کے ناقابل شکست ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس بنا پر معجزات وخوارق سے قطعی انکار کرتی ہے امام رازی نے لکھا ہے [2] کہ گو خود ان فلاسفہ کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ وہ متعدد ایسے اصول تسلیم کرتے ہیں جن کی بنا پر خوارق فطرت کا تسلیم کرنا ان کے لیے لازم ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

① وہ ''تولدِ ذاتی'' کے قائل ہیں یعنی یہ کہ جن جانداروں کی پیدائش ایک نظامِ خاص کے ساتھ ہوتی ہے ایک قطرۂ آب سے خون، خون سے گوشت، پھر بتدریج مدتِ حمل کے اندر وہ شکم مادر میں پرورش پاتے رہتے ہیں، ایک متعین زمانہ کے بعد وضع حمل ہوتا ہے، پھر شیر خوارگی اور بچپن کے دور سے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ایک تنومند، قوی ہیکل، ذی روح صورت میں ظاہر ہوتے ہیں وہ دفعتہً ان بیچ کے منازل کو طے کیے بغیر اس ہیکل اور صورت میں نمودار ہو جائیں، یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ قطرۂ آب کے زمانہ سے لے کر اس عالمِ شباب کے عہد تک اس مجموعۂ عناصر کو جو سالہا سال صرف کرنے پڑے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان عناصر میں حیات کی قابلیت پیدا ہونے کے لیے ایک خاص قسم کے اعتدال ترکیب کی ضرورت تھی جب ترکیب میں یہ اعتدال پیدا ہوا، حیات پیدا ہوگئی اس بنا پر اگر کسی مجموعہ عناصر میں اس قسم کا اعتدال پیدا ہو جائے جس میں حیاتِ انسانی کے قبول کی صلاحیت ہو تو بغیر نطفہ حمل، خون، گوشت، وضع حمل، شیر خوارگی، بچپن وغیرہ، درمیانی وسائل طبعی کے، ایک اچھا خاصہ ایک نوجوان مٹی کے پتلا سے بن کر کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ برسات میں اکثر کیڑے مکوڑے سڑی گلی مٹی میں ایک خاص اعتدالی کیفیت پیدا ہو جانے سے جان دار اور ذی روح بن جاتے ہیں، اسی کا نام ''تولد ذاتی ہے۔''

اسی تفصیل کی بنا پر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذی روح کی پیدائش کے لیے دنیا میں جو سلسلہ اسباب عادۃً جاری ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے، تو پھر عصا سانپ بھی ہو سکتا ہے، مردے زندہ بھی ہو سکتے ہیں۔ پہاڑ سونا بھی ہو سکتا ہے۔ ایک عصا کے سانپ بن جانے کی فطری صورت یہ ہے کہ پہلے وہ سڑ گل کر مٹی ہو جاتا ہے، وہ مٹی غذا کی شکل میں ایک سانپ کے اندر جاتی ہے اور پھر وہ غذا دوسری شکل میں بن کر سانپ کا بچہ بن جاتی ہے۔ تولد ذاتی کے اصول پر یہ ممکن ہے کہ بیچ کے وسائل کے بغیر عصا میں سانپ بننے کی صلاحیت

---

[1] علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الرد علی المنطقیین میں اور ابن حزم ظاہری نے کتاب الفصل فی الملل والنحل جزء۵، ص:۱۴ و ۱۵ مطبعۃ الموسوعات مصر: ۱۳۲۱ھ میں اس کی پرزور تردید کی ہے۔ اردو کے جدید کلام کے بانیوں نے بھی اس کا کچھ کم مذاق نہیں اڑایا ہے، استاد مرحوم نے تو تقریباً اپنی ہر کلامی تصنیف میں اشاعرہ کے اس خیال کو حماقت سے تعبیر کیا ہے۔ [2] مطالب عالیہ بحث معجزات نسخہ قلمی موجودہ دار المصنفین وتفسیر کبیر سورۂ اعراف آیت ﴿فالقی عصاہ﴾ الجزء الرابع، ص: ۳۹۳ دار الطباعۃ العامرۃ استنبول۔

پیدا ہو جائے۔

② یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو کچھ حوادث ہوتے ہیں، وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مادہ (ہیولیٰ) ہی کے تغیرات کے نام ہیں مادہ (ہیولیٰ) اس تمام عالم عنصری کا ایک ہی ہے اس بنا پر عالم میں انواع، اشکال اور خواص کے یہ لاکھوں اور کروڑوں تنوعات اور اختلافات جو ہم کو نظر آتے ہیں ان کا سبب مؤثر اگر بالفرض خود مادہ ہی ہوتا تو ضروری تھا کہ تمام دنیا میں ایک ہی شکل اور ایک ہی خاصیت ہوتم کہو گے کہ یہ اختلاف وتنوع مادہ کے اختلاف استعداد سے پیدا ہوا لیکن وہ استعداد تو تاثر اور انفعال کا نام ہے علت فاعلہ اور سبب مؤثر کیا ہے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام فلکی کی گردش اور رفتار ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجرامِ فلکی اس گردش ورفتار اور اختلافِ اشکال کی کوئی نہ کوئی حد ونہایت ہے اور نہ کسی قانون فطری کے ماتحت ہیں اور نہ ان کا علم ہم کو ہوسکتا ہے تو اس اصول کے صحیح باور کر لینے پر عجائبِ قدرت اور خوارقِ فطرت کی وہ کون سی مثال ہے جس کے محال ہونے کا دعویٰ وہ کر سکتے ہیں۔

③ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے یا تو وہ کسی سبب مؤثر کی بنا پر ہوتا ہے یا بلا سبب مؤثر کے ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں خرق عادت کو تسلیم کرنا پڑے گا، اگر یہ کہیے کہ یہ حوادث بلا سببِ مؤثر کے وجود پذیر ہوتے ہیں تو گویا آپ نے خود خرقِ عادت کو تسلیم کر لیا پھر دنیا میں کوئی عجیب سی عجیب اور مستبعد سے مستبعد بات بھی ناممکن نہیں رہتی اور اگر یہ کہیے کہ یہ سبب مؤثر کے نتائج ہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا یہ سبب مؤثر صاحب اختیار و ارادہ ہے اور یہ تمام حوادث وتاثیرات اس کے ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں یا وہ بے اختیار اور مسلوب الارادہ ہے اور یہ حوادث وتاثیرات اس سے اسی طرح بے ارادہ اور اضطرارانہ طبعی طور سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح سورج سے روشنی، آگ سے گرمی، برف سے ٹھنڈک، پہلی صورت میں معجزات اور خوارق کے صدور میں کوئی استحالہ نہیں کیونکہ اس مدبرّ ومؤثر کا جب، جیسا ارادہ ہو وہ شے اسی طرح واقع ہوگی کوئی اس کا مانع نہیں۔ دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام تاثیرات اس بے ارادہ مؤثر عالم سے زمانہ قدیم سے ایک ہی طور پر سرزد ہوتی چلی آتی ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، ایسی حالت میں ایک عام واحد، قدیم وازلی سبب ومؤثر سے، یہ ہر نئے آن اور نئے لحہ میں نئی اور مختلف شکل وصورت اور خواص کی اشیاء کیونکر ظہور پذیر ہوتی ہیں آپ کہیں گے کہ علت تو بے شک واحد قدیم ہے مگر علت کے وجود کے ساتھ معلول میں بھی تو استعداد اور قبولیت کا مادہ پیدا ہونا چاہیے مادہ میں یہ استعداد وصلاحیت گردشِ فلکی کے مختلف اشکال کا نتیجہ ہے لیکن ابھی یہ کہا جا چکا ہے کہ آپ کے نزدیک اشکال فلکی کی نہ تو کوئی حد وپایاں ہے اور نہ وہ کسی خاص قاعدہ اور اصول کے اندر محدود ہیں اس بنا پر حوادث عالم کے اختلاف اور نیرنگی کا باعث اگر گردش فلکی کا اختلاف اور نیرنگی ہے تو ایسی صورت میں یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ جو چیز آپ کو بظاہر خلاف فطرت اور خلاف عادت معلوم ہوتی ہے وہ کسی خاص

شکل فلکی کا نتیجہ ہو۔

گزشتہ تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے معجزات کے امکان پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں:

① **تاثیرات فلکیہ:** معجزات کے انکار کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس کے حل کرنے کے لیے کوئی مادی علت ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور ہم تمام معمولات کی تشریح مادی اور طبعی علل واسباب سے کرنا چاہتے ہیں لیکن حکما کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گردش افلاک اور گردشِ نجوم کا اس دنیا کے حوادث پر بہت بڑا اثر ہے اور قوائے فلکی اس عالم کے واقعات میں مؤثر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اگر کسی بظاہر عجیب وغریب شے کی تعلیل ہم مادی وطبعی علل واسباب سے نہیں کر سکتے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ اس کے اسباب فلکی وسماوی ہوں۔

② **عِلَل خفیہ:** یہ ہم کو تسلیم ہے کہ تمام حوادث کسی نہ کسی سبب طبعی کی بنا پر ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سبب طبعی ہمارے علم وفہم میں آجائے دنیا میں بیسیوں اسرارِ قدرت ہیں جن کی اب تک تحلیل نہیں ہوسکی ہے، اس بنا پر ممکن ہے کہ معجزات بھی اسباب طبعی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہوں لیکن ان کے اسباب وعلل اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہوں، مثلاً: یہ کہ انبیا نے چالیس دن تک ایک ساتھ روزہ رکھا اور اس مدت میں ایک دانہ بھی انہوں نے نہیں کھایا، لیکن بااین ہمہ ان کی قوت جسمانی میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ بظاہر عجیب بات ہے مگر سبب طبعی سے الگ نہیں ہے، ہم کو کیوں بھوک لگتی ہے؟ اس لیے کہ ہمارے قوائے معدہ غذا کو ہضم کر لینے کے بعد اس کے خون کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتے ہیں تو ان کے لیے پھر کوئی کام باقی نہیں رہتا اور ان کو کام کی تلاش ہوتی ہے لیکن ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بیماری کے سبب یا خوف طاری ہو جانے کے باعث سے یا کسی غم کے سبب سے جسم پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کئی کئی روز تک معدہ کے قویٰ معطل ہو جاتے ہیں اور وہ اپنا کام انجام نہیں دیتے، اس لیے اس کو بھوک بھی نہیں لگتی اس بنا پر اگر یہی حالت کسی نفس کی اس بنا پر ہو جائے کہ اس کو روحانیات کے ساتھ شدتِ انہماک اور جسمانیات سے قطعِ علائق ہو گیا ہے تو اس کے قوائے جسمانی بھی معطل ہو سکتے ہیں اور وہ مدت تک فاقہ کر سکتا ہے، اسی طرح دوسرے معجزات کی تشریح بیان کی جاسکتی ہے۔

③ **قوتِ کمالیہ:** اس عالم میں جس قدر انسان ہیں ان کے نفسانی خصوصیات کو اگر غور سے دیکھا جائے تو عجیب وغریب اختلافات نظر آتے ہیں ایک بلید الفہم اور کودن ہے تو دوسرا زیرک اور ذی فہم ہے، ایک کو بولنے کا شوق ہے تو دوسرے کو سننے کا، ایک علم کا عاشق ہے تو دوسرا اس کا دشمن، ایک کے علوئے ہمت اور بلند حوصلگی کے سیلاب کے سامنے مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑ بھی خس وخاشاک ہیں دوسرا اتنا پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہے کہ وہ تنکے کو بھی پہاڑ جانتا ہے، ایک اس قدر قوی الحافظہ ہے کہ معمولی سے معمولی بات بھی اس کے ذہن کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی، دوسرے کو موٹی موٹی بات بھی یاد نہیں رہتی، پھر علم وفن کے عشاق میں بھی

کسی کو ادبیات سے لگاؤ ہے، کسی کو عقلیات کا چسکا ہے، کسی کو منقولات میں مزہ ملتا ہے۔قوت شہوانیہ کے لحاظ سے دیکھو تو کسی کو سواری کا شوقین پاؤ گے، کسی کو لباس و پوشاک اور وضع قطع کا، کسی کو کھانے پینے کا، ایک کو صرف دولت جمع کرنے میں مزہ ملتا ہے تو دوسرے کو اس کو اڑانے میں لطف حاصل ہوتا ہے، کوئی طبعاً حلیم ہے تو دوسرا سرتا پا غضب کا شعلہ، ایک خلقی طور سے قانع ہے تو دوسرا حریص اور طماع، کوئی بدزبان ہے مگر بدکردار نہیں، دوسرا بظاہر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے مگر بباطن نہایت بداطوار اور خفیف الحرکتہ ہے۔ان میں سے ہر وصف و خاصیت کے بھی سینکڑوں مدارج اور مراتب ہیں الغرض صفات و خواص نفسانی کے مظہر اس قدر گوناگوں اور بوقلموں ہیں کہ وہ حصر و تحدید میں بھی نہیں آسکتے ،غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک انسان کے نفس میں جو خصوصیات ہیں ان کے مطابق جو اعمال و آثار اس سے صادر ہوتے ہیں ان پر اس کو مطلق تعجب نہیں آتا لیکن دوسرے اعمال و آثار جن کے خصائص اس کے نفس میں نہیں ہیں ان پر اس کو سخت تعجب آتا ہے بلکہ اگر ان اشخاص کو اس نے خود دیکھا نہ ہو تو اس کو ان خصائص کا یقین مشکل سے آئے گا۔ایک بخیل کے نزدیک ایک بذل و کرم کی راہ میں تمام گھر بار لٹا دینا ایک مافوق البشریت کارنامہ ہے، ایک دنیادار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور متواضع آدمی کو دیکھ کر تعجب آتا ہے، معمولی حافظہ والوں سے کوئی کہے کہ امام بخاری کو ٦ لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور اندلس کے ایک نابینا ادیب کو اغانی کی ۲۰ جلدیں نوک زبان تھیں، تو اس کو یقین نہیں آئے گا، تیمور، بابر، ہینبال اور نپولین کی قوتِ عزم و ارادہ کے قصے کمزور اور ضعیف ارادہ کے آدمیوں کو معجزہ معلوم ہوں گے، ایک کمزور ارادہ کا آدمی خود اپنی اولاد و اعزہ و خدام کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا لیکن غیر معمولی عزمِ و ارادہ کے لوگ ہزاروں لاکھوں آدمیوں پر اس طرح استیلا حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ اس کے ہاتھ میں پیکرِ بے جان بن جاتے ہیں، یہی حال دوسرے خصائص کے اختلاف کا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تمام نفوس انسانی کے اتحادِ ماہیت کے باوجود یہ اختلافات کہاں سے آئے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہر نفس کی جوہریت دوسرے سے مختلف ہے، اس لیے ایک سے جو خصوصیات اور افعال صادر ہوتے ہیں وہ دوسرے سے نہیں ہوتے یا یہ کہ ہر جسم کی ترکیبِ عنصری میں اختلاف مزاج ہے جس کے سبب سے ایک کی خصوصیات دوسرے سے نہیں ملتیں، بہر حال ان دو میں سے جو پہلو بھی اختیار کیجیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممکن ہے کہ بعض ایسے نفوس بھی ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں کوئی خاص ایسی بات ہو جس کی بنا پر ان سے عجیب و غریب اعمال اور تصرفات صادر ہوتے ہیں جن کا صدور عام انسانوں کی روحانی و جسمانی قوت سے باہر ہے اور اس لیے وہ ان کو مستبعد اور نا قابلِ فہم نظر آتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک بلید کو ایک ذی فہم کے افعال پر، ایک ضعیف الحافظہ کو ایک قوی الحافظہ کی قوت پر، ایک طماع و حریص کو ایک قانع و زاہد کے حالات پر، ایک کمزور و ضعیف الارادہ کو قوی الارادہ اور مستحکم العزم پر تعجب

آتا ہے لیکن چونکہ وہ نفوس جن میں معجزات کی یہ قوت ہے نادر الوجود ہیں اس لیے عموماً ان کے خصائص و آثار پر تعجب اور استبعاد بھی معمول سے زیادہ ہوتا ہے۔

④ قوتِ نفسیہ: ہر انسان اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو جس طرح چاہتا ہے حرکت دیتا ہے۔ گویا ایک قوت ہے جو اس کے تمام قالب جسمانی پر مسلط ہے اور یہ جسم اس کے امر اور ارادہ کے ماتحت اس کے حکم کو اس طرح بجالاتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے سر موانحراف نہیں کر سکتا یہ تصرف اور عمل ہر نفس انسانی اپنے جسم کے اندر کرتا ہے اور یہ معمولی اور ادنیٰ نفوس کی قوت کی نیرنگی ہے لیکن جو نفوس ان سے زیادہ طاقتور ہیں، وہ اپنے جسم کے باہر دوسرے نفوس اور اجسام کو بھی اپنا مطیعِ فرمان کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے جن کو کمال کا معجزانہ حصہ ملا ہے، ان کے لیے یہ سارا مادی عالم مثل جسم کے ہوتا ہے اور وہ اسی طرح اس عظیم الشان جسم میں تصرف کرنے لگتے ہیں جس طرح معمولی انسان اپنے جسم میں کرتے ہیں۔

⑤ تاثیراتِ نفسانیہ: یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ نفس انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہیں، وہ اس کے جسم مادی کو متاثر کر دیتے ہیں، رات کو کوئی چیز دیکھی اور اس کا ہیبت ناک تصور کیا اور گھبرا کر چیخ اُٹھا، یا بے ہوش ہو کر گر پڑا، کسی درخت کی پتلی شاخ پر چڑھتے یا چھت کے منڈیر یا پتلے تختہ کے پل سے گزرتے ہوئے خوف طاری ہوا، ہاتھ پاؤں میں لغزش ہوئی اور آدمی گر پڑا، غصہ سے آدمی کا چہرہ سرخ اور خجالت و شرمندگی سے زرد پڑ جاتا ہے، آدمی نے کسی ناگوار واقعہ کا تخیل کیا، غصہ آ گیا، غصہ سے بدن میں گرمی پیدا ہو گئی اور گرمی سے پسینہ آ گیا، محض وہم سے آدمی ڈر جاتا ہے بلکہ بیمار پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مر جاتا ہے، ان تمام واقعات میں دیکھو کہ نفسانی اثرات مادی جسم کو متاثر کر دیتے ہیں یہ تو کمزور نفوس کا حال ہے لیکن جو لوگ کہ ارباب نفوس قدسیہ ہیں وہ اپنے نفسانی اثرات سے دوسرے اجسام کو متاثر کر سکتے ہیں اور ان میں عجیب عجیب تغیرات اور تصرفات کر سکتے ہیں، یہ آخری دلیلیں بعینہٖ وہی ہیں جو آج ہپناٹزم (تنویمِ مقناطیسی) اور مسمرازم کے نام سے لوگ پیش کرتے ہیں۔

معتزلہ اور اشاعرہ دونوں فطرت شکنی اور خرقِ عادات کو تسلیم کرتے ہیں، جہاں تک ہم ان کی عبارتوں سے سمجھ سکتے ہیں۔ اس نتیجہ میں دونوں کا اختلاف نہیں ہے بلکہ جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اصل نظریہ میں ہے معتزلہ یہ سمجھتے ہیں کہ خاصیت واثر علیت و معلولیت و سببیت نفس اشیاء میں ہے یعنی خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی بات ہے جو ایک علت و سبب اور دوسرے کو معلول و مسبب بناتی ہے آگ کی طبیعت میں جلانا اور برف کی طبیعت میں ٹھنڈک پیدا کرنا ازل سے اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے اسی کا نام طبیعت ہے جس سے اس کی خاصیت کا ظہور ہوتا ہے، اس لیے معتزلہ سمجھتے ہیں کہ آگ سے سوزش اور برف سے ٹھنڈک کا جو صدور ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نفس آگ یا برف کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آگ میں سوزش اور

برف میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور جب کوئی معجزۂ نبوی ظاہر ہوتا ہے تو یہ طبیعت یا اس کی خاصیت تھوڑی دیر کے لیے بدل دی جاتی ہے یا روک لی جاتی ہے۔

اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جس کی بنا پر ایک علت وسبب اور دوسرا معلول ومسبب ہو نفس آگ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو ہم گرمی کا سبب قرار دیں اور نہ برف کے اندر ٹھنڈک طبیعت کے طور پر موجود ہے بلکہ مختلف اشیاء کے متعلق ہم کو جو مختلف احساسات ہوتے ہیں، مثلاً: کسی سے گرمی، کسی سے سردی، کسی سے سختی، کسی سے نرمی، کسی سے جلن، کسی سے ٹھنڈک کا، یہ ہمارے ذاتی احساسات ہیں جن کو ہم حسب ارادۂ الٰہی اشیاء میں محسوس کرتے ہیں، ہماری عادت یہ ہوگئی ہے کہ ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے جب دیکھتے ہیں تو ہم ایک کو علت اور دوسری کو معلول سمجھنے لگتے ہیں، ورنہ حقیقت میں علت ومعلول میں لزوم کا کوئی طبعی تعلق نہیں، اگر ارادۂ الٰہی بدل جائے تو ہم آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی محسوس کرنے لگیں، نفس آگ اور برف کی طبیعت میں کوئی ایسی شے نہیں جو اس تغیر کو محال قرار دے اور اس لیے حسبِ ارادۂ الٰہی معجزات کا صدور ہوا کرتا ہے۔ علامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''الرد علی المنطقیین'' میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کا اصل بانی جہم ہے جس کے انتساب سے فرقۂ جہمیہ قائم ہوا تھا، اس کے بعد ابوالحسن الاشعری نے اس کی پیروی کی، علامہ موصوف نے مسئلہ مذکور کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

لكن من لا يثبت الاسباب والعلل من اهل الكلام كالجهم وموافقيه في ذالك مثل ابي الحسن الاشعري واتباعه يجعلون المعلوم اقتران احد الامرين بالاخر لمحض مشيئة القادر المريد من غير ان يكون احد هما سببا للاخر ولا مولدًاله. واما جمهورا العقلاء من المسلمين وغير المسلمين اهل السنة من اهل الكلام والفقه والحديث والتصوف وغير اهل السنة من المعتزلة وغيرهم فيثبتون الاسباب ويقولون كما يعلم اقتران احدهما بالاخر فيعلم ان في النار قوة تقتضي التسخين وفي الماء قوة تقتضي التبريد وفي العين قوة تقتضي الابصار وفي اللسان قوة تقتضي الذوق ويثبتون الطبيعة التي تسمى الغريزة النحيزة والخلق والعادة ونحو ذلك من الاسماء۔ [1]

''لیکن متکلمین میں جو لوگ اسباب وعلل کے منکر ہیں، جیسے جہم اور اس مسئلہ میں جہم کے جو موافق ہیں، جیسے ابوالحسن اشعری اور ان کے پیرو، وہ یہ مانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ

[1] الرد علی المنطقیین، ص: ۹۰، ۹۱۔

ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ایک لگاؤ اور علاقہ ہے اور یہ لگاؤ اور علاقہ صرف اسی قادر ذی ارادہ کی مشیت سے ہے بغیر اس کے کہ ایک دوسرے کا سبب ہو، ایک دوسرے کو پیدا کرتا ہو۔ جہمیہ اور اشاعرہ کے علاوہ تمام عقلا یا مسلمان یا غیر مسلمان، مسلمانوں میں اہل سنت ہوں خواہ وہ متکلم ہوں، اہل فقہ ہوں، اہل حدیث ہوں، اہلِ تصوف ہوں اور غیر اہل سنت میں معتزلہ ہوں یا کوئی اور فرقہ ہو، یہ سب لوگ اسباب کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو یہ معلوم ہے کہ ایک کا دوسرے سے لگاؤ اور علاقہ ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ آگ میں ایک قوت ہے جو گرمی کو چاہتی ہے اور پانی میں ایک قوت ہے جو ٹھنڈک کو مقتضی ہے اور اسی طرح آنکھ میں ایک قوت ہے جو رؤیت کا باعث ہے اور زبان میں ایک قوت ہے جو مزہ پیدا کرتی ہے یہ لوگ طبیعت کو ثابت کرتے ہیں جس کا دوسرا نام فطرت، خلقت، عادت وغیرہ ہے۔''

اوپر خرق عادت کے امکان اور عدم امکان کے متعلق چار مذہب ہم نے نقل کیے ہیں یہی مذاہب آج بھی فلسفہ کی مملکت میں قائم ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں اس باب میں صرف دو ہی مذہب ہو سکتے ہیں ایک ان لوگوں کا جو کسی نہ کسی طرح سے باری تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں اور دوسرا ان لوگوں کا جو اس کے یکسر منکر ہیں۔ دوسرا گروہ حکمائے طبیعین کا یا مادہ پرستوں کا ہے جن کے نزدیک عالمِ مادی کے باہر کچھ نہیں ہے اور تمام کائنات ذرات مادہ کے باہمی تاثیر و تاثر کی جلوہ انگیزیاں ہیں اور سلسلہ علل و معلول اور اسباب و مسببات اور آثار و خواص کے مظاہر اور نتائج ہیں ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کی جماعت معجزہ اور خرق عادت پر کیونکر ایمان لا سکتی ہے جو لوگ ان کے سامنے فلسفیانہ حیثیت سے براہ راست معجزہ اور خرق عادت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ایک بے سود کوشش کرتے ہیں اور اگر عقلی حیثیت سے خرق عادت کا ثبوت بھی بہم پہنچ گیا ہے تو جب وہ اس بنیاد کو جس پر نبوت اور شریعت کی عمارت قائم ہے یعنی ایک برتر خالق قوت کا وجود تسلیم نہیں کرتے تو اس خرقِ عادت کے ثبوت سے اربابِ مذاہب اور پیروانِ شرائع کی کیا مقصد براری ہو سکتی ہے؟

اشاعرہ نے اثبات مدعا کا طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ پہلے معجزہ اور عادت کا امکان اور وقوع ثابت کیا جائے اور اس معجزہ اور خرق عادت سے نبوت پر استدلال کیا جائے، نبوت کے ثبوت سے ایک قادر مطلق کا ثبوت ہاتھ آئے گا اور پھر اس کے احکام شریعت کا ثبوت بہم پہنچے گا، اس طریقہ استدلال کو اختیار کرنا درحقیقت الٹی گنگا بہانا ہے۔

ع این رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

صحیح راستہ ان کے مقابلہ میں یہ ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا جائے اس کے بعد نبوت،

شریعت، خرقِ عادت، معجزہ سب کچھ ثابت ہو جائے گا جب تک اس چٹان پر بنیاد قائم نہ ہو گی عمارت مستحکم نہیں ہو سکتی۔

اسبابِ خفیہ کی توجیہ بے کار ہے

دوسرا فرقہ باری تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور معجزہ کو تسلیم کرتا ہے خواہ وہ اس کے وقوع کے کچھ ہی اسباب بیان کرے، وہ درحقیقت خرق عادت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا اس کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس سے اس کو کوئی چارہ نہیں۔ حکمائے اسلام، فارابی اور ابن سینا وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ معجزہ اسباب خفیہ کی بنا پر صادر ہوتا ہے اور اس کے اندرونی طبعی علل و اسباب ہوتے ہیں، اس لیے خرق عادت لازم نہیں آتا اور معمولِ نظام عالم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ میں بحر قلزم (ریڈسی) حائل تھا، حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو، دفعتہً دریا خشک ہو گیا اور راستہ پیدا ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر پار اتر گئے لیکن جب فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ دریا میں مدوجزر تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو جزر تھا اور دریا پایاب ہو گیا تھا اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا، مد شروع ہو گیا اور ڈوب گیا۔ ہم ان اعتراضات کو جو نقلی حیثیت سے اس توجیہ پر وارد ہوئے ہیں کہ توراۃ اور قرآن مجید نے اس معجزہ کی جس طرح تشریح کی ہے اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے، نظر انداز کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو جزر تھا اور جب فرعون آیا تو مد ہو گیا آیا یہ اتفاقی امر تھا اور ممکن تھا کہ اس کے برعکس ہوتا یعنی فرعون بچ جاتا اور حضرت موسیٰ ڈوب جاتے اور یا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جزر اور فرعون کے لیے مد خاص طور سے پیدا کیا گیا تھا یا ایسے اسباب بہم پہنچائے گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جزر کے وقت پہنچیں اور فرعون مد کے وقت پہنچے اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس خطرناک دریا میں بے سمجھے بوجھے قدم رکھے پہلی صورت میں تو معجزہ کیا نبوت کی بھی تشکیک لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں خرقِ عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں اور خرق عادت تسلیم کر لینے کے بعد خدا کی قدرت مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہو گا۔

حکمائے اسلام کی غلطی کا سبب

اصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے ارسطو کی تقلید کی ہے اور مسئلہ علت میں تمامتر مشائیہ کے نظریہ کو قبول کر لیا ہے کہ ذاتِ واجب الوجود علتِ اولیٰ یا عقل اوّل کی علتِ تامہ ہے اور علتِ تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا اور اضطراراً اس سے پیدا ہو جاتا ہے، اس میں اس کے ارادہ اور قصد کو دخل نہیں ہوتا۔ اس کی صحیح مثال آفتاب اور روشنی کی ہے کہ آفتاب کی روشنی علت تامہ ہے، جب آفتاب نکلے گا، روشنی کا ظہور ہو گا۔ خواہ وہ

موانع کی وجہ سے کبھی ہم کو نظر نہ آئے اور آفتاب سے اس روشنی کا صدور آفتاب کے قصد وارادہ سے نہیں ہے بلکہ مجبوراً اور اضطراراً ایہ روشنی پیدا ہو رہی ہے عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد عالم کائنات کا تمام کارخانہ باہمی سلسلۂ علل ومعلول سے خود بخود پیدا ہونے لگا اور تمام عالم ایک ایسے نظام میں بندھ گیا۔ اب خالق اول کو اس میں دست اندازی کی مطلق قدرت ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مذہب کا پیرو سلسلۂ علل ومعلول کو نہیں توڑ سکتا اور اس لیے وہ خرقِ عادت کو بھی تسلیم نہیں کر سکتا لیکن تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کی توجیہ ظاہری سلسلۂ علل ومعلول سے نہیں ہو سکتی اور نہ ان کے وقوع سے کوئی انکار کر سکتا ہے، اس لیے ایک طرف اس کو لامحالہ ان واقعات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ [1] اور دوسری طرف چونکہ وہ خدا کو مضطر اور مجبور مان چکا ہے، اس لیے براہِ راست ان واقعات کو اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتا اور چونکہ بلا سبب اور بے علت کے کوئی شے ہو نہیں سکتی، اس بنا پر اسباب وعللِ خفیہ کے سایہ کے سوا اس کو اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی مگر آپ نے اوپر دیکھ لیا کہ یہ بھی محفوظ نہیں اور خدا کو سوائے قادر مطلق ماننے چارہ نہیں۔

اشاعرہ اور معتزلہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں

اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ صرف نظریہ کا فرق ہے اس سے نفسِ خرقِ عادت اور معجزہ کے ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ امر کہ اشیاء کے طبائع میں فی نفسہٖ خواص اور آثار ودیعت ہیں یا اللہ تعالیٰ بروقت ان کو پیدا کر دیتا ہے، ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے کسی پہلو کے اثبات اور دوسرے کی نفی پر کوئی دلیل نہیں قائم کی جا سکتی اور معجزہ کے سلسلہ میں ہم کو اس کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں، اس کا کوئی پہلو بھی صحیح ہو، بہر حال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی کبھی اشیاء کی عادتِ جاریہ کو اللہ تعالیٰ توڑ دیتا اور بدل دیتا ہے۔

خرق عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلۂ اسباب وعلل پر یقین ہے

الغرض معجزہ بمعنی خرق عادت سے صرف اس فریق کو انکار ہے جو یا تو خدا کا قطعاً منکر ہے یا یہ کہ وہ خدا کو قادر وذی ارادہ نہیں مانتا اور ناقابل شکست سلسلۂ علل ومعلول کے گورکھ دھندے پر یقین کامل رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ تمام نظم کائنات باہمی تاثیر وتاثر کا نتیجہ ہے، غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس مذہب کے پیرو اپنے اس عقیدۂ باطل کے ضمن میں چند اور موہوم باتوں کو بھی بلا دلیل تسلیم کیے بیٹھے ہیں اور اس لیے خرق عادت کے قبول کرنے کی ان کو جرأت نہیں ہوتی۔

[1] حکمائے اسلام میں مسئلہ خرق عادت کا سب سے بڑا منکر بوعلی سینا اشارات میں لکھتا ہے:

ولکنها تجارب لماثبتت طلب اسبابها...... ثم انی لو اقتصصت جزئیات هذا الباب فیما شاهدناه وفیما حکی عمن صدقناه لطال الکلام۔

”لیکن یہ تجربے ہیں جب وہ ثبوت کو پہنچ گئے تو ان کے اسباب کی تلاش ہوئی اور اگر اس قسم کی جزئیات کا تتبع کریں جو ہم نے خود مشاہدہ کیا یا ان لوگوں سے جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں سنا ہے تو بہت طول ہو جائے گا۔“

سلسلۂ اسباب وعلل پر علم انسانی کو احتوا نہیں

① گویا انہوں نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ کائنات کے جو علل اور اشیاء کے جو خواص انہوں نے دریافت کر لیے ہیں وہ نظام کائنات کے چلانے کے لیے کافی ہیں، اس کے لیے کسی اور کے دست اندازی کی ضرورت نہیں۔

② کائنات کے چہرۂ اسرار کو انہوں نے تمامتر بے نقاب کرلیا ہے اور ہر شے کی علت اور خاصیت انہوں نے دریافت کر لی ہے۔

حالانکہ انسانی معلومات اس کے مجہولات کے مقابلہ میں بہت کم حیثیت ہیں، اس فضائے کائنات کی بے شمار آبادیوں میں زمین نام ایک آبادی کے چوتھائی خشک حصے کے بعض اجزائے کائنات تک فقط ان کی رسائی ہوسکی ہے، اس مبلغ علم پر اتنا عظیم الشان دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ جن چیزوں تک ان کی رسائی ہوئی بھی ہے ان کے متعلق جو کچھ انہیں معلوم ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ چیز اس طرح چل رہی ہے لیکن یہ حقیقت کہ وہ کیوں چل رہی ہے اور اگر وہ اس کے خلاف چلے تو کیا استحالہ لازم آئے گا؟ یہ ایک معمہ ہے اور ہمیشہ معمہ رہے گا، اجرام فلکیہ اور طبقاتِ ارضیہ کو چھوڑ دو کہ وہ دور ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ بجلی میں یہ قوت ہے، سنکھیا میں یہ اثر ہے، مقناطیس کا یہ خاصہ ہے لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ کیوں ایسا ہے؟ اور نزدیک آؤ، اپنے جسم کی دنیا کو دیکھو، تم صرف یہ جانتے ہو کہ سانس کی آمدورفت ہمارے پھیپھڑوں کی حرکت سے ہے؟ نبض کی رفتار قلب کی قبض وبسط کی ڈوری سے وابستہ ہے، تمہارا نفس یا ذہن لمحوں میں ہزاروں میل کی خبر لیتا ہے اور خدا جانے عجائباتِ نفسانی کے کیا کیا تماشے دکھاتا ہے لیکن کوئی یہ حل کرسکا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دل کو کس نے مضطرب بنا رکھا ہے؟ پھیپھڑوں کی دھونکنی کس طرح روز وشب مصروف عمل ہے دماغ کے ذہنی افعال کیونکر سرانجام پاتے ہیں؟ جب اتنے قریب کی چیز تمہارے فلسفہ علل واسباب کے دائرہ سے باہر ہے تو دور دراز کی اشیاء کی نسبت تمہارا دعویٰ علم کس قدر تمسخر انگیز ہے۔ حکما یعنی سائینٹسٹ اعلانیہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ صرف ''کیسے'' کا جواب دے سکتے ہیں ''کیوں'' کا جواب ان کے موضوع بحث سے خارج ہے۔ فلاسفہ کا یہ حال ہے کہ دو فلسفی بھی ایک نظام خیال پر متفق نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین میں لکھا ہے:

''فلاسفہ کوئی ایک متحد الخیال جماعت نہیں جس کا علم الہیات وطبیعات وغیرہ میں کوئی ایک مذہب ہو، بلکہ وہ مختلف الخیال فرقے ہیں اور ان کے اندر آراء وخیالات کا اتنا اختلاف ہے کہ اس کا احاطہ بھی مشکل ہے ان کے باہمی اختلافات تو اس سے بھی زیادہ ہیں جس قدر کسی ایک آسمانی مذہب کے مختلف فرقوں کے اندر ہیں۔'' [1]

اس اختلاف رائے اور اس اختلاف خیال کی بنا پر کسی فلسفی کا یہ دعویٰ مذہب کا فلاں مسئلہ فلسفہ کے خلاف ہے، اس لیے ناقابل قبول ہے۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ یہ مسئلہ ہماری رائے یا ہماری جماعت کی رائے کے خلاف ہے، اس لیے ناقابل تسلیم ہے تو یہ مذہب پر ہی کیا موقوف ہے ہر نظامِ فلسفہ کا قائل

[1] الرد علی المنطقیین، ص: ۲۹۰۔

دوسرے نظام فلسفہ کے بطلان پر اسی قدر وقوت سے اس استدلال کو کام میں لاسکتا ہے غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فلسفہ کے جس قدر فرقے (اسکول) اور نظامات (سسٹم) ہیں درحقیقت وہ اسرار کائنات کے متعلق ایک مرتب خیال کی کڑیاں ہیں، ان مرتب خیال کی کڑیوں کو مان کر جس کے نفس کی تسکین ہوجاتی ہے، وہ ان کا فلسفہ ہے اسی طرح مذہب بھی اپنا ایک نظامِ خیال رکھتا ہے اور جو لوگ اس نظامِ خیال پر یقین رکھتے ہیں ان کی اس سے تشفی ہوجاتی ہے ایسی حالت میں اگر معجزہ کا امکان یا وقوع کسی نظامِ خیال کے خلاف ہے تو نفس یہ اختلاف اس کے ابطال کی دلیل نہیں ہوسکتا ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہر فلسفیانہ مسئلہ اس لیے باطل ہے کہ دوسرے نظامِ فلسفہ کے وہ خلاف ہے۔

نظامِ عالم کے چلانے کے لیے علل واسباب کے کافی ہونے کے فلسفہ پر یقین رکھنے کے لیے سب سے پہلی بحث کا آغاز آفرینش کی آتی ہے، آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ شے اس سبب سے پیدا ہوئی اور اس شے کی پیدائش کا یہ سبب ہے؟ لیکن کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ یہ مادہ کہاں سے آیا؟ اور اس کے حدوث کا سبب کیا ہوا؟ عناصر کیونکر اور کیوں وجود میں آئے؟ یہ نوع بنوع چیزیں کیونکر بن گئیں؟ ہمارے جواب میں ان نظریات کا ذکر نہ کیجئے جن کا نام اصول ارتقا اور انتخابِ طبعی وغیرہ ہے کہ ان کی علمی حیثیت مفروضات اور وہمیات سے زیادہ نہیں اور ان کی اخیر سرحد بالآخر لاعلمی اور جہالت پر جا کر ختم ہوجاتی ہے، مادہ کی ابتدائی بنیاد چاہے اربع عناصر کو بتائے یا جواہر فردہ کو، یا سالمات کو، یا ایتھر کو، یا برق پاروں کو جن کو بھی بتاؤ لیکن ان کے حدوث کی علت نہیں بتائی جاسکتی اور نہ بتا سکتے ہیں کہ بالآخر وہ کہاں سے آئے؟ اب تو حیوانات نطفہ سے، پرندے انڈے سے اور درخت گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں اور بغیر ان کے پیدا ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے لیکن یہ کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کا پہلا حیوان پہلا پرندہ اور پہلا درخت بغیر کسی نطفہ، کسی انڈے اور کسی گٹھلی کے پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر ہاں کہتے ہیں تو آپ نے اپنے دعویٰ کے خلاف ایک شہادت قبول کر لی اور اگر انکار کرتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا نطفہ، پہلا انڈا اور پہلی گٹھلی، انسان، پرندہ اور درخت کے بغیر پیدا ہوئی غرض اس گتھی کو آپ اپنے ناخنِ حکمت سے کسی طرح سلجھا نہیں سکتے اور ناچار آپ کو سلسلۂ علل واسباب کے مذہب سے برگشتہ ہونا پڑے گا۔

حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے

جہاں آپ اپنے سلسلہ اسباب وعلل کو چند قدم بڑھا سکتے ہیں وہاں بھی بالآخر سپر افگن ہونے سے چارہ نہیں، پانی بادل سے برسا، بادل بخارات سے بنے، بخارات پانی سے اٹھے، جو سورج کی تپش سے گرم ہو کر یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں، غرض پانی بخارات سے پیدا ہوا اور بخارات پانی سے پیدا ہوئے اس دور کے عقدہ لاینحل کو آپ حل کر سکتے ہیں؟ یہ ناممکن ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک قادر وذی ارادہ ہستی کو تسلیم کیجئے جس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے اسباب وعلل صرف اس کی مشیت وارادہ کے

مظاہر ہیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق ایک طریقِ خاص پر اس کو چلا رہا ہے لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے صدیوں میں جب اس نے ضرورت سمجھی انسانوں میں اپنا ایک نشان قائم کرنے کے لیے عادت کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر کر دی، علت و معلولیت کا تعلق جو بظاہر نظر آتا ہے ہم نے اس کی عادت جاریہ کی یک رنگی اور یکسانی سے اس کو سمجھ لیا ہے کہ اگر اس کی عادت جاریہ یک رنگی اور یکسانی اختیار نہ کرتی تو مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لیے پہلے سے کوئی تیاری نہ کر سکتیں۔

مولانا روم اور اسباب و علل اور معجزہ کی حقیقت

عارف روم نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے:

سنتے بنہا دو اسباب و طرق — طالباں را زیر ایں ازرق تتق

"اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچے کام کرنے والوں کے لیے علل و اسباب اور عادات مقرر کر دیے ہیں۔"

بیشتر احوال بر سنت رود — گاہ قدرت، خارقِ سنت شود

"دنیا کے زیادہ تر واقعات انہی عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرت الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے۔"

سنت و عادت نہادہ بامزہ — باز کردہ خرق عادتِ معجزہ

"طریق و عادات (یعنی اسباب و علل) کو اس نے خوش آئند بنایا ہے لیکن پھر معجزہ سے خرق عادت بھی کر دیتا ہے۔"

اے گرفتارِ سبب! بیروں مپر — لیک عزل آں مسبب ظن مبر

"اے وہ جو اسباب و علل کی زنجیر میں گرفتار ہے زیادہ نہ اُڑ اور یہ خیال نہ کر کہ ان اسباب و علل کے بنا دینے سے وہ علۃ العلل مسبب الاسباب بیکار ہو گیا۔"

ہر چہ خواہد او مسبب آورد — قدرت مطلق سببہا بردرد

"وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کرے اور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے۔"

لیک اغلب بر سبب راند نفاذ — تا ابد از طالبے جستن مراد

"لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے، تاکہ کام کرنے والوں کو اپنے حصولِ مقصد کا راستہ معلوم ہو۔"

چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید — پس سبب در راہ می آید پدید

"اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے؟ یہی اسباب تو نشانات بن کر نمودار ہوتے ہیں۔"

ایں سببہا بر نظرہا پردہ ہاست — کہ نہ ہر دیدار صنعش راسزااست

''یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی۔''

دیدۂ باید سبب سوراخ کن — تا حجب را برکند از بیخ وبُن

''اس کے لیے ایسی آنکھ چاہیے جو اسباب کا پردہ چاک کر دے، تاکہ حجابات اٹھ جائیں۔''

از مسبب می رسد ہر خیر و شر — نیست اسباب و وسائط را اثر [1]

''درحقیقت ہر نیک و بد اسی اصلی مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے اور اس میں درمیانی اسباب دوسائط کو دخل نہیں۔''

باد و خاك و آب و آتش بندہ اند — بامن و مردہ باحق زندہ اند

''ہوا، مٹی، پانی اور آگ سب خدا کے محکوم ہیں یہ ہمارے تمہارے سامنے تو بے جان مگر خدا کے سامنے جاندار ہیں۔''

سنگ بر آہن زنی بیروں جہد — ہم بہ امر حق قدم بیروں نہد

''جب پتھر لوہے پر مارو تو اس سے آگ نکلتی ہے یہ خدا ہی کے حکم سے اپنا قدم باہر نکالتی ہے۔''

آہن و سنگ از ستم برہم مزن — کایں دومی زایند ہمچو مرد و زن

''لوہے اور پتھر کو بے فائدہ ایک دوسرے پر مت مارو کہ یہ دونوں نر و مادہ ہیں جو آگ کا بچہ پیدا کرتے ہیں۔''

سنگ وآہن خود سبب آمد ولیک — توبہ بالا تر نگر اے مرد نیک

''پتھر اور لوہا گو یہ دونوں آگ کا سبب ہیں لیکن ذرا اس سے آگے بڑھ کر غور کرو۔''

کایں سبب را آن سبب آورد پیش — بے سبب کے شد سبب ہرگز بخویش

''کہ اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب (خدا) نے آگے کر دیا یہ ظاہری سبب خود بہ خود بلا سبب کب پیدا ہوا ہے۔''

آں سبب راآں سبب عامل کند — باز گاہے بے پرد عاطل کند

''اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب نے دنیا میں مؤثر اور عامل بنا دیا ہے پھر جب چاہے وہ اس کو بے اثر اور بیکار قرار دے سکتا ہے۔''

واں سبب ہا کانبیاء را رہبر است — آں سبب ہازیں سبب ہا برتر است

''جو اسباب کہ انبیا کے کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں وہ ان ظاہری و دنیاوی اسباب سے بلند اور برتر ہیں۔''

ایں سبب را محرم آمد عقل ما — واں سبب ہا راست محرم انبیاء

''ان ظاہری علل واسباب کی محرم تو ہماری انسانی عقلیں ہیں لیکن ان حقیقی اسباب کے محرم انبیا علیہم السلام ہیں۔''

چونکہ ظاہر بین انسان ان اسباب وعلل کو دیکھ کر اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں

---

[1] مثنوی مولانا روم، دفتر پنجم، ص:۱۷۴ مطبع ناصری بمبئی ۱۳۱۸ھ ایضاً مترجمہ قاضی سجاد حسین فتح پوری، ص:۱۶۱ بمبئی آرٹ پریس قاسم جان دہلی: ۱۹۷۶ء۔

اور وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اس لیے انبیا علیہم السلام اس غفلت کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں اور ظاہری علل واسباب ان کے لیے بیکار کر دیے جاتے ہیں۔

ہست بر اسباب، اسبابِ دگر — درسبب منگر درآں افگن نظر

''ان ظاہری اسباب کے اوپر حقیقی اسباب بھی کارفرما ہیں، ان ظاہری اسباب کو نہ دیکھو حقیقی اسباب پر غور کرو۔''

انبیا در قطع اسباب آمدند — معجزات خویش بر کیواں زدند

''انبیا قطع اسباب کے درپے ہیں اور اپنے معجزات کا جھنڈا انہوں نے مریخ میں گاڑ دیا ہے۔''

بے سبب مربحر را بشگافتند — بے زراعت چاش گندم یافتند

''بغیر کسی سبب ظاہری کے انہوں نے سمندر کو شق کر دیا اور کھیتی کے بغیر گیہوں کا خوشہ حاصل کیا۔''

جملہ قرآں ہست در قطعِ سبب — عزِ درویش و ہلاکِ بولہب

''تمام قرآن قطعِ اسباب کے بیان سے بھرا ہوا ہے، آنحضرت ﷺ کا غلبہ اور ابولہب کی بربادی بھی اسی طرح ہوئی۔''

مرغ با بیلے دوسہ سنگ افگند — لشکر زفت حبش را بشکند

''پرندے کنکریاں پھینکتے ہیں اور حبش کے سیاہ لشکر کو شکست دیتے ہیں۔''

پیل را سوراخ سوراخ افگند — سنگ مرغ کو ببالہ پرزند

''یہ کنکریاں جو اُوپر سے آتی ہیں، ہاتھیوں کے بدن میں چھید کر کے ڈال دیتی ہیں۔''

ہمچنیں ز آغاز قرآن تا تمام — رفض اسباب است وعلت والسلام [1]

''اسی طرح شروع سے آخر تک قرآن اسباب وعلل کے مؤثر حقیقی ہونے کا منکر ہے۔''

علت، خاصیت اور اس کی حقیقت

اس اجمال کی تفصیل علت، خاصیت اور اثر کی تحقیق پر مبنی ہے، اشیاء میں جو خواص اور آثار ہیں، ان کا علم ہم کو کیونکر ہوتا ہے؟ محض تکرارِ احساس سے، جس کا دوسرا نام تجربہ ہے۔ جب ہم آگ کے پاس جاتے ہیں تو گرمی اور سوزش کا احساس کرتے ہیں اور پھر جب جب ہم آگ کے پاس گئے تو ہم کو اسی قسم کا احساس ہوتا رہا۔ اس سے ہم میں یہ یقین پیدا ہوا کہ آگ کا خاصہ اور اثر گرمی اور سوزش ہے، فرض کرو کہ اگر تکرارِ احساس سے یہی تجربہ ہم کو برف سے حاصل ہو جائے تو یقیناً ہم کہہ دیں گے کہ برف کی خاصیت سوزش اور گرمی ہے برف اور آگ دونوں آپ کے سامنے ہیں دونوں کو اچھی طرح غور سے دیکھئے کیا ان کی ذات میں کوئی ایسی

[1] مثنوی مولانا روم، دفتر سوم، ص: ٢٤٤ مترجم قاضی سجاد حسین۔ ''ض''۔

چیز نظر آتی ہے جس کی بنا پر احساس بلکہ تکرار احساس سے قبل آپ یہ فیصلہ کر دیں کہ ایک میں گرمی اور دوسری میں ٹھنڈک کا ہونا ضروری ہے اور آپ کے ہاتھ میں کوئی شخص کافور اور سنکھیا دونوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لا کر رکھ دیتا ہے اس سے پہلے آپ ان چیزوں سے واقف نہ تھے اب آپ دونوں کو غور سے دیکھئے اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھئے، سونگھ کر، چکھ کر، چھو کر، کس طرح آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کے خواص و آثار کیا ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔ جب تک ان کا بار بار تجربہ نہ کیا جائے اور ہر بار کے عمل سے ایک ہی نتیجہ ظاہر نہ ہو اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء کے خواص و آثار کا علم صرف یکسانی عمل اور تجربہ پر موقوف ہے۔ عمل کی اسی یکسانی اور تجربہ کی بنا پر ہم علل و معلولات اور اسباب و مسبباب کا سلسلہ قائم کرتے ہیں اور اسی کی بنا پر مدعیان عقل و دانش وہ صنم کدہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے پرستاروں کے نام نیچری، میٹریلسٹ، مادہ پرست، فطرت پرست اور طبیعی ہیں وہ جب ایک شے سے ایک ہی عمل اور اثر کا بار بار تجربہ کرتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ اس شے سے اس خاصیت و اثر کا انفکاک قطعاً محال ہے اور جب ایک شے کے بعد فوراً دوسری چیز پیدا ہوتے دیکھتے ہیں اور بار بار دیکھتے ہیں اور کبھی اس میں تخلف نہیں پاتے تو یہ یقین کلی کر لیتے ہیں کہ دوسری شے معلول و مسبب اور پہلی شے علت و سبب ہے اور یہ کلیہ قائم کر لیتے ہیں کہ گرمی و سوزش کا سبب آگ ہے، ٹھنڈک اور برودت کا سبب برف ہے، موت کا سبب سنکھیا ہے یا یوں کہیے کہ آگ کا خاصہ جلانا، برف کا خاصہ ٹھنڈا کرنا، سنکھیا کا خاصہ انسان کی زندگی کو ختم کر دینا ہے۔ معجزہ کے امکان سے چونکہ ان کے خیال کے مطابق ان آثار و خواص کا انکار یا علل و اسباب کا ابطال لازم آتا ہے یعنی یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگ، ہو اور جلائے نہیں، سمندر ہو اور غرق نہ کرے، اس لیے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معجزہ قطعاً محال ہے۔

اسباب و علل محض عادی ہیں

لیکن ابھی ثابت ہو چکا کہ ہم جن کو آثارِ خاص یا اسباب و علل کہتے ہیں محض اس تجربہ پر ان کی بنیاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ اس شے کو ہوتے دیکھا ہے اور اس سے یہ توقع یا زیادہ سے زیادہ ظن غالب یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ بھی جب یہ شے پیدا ہوگی تو اس کے بعد دوسری شے پیدا ہو جائے گی لیکن اس سے یہ یقین کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا اور ہمارے علاوہ شروع سے آج تک اور جن جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے ان کے مشاہدہ کا بھی یہی نتیجہ نکلا ہے اور آئندہ بھی ان کے مشاہدہ کا یہی نتیجہ نکلا کرے گا۔ آج تک آگ کے متعلق اور جن آگوں کے متعلق آپ کا جو تجربہ ہے اس پر آپ یقین کر سکتے ہیں لیکن محیط ارض کی ہر آگ کے متعلق جو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے اور نہ آ سکتی ہے یہ کیونکر یقین پیدا کر لیتے ہیں کہ ان سب کا اثر جلانا ہی ہے اور نیز یہ اعتماد کس مقدمۂ یقین پر قائم کر لیتے ہیں کہ آئندہ تا قیامت آگ کا عمل و اثر ہمیشہ جلانا ہی رہے گا اور جب آپ کے اس یقین

واعتماد کے لیے کوئی دلیل قائم نہیں ہے تو چند آگوں کو دیکھ کر آپ اس قضیہ کلیہ پر کیونکر ناقابل شکست یقین کی مہر لگا دیتے ہیں کہ دنیا کی یہ آگ جلاتی ہے اور ہمیشہ جلاتی رہے گی۔

اسبابِ عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے

غرض خواص وآثار اور اسباب وعلل کی نسبت علم انسانی کا جہاں تک احاطہ ہے وہ صرف یکسانی عمل اور تجربہ کا نتیجہ ہے ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں، اس لیے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو آغازِ عمر سے دیکھتے ہیں کہ وہ فلاں وقت سوتا ہے فلاں وقت جاگتا ہے، مسجد میں فلاں دروازہ سے اندر داخل ہوتا ہے، کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے، سالہا سال کے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہم اس کے متعلق بطریقِ ظن غالب یہ خیال قائم کر لیتے ہیں کہ اس وقت اتنے بجے ہیں اس لیے وہ اٹھا ہوگا، اتنے بج کر اتنے منٹ ہوئے ہیں اس لیے وہ سو گیا ہوگا، آج جب وہ نماز کے لیے جائے گا تو فلاں دروازہ سے اندر داخل ہوگا۔ اسی کا نام عادت ہے مگر کیا کبھی کوئی اس حماقت میں مبتلا ہوگا کہ سالہا سال کے تجربہ کے بعد وہ یقینی دعویٰ کر بیٹھے کہ اس وقت اس کا سویا رہنا محالِ قطعی ہے اس وقت اس کا جاگنا لامحالہ ضروری ہے اور فلاں دروازہ سے اس کا داخلہ عقلاً لازم ہے۔

اسباب وعلل کا علم بدلتا رہتا ہے

اسی طریق پر اشیاء اور موجوداتِ عالم سے عادتاً جو مختلف آثار ونتائج کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان اشیاء اور موجودات سے ان آثار ونتائج کے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور عادۃً ایسا سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی ان سے یہی آثار وخواص صادر ہوں گے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثیل صحیح نہیں ہے انسان ایک صاحب ارادہ ہستی ہے، اس لیے اس کے افعال، اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں جن کو وہ جب چاہے بدل سکتا ہے دیگر غیر ذی روح اشیاء کے افعال ارادی نہیں ہیں، بلکہ خلقی ہیں اس لیے ان میں تغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ درحقیقت ایک قسم کا مغالطہ ہے آپ کے حرکات وافعال آپ کے اعضاء سے صادر ہوتے ہیں جو بے ارادہ ہیں اور ارادہ آپ کے نفس یا روح یا ذہن کا فعل ہے جس طرح آپ کی روح یا نفس یا ذہن کی قوتِ ارادہ آپ کے جامد اور بے جان مضغۂ گوشت اعضا سے اپنی حسبِ خواہش مختلف حرکات وافعال صادر کراتی ہے اسی طرح روح اعظم کی قوت ارادہ اس بے جان عالمِ کائنات سے اپنی خواہش کے مطابق مختلف افعال اور حرکات صادر کراتی رہتی ہے اور چونکہ عموماً وہ اس کو ایک ہی نہج پر چلاتی رہتی ہے اس لیے ہم کو اسبابِ عادیہ کا علم کسی قدر عطا ہو گیا ہے۔

اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ذہن کے اندر آگ اور گرمی، برف اور ٹھنڈک کے درمیان ایک

تلازم پیدا ہو گیا ہے جس کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ آگ سے گرمی اور برف سے ٹھنڈک کا انفکاک نہیں ہو سکتا، حالانکہ اگر آگ اور برف کے متعلق ہمارا آئندہ تجربہ بدل جائے تو یقیناً یہ تلازم کا خیال بھی بدل جائے گا، مثلاً: جس عہد قدیم میں گردشِ آسمانی اور دورِ نجوم حادثات کے اسباب وعلل یقین کیے جاتے تھے اور ستاروں کی مختلف چالوں اور ان کی خاص خاص اشکال سے حوادثِ عالم کی توجیہ کی جاتی تھی اسی وقت ستاروں کی ایک خاص شکل کے ظہور یا کسی خاص ستارہ کے طلوع اور اس کے آثار ونتائج کے درمیان ایک خاص تلازم سمجھا جاتا ہوگا اور اس یقین کو کہ یہ دونوں باہم علت ومعلول ہیں نا قابل انکار سمجھا جاتا ہوگا لیکن آج ایسا نہیں ہے۔ قدیم وجدید فنِ طب میں اب آسمان وزمین کا اختلاف ہے دواؤں کے خواص واثرات اور امراض کے علل واسباب میں عظیم الشان تبدیلی ہوگئی ہے مگر قدیم اطبا یا اب بھی قدیم طب کے واقف کاروں اور قدر شناسوں کے نزدیک ان کے تجربے اور یکسانی عمل کی بنا پر جن دواؤں کے جو اثرات اور جن امراض کے جو علل واسباب ہیں وہ ان کے یقینیات میں داخل تھے اور ہیں لیکن ممالک یورپ میں جہاں کوئی اس طب کا نام بھی نہیں جانتا اور اس کے تجارب وتحقیقات کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے ہمارے اطبا کے یقین کردہ آثار وخواص اور اسباب وعلل کو وہاں اوہام سے زیادہ رتبہ نہیں دیا جاسکتا۔

خود اوہام کیا چیز ہیں؟ جاہل طبقوں اور وحشی قوموں میں بہت سے ایسے یقینیات ہیں جن کو آپ اوہام سے تعبیر کرتے ہیں مگر ان میں یہ اوہام کیونکر پیدا ہوئے؟ اسی تکرارِ تجربہ سے انہوں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جب صبح کا فلاں پرندہ بولا یا اڑا تو فلاں بات ہوگئی، چند بار کے دیکھنے سے ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ اس کا یہ اثر ہے حالانکہ معلوم ہے کہ اس پرندہ کے بولنے یا اڑنے اور اس بات کے ہونے کے درمیان کسی قسم کا تلازم نہیں ہے، تاہم چونکہ ان کا یقین ان کے تجربے پر مبنی ہے اس لیے اس کے خلاف باور کرانا ان کے لیے اتنا ہی محال ہے جتنا کہ آگ اور گرمی وسوزش کے درمیان تلازم اور ان دونوں کے درمیان علت ومعلول پر عقیدہ رکھنے والوں کے لیے یہ تخیل کہ آگ موجود ہو اور اس سے گرمی وسوزش کا اثر ظاہر نہ ہو۔ جن ملکوں میں خچر نہیں ہوتے وہاں کے باشندے اپنے تجربہ کی بنا پر اس مسئلہ پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ دو مختلف النوع جانوروں میں باہم توالد وتناسل نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے خلاف ان کو یقین دلانا چاہیں کہ گھوڑے اور گدھے مل کر باہم اس فرض کو انجام دیتے ہیں اور اس سے خچر نام ایک تیسری نوع تیار ہوتی ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں ان کو کس قدر تامل ہوگا لیکن کیا ان کا تامل ہندوستان ومصر میں مطابقِ واقعہ سمجھا جائے گا جہاں ہزاروں دفعہ یہ مشاہدہ ہو چکا ہے۔

اسباب وعلل کا علم تجربہ سے ہوتا ہے

الغرض ہم جن کو اصول فطرت، نوامیس قدرت اور لاز آف نیچر کہتے ہیں وہ صرف روزمرہ کے مشاہدات

عادیہ کا نام ہے، ہم دیکھتے آئے ہیں کہ درخت کس طرح اُگتے ہیں، جاندار موجودات کس طرح پیدا ہوتے ہیں، آفتاب کس طرح طلوع ہوتا ہے، پانی کس طرح برستا ہے، ان کو دیکھتے دیکھتے ہم اس قدر عادی ہوگئے ہیں کہ ہم ان کا اسی طرح ہونا ضروری اور اس کے خلاف ہونا محال قطعی سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ پھوٹتا ہے۔ اس میں کوپلیں نکل آتی ہیں پھر وہ پودے کی شکل اختیار کرتا ہے شاخیں نکلتی ہیں اور بڑھ کر درخت ہوجاتا ہے، ایک قطرۂ آب خون اور خون سے گوشت بن جاتا ہے اس میں رگیں پٹھے اور ہڈیاں پیدا ہوجاتی ہیں، دل ودماغ اور جگر وگردہ اپنی اپنی جگہ پر بن جاتے ہیں پھر کہیں سے اس میں روح آجاتی ہے پھر اس آئینہ میں احساس وعقل جلوہ آرا ہوتی ہے، ایک مدت متعینہ کے بعد وہ پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، اس طرز پیدائش کو دیکھتے دیکھتے حیرت زائی اور استعجاب واستبعاد کی روح ہم سے بالکل فنا ہوگئی ہے اور ہم کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی غور نہیں کرتے کہ ایک جاندار وذی عقل انسان کی صورت میں کیونکر بدل گیا لیکن ہمیں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بے جان لکڑی جاندار سانپ بن گئی اور عیسیٰ (علیہ السلام) نام ایک بچہ بن باپ کے پیدا ہوگیا تو ہماری محدود عقل وتجربہ کا پرغرور سر انکار سے ہلنے لگتا ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ کبھی ہم نے ایسا ہوتا دیکھا نہیں، آفتاب روز پورب سے طلوع ہوتا ہے اور پچھم میں جا کر غروب ہوجاتا ہے، ہم کو اس پر مطلق تعجب نہیں ہوتا اور نہ یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے اور جب یہ سنتے ہیں کہ قیامت کے دن آفتاب پورب کے بجائے پچھم سے نکلے گا تو ہم اس کو خلاف عقل کہتے ہیں، کیا پورب سے اس کا نکلنا عقل کے موافق تھا؟ اور تم آفتاب کو اگر پورب سے نکلتے نہ دیکھتے تو خود بخود عقلاً یہ فیصلہ کر لیتے کہ اس کو پورب ہی سے نکلنا چاہیے اور مغرب ہی میں ڈوبنا چاہیے۔ عموماً انسان کے ایک سر، دو آنکھیں، دو کان، دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ہر ہاتھ پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ لیکن تاریخ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ قدرت کے مستثنیات کی بھی کوئی انتہا نہیں اور سینکڑوں ہزاروں بچے اس کے خلاف پیدا ہوئے ہیں، اب جس طرح آپ اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ انسان کے دو ہی ہاتھ اور دو ہی پاؤں کیوں ہوتے ہیں؟ اس پر بھی اعتراض نہیں کرسکتے کہ اس بچہ کے چار ہاتھ اور چار پاؤں کیوں ہیں اور جس طرح آپ کو اس پر حیرت نہیں ہوتی کہ آدمی جی کر مر کیونکر جاتا ہے، ایسے ہی اس پر حیرت نہ کیجئے کہ مر کر جی کیونکر جاتا ہے، ان دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ ایک واقعہ کو آپ نے بار بار دیکھا ہے اور دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا لیکن کسی چیز کا دیکھنا اور نہ دیکھنا کسی چیز کے فی نفسہ محال یا ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہوسکتی۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو معجزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے گزشتہ مشاہدات وتجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کرسکتا ہے کہ اس کے گزشتہ مشاہدات وتجربات

میں غلطی کا ہونا یا اس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں، طبعیات جدیدہ نے طبعیاتِ قدیمہ کی تحقیقات کی دیوار ڈھا دی۔ حکمائے جدید نے حکمائے قدیم کے سینکڑوں تجربات باطل کر دیے۔ ہیئتِ قدیم اور ہیئتِ جدید میں آسمان وزمین کا اختلاف پیدا ہو گیا، اختراعاتِ جدیدہ نے سینکڑوں اور ہزاروں قدیم مستبعدات اور ممتنعات کو ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا، جب ہمارے گزشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کی کون ضمانت کر سکتا ہے؟ فلسفۂ یونان پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے، اب روز روشن کی طرح یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے، اس لیے اگر کسی پیغمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور آفتاب ساکن ہے تو حکمت قدیمہ کی درس گاہوں میں یہ خیال شاید جاہلانہ اور مضحکہ خیز سمجھا جاتا پھر حکمتِ جدیدہ کے دانایانِ روزگار کو آج مذہب کی جو چیز مضحکہ خیز نظر آتی ہے کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات ''حکمتِ مستقبلہ'' کے مدرسہ میں قابل مضحکہ نہ ٹھہرے گی۔

الغرض صفحات بالا سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایہ علم علل و معلول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربہ کی کمائی ہے اور اسی کی بنا پر استدلال تمثیلی کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک حکمِ کلی پیدا کر لیتے ہیں، مثلاً: ایک سیب کو دیکھا، اس کی خوشبو کو سونگھا، اس کے مزہ کو چکھا، اب دوسرا سیب ہمارے سامنے آتا ہے اس کی شکل وصورت اور رنگ کو دیکھ کر اس کی خوشبو کو سونگھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سیب ہے اور اس کا مزہ ایسا ہوتا ہے اور پھر چند سیبوں کو دیکھ کر ہم یہ حکمِ کلی لگا دیتے ہیں کہ ہر سیب ایسا ہوتا ہے اور اس کا یہ خاصہ اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم نے برف کو دیکھا اس کی شکل وصورت، رنگ ومزہ اور ٹھنڈک کو محسوس کیا اور پھر کئی دفعہ اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، ہم نے ہر دفعہ پہلی برف کے مثل دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ بھی برف ہے اور ہر برف ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہی حال اس قضیہ کا ہے کہ ''ہر تیز آگ جلاتی ہے۔'' اب غور کیجیے کہ آپ کے یہ قضایا جو محض استدلال تمثیلی کی بنیاد پر قائم ہیں، عقلاً کیونکر ناقابل شکست یقین بننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ آپ عادتاً اپنی عملی اور کاروباری دنیا کے لیے ان پر یقین کر کے جلبِ منافع اور دفعِ مضار میں ان سے کام لیں اور یہی علتِ عادیہ کی حقیقت ومصلحت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کہ اسباب وعلل تجربی ہیں

ہم نے جس پرواز پر مسئلہ علیت کی تشریح کی ہے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے الرد علی المنطقیین میں جا بجا اس خیال کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ ہم یہاں اس کی تلخیص اس لیے درج کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ ناظرین کے سامنے آ جائے۔ ''کھانے کے بعد آسودگی، پینے کے بعد سیری بدیہی تجربیات میں ہے، اسی طرح لذت وغیرہ کا احساس ہے کہ جب انسان اس کا احساس کرتا ہے تو

اس کے بعد فوراً ایک اثر پاتا ہے پھر جب بار بار اس شے کے احساس کے بعد وہی اثر پاتا ہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی شے اس اثر کا سبب ہے اسی کا نام تجربیات ہے۔ قضائے کلیہ کی اصل یہی تجربیات ہیں، تفصیل یہ ہے کہ مثلاً: جب ایک شخص کسی خاص دوا کو استعمال کرتا ہے اور یہ پاتا ہے کہ اس سے فلاں مرض دور ہو گیا، یا فلاں قسم کا نقصان ہو گیا تو مرض کا اس سے پیدا ہو جانا یا زائل ہو جانا تجربہ ہے، یہی حال دیگر آلام ولذات کا ہے جو مشمومات، مسموعات، مرئیات اور ملموسات سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اس کو سونگھتا یا دیکھتا یا سنتا یا چکھتا یا چھوتا ہے، پھر نفس میں جو لذت کا احساس ہوتا ہے، وہ وجدانیات میں سے ہے جن کو حواس باطن سے دریافت کرتا ہے، اب نفس میں جو اعتقادِ کلی قائم ہو جاتا ہے کہ اس جنس کے ہر فرد سے لذت حاصل ہوتی ہے اور جنس کے ہر فرد سے الم حاصل ہوتا ہے وہ من قبیلِ تجربیات ہے کیونکہ حواس ظاہرہ و باطنہ سے شے کلی کا احساس نہیں ہو سکتا۔ حکم کلی کا جو اعتقاد نفس میں قائم ہو جاتا ہے وہ حس اور عقل کے مجموعہ سے ہوتا ہے اور اسی کا نام تجربیات ہے، مثلاً: یہ اعتقاد کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے آسودگی اور سیری پیدا ہوتی ہے اور زہر قاتل کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے اور بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور اس بیماری کا فلاں اسباب و ذرائع سے استیصال ہو جاتا ہے، یہ کل کے کل قضایائے تجربیہ ہیں کیونکہ حس تو صرف جزئی اور شخصی چیزوں کا احساس کرتا ہے لیکن جب ایک شے سے ایک ہی احساس بار بار ہوتا ہے تو عقل ادراک کرتی ہے کہ اس مشترک امر کی وجہ سے جو ان تمام افراد میں تھا یہ بات پیدا ہوئی اور یہ چیز فلاں قسم کی لذت پیدا کرتی ہے اور اس شے سے فلاں قسم کی تکلیف پیدا ہوتی ہے، یہی حال حدسیات کا ہے کہ ان کی جزئیات کا تو علم احساس سے ہوتا ہے لیکن تکرار سے عقل قدرِ مشترک کا اندازہ لگا لیتی ہے، مثلاً: جب چاند کی روشنی کا اختلاف آفتاب کے مقابلہ کے اختلاف سے دیکھتے ہیں، تو گمان کر لیتے ہیں، کہ چاند کی روشنی آفتاب سے حاصل ہوئی ہے یا یہ دیکھتے ہیں کہ ثوابت کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ سب ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فلک ایک ہے، اسی طرح جب سبع سیارہ کے اختلافِ حرکات کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہر سیارہ کا فلک دوسرے سے مختلف ہے۔'' [1]

قیاس کی بحث میں علامہ ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''فلاسفہ نے یقینیات کو صرف چند قضایا میں محدود کر دیا ہے، جن میں سے ایک حسیات ہیں، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ حس سے ہرگز کسی عام اور کلی شے کا ادراک نہیں ہو سکتا، اس لیے فقط حسیات سے کوئی قضیہ کلیہ عامہ نہیں بن سکتا جو برہان یقینی کا کوئی جزو بن سکے، تمثیلاً اہل منطق کہتے ہیں کہ ''آگ جلاتی ہے'' حالانکہ اس قضیہ کی عمومیت اور کلیت کا علم تجربہ اور عادت سے ہوا ہے جو قیاس تمثیلی کی ایک قسم ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس کا علم اس طرح ہوا کہ آگ میں جلانے والی قوت موجود ہوتی ہے تو یہ علم بھی کہ ہر آگ میں یہ قوت موجود ہوتی

---

[1] الرد علی المنطقیین، ص: ۳۳۷، ۳۳۸۔

ہے، ایک حکمِ کلی ہے جو احساس سے نہیں دریافت ہوسکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ ضروری ہے کہ آگ کی صورت نوعیہ میں یہ قوت موجود ہو اور جس میں یہ قوت موجود نہ ہوگی وہ آگ نہ ہوگی تو یہ دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو مفید یقین نہیں کیونکہ یہ قضیہ کو ''جس شے میں یہ قوت ہوتی ہے وہ جلاتی ہے'' اس میں تمثیلِ شمول، عادت اور استقرائے ناقص کو دخل ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ آگ ہر شے کو جو اُس کے اندر پڑتی ہے جلا دیتی ہے۔ وہ غلطی کرتا ہے کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس شے میں جلنے کی قابلیت ہو ورنہ ہر شے کو نہیں جلا سکتی، جس طرح کہ پتھر اور یاقوت کو نہیں جلا سکتی یا ان اجسام کو نہیں جلا سکتی جن میں مانع آتش دوائیں لگا دی گئی ہوں، خرقِ عادت کی بحث کا مقام دوسرا ہے، بہر حال قضایائے حسیہ میں کوئی کلیہ ایسا نہیں ہے جس کا نقص نہ ہو سکے اور در حقیقت قضیہ، کلیہ حسیہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ قضیہ، حسیہ مثلاً ''یہ آگ جلاتی ہے'' اس میں حس صرف ایک خاص چیز کا ادراک کرتی ہے اور حکمِ کلی جو عقل لگا دیتی ہے تو فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ نفس ان خاص افراد اور مثالوں کو دیکھنے کے بعد اپنے میں یہ استعداد پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے اندر یہ الہام پیدا ہو جائے کہ ''ہر آگ جلاتی ہے'' یہی حکم کلی ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بھی قیاس تمثیلی ہے اور اس کی کلیت اور عمومیت پر اس وقت تک وثوق نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم تمام افراد میں مشترک ہے اور یہ اسی وقت تک ممکن ہے جب تمام افراد کا تجربہ کر لیا جائے پھر بھی قضایائے عادیہ میں سے کوئی قضیہ ایسا نہیں ہے جس کا ٹوٹنا باتفاق عقلاً جائز نہ ہو بلکہ فلاسفہ تک خرق عادت کو جائز سمجھتے ہیں مگر وہ اس کے لیے فلکی طبعی اور نفسیاتی اسباب بیان کرتے ہیں اور ان ہی تینوں اسباب کی طرف خرقِ عادت کو منسوب کرتے ہیں اور اسی سے انبیا کے معجزات اولیا کے کرامات اور سحر وغیرہ کو ثابت کرتے ہیں۔'' [1]

اسی قیاس کی بحث کے آغاز میں علامہ ممدوح لکھتے ہیں:

''اور یہی حال تجربیات کا ہے، لوگوں نے عموماً تجربہ کیا ہے کہ پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور گلا کٹ جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور ضرب شدید سے تکلیف ہوتی ہے۔ ان تمام قضیوں کا علم محض تجربہ کی بنا پر ہے کیونکہ حس نے ایک خاص سیری کا ادراک کیا ہے اور گلا کٹنے سے ایک خاص شخص کو مرتے دیکھا ہے اور مارنے سے تکلیف ایک خاص شخص نے محسوس کی ہے، اب یہ حکم کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ خاص اثر پیدا ہوگا تو یہ قضیۂ کلیہ حس سے نہیں معلوم ہوگا بلکہ اس کے ساتھ حکمِ عقلی کا لگاؤ بھی ہے۔ تجربہ سے جو اثر معین میں معلوم ہوتا ہے اس کی نسبت یہ دیکھنا ہے کہ اس شے معین میں اور اس کے اثرِ معین میں ایک خاص تلازم ہے اور اسی سے عادتِ مستمرہ کا علم ہوتا ہے، خصوصاً جب ان دونوں کے درمیان کسی مناسبت کا بھی شعور ہو جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ جہاں وہ شے پائی جاتی ہے وہاں وہ اثر بھی پایا جاتا ہے اور جہاں وہ اثر پایا جاتا ہے وہاں وہ شے

[1] الرد علی المنطقیین، ص: ۲۶۶، ۲۶۷ وملخص الرد علی المنطق، مجموع فتاوی ابن تیمیة، ج ۹، ص: ۲۱۸، ۲۱۹ مطبوعہ مؤسسة الرسالہ بیروت: ۱۳۹۸ھ۔

بھی پائی جاتی ہے اور نیز یہ کہ جہاں وہ شے نہیں پائی جاتی وہ اثر بھی نہیں پایا جاتا اور جہاں وہ اثر نہیں پایا جاتا وہاں وہ شے بھی نہیں پائی جاتی۔ اب جس قدر اس لزوم میں ظنیت پائی جائے گی اسی قدر علیت کا اعتقاد بھی ظنی ہوگا اور جس قدر لزوم میں قطعیت ہوگی اسی قدر لزوم کے اعتقاد میں قطعیت ہوگی اور یہی قضایائے عادیہ ہیں جیسے طب کے تجربیات وغیرہ، یا یہ علم کہ روٹی کھانے سے آسودگی اور پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور کپڑے پہننے سے بدن میں گرمی اور برہنگی سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے...... [1] پس تجربیات سے علم حاصل ہونے کا سبب ایک شے کا دوسری شے کے بعد ہونے سے اور تکرار اثر سے پیدا ہوتا ہے۔'' [2]

تجربیات کی بنا شہادت اور رعایت اور تاریخ پر ہے

غرض ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اشیاء کے خواص اور موجودات کے اسباب کا علم ہم کو محض تجربہ سے حاصل ہوا ہے، اب یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا تجربی یقین کے پیدا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود اس یقین کرنے والے نے اس کا تجربہ کیا ہو، ہم دنیا میں ہزاروں تجربی مسائل پر یقین رکھتے ہیں، مگر ان میں سے بہت کم ہمارے ذاتی تجربہ میں آئے ہیں، طبیعیات، کیمیائیات، طبیات، فلکیات، ارضیات کی ہزاروں باتیں ہیں جن پر ہم یقین رکھتے ہیں مگر ہمارے ذاتی تجربہ میں بہت کم آئی ہیں، اگر آپ یہ کہیں کہ گو وہ ہمارے ذاتی تجربہ میں نہیں آئی ہیں، لیکن ان علوم کے ماہرین نے ان کا تجربہ کیا ہے اور ہم کو ان کی شہادت کا اس لیے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور اپنے ذاتی تجربوں کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے تو گویا آپ نے قبول کرلیا کہ دوسروں کے تجربیات بھی مفیدِ یقین ہیں، بشرطیکہ خود ان تجربہ کرنے والے علما پر ان کو وثوق ہو اور ان کے تجربیات صحیح و مستند شہادتوں اور واسطوں سے آپ تک پہنچیں۔ دنیا کے واقعات کا سب سے بڑا دفتر تاریخ ہے جو عہد ماضی کی ظلمت میں ہمارے لیے چراغِ راہ ہے اور اس چراغ میں تیل کون برابر ڈالتا جاتا ہے، کہ یہ بجھتا نہیں؟ وہ راویانِ اخبار اور ناقلانِ حکایات ہیں جو ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں اگر یہ سلسلہ روایت کہیں منقطع ہو جائے تو عہد ماضی کی دنیا بھی عالمِ مستقبل کی طرح تیرہ و تار ہو جائے لیکن تاریخ کی ہر شہادت آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرلی جاتی بلکہ اس کے لیے چشم دید گواہوں کا وجود، ان کی صداقت اور راست شعاری اور پھر اس کے بعد بیچ کے واسطوں کی سچائی اور راست گفتاری اور عدم فریب کے ثبوت کی بھی ضرورت ہے لیکن اگر یہ شرائط پورے پورے ہو جائیں تو روایات منقولہ کی صداقت میں کسی کو شک نہ ہونا چاہیے۔

فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں

حقیقت میں فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں، فلسفہ تو اشخاص یا جماعتوں کے منتظم خیالات کی

[1] الرد علی المنطقیین، ص:۸۹، ۹۰۔ [2] ایضا، ص: ۹۲۔

اور سائنس کائنات، فطرت کے تجربی اکتشافات کی تاریخ ہے، فلسفہ کی درسگاہ کا ہر پروفیسر نہایت وثوق سے یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں یونان، اسلام اور یورپ کے فلاں فلاں اساطینِ فلسفہ کی یہ رائیں ہیں؟ کیا اس وثوق کی بنیاد صرف شہادتِ تاریخی پر نہیں ہے؟ آغاز آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیائے انسانی نے علم و اکتشاف، تجربہ و دانش کا جو سرمایہ جمع کیا ہے کیا وہ بجز شہادت تاریخ کے کسی اور طریقہ سے حاصل ہوا؟ یا ہوسکتا ہے؟ یا آیندہ ہوگا آپ یقین رکھتے ہیں کہ جسم بہتر بسیط عنصروں سے مرکب ہے، ہائیڈروجن اور آکسیجن پانی کے دو جز ہیں، سنکھیا کے استعمال سے آدمی مرجاتا ہے مگر ان میں سے ایک بات بھی آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے، البتہ چونکہ صحیح اور مستند ذریعوں سے آپ تک یہ تحقیقات پہنچی ہیں، اس لیے آپ ان کو باور کرتے ہیں، لندن اور پیرس کو آپ نے خود نہیں دیکھا، لیکن بایں ہمہ آپ کو ان شہروں کے وجود میں شک نہیں، مگر کوہ قاف کے پرستان کے وجود پر آپ کو یقین نہیں، اس لیے کہ پہلے دو شہروں کے وجود کی خبر آپ نے بہ کثرت لوگوں سے اور ایسے ثقہ اور مستند لوگوں سے سنی ہے کہ آپ اس میں شک نہیں کرسکتے، لیکن کوہ قاف کے پرستان کے عینی شاہدوں تک آپ کا سلسلہ روایت صحیح اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچا ہے، اس لیے آپ کو اس کے وجود میں بہت حد تک شک ہے، اسی طرح ہیئت وفلکیات کے اکثر مسائل، مثلاً: ستاروں کی چالیں، خاص ستاروں کا طلوع وغروب وغیرہ کسی نہ کسی ہیئت دان اور فلکی کا مشاہدہ ہے اور پھر صدیوں کے مشاہدات یکجا ہوکر آپ کے سامنے ہیئت وفلکیات کا ناقابل انکار دفتر بن کر آتا ہے مگر غور کیجیے کہ اس دفترِ بے پایاں کا ہر ایک مشاہدہ بجز تاریخی روایت وشہادت کے کسی اور طریقہ سے پہنچا ہے، یا پہنچ سکتا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے، برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے، آفتاب روشن ہے، پتھر سخت ہے، کھانے سے سیری ہوتی ہے، چوٹ سے تکلیف ہوتی ہے، غرض تمام قضایائے تجربیہ جن پر علوم وفنون کی بنیاد قائم ہے اور جن کی عمومیت وکلیت کا آپ کو یقین یا ظن غالب ہے ان کی اس کلیت اور عمومیت کا یقین یا غلبہ ظن صرف آپ ہی کے ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر قضیہ کی عمومیت اور کلیت کے بنانے میں آپ کے سوا اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں اور بیسیوں نسلوں کے مشاہدات کو دخل ہے اور یہ مشاہدات آپ تک تحریری یا زبانی تاریخی شہادتوں کے ذریعہ سے پہنچے ہیں تب جا کر وہ انسانی مسلمات میں داخل ہوئے ہیں۔

تاریخی شہادتوں کے شرائطِ استناد

لیکن کسی تاریخی شہادت کے مستند ہونے پر آپ کچھ قیود بھی عائد کرسکتے ہیں، مثلاً: یہ کہ اخیر راوی چشم دید گواہ ہو، یعنی یہ کہ وہ واقعہ کے وقت، مقام واقعہ پر حاضر ہو اور خود اس کا بلاواسطہ ذاتی علم حاصل کیا ہو، وہ راست گفتار ہو، اس کا حافظہ صحیح اور درست ہو، فریبی اور جھوٹا نہ ہو، اسی طرح آغازِ سلسلۂ روایت سے لے کر آخر تک بیچ کا ہر راوی بھی انہی صفات سے متصف ہو، جہاں تک ان صفات میں ترقی ہوگی واقعہ کے متعلق

آپ کے علم واذعان میں بھی ترقی ہوگی اور جہاں تک ان میں کمی ہوگی آپ کے علم واذعان میں بھی کمی ہوگی۔

مسلمانوں کا علم روایت

اب مسلمانوں کے علم اخبار، یا علم نقل وروایت یعنی اصول حدیث پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ بعینہ یہی اصول انہوں نے ہر روایتی شہادت کے قبول کرنے کے لیے مقرر کیا ہے، سلسلہ روایت کے ان اوصاف میں جس قدر بھی نقص ہوگا، اس جزو واقعہ کے علم واذعان میں بھی اسی قدر نقص ان کے نزدیک پیدا ہوگا۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی طرف جس قدر بھی صحیح ومستند معجزات منسوب ہیں، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی صداقت کو اس اصول پر پرکھ نہ لیا گیا ہو، ہیوم نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''فہم انسانی'' میں جہاں معجزات پر بحث کی ہے، انجیل کے بیان کردہ معجزات کی نسبت وہ اس لیے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ مصنفینِ انجیل جو ان واقعات کے راوی اول ہیں ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے لیکن ہیوم کو اگر اسلامی طرز روایت واصول وحدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی تو کبھی اسلام کے معجزات کی نسبت اس بے اعتباری کا اس کو موقع نہ ملتا۔ صحیح معجزات نبوی کے پہلے رواۃ یعنی وہ صحابہ کرام جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، صدق مقال اور راست گفتاری پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل، رزانت اور متانت رائے پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں، بیچ کے رواۃ وہ محدثین عظام ہیں، جن کی سچائی، راستی اور حفظ وفہم پر اسمائے رجال کے اوراق کی مہریں ثبت ہیں پیغمبر اسلام علیہ السلام نے علی رؤس الاشہاد کہا اور بار بار کہا کہ ''جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' [1] صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ آنحضرت کے متعلق کسی خبر کو بیان کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے۔ بیچ کے ثقہ اور مستند رواۃ بھی انتہائی انسانی احتیاط سے کام لیتے تھے اس پر بھی ان کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے۔

اگر روایت کے ہر دور میں راویوں کی تعداد کثیر شریک ہو تو اس کو خبرِ متواتر کہتے ہیں اور اگر ہر دور میں گو تعداد کثیر نہ ہو لیکن دو یا تین سے زیادہ ہوں تو وہ مستفیض اور مشہور ہے اور اگر کسی دور میں ایک ہی راوی رہ گیا ہو تو اس خبر کو خبر احاد کہتے ہیں۔ معجزاتِ نبوی ﷺ مختلف طرق سے مروی ہیں اور اسی کے اعتبار سے ان کی صحتِ بیان کا درجہ ہے یہ سچ ہے کہ بعد کے لوگوں نے آپ ﷺ کی طرف بہت سے ایسے معجزات منسوب کردیے ہیں جو صحیح نہیں ہیں لیکن ہمارے محدثین نے نہایت جاں فشانی اور ایمانداری سے ان روایات کو معیار پر پرکھ پرکھ کر الگ کردیا ہے اور اس کتاب کی جلد اول کے مقدمہ میں تمام وکمال بحث موجود ہے۔ معجزات کے ثبوت پر یہ طرزِ استدلال گو عجیب ہے لیکن غلط نہیں، دنیا میں ہر واقعہ کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے اور وہی اس باب میں بھی کارآمد ہے یہ کیسی زبردستی ہے کہ جس طرزِ استدلال پر دنیائے یقین کا عملی کاروبار چل رہا ہے اس

[1] صحیح مسلم، مقدمۃ الکتاب، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ ﷺ: ۳، ٤، ۵۔

کو اگر مذہب استعمال کرے تو مدعیانِ عقل کی جبینِ متانت پر بل پڑ جاتے ہیں۔

نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایات کی شہادت ہے

دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اس کے علم کے دو ہی طریقے ہیں یا تو انسان اس واقعہ کے وقت موجود ہوگا یا موجود نہ ہوگا پہلی صورت میں اس کا علم اس کے احساس و مشاہدہ پر موقوف ہے اور وہ روایت کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز ہے، جیسے کہ ان صحابہ کا اس معجزہ کے متعلق علم جو ان کے سامنے ظاہر ہوا اور دوسری صورت میں اس واقعہ کا علم صرف روایت سے ہوسکتا ہے اور اس کے سوا کوئی ذریعہ علم اس کے لیے دنیا میں موجود نہیں ہے، آپ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ روایت کی اچھی طرح تنقید کر لیجئے اور جس طرح دنیا کے دوسرے عملی کاروبار میں واقعات پر یقین کرنے کے ذرائع استعمال میں ہیں اس باب میں بھی انہی کو استعمال کیجئے، عقلی احتمالات اور ذہنی شبہات کی کوئی حد نہیں ہے مگر کبھی روزمرہ کے معاملات میں وہ آپ کے یقین کے سدِ راہ نہیں ہوتے۔

خبر احاد پر بھی عملاً یقین ہوتا ہے

متواتر، مشہور اور مستفیض خبروں کو چھوڑ کر خبر احاد تک پر آپ روزانہ یقین کرتے ہیں خطوط، تار، اخبارات، آج کل کی زندگی کا جزو ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر آپ کو کامل وثوق ہے، رائٹر ایجنسی کے تاروں اور سنجیدہ اخباروں کے کالموں میں عجیب سے عجیب حیرت افزا واقعات و ایجادات و طبی علاجات عموماً بیان ہوتے رہتے ہیں اور لوگ ان کو تسلیم کر لیتے ہیں، آج تمام تجارت کا دارومدار ان ہی تاروں پر ہے، یہ شدید مالی خطرات کا موقع ہے مگر ہر بیوپاری اور تاجر بخوشی اس خبر احاد کو یقین کر لیتا ہے اور اپنی تمام دولت اس کی نذر کر دیتا ہے اور کبھی یہ عقلی مباحث اور شکوک نہیں پیش کرتا کہ ممکن ہے کسی نے غلط کہا ہو، ممکن ہے غلط لکھا گیا ہو، ممکن ہے نامہ نگار جھوٹ بولتا ہو، ممکن ہے کاتب نے خود گھڑ کر لکھ دیا ہو، یہ تمام احتمالاتِ عقلی قائم ہو سکتے ہیں مگر عملی یقین پر ان احتمالات کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔

ہم شفاخانوں میں جاتے ہیں اور عطاروں اور کمپونڈروں سے دوائیں لے کر باطمینانِ تمام ان کو استعمال کرتے ہیں، حالانکہ معلوم ہے کہ ان شفاخانوں میں اکسیر اور سنکھیا دونوں کی بوتلیں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں، ممکن ہے کہ تنہا دوا بنانے والے کی یہ اطلاع کہ یہ دوا تمہارے نسخہ کے مطابق ہے، غلط ہو اور اس لیے کہ اس کے استعمال سے احتراز لازم ہے مگر کبھی یہ خدشہ ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتا اور ہم بخوشی اپنی جان کو خبر احاد کے یقین کی نذر کر دیتے ہیں پھر معجزات اور مذہب ہی کے باب میں شہادت کے مسئلہ پر تمام عقلی احتمالات اور شکوک کا ازالہ ضروری کیوں تصور کیا جاتا ہے۔

واقعات پر یقین کے لیے اصلی بنیاد امکان اور عدمِ امکان کی بحث نہیں بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے

آج کل مغربی علم تاریخ اور فن روایت کا بڑا کارنامہ یہ اصول سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ کیا وہ ممکن بھی ہے؟ اور جب یہ طے ہوجائے تو روایت کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے تمام واقعی علوم، ہمارے تجربہ اور روایات ہی پر مبنی ہیں، اس لیے کسی شے کے ممکن اور ناممکن ہونے کا فیصلہ محض مشاہدہ کی تحقیق پر ہی مبنی ہے، اس لیے علمِ تاریخ اور فنِ روایت کی بنیاد اس کے امکان اور عدم امکان کی بحث پر قائم نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ہمارے علمائے اصول نے بتایا ہے صرف اس پر قائم ہے کہ آیا یہ واقعہ روایۃً صحیح بھی ہے یا نہیں؟

جس درجہ کا واقعہ ہو، اُسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے

ہم کو اس اصول کی صحت سے انکار نہیں ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت بھی ہونی چاہیے لیکن درجہ نام کمیتِ اشخاص سے زیادہ کیفیتِ اشخاص کا ہے۔ ایک واقعہ کو چند آدمی بیان کرتے ہیں مگر ان کی راست گفتاری معرض بحث میں ہے لیکن ایک ایسا شخص اس کے خلاف اپنی روایت بیان کرتا ہے جس کی صداقت مسلم ہے، جس کی راست گفتاری کا بار بار تجربہ ہو چکا ہے، جس کی سمجھ، حافظہ اور وثوق کا ہم کو علم ہے اور جس کی دوسری اخلاقی صفات جن کا روایت پر اثر پڑتا ہے نہایت بلند ہیں تو ظاہر ہے کہ واقعہ کی حیثیت سے دوسری شہادت پہلی شہادت سے زیادہ قابل قبول ہے۔ راویوں کی ان صفات کی واقفیت کا روایاتِ اسلامیہ کے سواد نیا میں کسی اور قوم و مذہب کی روایات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، اس لیے دنیا کے اور مذاہب اور قوموں کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی روایات کی ایک خاص اہمیت ہے۔

معجزات دراصل تجربیات کے خلاف نہیں ہوتے

اس موقع پر ایک اور مسئلہ کو بھی صاف کرنا ہے عام طور سے معجزات کی شہادت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ معجزہ کی شہادت سینکڑوں ہزاروں شہادتوں کے خلاف ہوتی ہے، اس لیے وہ ناقابل یقین ہے یہ حقیقت میں ایک قسم کا مغالطہ ہے، ہزاروں لاکھوں شہادتیں اس بات کی بے شک ہیں کہ آگ نے فلاں فلاں موقع پر جلایا، اب جو شخص ایک معجزہ کو بیان کرتا ہے کہ فلاں موقع پر آگ نے نہیں جلایا تو یہ شہادت ان ہزاروں لاکھوں شہادتوں کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ان سے الگ ایک واقعہ ہے اس روایت سے ان لاکھوں ہزاروں شہادتوں کی مخالفت اور انکار اس وقت لازم آتا کہ جن موقعوں کے متعلق یہ کثیر التعداد شہادتیں اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں ان کی تکذیب وتغلیط کی جاتی، دو شہادتوں کی باہمی ترجیح کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے

جب دونوں ایک ہی خاص واقعہ کو مختلف نتیجوں کے ساتھ بیان کریں اور یہاں یہ صورت نہیں ہے، جن آگوں کے جلانے کے متعلق سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں، معجزہ کا راوی ان کی تغلیط وتکذیب نہیں کرتا بلکہ ایک خاص آگ کی نسبت اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے جس کے متعلق ان کو نفیاً یا اثباتاً کوئی علم نہیں، مثلاً: ایک طرف ایک شخص کی تنہا یہ شہادت ہوتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا، دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی یہ شہادت ہوتی کہ نہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا تو بے شک اس موقع پر دوسری شہادت کو پہلی شہادت پر ترجیح دی جا سکتی اور تمام مسلمان اس کے لیے تیار ہیں کہ اگر کسی معجزۂ نبوی کے متعلق اس قسم کی مخالف شہادت موجود ہو تو وہ اس معجزہ کو صحیح معجزاتِ نبوی ﷺ کی فہرست سے خارج کر دیں گے۔

معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں

الغرض معجزہ کی شہادت کے متعلق اصل بحث یہ نہیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن ہے بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ یہ شہادت کس درجہ کی ہے؟ اور اس کے رواۃ کی صحیح البیانی کا کیا پایہ ہے؟ اس کے لیے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی راستی، دیانت، صدق مقال اور ان کی اخلاقی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے مطالعہ کی حاجت ہے اور یہی شے ہے جو معجزات کی شہادت کو طاقتور یا کمزور بنا سکتی ہے اور یہی ہمارے محدثین اور اہلِ اصول کا قانونِ شہادت ہے اور اسی طریق سے اہل السنۃ والجماعۃ معجزہ کو ثابت کرتے ہیں۔ علامہ ابو منصور عبدالقادر بغدادی اشعری کتاب الفرق میں اہل سنت کا مسلک لکھتے ہیں:

> وبهذا النوع من الاخبار (المستفيض) علمنا معجزة نبيناﷺ في انشقاق القمر وتسبيح الحصا في يده وحنين الجذع اليه لما فارقه واشباعه الخلق الكثير من الطعام اليسير ونحو ذلك من معجزاته۔ [1]

> ”اسی خبر مشہور کے ذریعہ سے ہم نے آنحضرت ﷺ کے معجزات کو جانا، مثلاً: شقِ قمر، دستِ مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، شاخ خرما کا گریہ وبکا کرنا اور تھوڑے کھانے سے بہت سے لوگوں کو سیر کر دینا وغیرہ۔“

خلاصۂ مباحث

گزشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ حسبِ ذیل سطروں میں کیا جا سکتا ہے:

1. معجزہ خرقِ عادت اور قاعدۂ علت ومعلول کی ارتقائی شکست کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیغمبر کی سچائی کی نشانی کے طور پر لوگوں میں ظاہر کرتا ہے۔
2. خرقِ عادت اور قاعدۂ علت ومعلول کی شکست ممکن، بلکہ واقع ہے۔

[1] كتاب الفرق، لابي منصور عبدالقادر بغدادى، ص:٣١٣، مصر۔

③ کیونکہ عاداتِ طبعی اور سلسلۂ علل و معلول کا علم ہم کو تجربہ سے ہوا ہے۔

④ اور تجربہ سے جو علم حاصل ہو، اس کی کلیت اور عمومیتِ عقلی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اس سے معجزہ کے محال ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

⑤ تجربہ کی بنیاد ذاتی مشاہدہ یا دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے۔

⑥ اس لیے معجزہ کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر مبنی ہے۔

⑦ اسلامی روایات اور صحیح معجزاتِ نبوی ﷺ کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے معجزات اور خوارقِ عادت کا وقوعی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

یقین معجزات کے اصولِ نفسی

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خطاب فلسفہ اور منطق سے تھا لیکن ظاہر ہے کہ عملی دنیا کا کاروبار ارسطو کے بنائے ہوئے اصول وقواعد پر نہیں چل رہا ہے بلکہ خالق فطرت اپنے وضع کردہ اصول وقواعد پر اس کو چلا رہا ہے واقعات کسی حد تک تعجب انگیز اور دوراز عقل ہوں، تاہم انسانوں کی بڑی تعداد، دلیل و برہان منطقی کے بغیر صدق دل سے ان پر یقین رکھتی ہے، کسی واقعہ پر یقین رکھنے کے لیے اس کا فہمِ انسانی میں آ جانا اور عقل و استدلال کی میزان میں اس کا پورا اتر جانا ضروری نہیں ہے ایک طبیعی فلسفی سے لے کر عامی تک مادہ کے وجود پر یقین رکھتا ہے، حالانکہ استدلال سے اس کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک واقعہ کی جب روایت کی جاتی ہے تو کچھ لوگ بے دلیل اس کو فوراً تسلیم کرتے ہیں اور بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ استدلال و برہان کے باوجود اس کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے اگر استدلال کی قوت سے وہ خاموش بھی ہو جائیں تو ان کے دل کو تسلی نہیں ہوتی، جو اشخاص کسی جماعت یا ملک کے اندر کام کرتے ہیں ان کی سچائی اور خلوص وایثار کے متعلق سب لوگوں کی رائے برابر نہیں ہوتی، ایک جماعت جس زور وقوت سے ان کے صدق و اخلاص پر ایمان رکھتی ہے۔ دوسری جماعت اسی زور وقوت کے ساتھ ان کو خائن اور ریاکار جانتی ہے حالانکہ دونوں کے سامنے ان کے اعمال کا ایک ہی نقشہ پیش رہتا ہے مگر نتائج مختلف ہوتے ہیں اور دو میں سے کوئی اپنے دعویٰ پر کھلے دلائل نہیں رکھتا اس لیے ایمان وکفر اور یقین وشک کے وجوہ منطقی طرزِ استدلال سے نہیں بلکہ زیادہ تر نفسیاتی اصول وقواعد سے ماخوذ ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور یقین اور اذعان کی صورتیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے الجام العوام میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے [1] کہ واقعات کا اذعان اور یقین ہمارے اندر کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ ”عام مسلمانوں کو علمِ کلام کی ضرورت نہیں، لیکن اگر

[1] الجام العوام عن علم الکلام، ص: ۳۹، ۴۰ مطبع میمنیہ مصر: ۱۳۰۹ھ۔

کوئی یہ کہے کہ ہم کو خدا نے اپنی توحید وصفات وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور یہ باتیں بدیہی نہیں کہ ان کے لیے دلائل کی ضرورت نہ ہو اسی طرح ہم کو پیغمبر کی تصدیق کی ضرورت ہے اور یہ تصدیق مسئلہ معجزات پر غور وفکر کیے اور معجزہ کی حقیقت اور شرائط کے جانے بغیر ممکن ہی نہیں، اس بنا پر علم کلام کی اشد ضرورت ہے تو امام صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ "عام مخلوق کو صرف ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان اس یقین جازم کا نام ہے جس میں تردد اور شک نہ ہو اس میں خطا اور غلطی کا خیال اس کو نہ ہو اس یقین جازم کے چھ درجے ہیں جو چھ مختلف طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں:

① پہلا درجہ اس یقین کا ہے جو ایسے دلائل سے حاصل ہو، جن میں برہان کے تمام منطقیانہ شرائط ایک ایک کر کے پائے جائیں اور ان دلائل کے مقدمات کا ایک ایک حرف اچھی طرح جانچ لیا گیا ہو یہاں تک کہ کسی میں شک وشبہ اور غلطی والتباس کا احتمال نہ رہا ہو اس اصول کے مطابق تو بہت کم لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کو یقین کا یہ مرتبہ نصیب ہو سکے بلکہ ہر زمانہ میں ایک دو آدمی سے زیادہ اس معیار پر پورے نہیں اتر سکتے اگر نجات صرف اسی یقین پر منحصر ہو تو نجات پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہو گی، بلکہ انسانوں کے لیے دنیا کے واقعات پر یقین کرنے کی بہت کم گنجائش نکل سکے گی اور شاید ریاضیات کے علاوہ کہیں اور اس صورت کا یقین پیدا کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

② دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان مسلمات سے یقین حاصل ہو، جن کو عام طور سے لوگ مانتے ہیں اور ارباب عقل کے حلقوں میں وہ مقبول ومشہور ہیں جن میں شک کا اظہار کرنا لوگ معیوب سمجھتے ہیں اور نفوس انسانی ان کے انکار سے ابا کرتے ہیں، ان مقدمات سے استدلال بعض لوگوں میں ایسا یقین جازم پیدا کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل راہ نہیں پا سکتا۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ ان خطابیات کے ذریعہ سے یقین پیدا کیا جائے جن کو لوگ عام بول چال اور عملی کاروبار میں استعمال کیا کرتے ہیں اور عادۃً ان کو صحیح سمجھتے ہیں اگر طبع انسانی میں، خاص طور سے اس مسئلہ کی طرف غیر معمولی انکار یا شدید تعصب نہ ہو اور سامع میں تشکیک، مناظرہ اور خواہ مخواہ کرید اور حجت کی عادت نہ ہو اور اس کی طرف فطرت صالحہ اور سادہ اور صاف ہو تو اس طریقہ سے اکثر افراد انسانی کو یقین کی دولت ہاتھ آ سکتی ہے اور اس لیے قرآن مجید نے اسی طرز استدلال سے اکثر کام لیا ہے۔

④ چوتھی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور ایمانداری پر یقین ہو اور اس پر کامل اعتقاد ہو، بکثرت لوگ اس کے مداح ہوں، یا تم خود اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس کی ہر بات کو صحیح باور کرتے ہو تو اس کا کہنا تمہارے اندر یقین پیدا کر دیتا ہے، جیسے اپنے بزرگوں اور استادوں اور مرشدوں کے بیان کا لوگ حرف بحرف یقین کر لیتے ہیں، ایک بڑا شخص کسی کی موت کی خبر دیتا ہے تو یہ شخص اس کو باور کر لیتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص

کو کسی کی صداقت سچائی یا پاکیزگی اور زہد و تقویٰ کا یقین ہو جائے تو وہ بلا پس و پیش اس کی ہر بات کو صحیح تسلیم کرلے گا، چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ (یا اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم) کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو حسن اعتقاد تھا وہ اسی قسم کا تھا، اس لیے آپ ﷺ جو کچھ فرماتے تھے ان کو اس کے باور کرنے میں کسی دلیل و برہان کی حاجت نہ تھی۔

⑤ حصول یقین کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ روایت کی صورت حال کی ایسی دوسرے قرائن سے تصدیق ہو جن سے گو ایک مناظرہ پسند اور حجت طلب شخص کی تشفی نہ ہو مگر عام اشخاص کی ان سے تسلی ہو جاتی ہے، مثلاً: اگر شہر میں یہ عام خبر پھیلی ہوئی تھی کہ امیر شہر بیمار ہے، اسی اثنا میں قلعہ سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک شاہی غلام نے آکر روایت کی کہ امیر نے وفات پائی تو اس روایت کے تسلیم کر لینے میں عام لوگوں کو کوئی جائے انکار نہیں رہتی گو اس کی صحت کی راہ میں آپ بیسیوں عقلی احتمالات پیدا کرتے رہیں یہی سبب ہے کہ کتنے اعرابی تھے جنہوں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا یا آپ کی دل آویز اور پراثر باتیں سنیں یا آپ کے اخلاق کریمانہ کو مشاہدہ کیا اور بے دلیل و برہان آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے (کیونکہ انہوں نے پہلے آپ کی نبوت کا چرچا تو سنا تھا لیکن اس دعویٰ کی صداقت نے ان کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا، مگر جب اتفاق سے آپ کے دیدار کا موقع ملا تو قرائن حال اور آثار قیافہ کے ذریعہ سے نیک و بد اور اچھے برے کی تمیز کا جو ایک خاص جوہر انسان میں ودیعت ہے، اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط)۔

⑥ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جو روایت بیان کی جائے اگر وہ سامع کے مزاج، اخلاق اور خواہش کے مطابق اور مناسب ہو تو اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں اس کو کبھی پس و پیش نہ ہوگا اس حصول یقین میں نہ تو حسنِ اعتقاد کی ضرورت ہے اور نہ قرائن و آثار کی تائید کی یہ فطری اور طبعی مناسبت خود حصول یقین کے لیے کافی ہے، (یہی سبب ہے کہ سابقین اسلام میں وہی صحابہ داخل ہیں جو فطرۃً نیک اور طبعاً راستی پسند اور جویائے حق تھے)۔

انہی مختلف طریقوں سے لوگ یقین واذعان کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور یہی طریقے غیبیات اور معجزات پر بھی یقین کرنے کے ہیں۔

معجزہ اور سحر کا فرق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے جس طرح عجیب و غریب امور صادر ہوتے ہیں سحر طلسم نیرنگ، شعبدہ سے بھی اس قسم کی باتیں دکھائی جاسکتی ہیں سحر و طلسم کے الفاظ اگر اس بیسویں صدی میں مکروہ معلوم ہوں تو ان کے معنی مسمرائزم اور ہپنوٹزم کے سمجھ لیے جائیں، ایسی صورت میں ایک پیغمبر اور ساحر و شعبدہ باز اور مسمرائزم کے درمیان کیا فرق ہوگا؟ یہ سوال ہے جس پر علم کلام میں بڑی بڑی بحثیں ہیں، معتزلہ اور ارباب

ظواہر میں علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ ہے [1] کہ معجزہ کے علاوہ سحر و طلسم و شعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ صرف فریبِ نظر ہیں لیکن معجزہ سے قلبِ حقیقت اور تبدیلِ خاصیت ہو جاتی ہے۔ اشاعرہ سحر و طلسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ معجزہ سے جو عظیم الشان عجائبات سرزد ہوتے ہیں مثلاً: سمندر کا خشک ہونا، چاند کا شق ہو جانا وغیرہ یہ چیزیں سحر و طلسم کے زور سے نہیں ہو سکتیں، حکمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے اور ساحر شر میں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جوابات سے اشکال کی اصلی گرہ نہیں کھلتی۔ ایک شخص اپنے دعوے کے ثبوت میں بظاہر ایک خارق عادت کرشمہ پیش کرتا ہے، اب اس پر یہ بحث کہ یہ دھوکا یا نظر بندی ہے یا رمزِ الٰہی ہے، یا معمولی کام ہے، یا عظیم الشان کارنامہ ہے، نہایت مشکل ہے کیونکہ ان اشیاء کے وقوع میں کوئی ظاہری امتیاز نمایاں نہیں ہو سکتا، نیز اس کا فیصلہ کہ یہ قوت خیر میں صرف ہوئی یا شر میں؟ یا یہ کہ ضروری ہے کہ یہ خوارقِ عادات محلِ خیر میں صرف ہوں یا محلِ شر میں؟ اس کے علاوہ کوئی تیسری نہیں ہو سکتی بہت کچھ قابل بحث ہے ایک مسمریزر اپنی قوت سے بعض بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور اس سے غریبوں کا علاج کرتا ہے تو یہ خیر اور نیکی کی چیز ہے تو کیا آپ اس کو معجزہ کہہ دیں گے؟

اصل یہ ہے کہ معجزہ اور دیگر عجائبات امور میں دو عظیم الشان فرق ہیں ایک یہ کہ معجزہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے اور دوسرے عجائب امور اسباب طبعی و نفسی کے نتائج ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ معجزہ سے مقصود اعدائے دعوت الٰہی کی ہلاکت یا مبلغ رسالت کی تائید اور مومنین صادقین کی حمایت اور برکت ہوتی ہے محض کھیل تماشا، شعبدہ بازی اور بازی گری اس کا مقصد نہیں ہوتی اور سب سے آخری شے جو ان دونوں کے درمیان حد فاصل بن جاتی ہے یہ ہے کہ ساحر و بازی گر و شعبدہ باز صرف تماشائے کرتب اور عجائبات دکھاتے ہیں اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی، ارادوں کی بے گناہی، دلوں کی طہارت اور صفائی، شریعت الٰہی کی تبلیغ، قلوب کے تزکیہ اور سیہ کاریوں کے قلع وقمع کے نہ وہ مدعی ہوتے ہیں اور نہ یہ خواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن انبیا علیہم السلام کی معصوم زندگی، پاک اخلاق، مقدس اعمال اور دیگر پیغمبرانہ خصائص و کیفیات خود ان کی نبوت کی منادی کرتے رہتے ہیں قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے، ان کی صدائے حق جماعتوں، قوموں اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہے، ان کی سچائی، راستی اور صداقت پر ان کے سوانح حیات کا حرف حرف گواہ ہوتا ہے، وہ سونے چاندی پر نہیں بلکہ دلوں پر اخلاص و ایثار اور صدق و صفا کی مہر لگاتے ہیں۔ ایک ساحر اور مسمریزر خواص اشیاء میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے مگر کافر کو مومن، بدکار کو عفیف، بے باک کو متقی، بخیل کو فیاض، سخت کو نرم اور جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا، وہ لوہے کو زر خالص کی صورت میں بدل

[1] الفصل فی الملل والنحل، الجزء الخامس، ص:۲ ومابعد، مصر۔

سکتا ہے لیکن کسی زنگ آلودہ دل کو جلا نہیں دے سکتا۔ یہ ظاہری اشتباہ اور التباس صرف نبی اور ساحر و متنبی (جھوٹے پیغمبر) ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی ہر حقیقت اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور ملی جلی ہوئی ہے، صبر اور بےحمیتی توکل اور کاہلی بخل اور کفایت شعاری، سخاوت اور اسراف حق گوئی اور گستاخی، شجاعت اور تہور ان کے ڈانڈے باہم اس قدر ملے ہوئے ہیں کہ انسان کی قوتِ ممیّزہ کبھی کبھی دھوکا کھا جاتی ہے لیکن اہلِ نظر ان دونوں حقیقتوں کے ظاہری تشابہ سے فریب میں نہیں آتے ان دونوں کی ظاہری شکل وصورت گو ایک ہو مگر ان دونوں کے خصائص و آثار اس درجہ متفاوت اور متمائز ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لیتے ہیں جب پیغمبر اپنا معجزہ اور جادوگر اپنا کرتب دکھاتے ہیں تو ظاہری حیرت زائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کے لیے گو دونوں ایک ہوں، مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو ایک اخلاق کا مجسمہ، پاکیزگی کا فرشتہ، شریعت کا حامل، گنہگاروں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے اور دوسرا محض تماشا گر، یا شعبدہ باز یا مصنوعی حیلہ گر اور نقال۔

ایک عطائی اور طبیب حاذق اور ایک معمولی سپاہی اور ایک بہادر جنرل، ایک حرف شناس اور ماہر علوم، ایک مکار اور زاہد، ایک مصنوعی اور حقیقی صوفی کے درمیان شاید کبھی عوام فرق نہ کر سکیں مگر جب ان دونوں کے آثار و خصائص اور علامات و قرائن باہم ملائے جائیں تو ظلمت و نور کی طرح ان دونوں میں علانیہ فرق محسوس ہو جاتا ہے۔ مولانائے روم نے اس فرق مراتب کو مثنوی میں نہایت عمدہ تشبیہات کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے، فرماتے ہیں:

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں ‏‏‏‏‏‏‏ فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

''اسی طرح کی لاکھوں ہم شکل چیزیں ہیں، لیکن ان میں کوسوں کا فاصلہ ہے۔''

ہر [1] دو صورت گر بہم ماند رواست ‏‏‏‏‏‏‏ آب تلخ و آب شیریں را صفاست

''دونوں کی صورتیں اگر باہم مشابہ ہوں تو کچھ حرج نہیں۔ میٹھا اور تلخ پانی دونوں کا رنگ ایک ہی طرح صاف ہوتا ہے۔''

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل ‏‏‏‏‏‏‏ لیک شد زاں نیش و زیں دگر عسل

''بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہیں لیکن اس سے زہر اور اس سے شہد پیدا ہوتا ہے۔''

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب ‏‏‏‏‏‏‏ زیں یکے سرگیں شد وزاں مشک ناب

''دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے مینگنی اور اس سے مشک پیدا ہوتا ہے۔''

---

[1] مثنوی مولانا روم میں یہ مصرع اس طرح ہے" ہر دو گوں زنبور خوردند از محل" حکایت مرد بقال جلد ۱، ص: ۸ و کلیات مثنوی معنوی مولوی دفتر اول، ص: ۲۱ "ک"، "ص"

ہر دو نے خورد ندا زیک آب خور آں یکے خالی و آں پر از شکر

''دونوں قسم کی نے ،ایک پانی سے پرورش پاتی ہیں،لیکن ایک مزہ سے خالی اور دوسرے سے شکر پیدا ہوتی ہے''

ایں خورد زائد ہمہ بخل و حسد وآں خورد آید ہمہ نور احد

''ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل اور حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے۔''

ایں زمیں پاک ست وآں شورست وبد ایں فرشتہ پاك و آں دیواست ودد

''یہ زمین سیر حاصل ہے اور وہ بری اور بنجر ہے یہ مقدس فرشتہ ہے اور وہ شیطان اور جانور۔''

بحر تلخ وبحر شیریں درمیاں درمیان شان برزخ لا یبغیان

''شیریں اور تلخ سمندر ملے ہوئے ہیں،مگر ان کے درمیان ایک حد فاصل ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔''

زر قلب وزر نیکو در عیار بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار [1]

''کھوٹے اور کھرے سونے کی تمیز کسوٹی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔''

صالح و طالح بہ صورت مشتبہ دیدہ بکشای کہ گردی منتبہ

''نیک اور بدکار کی صورتیں ملتی جلتی ہیں آنکھیں کھولو تو تمیز ہو سکے گی''

بحر رانیمیش شیریں چو شکر طعم شیریں رنگ روشن چوں قمر

''دریا کا آدھا حصہ شکر کی طرح شیریں ہے مزا میٹھا اور رنگ چاند کی طرح سپید ہے۔''

نیم دیگر تلخ ہمچو زہر مار طعم تلخ و رنگ مظلم قیر وار

''دوسرا نصف حصہ سانپ کے زہر کی طرح ہے مزا کڑوا اور رنگ تارکول کی طرح سیاہ ہے۔''

اے بسا شیریں کہ چو شکر بود لیک زہر اندر شکر مضمر بود [2]

''بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو شکر کی طرح میٹھی ہیں لیکن اس کے باطن میں زہر چھپا ہے۔''

جزکہ صاحب ذوق شناسد بیاب او شناسد آب خوش از شورہ آب

''صاحب ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا اور یہ کھارا ہے۔''

جزکہ صاحب ذوق کاشناسد طعوم شہد را نا خوردہ کے دانی زموم

''صاحب ذوق کے سوا مزے کی تمیز اور کون کر سکتا ہے جب تک شہد کو نہ کھاؤ موم اور شہد میں کیونکر تمیز کر سکتے ہو۔''

---

[1] مثنوی مولانا روم، ج ا،ص:۸؛ کلیات مثنوی معنوی مولوی، دفتر اوّل،ص:۲۱، ۲۲۔

[2] مثنوی مولانا روم، ج ا،تفسیر آیہ کریمہ مرج البحرین......ص:۶۸۔

سحر را با معجزہ کردہ قیاس ہر دو را بر مکر پندار د اساس

''اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔''

زر قلب و زرنیکو در عیار بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

''تم کھوٹے اور کھرے سونے کو کسوٹی کے بغیر تمیز نہیں کر سکتے۔''

ہر کرا در جاں خدا بنہد محک ہر یقین را بار داند او ز شک ❶

''خدا نے جس کی روح میں کسوٹی رکھی ہے وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔''

چوں شود از رنج و علت دل سلیم طعم صدق و کذب راباشد علیم ❷

''جب آدمی کے دل میں بیماری نہیں ہوتی تو وہ صدق اور کذب کے مزے کو پہچانتا ہے۔''

اب صرف یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ جو قوت حیرت زا خوارق کی قدرت رکھتی ہے، اس کا رخ بھی نہایت آسانی کے ساتھ بدلا جا سکتا ہے، یعنی ساحر بے تکلف اپنی ساحرانہ قوت کو دنیا کے تزکیہ اخلاق و اصلاح عالم میں صرف کر سکتا ہے اور اس سے کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا، لیکن امکان عقلی اور امکان واقعہ دو مختلف چیزیں ہیں یہ عقلاً ممکن ہے کہ ہر شخص بادشاہ ہو سکتا ہے، عالم عصر ہو سکتا ہے، کشور کشا ہو سکتا ہے مگر واقعتاً اور عملاً یہ قدرت ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ساحر محض ایک تماشا گر ہوتا ہے، اس میں یہ قدرت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس قوت سے تزکیۂ نفوس، تطہیر اخلاق اور اصلاح عالم کا کام لے سکے، یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ساحر اور شعبدہ گر نے اصلاح عالم کا فرض ادا نہیں کیا۔ لیکن پیغمبر اپنے معجزانہ کارناموں سے دنیا کو الٹ دیتا ہے، بدی کے کانٹوں کو ہٹا کر نیکی کے گل و ریحان سے اس خاکدان عالم کو سجا دیتا ہے۔

معجزہ دلیل نبوت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اسی تقریر سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں؟ اشاعرہ کا جواب اثبات میں اور معتزلہ کا نفی میں ہے۔ اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سیر کن بحث ابن رشد نے ''کشف الادلہ'' ❸ میں کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ منطقیانہ حیثیت سے دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی مثلاً: جب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوا ہے لیکن جب اس سے دعویٰ کی تصدیق کے لیے دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ خشک چشمے کو پانی سے لبریز کر دیتا ہے، چاند کو دو ٹکڑے کر دیتا ہے، لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے، یہ تمام واقعات اگرچہ نہایت عجیب و غریب

❶ مثنوی مولانا روم، ج ۱، ص:۸ حکایت مرد بقال۔

❷ ایضاً، ج ۲، ص:۱۶۵ باز الحاح کردن۔ ❸ ص: ۹۲ وما بعد مکتبہ محمودیہ جامع ازہر مصر۔

ہیں، لیکن ان دلائل کو دعویٰ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟

فرض کیجیے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فلسفہ وریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے اور اس کے ثبوت میں انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنا دیتا ہے تو اس واقعہ سے اس کے فلسفہ اور ریاضی کا کمال کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے؟ اشاعرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبوت علم وعمل کے مجموعہ کا نام ہے اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی نسبت یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہے اور اسی کمال کے اظہار کے لیے معجزہ طلب کیا جاتا ہے اور انبیا علیہم السلام کے معجزات اگر چہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں، تاہم ان کو صرف دو نوع میں شمار کیا جاتا ہے اخبار بالغیب اور تصرف فی الکائنات اور ان دونوں کو اجزائے نبوت کے ساتھ ربط واتحاد ہے اخبار بالغیب سے اس کے علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے ایک اور مناسبت یہ ہے کہ معجزہ خرق عادت کا نام ہے اس میں کوئی نزاع نہیں کہ اشیاء اور حقائق کے خصائص اور علل خدا کے امر وحکم سے ہیں اب جو شخص ان خصائص وعلل کو اپنے معجزہ سے توڑ دیتا ہے وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ جس برتر ذات نے ان اسباب وعلل کو بنایا ہے وہی ان کو توڑ سکتی ہے اور یہ شکست وخرق چونکہ اس کے واسطہ سے ظاہر ہوا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا فرستادہ ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس قاصد بھیجتا ہے رعایا پوچھتی ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بادشاہی قاصد ہو؟ وہ اس کے جواب میں بادشاہ کی مہر اور انگوٹھی پیش کرتا ہے اگر چہ ظاہر ہے کہ قاصد کے دعوائے پیامبری کو مہر اور انگوٹھی سے براہ راست کوئی مناسبت نہیں، لیکن یہ مناسبت یوں ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مہر اور انگوٹھی بادشاہی کی نشانی ہے جو ایک معمولی قاصد کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نشانی دے کر بھیجا گیا ہے۔ علم کلام کی کتابوں میں ایک عام مثال یہ دی جاتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شاہی دربار اور جلوس کے رسوم وآداب خاص ہوتے ہیں بادشاہ دربار میں معمولی فرش پر نہیں، بلکہ طلائی ونقرئی تخت پر بیٹھتا ہے جلوس میں وہ پیادہ نہیں بلکہ سوار ہو کر نکلتا ہے، ایک شخص بادشاہ کی طرف سے قاصد بن کر مجمع میں آتا ہے، یہ مجمع اس کو شاہی پیامبر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے قاصد بادشاہ سے کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو رسم وعادت کے خلاف تو فرش پر جلوس فرما اور پیادہ پا نکل، بادشاہ اس کے مطابق دربار میں فرش پر جلوس کرتا ہے اور پیادہ پا چلتا ہے بادشاہ کا یہ عمل یقیناً اس بات کی تصدیق ہوگی کہ وہ شاہی قاصد ہے۔ اسی طرح دنیا کے اسباب وعلل اس دنیا میں خدا کی بادشاہی کے رسوم وعادات ہیں پیغمبر اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے، کفار اس کے قاصد الٰہی ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ اے خدا! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو اپنے رسوم وعادات کے خلاف معجزہ اور خرق عادت دکھا، وہ دکھا دیتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔ لیکن معجزہ اگر دلیل نبوت ہے تو منطقی حیثیت سے یہ کس

قسم کا استدلال ہے، ظاہر ہے اس کو برہان یقینی نہیں کہا جا سکتا، تاہم دلیل کا انحصار صرف برہانیات میں نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی متعدد قسمیں ہیں اور معجزہ ان مقدمات میں داخل ہو سکتا ہے۔ ابن رشد نے کشف الادلہ میں معجزہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے، یعنی معجزہ اگرچہ نبوت پر بالذات یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا، تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلہ کائنات میں عجیب وغریب تصرف کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اس کے کمال روحانی کا اعتراف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو شخص ان عظیم الشان تصرفات کی قدرت رکھتا ہے وہ ضرور اپنے دعویٰ میں صادق ہوگا ان دونوں نتائج یعنی تصرف فی الکائنات اور اصلاح روحانی میں اگرچہ باہم کوئی تلازم نہیں، تاہم عوام کی دلفریبی کے لیے یہ کافی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جدل ہے جس میں مسلمات خصم سے استدلال کیا جاتا ہے اور تاریخی حیثیت سے معجزات کو قیاس جدل کہنا زیادہ موزوں ہوگا زمانہ قدیم سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرورت ہوتی ہے اور وہی پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے اس بنا پر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اس موروثی اور مسلمہ عقیدہ کی بنا پر تمام لوگ اس سے معجزہ طلب کرتے ہیں اور پیغمبر کو مجبوراً دکھانا پڑتا ہے۔ یہ معجزہ اگرچہ ایک فلسفی کے لیے دلیل و حجت نہیں ہو سکتا، تاہم جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معجزہ دلیل نبوت ہے اور ان ہی کے طلب و اصرار سے اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے ان کو اس کے ذریعہ سے ساکت کیا جا سکتا ہے اور وہ ان کے لیے دلیل ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اس بحث میں خلط مبحث ہو گیا ہے، اشاعرہ کا یہ کہنا کہ معجزہ دلیل نبوت ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ منطقی دلیل ہے معتزلہ کا اعتراض اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اشاعرہ اس کو منطقی دلیل کہیں دلیل کا لفظ یہاں منطقی محاورہ میں نہیں بلکہ عام اور لفظی معنی (نشان) میں استعمال ہوا ہے، اس بنا پر جب معجزہ سرے سے دلیل منطقی ہی نہیں تو یہ تلاش کہ وہ انواع دلیل کی کس قسم میں داخل ہے بے سود ہے، چنانچہ اشاعرہ خود کہتے ہیں کہ معجزہ کی دلالت نبوت پر دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے، شرح مواقف بحث معجزات میں ہے:

وهذه الدلالة ليست دلالة عقلية محضة كدلالة الفعل على وجود الفاعل ودلالة احكامه واتقانه على كونه عالماً بما صدر عنه فان الادلة العقلية ترتبط لنفسها بمدلولاتها ولا يجوز تقديرها غير دالة عليها وليست المعجزة كذالك ..... بل هي دلالة عادية كما اشار اليه بقوله وهي عندنا اى الاشاعرة اجراء الله عادته بخلق العلم بالصدق عقيبة: اى عقيب ظهور المعجزاة۔ [1]

[1] شرح مواقف، حصہ ہشتم، ص: ۲۲۸، مصر۔

''معجزہ کی دلالتِ نبوت پر محض دلالت عقلی نہیں جیسے فعل کی دلالت وجود فاعل پر یا فعل کے استحکام ونظم کی دلالت فاعل کے علم پر ہے کیونکہ دلائل عقلی اپنے مدلولات کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور یہ فرض ناممکن ہے کہ وہ اپنے مدلول پر دال نہ ہوں اور معجزہ کی دلالت کی صورت ایسی نہیں ہے بلکہ معجزہ کی دلالت، دلالت عادیہ ہے، جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے ان لفظوں میں کہا ہے کہ یہ دلالت ہمارے (اشاعرہ) کے نزدیک اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو صاحب معجزہ کی سچائی کا علم وہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے۔''

آج کل کے محاورۂ علمی میں اشاعرہ کے اس قول کی تشریح کہ معجزہ کی دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے یہ ہے کہ معجزہ منطقی نہیں بلکہ نفسیاتی (سائیکالوجیکل) دلیل ہے، عادت انسانی یہ ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی غیر معمولی کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو نفوس اس کی عظمت وکبریائی کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، جب ایک شخص عام انسانی حالت سے بلند تر سطح میں آکر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور خوارق عادت اس سے ظاہر ہوتے ہیں تو عام متاثر طبع فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ آج گو نبوت نہیں مگر ولایت ہے، آج بھی جس شخص کی نسبت باخدا اور ولی کامل ہونے کا خیال لوگوں میں ہوتا ہے تو فوراً یہ سوال ہوتا ہے کہ ان سے کچھ کرامات بھی صادر ہوتی ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ملا اور خود ذاتی مشاہدہ بھی ہوا تو اس شخص کی نسبت حسن اعتقاد بڑھ جاتا ہے یہ عام تقاضائے انسانی ہے اس میں مومن وکافر، عقلمند وبے وقوف اور زنگی وفرنگی کی کوئی تخصیص نہیں۔ لیکن جو طبیعتیں فطرتاً اثر پذیر نہیں بلکہ معاند، متعصب اور کور باطن ہیں، ان کے لیے یہ خوارق و معجزات قطعاً بے سود ہوتے ہیں کیونکہ ان کا عناد، تعصب اور کور باطنی حسن ظن کے بجائے ہمیشہ سوئے ظن کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور وہ بڑے سے بڑے معجزہ کو بھی دیکھ کر یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ سحر و جادو اور طلسم و نیرنگ ہے، اس لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ مدعی نبوت کے اخلاق خلوص پاکیزگی وطہارت کا امتحان کیا جائے جس میں یہ باتیں ثابت ہو جائیں گی عادۃً ناممکن ہے کہ وہ کاذب اور جھوٹا ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے منقذ میں، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مطالب عالیہ میں اور عارف روم نے مثنوی میں نہایت تفصیل سے اس بحث کو لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نبوت کی اصل دلیل معجزہ نہیں بلکہ تعلیم وارشاد اور قوت علم وعمل کا کمال ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر

نبوت کے کچھ آثار وخواص ہیں اگر کسی شخص کی نسبت یہ شبہ ہو کہ یہ پیغمبر ہے یا نہیں تو اس کا علم صرف اس کے احوال کی معرفت سے ہو سکتا ہے یہ معرفت یا تو ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہو، جیسی صحابہ کو تھی یا خبرِ متواتر سے اور سن کر ہو جیسی اب عام لوگوں کو ہے، نبوت کے آثار وکیفیات کی ذوق شناسی جس میں ہوتی ہے وہی

آمادۂ تصدیق ہوتا ہے، مثلاً: اگر تم کو طب اور فقہ سے کچھ واقفیت ہے اور ان کا ذوق رکھتے ہو تو جو شخص فقیہ یا طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تم اس کے احوال کو دیکھ کر اور اس کی باتیں سن کر فوراً یہ فیصلہ کر سکتے ہو کہ یہ طبیب یا فقیہ ہے یا نہیں اور اسی طرح تم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت اور جالینوس کی طبابت کی تصدیق تقلید سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی تحقیق سے کر سکتے ہو گو آج امام شافعی اور جالینوس کا وجود نہیں مگر ان کے سوانح اور تصنیفات پڑھ کر اب بھی تم کہہ سکتے ہو کہ امام شافعی فقیہ کامل اور جالینوس طبیب حاذق تھے یا نہیں، اسی طرح گو آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان نہیں مگر آپ کی سیرت مبارکہ آپ کی شریعت، آپ کی تعلیمات، آپ کے ارشادات موجود ہیں جن سے آپ کی نبوت کی تصدیق ہر شخص کر سکتا ہے، اسی معیار سے کسی مدعی نبوت کے دعویٰ پر یقین کرنا چاہیے۔ لاٹھی کے سانپ اور قمر کے شق ہونے سے نہیں کیونکہ اگر ان خوارق پر نظر ڈالو اور دوسرے بے شمار قرائن اور شہادتوں کو ان کے ساتھ نہ ملاؤ تو ممکن ہے کہ یہ خطرہ پیدا ہو کہ یہ جادوگری اور نظر بندی ہے۔ [1]

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر

امام رازی نے مطالب عالیہ میں نبوت اور متعلقات نبوت کی بحث سب سے زیادہ استیعاب سے لکھی ہے ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ نبوت کو تسلیم کرتے ہیں ان میں دو جماعتیں ہیں ایک کا مذہب یہ ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے، یہ جمہور اہل مذاہب کا مسلک ہے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم کو خود غور کرنا چاہیے کہ صداقت و راستی کیا ہے؟ اس کے بعد ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو نبوت کے دعویٰ کے ساتھ لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے اس کی دعوت مؤثر ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو باطل پرستی سے ہٹا کر حق پرستی کی طرف لا رہی ہے تو ہم یقین کرلیں گے کہ یہ سچا پیغمبر ہے یہ مذہب عقل سے قریب تر ہے اور اس راہ میں شکوک و شبہات کم ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانیت کا کمال، قوت علمی و عملی کی تصحیح، تکمیل اور تزکیہ ہے، اس قوت کے لحاظ سے انسان کے تین طبقے ہیں، ایک وہ جو اس میں ناقص ہے، یا عام انسان ہیں، دوسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا، یہ خواص اور صلحا کا درجہ ہے، تیسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو بھی کامل کر دیتا ہے یہ انبیا ہیں اس کمال و نقص کے ہزاروں متفاوت درجے اور مرتبے ہیں اور انہی کے لحاظ سے ان کی قوت اور مرتبہ کا اندازہ ہوگا، ان کی قوت علمی کے سامنے تمام مقدمات بدیہی ہوتے ہیں اور معارف الٰہی پر ان کو عبور ہوتا ہے اور ان کی قوت عملی اس عالم جسمانی میں تصرفات کرتی ہے اور یہی معجزات کا مقصد ہے، اس قوت علمی و عملی کے کمال کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو ان دونوں میں پست اور ناقص ہیں اپنے فیض صحبت اور فیض تعلیم سے کامل کر دیتے ہیں اور امراض قلبی کا وہ علاج کرتے ہیں تو یہی ان کی نبوت کی دلیل ہے۔ امام

[1] المنقذ من الضلال، ص: ۳۵، ۳۶، مصر۔

رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفصیل کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ اثبات نبوت کا یہی طریقہ قرآن مجید نے اختیار کیا ہے اور چند سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا ہے، ان میں نبوت کے یہی آثار و خصائص بیان ہوئے ہیں۔ ❶

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے حقائق

مولانا نے اس بحث کو عمدہ تشبیہات اور تمثیلات سے اس درجہ قریب الفہم بنا دیا ہے کہ تمام شکوک و شبہات دفع ہو جاتے ہیں، اس سے پہلے مولانا کے وہ اشعار لکھے جا چکے ہیں جن میں یہ دکھایا ہے کہ نبوت کی تصدیق کے لیے سب سے پہلی چیز حسن ذوق ہے آب شیریں اور آب شور، صورت و شکل اور رنگ و بو دونوں میں ایک ہوتے ہیں مگر صرف صاحب ذوق ان دونوں کا فرق محسوس کر سکتا ہے، اسی طرح نبی اور متنبی گو ظاہری شکل و صورت اور دعوائے نبوت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر صاحب ذوق ان دونوں کے آثار و خصائص سے فوراً تمیز کر لیتا ہے۔

جز کہ صاحب ذوق بشناسد بیاب	''غور کرو صاحب ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے؟
او شناسا آب خوش از شور آب	وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری ہے۔
جز کہ صاحب ذوق بشناسد طعوم	صاحب ذوق کے سوا مزہ کی تمیز اور کون کر سکتا ہے؟
شہد را نا خوردہ کے دانی زموم	اگر شہد نہ کھایا ہو تو موم اور شہد میں تمیز کیونکر کر سکتے ہو۔
سحر را با معجزہ کردہ قیاس ہر دو را بر مکر پندارو اساس	اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔
زر قلب و زر نیکو در عیار بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار	تم کھوٹے اور کھرے سونے کا فرق کسوٹی پر پرکھے بغیر نہیں کر سکتے۔
ہر کرا در جاں خدا بنہد محک	خدا نے جس کی روح میں یہ کسوٹی رکھی ہے
ہر یقیں را باز داند او زشک ❷	وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے
چوں شود از رنج و علت دل سلیم	جب آدمی کا دل بیماری سے پاک ہو
طعم صدق و کذب را باشد علیم ❸	تو وہ صدق و کذب کے مزہ کو پہچان لے گا''

دوسری چیز طلب ہے، جب تک دل میں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی اس کی طرف التفات نہیں ہوتا جس کا دل صداقت و راستی کا بھوکا نہیں، وہ غذائے روحانی کا طالب نہیں اور جب دل میں طلب اور روح میں بے قراری پیدا ہو جاتی ہے، اس وقت وہ دلیل و برہان کے لفظی مباحث سے بہت بلند ہو جاتا ہے، کسی کو اگر پیاس

❶ مطالب عالیہ کا پیش نظر قلمی نسخہ ناقص ہے، یہ فصل راغب پاشا نے اپنے سفینہ میں بہ تمام و کمال نقل کی ہے اور مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے الکلام کے ضمیمہ میں اس کو شائع کر دیا ہے، دیکھو سفینہ راغب پاشا مطبوعہ مصر، ص: ۲۷۷۔ ❷ مثنوی مولانا روم تفسیر آیہ کریمہ مرج البحرین…… ج ۱، ص: ۶۸۔ ❸ ایضاً، باز الحاج کردن ج ۲، ص: ۱۶۵۔

ہواور وہ تم سے پانی طلب کرے اور تم پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کرو کہ یہ پانی ہے تو کیا وہ تمہارے اس دعویٰ پر دلیل مانگے گا کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے، نہیں بلکہ وہ بلا دلیل نہایت شوق سے اپنا ہاتھ بڑھائے گا اور پانی پینے لگے گا۔

تشنہ راچوں بگوئی رو شتاب	''جب کسی پیاسے کو کہو کہ جلد جاؤ
در قدح آب است بستان زود آب	دیکھو وہ پیالہ میں پانی ہے۔
ہیچ گوید تشنہ کیں دعویٰ است رو	کیا کوئی پیاسا اس وقت یہ کہتا ہے کہ
از برم اے مدعی! مہجور شور	یہ فقط تمہارا دعویٰ ہے چلو ہٹو۔
یا گواہ و حجتی بنما کہ ایں جنس آب است و ازاں ماء معین	یا کیا وہ یہ کہتا ہے کہ پہلے اس دعویٰ کی دلیل لاؤ کہ یہ پانی ہے۔
یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد کہ بیامن مادرم ہاں اے ولد	یا جب شیر خوار بچہ کو اس کی ماں بلا کر کہتی ہے کہ اے بچہ! میں تیری ماں ہوں
طفل گوید مادرا حجت بیار تاکہ باشیرت بہ گیرم من قرار	تو بچہ یہ کہتا ہے کہ اپنی ماں ہونے پر دلیل پیش کرو تب میں تمہارا دودھ پیوں گا۔
در دل ہر امتی کز حق مزہ است روئے و آواز پیغمبر معجزہ است	جس کے دل میں حق کا مزہ ہوتا ہے اس کے لیے خود پیغمبر کا چہرہ اور پیغمبر کی آواز معجزہ ہوتی ہے۔
چوں پیمبر از بروں بانگے زند جان امت دردروں سجدہ کند	جب پیغمبر باہر سے آواز بلند کرتا ہے تو امت کی روح اندر ہی اندر سجدہ کرتی ہے۔
زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں از کسے نشنیدہ باشد گوش جاں [1]	سبب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کی آواز کی سی کوئی آواز روح کے کانوں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔''

تیسری چیز اتحاد جنسیت ہے۔ معجزات کا مقصد عموماً معارض کو لاجواب اور خاموش کرنا ہوتا ہے، لاجواب کو خاموش کر کے تم خصم کو زیر کر سکتے ہو مگر اس کے دل میں تشفی نہیں پیدا کر سکتے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی اور راستی کا عنصر ہے وہ خود اپنی ہم جنس شے کے طلب گار اور خریدار ہوتے ہیں۔

موجب ایماں نباشد معجزات بوئے جنسیت کند جذب صفات	''در حقیقت معجزات ایمان کا باعث نہیں ہوتے بلکہ اتحاد جنسیت کی بو اس کے صفات کو اپنی طرف کھینچتی ہے
معجزات از بہر قہر دشمن است بوئے جنسیت سوئے دل بردن است	معجزات تو مخالفت کو دبانے کے لیے ہوتے ہیں اور اتحاد جنسیت کی بو دل کو متاثر کرنے کے لیے ہے

[1] مثنوی مولانا روم بیان آں دعویٰ، ج ۱، ص: ۱۸۵۔

قہر گردو دشمن اما دوست نے دوست کے گردد بہ بستہ گردنے [1]	دبا کر تم دشمن کو زیر کر سکتے ہو مگر دوست نہیں بنا سکتے جس کو زبردستی گردن باندھ کر زیر کرو وہ دوست کیونکر ہوسکتا ہے۔"

معجزات کا صدور اکثر اسی طرح ہوتا ہے کہ معاندین یہ سمجھ کر کہ پیغمبر کاذب ہے، اس سے کسی خرق عادت کا مطالبہ کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اس کو پیش نہیں کر سکتا اور اس طریقہ سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہوگی اور اس کے دعویٰ کی تکذیب ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس خرق عادت کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس سے پیغمبر کی رسوائی اور فضیحت کے بجائے اس کی صداقت اور راست بازی اور عالم آشکارا ہو جاتی ہے اور اس بنا پر معجزہ اس کے صدق پر ایک نشانی اور آیت بن جاتی ہے، فرعون نے جادوگروں کو جمع کر کے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسوا کرے مگر یہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی اور فرعون کی ناکامی کا سبب بن گیا اور سینکڑوں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کر دی، اس بنا پر معاندین کا وجود اعلان نبوت کی بلند آہنگی اور شہرت کے لیے ضروری ہے۔

منکراں را قصد از لال ثقات ذل شده عزو ظهور معجزات	"مخالفوں کا یہ ارادہ کہ طلب معجزہ سے نیکوکاروں کو لغزشیں دیدیں ان کی ذلت اور معجزہ کے غلبہ و عزت کا باعث ہوگا
قصد شاں زاں کار ذل ایں بده عین ذل عز رسولاں آمده	ان کا ارادہ اس طلب معجزہ سے پیغمبر کی ذلت تھی لیکن یہی تذلیل کا ارادہ پیغمبروں کی عزت کا باعث ہو جاتا ہے
گرنه انکار آمدے از هر بدے	اگر کوئی بدکار پیغمبر کا انکار نہ کرتا
معجزه برهاں چرا نازل شدے	تو معجزہ برہان بن کر کیوں نازل ہوتا
خصم منکر تانه شد مصداق خواه کے کند قاضی تقاضائے گواه	جب تک فریق دوم دعویٰ سے منکر اور خواہان تصدیق نہ ہو قاضی گواہ اور شاہد کب طلب کرتا ہے؟
معجزه همچوں گواه آمد، زکی!	اسی طرح اے عقل مند! معجزہ بھی پیغمبر کا گواہ ہے
بهر صدق مدعی درپیشگی	جو مدعی کی تصدیق کے لیے سامنے آیا ہے
طعنه چوں می آمدازهر ناشناخت	جب کوئی ناشناس طعنہ کرتا تھا
معجزه می داد حق و بنواخت	تو خدا پیغمبر کو معجزہ دے کر نوازش فرماتا تھا
مکر آں فرعون سی صد تو شده	فرعون موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سینکڑوں چالیں چلا
جمله ذل او و قمع او شده	مگر ان میں سے ہر ایک خود اسی کی ذلت اور بیخ کنی کا باعث ہوئی
ساحراں آورده حاضر نیک و بد	اس نے اچھے برے ہر قسم کے جادوگر جمع کیے
تاکه جرح معجزه موسیٰ کند	تاکہ موسیٰ کے معجزہ کو باطل کرے

[1] مثنوی مولانا روم دربیان حکایت رنجوری، ج ٦، ص: ٥٨٠۔

تا عصا را باطل ورسوا کنند	اور عصائے موسیٰ کی قوت کو باطل اور رسوا کرے
اعتبار او زدلہا برکنند	اور لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو کھوئے
عین آن مکر آیت موسیٰ شده	لیکن عین یہی سازش موسیٰ کی صداقت کی نشانی ہوگئی
اعتبار آں عصا بالا شده	اور اس سے اس عصا کی قدر ومنزلت اور بڑھ گئی۔'' [1]

معجزہ سے مقصود اگر معاندین کو خاموش اور رسوا کرنے کے علاوہ ان کے دلوں کو متاثر کرنا ہوتا تو اس کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی کہ عصا کو سانپ بنایا جائے اور قمر کو دو ٹکڑے کر دیا جائے اور اس کے ذریعہ سے قلوب کو متاثر کیا جائے، ان جمادات ونباتات پر تصرف کر کے قلوب میں تصرف کرنے سے زیادہ صاف اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ براہِ راست خود دلوں میں تصرف کیا جائے کہ وہ صدائے نبوت کے سننے کے ساتھ لبیک پکار اٹھیں۔ معاندین کا معجزہ طلب فرقہ جو انبیا سے جمادات ونباتات پر ان کے اثرات کا طالب ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قبول ایمان پر آمادگی ظاہر کرتا ہے، خود ان کی یہ طلب، ان کے ضمیر کی پستی اور قلب کی سیاہی کی دلیل ہے جن کے آئینہ دل پاک وصاف ہوتے ہیں، وہ بلا واسطہ جمادات ونباتات پیغمبر سے براہ راست خود اس اثر کو قبول کرتے ہیں، اس کے علاوہ معجزہ سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی، اس کے لیے بھی استعداد کی ضرورت ہے، دریا کی طراوت اور اس کے روح افزا ہونے میں شک نہیں، لیکن اس میں خشکی کے پرند زندہ نہیں رہ سکتے۔

معجزہ کاں برجما داتے اثر　　　یا عصا یا بحر یا شق القمر

''معجزہ جو بے جان چیزوں پر اثر وتصرف کرتا ہے، مثلاً: عصا کا سانپ ہو جانا، سمندر کا پھٹ جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔''

گر اثر بر جاں زندبے واسطہ　　　متصل گردد بہ پنہاں رابطہ

''اگر وہ معجزہ براہ راست روح کو متاثر کرے تو اندر اندر روح سے اس کا رابطہ پیدا ہو۔''

برجمادات آں اثر ہا عاریہ است　　　آں پئے رُوح خوش متواریا است

''لیکن غیر ذی روح پر اس کا اثر عاریۃً ہے اور روح کے لیے پوشیدہ ہے۔''

تا ازاں جامد اثر گیرد ضمیر　　　حبذا ناں بے ہیو لائے خمیر

''مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس غیر ذی روح شے کی اثر پذیری کو دیکھ کر روحِ انسانی اثر پذیر ہو۔''

برزند از جانِ کامل معجزات　　　بہ ضمیر جانِ طالب چوں حیات

''لیکن معجزہ روح کامل کو خود بے واسطہ اور براہ راست متاثر کرتا ہے اور طالب کے لیے زندگی ہوتا ہے۔''

معجزہ بحر است و ناقص مرغ خاک　　　مرغ خاکی رفت دریم شد ہلاک

---

[1] مثنوی مولانا روم گفتن عسس، ج٦، ص: ٦٥٦۔

''معجزہ کی مثال دریا کی ہے اور ناقص کی خشکی کے پرندہ کی، خشکی کا پرندہ دریا میں جائے گا تو ڈوب جائے گا۔''

مرغ آبی دروے ایمن از ہلاک ماہیاں را مرگ بے دریا ست خاک [1]

''لیکن آبی پرندہ اس میں جائے تو موت سے بے پروا رہے گا بلکہ مچھلیوں کے لیے تو دریا کے بغیر خشکی موت ہے۔''

الغرض ناقصین اور معاندین کے لیے جس طرح صدقِ نبوت کے دوسرے دلائل بے کار ہوتے ہیں، معجزہ کی شہادت بھی بے کار ہوتی ہے۔ معجزہ طلب فرقہ شاذ و نادر ہی دولت ایمان پاتا ہے لیکن وہ ہستیاں جو براہ راست پیغمبر کے وجود سے اثر پذیر ہوتی ہیں، ان کو قبول اثر کے لیے معجزہ کے واسطہ کی حاجت نہیں، ابوجہل معجزہ جمادات دیکھ کر بھی کافر ہی رہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ معجزہ دل سے صدیق اکبر ہوئے۔

ازستیزہ خواست بوجہل لعین معجزات از مصطفیٰ شاہ بہین

''ابوجہل نے عناد سے آنحضرت ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔''

معجزہ جست از نبی ابو جہل سگ دیدو نفزودش ازاں الا کہ شک

''لیکن یہ معجزہ دیکھ کر بھی شک کے سوا اس کو یقین نہ پیدا ہوا۔''

لیک آں صدیق حق معجز نخواست گفت ایں رو خود نہ گوید غیر راست [2]

''لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معجزہ طلب نہ کیا، انہوں نے کہا کہ یہ چہرہ نبوی ﷺ سچ کے سوا جھوٹ کہہ ہی نہیں سکتا۔''

صحابہ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا

اب یہاں پہنچ کر مفروضات اور نظریات کو جانے دیجئے واقعات کو لیجیے، آنحضرت ﷺ نے جب آوازۂ نبوت بلند کیا تو اس آواز کی تائید کرنے والا کوئی دوسرا نہ تھا، عرب کا ذرہ ذرہ اس صدائے حق کا دشمن تھا، آپ پشت ہا پشت کے خوکردہ عادات کے ترک کی دعوت دیتے تھے، موروثی مذہب جو لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا، آپ اس کی مذمت کرتے تھے، جن بتوں اور دیوتاؤں کے رعب و ہیبت سے وہ کانپتے تھے، آپ ان کو منہدم کرنے کا حکم دیتے تھے، سرقہ، ڈاکہ، لوٹ مار، قتل، خونریزی، کینہ، عداوت، سود، قمار، زنا، شراب، غرض وہ تمام افعال جو عرب کے خصائص بن گئے تھے، آپ ان کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے، علاوہ بریں آپ کے دست مبارک میں کوئی ظاہری مادی طاقت نہ تھی، دولت وخزانہ نہ تھا، اس دعوت کو قبول کرنے والوں کے لیے بجز مصائب وبلا کے، آپ کے پاس کوئی ظاہری قابل معاوضہ چیز نہ تھی، ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لینے کے ساتھ وہ اپنے گھر سے بیگانہ، اپنی جائیداد سے محروم اپنے خاندان سے ناآشنا،

[1] مثنوی مولانا روم دربیان حکایت رنجوری، ج ٦، ص:٥٨٣۔ [2] ایضاً رد کردن معشوق، ج ٤، ص:٣٣١۔

اپنے وطن سے مہجور اور اکابر شہر اور رؤسائے قریش میں رسوا، بدنام اور ہر قسم کی مصیبتوں کا ہدف اور نشانہ بن جائے گا، غریب مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بے رحمیاں اور سفاکیاں کی جا رہی تھیں وہ سب کے سامنے تھیں، بایں ہمہ ایک خلقت تھی کہ آستانہ محمدی ﷺ کی تلاش میں چلی آتی تھی، عرب کے دور دور کے قبائل سے لوگ چھپ چھپ کر پہنچتے تھے اور بیعت کر کے واپس جاتے تھے اور آخر وہ بھی جو سالہا سال تک آنحضرت ﷺ کے دشمن تھے، اسلام کے شدید مخالف اور بدر واحد اور احزاب و خندق کے بانی تھے، وہ بھی ایک روز سرِ اطاعت جھکانے پر مجبور ہوئے۔

آخر اس کے کیا اسباب تھے؟ اور کیونکر ان کو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور صداقت کا یقین آیا۔ عیسائیوں کی طرح یہ کہنا آسان ہے کہ محمد ﷺ نے لڑ کر لوگوں کو مطیع بنالیا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جاں نثار لڑنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوئے؟ ان کو کس نے لڑ کر مطیع بنایا؟ اب اگر اسلام لانے والوں کے اسباب پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ سب کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا، سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک متحد نتیجہ کا یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے یقین کے اسباب وعلل کی تلاش کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کے یقین کے اسباب وعلل اور اذعان کے طرق اور ذریعے مختلف ہیں، ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی، آپ کی رسالت پر ایمان لائے، آپ کی صداقت پر یقین کیا، مگر یہ تصدیق، یہ ایمان اور یہ یقین کسی ایک سبب کا نتیجہ نہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف معجزہ ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر طبیعت صالحہ اور قلب سلیم کے لیے پیغمبر کی صداقت کی مختلف دلیلیں مؤثر اور کارگر ہوئی ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صرف دعوائے نبوت کو سن کر ایمان لے آئے، محض دعویٰ کی صداقت نے ان کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان، حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم یہ دیکھ کر اسلام لے آئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سا دانش منداس صداقت سے متاثر ہے، خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، مگر یہ کہہ کر آپ ﷺ جیسے اخلاق گراں مایہ کا انسان جو غریبوں کا مولیٰ، مقروضوں کا ماویٰ اور مسافروں کا ملجا ہے، کبھی شیطان کے پنجہ میں گرفتار نہیں ہو سکتا، حضرت انیس غفاری اور حضرت عمرو بن عنبسہ سلمی رضی اللہ عنہما یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپ ﷺ مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہیں، حضرت عمر، حضرت طفیل بن عمرو دوسی، حضرت جبیر بن مطعم، نجاشی شاہِ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلامِ ربانی سن کر حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت ضماد بن ثعلبہ ازدی نے نفس کلمہ طیبہ سننے کے ساتھ نعرۂ حق بلند کر دیا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ چہرہ انور کو دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ ”یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔“ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ رئیس بنی سعد اس طرح اسلام لائے کہ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربار نبوی میں آ کر آنحضرت ﷺ کو قسم دلائی کہ تم کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے اور جب آپ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ [1]

[1] آگے یہ واقعات مفصلا حوالوں کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ”ض“

اوس وخزرج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخرالزمان کا ظہور ہونے والا ہے، جب انہوں نے آپ کی تقریر سنی تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں، فتح مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اسلام لانے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ خانہ خلیل کسی جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جاسکتا۔ ایک پورا قبیلہ صرف آپ کی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھا، متعدد شعرائے عرب اور اصحاب علم صرف قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل کو قابو میں نہ رکھ سکے، متعدد قریشی جانباز جو معرکۂ بدر سے مرعوب نہیں ہوئے تھے، مسلمانوں کے آداب واخلاق کو دیکھ کر اسلام لے آئے، صلح حدیبیہ کے بعد ہزاروں مکہ کے آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہوگئے، ابو سفیان جس کو نہ تو معجزات اور خوارقِ عادات متاثر کر سکے اور نہ بدر وخندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں، نہ آنحضرت ﷺ کا رشتہ دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا، وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کے اعتراف کو نہ روک سکا کہ قیصر روم اپنے تخت جلال پر بیٹھ کر مکہ کے بوریا نشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے۔ ثمامہ بن اثال، ہندہ زوجہ ابوسفیان، ہبار بن الاسود، وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا کہ آپ ﷺ دشمنوں کے ساتھ بھی کس محبت سے پیش آئے، قیصر روم صرف آپ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سن کر اظہار حق پر مائل ہوگیا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ قبیلہ طے کے عیسائی رئیس تھے، وہ آپ ﷺ کو بادشاہ سمجھ کر مدینہ آئے، مگر یہاں انھوں نے دیکھا کہ ایک لونڈی آئی ہے اور آپ اس کی حاجت روائی کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا دل اندر سے پکار اٹھا کہ آپ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔ ایسے لوگ بھی تھے، جو ان روحانی واخلاقی معجزات کے مقابلہ میں مادی معجزات سے متاثر ہونے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے، قریش کے بہت سے لوگ فتح روم کی پیشین گوئی کو پوری ہوتے دیکھ کر اسلام لے آئے، ایک سفر میں ایک قبیلہ کی عورت آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہتے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جاکر کہتی ہے کہ آج میں نے عرب کے سب سے بڑے جادوگر کو دیکھا اور اسی استعجاب نے پورے قبیلہ کو مسلمان کر دیا، متعدد یہودی اس لیے مسلمان ہوگئے کہ گزشتہ انبیا کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں، وہ حرف بحرف آپ میں صحیح نظر آتی تھیں، متعدد یہودی علمانے آکر آپ کا امتحان لیا اور جب آپ نے از روئے وحی ان کے جوابات صحیح دیے تو وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اس وقت آپ کو سچا رسول تسلیم کروں گا۔ جب یہ خرمے کا خوشہ آپ کے پاس آکر آپ کی رسالت کی شہادت دے اور جب یہ تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو مسلمان ہوگیا۔ [1] ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا، آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا کہ آپ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''سامنے کا درخت۔'' اور یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اس درخت کو بلایا، وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپ کے پاس

[1] جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب فی حنین الجذع: ۳۶۲۸۔

کھڑا ہو گیا اور تین بار اس کے اندر سے کلمہ توحید کی آواز آئی، یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ [1] سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آرہے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ آپ کی دعا سے تین دفعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تو ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے اقبال کا ستارہ نقطہ اوج پر پہنچ کر رہے گا، چنانچہ خطِ امان حاصل کیا اور بعد کو مسلمان ہو گئے۔ [2]

چوں پیمبر از بروں بانگے زند — جان امت در دروں سجدہ کند [3]
برزند از جانِ کامل معجزات — بر ضمیر جانِ طالب چوں حیات [4]

---

[1] سنن دارمی، المقدمة، باب ما اکرم اللّٰه نبیه من ایمان الشجر:١٦۔ [2] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ، واصحابه الی المدینة: ٣٩٠٦۔ [3] مثنوی مولانا روم، بیان آں دعوی که...... ج٢، ص:١٨٥۔ [4] مثنوی مولانا روم دربیان حکایت رنجوری، ج٦، ص: ٥٨٣۔

دلائل و معجزات اور عقلیاتِ جدیدہ

نوشتہ مولانا عبد الباری صاحب ندوی، سابق استاد فلسفہ جدیدہ، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد۔دکن

﴿ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَن قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ ﴾ (۱۰/ یونس: ۱۰۱)

''جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے آیات و نذر بے کار ہیں۔''

لیکن

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است روئے و آواز پیمبر معجزہ است (عارف روم)

متکلمین و حکمائے اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ گزشتہ مباحث میں نظر سے گزر چکا ہے۔ ''سیرت'' کے اس حصہ کو اصلاً معجزات نبوی کی نقلی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا، تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث بھی ایک حد تک آ گئے ہیں، ذیل میں اس موضوع پر صرف عقلائے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے اور جدید تحقیقات و خیالات کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں، ان کو پیش کرنا ہے۔

آغاز کتاب میں نبوت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے، سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو۔

مفہوم نبوت

جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانونِ قدرت ہے، اسی طرح یہ بھی ایک سنت الٰہی ہے کہ جب عالم انسانیت پر ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت و راہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے اور اگرچہ جس طرح ظلمت شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عام مصلحین و مجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالت انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے، تاہم آفتاب کی ضیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کے سامنے ستاروں کی جھلملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور کرۂ ارض دفعۃً بقعۂ نور بن جاتا ہے۔

سلسلۂ مصلحین کے اسی آفتاب ہدایت کے نام ادیان و شرائع کی اصطلاح میں نبی پیغمبر یا رسول ہے، عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل و بصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مشکوٰۃ نبوت سے جو نورِ ہدایت اُبلتا ہے اس کا سرچشمہ وہ ''نور السموات والارض'' ہوتا ہے، جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے، وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے، اس کے احوال و کوائف سے ہم ناآشنا اور اس کے عقل و حواس سے بیگانہ ہوتے ہیں، مختصراً یوں سمجھو کہ پیغمبرانہ خصائص کی اصلی روح عالم ناسوت سے ماورا کسی عالم غیب کے ساتھ تعلق و ربط ہے، انسان اسی عالم اسرار و غیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالم قدس، عالم روح، عالم مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔

مفہوم معجزہ

حامل رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے، اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت، اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حامل کا مجسم وجود ہوتا ہے، تاہم بہ اقتضائے "لیطمئن قلبی" یا بلحاظ اتمام حجت اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو درماندہ پاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ سرد ہوگئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بن گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے چشم زدن میں "مسجد حرام" سے لے کر "مسجد اقصیٰ و سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کر لی، ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے، اس لیے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے، عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی و آیات یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں، قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات، براہین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے، محدثین ان کو "دلائل نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں اور حکما اور متکلمین کی اصطلاح میں انہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

ترتیب مباحث

معجزات کی جو نوعیت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا ان کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟ قدما نے علل مخفیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقتاً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہوگئی ہے، نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کو انکار ہو، البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ یقین وقوع کے لیے عام واقعات تاریخی کے درجہ کی شہادت کافی نہیں خیال کی جاتی۔

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع معجزانہ واقعات کا قابل یقین و اذعان ہونا یا نہ ہونا ہے، اس لیے امکان و شہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت و اسباب کا ہے تعجب ہوتا ہے کہ اس طرح بحث معجزات کے ضمن میں متقدمین و متاخرین میں سے جہاں تک علم ہے کسی کا بھی ذہن نہیں گیا۔ صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقلاً جواب دیا گیا ہے بلکہ دراصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمہ سخن ہے

بہرکیف اس خاکہ کی بنا پر ترتیب مباحث یہ ہوگی:

① امکان معجزات ② شہادت معجزات ③ استبعاد معجزات

④ یقین معجزات ⑤ غایت معجزات۔

امکان معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر بیسیوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم [1] نے جو چند اوراق لکھے تھے، وہ سارے طومار پر بھاری ہیں اور گو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی، تاہم وقوع معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے، وہ بھی یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان اوراق پر کم و بیش دو صدیاں گزر جانے پر بھی موافق و مخالف دونوں کے قلم کی روشنائی انہی کے نقوش مٹانے یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے۔

ہیوم کا استدلال

ہیوم کے استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ

① انسان کے علم و یقین کا مدار تمام تر تجربہ پر ہے جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے، اسی طرح تجربہ ہی کی بنا پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں، یعنی جس چیز کی وہ روایت یا تصدیق کرتے ہیں وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے۔

② جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گزشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے، اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان، شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے، جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے، پیری و فاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے، کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا، آج تمہارا ایک پڑوسی آ کر کہتا ہے کہ وہ بیچارہ بڈھا فقیر رات کو مر گیا۔ تم کو اس کے بیان کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موٹر پر سوار واہٹ وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا تو تم کو سخت اچنبھا ہوگا اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس و پیش کرو گے۔ تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ ''میں نے اس پیر فرتوت، پوست و استخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے'' اب تم اپنے پڑوسی کو یا تو محض لاغی سمجھو گے یا یہ خیال کرو گے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہوگا کیوں؟

صرف اس لیے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گزشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی، اسی بنا پر اس کو خلاف

[1] Human under standing ''فہم انسانی'' باب بحث معجزات۔ اردو ترجمہ از ص ۱۴۴ تا ۱۴۹ مطبع معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۸ء

فطرت یا خارق عادت قرار دیا جاتا ہے، جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ راوی کو دھوکا ہوا یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا، یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی، تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے اور خرق عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن و قابل قبول ہے۔

③ معجزہ اسی ضعف کے عدیم الوقوع یا قانون فطرت کے خارقِ واقعہ سے عبارت ہوتا ہے ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا اس لیے کہ اگر یہ محض نادر الوقوع شے کا نام ہو جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولت مند ہو جانا تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لیے عام انسانی زندگی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں، مثلاً: مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل سکتا ہے بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو۔ اس لیے معجزہ گویا بذات خود آپ اپنی تردید ہے۔

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہیے:

> ''معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں، اس لیے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا، کیا وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں، سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا، آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے، صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا بغیر قوانین فطرت کے توڑے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے جو چیز عام قانون فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی، مثلاً: یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے، اچانک مر جائے کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتاً قلیل الوقوع سہی لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آ چکی ہے، البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے، لہٰذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہو جانا ضروری ہے، ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے، تو گویا معجزہ کے نفس حقیقت و ماہیت میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جا سکتا ہے، جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے۔''

’’لہٰذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو، جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی فرض کرو کہ ایک شخص آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہوگیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو یا خود دھوکا کھا گیا ہو یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہو جانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔‘‘ [1]

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزان عقل میں کسی خارق عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزار ہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت چاہے کتنی ہی معتبر و وقیع کیوں نہ ہو تا ہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی لہٰذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت بھی معجزہ کے یقین و اثبات کے لیے کافی نہیں ہوسکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی، ہیوم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن و منکر ہوگا لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبول معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا اس کو ہیوم ہی نے توڑا اور ہمیشہ کے لیے برباد کر دیا ہے جس کے بعد راستہ کے صرف چند کانٹوں کا ہٹانا باقی رہ جاتا ہے۔ چراغ تلے اندھیرا، آدمی بار ہا اپنے ہاتھ کی مشعل سے دوسروں کو راستہ دکھلاتا ہے اور خود نہیں دیکھ سکتا۔

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے، شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علل و اسباب اور قویٰ و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لیے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے، ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے، جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے، جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے منفک نہ ہو جائے، یہ ناممکن ہے کہ میرا قلم میز کی ایک جانب سے دوسری جانب کو چلا گیا ہو، بغیر اس کے کہ کسی ہاتھ یا کسی اور مادی شے نے اس کو حرکت دی ہو، اس کاغذ پر جو نقوش تم کو نظر آ رہے ہیں ضروری ہے کہ ان کو کسی نہ کسی قلم نے کھینچا ہے، اسی طرح یہ نہیں ہوسکتا

[1] فہم انسانی، باب معجزات، ص: ۱۳۱ تا ۱۳۳۔

کہ انار کے درخت سے آم کا پھل، یا آم کے درخت سے انار کا پھل پیدا ہو، آم کے درخت سے ہمیشہ آم اور انار کے درخت سے ہمیشہ انار ہی پیدا ہوگا۔

غور کرو جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی تو تم کو اس کے باور کرنے میں کیوں پس وپیش ہوتا ہے، اس لیے کہ آگ جب تک آگ ہے جلانے کا خاصہ اس سے منفک نہیں ہوسکتا اس کو ابراہیم اور نمرود کی تمیز نہیں، اژدھا ایک جاندار مخلوق ہے جو تولید مثل کے قاعدے سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے اس لیے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کیونکر اژدھا بن گیا، انسان کا بچہ اپنے والدین کے بندھے ہوئے اور مشترک عمل توالد وتناسل کا نتیجہ ہوتا ہے پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے۔ دس قدم کی مسافت طے کرنے کے لیے بھی آدمی کو اپنے پاؤں یا کسی اور مادی وسیلہ کی احتیاج ہوتی ہے اور جس قدر مسافت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس کے قطع کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے، لہٰذا یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے بلا معمولی وسائل مادی کے استعمال کے طرفۃ العین میں ''مسجد حرام'' سے ''مسجد اقصیٰ'' اور ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک کی سیر کرلی، زمین وآسمان کی آیات کا مشاہدہ کیا اور تمام انبیائے سابقین سے گفتگو فرمائی، پھر یہ تمام مراحل اتنے وقفہ میں کیونکر طے ہوسکتے ہیں کہ واپسی پر کواڑ کی زنجیر ہل رہی ہو اور بستر کی گرمی ہنوز قائم ہو۔

سلسلۂ علل واسباب اور اشیاء کے افعال وخواص ہی کے اصول وقوانین کا نام حکما اور فلاسفہ کی اصطلاح میں قوانین فطرت ہے، جن کا خرق محال خیال کیا جاتا ہے، مثلاً: کشش ثقل ایک قانون فطرت ہے جس کا یہ اقتضا ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کے ہمیشہ نیچے آئے گا فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے، ہائیڈروجن اور آکسیجن دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا۔

قوانینِ فطرت کی حقیقت

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں، واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے؟ اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل ومضحک معلوم ہوگا، جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ جز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو، اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں، لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جن کی بنا پر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورت شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بنا پر نمک کو نمکین اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے۔ سنکھیا زہر ہے جس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے

سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو، اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے، جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو جس شخص نے سنکھیا کبھی نہیں دیکھی یا اس کے اثر سے ناواقف ہے اس کو تم باآسانی کھلا سکتے ہو کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس کو خود سنکھیا کے اندر کوئی ایسی شے نہیں نظر آتی جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اس کے زہر قاتل یا علت موت ہونے کا علم و یقین حاصل کر سکے بیسویں صدی کے سائنس دان کے لیے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزا یا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا، ڈھائی ہزار سال تک حکما اور عقلائے عالم پانی کو ایک مفرد و بسیط عنصر یقین کرتے رہے، حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل کاونڈس [1] کے سامنے تھی وہی طالیس ملطی [2] کے سامنے بھی تھی، سنکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک (ہلاکت کی علت) و شیریں یقین کرتے جس طرح آج سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب ''نظام منطق'' [3] میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ

> ''آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پر مبنی نہ تھا جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اہل یورپ کو اس فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے تھے کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں [4] مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو معلوم ہوا کہ یہ خیالات غلط تھے لیکن اس تجربہ کے لیے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو براعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا حقیقتہً کوئی وجود نہ تھا۔''

کائناتِ فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے، جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں اور تمام ہنس سفید۔ انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروض مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا کہ فرض کرو کہ

> ''افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلۂ عمارت ہے جو چاروں طرف ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے، اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے جو اس احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی، یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے جو سب مقفل ہیں اور کنجیوں کا

---

[1] جس نے پانی کو بسیط عنصر کے بجائے آکسیجن و ہائیڈروجن سے مرکب ثابت کیا۔

[2] یونان کا پہلا فلسفی جو پانی کو مبدء عالم جانتا تھا۔ [3] سسٹم آف لاجک کتاب سوم باب ۳ فصل دوم۔

[4] وسط افریقہ کے آدمی کالے ہوتے ہیں اور یورپ کے ہنس سفید ہوتے ہیں۔

پتہ نہیں کہ کہاں ہیں، بڑی محنت وجستجو کے بعد کل پچیس کنجیاں ملتی ہیں، جن سے اِدھر اُدھر کے پچیس کمرے کُھل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں لہٰذا کیا اس بنا پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کر دیں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں۔ [1]

قوانین فطرت یا خواص اشیاء وعلاقۂ تعلیل (علت ومعلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) وفلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے لیکن اس حقیقت کو سب سے پہلے جس شخص نے اجاگر کیا۔ وہ معجزات کا منکر ہیوم ہی تھا، اس لیے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرق عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے اس کے عدم امکان کا کیا وزن ہے۔

''جب [2] ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو، نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا کوئی امکان نہ ہو، ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگانے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے بس حواس ظاہری سے جو کچھ نظر آتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے اشیاء میں اس تقدم وتاخیر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو نفس تبعیت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا۔ کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ ومعلول کی پیشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔''

حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی صفات محسوسہ کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے کوئی اور دوسری شے ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے، صلابت، امتداد، حرکت یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں جس کو ان کا نتیجہ کہا جا سکے موجودات عالم میں ہر آن تغیر وتبدل جاری ہے، ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے لیکن وہ قوت وطاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی، ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں (گرمی وشعلہ) میں کیا لزوم ہے اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے۔ [3]

اسی سلسلہ میں چند صفحات بعد کی ایک اور طویل عبارت [4] کا یہاں اقتباس مناسب ہے جس سے

---

[1] مل کی منطق کتاب سوم، باب ۲۱ فصل ۴، حاشیہ۔ [2] فہم انسانی باب ۷ فصل ۱، ص: ۷۰۔
[3] فہم انسانی باب ۱، ۷ فصل ۱۔ [4] ایضاً ص: ۷۷، ۷۸۔

آگے چل کر کام پڑے گا۔

''عام طور پر لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات و افعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً: بھاری چیزوں کا نیچے آ جانا، درختوں کی بالیدگی، حیوانات میں توالد وتناسل، یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم واحساس ہے جس کی بنا پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اور اس لیے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں، بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایک ایسا میلان ورجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہو جاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہو سکتا تھا، صرف اس صورت میں جب کہ غیر معمولی واقعات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً: زلزلہ، وبا یا کوئی اور عجیب وغریب بات، تو البتہ ان کی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ وتشریح کیسے کی جائے اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی ان دیکھی صاحب عقل وارادہ ذات کے قائل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم ناقابل توجیہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثنا تمام واقعات عالم کا مبدأ اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات وحوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی و براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہوتا ہے بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے تو خود خدا اپنے ارادۂ خاص سے اس کو متحرک کر دیتا ہے اور یہ ارادہ ان عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لیے مقرر کر دیئے ہیں۔''

جب یہ مسلّم ہو چکا کہ قوانینِ فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خط ہونے کا کبھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلافِ فطرت یا خارقِ عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے، چنانچہ خود ہیوم کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ ''جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہو سکتی اور جو شے مستلزمِ تناقض نہ ہو اس کو کسی حجت و برہان یا عقلی دلیل سے غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا۔'' [1]

[1] فہم انسانی، باب ۴، فصل ۱، ص: ۲۶، ۲۷۔

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (Scientist) ہے اور جس کی جگہ حکما کی صفِ اول میں ہے اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جا بجا نقل کر کے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے۔ خود ہیوم کے نظریہ معجزات پر بحث کرتے ہوئے [1] پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی تعریف کی تغلیط کی ہے کہ ''وہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا'' اور بتلایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز واقعات'' [2] کے ہو سکتے ہیں، پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ

''لیکن معجزہ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے، لہٰذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا۔'' بایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ ''مردہ کا زندہ ہو جانا معجزہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے۔''

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی مہملیت کو برہنہ کر کے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آئندہ بغیر قوانین فطرت کے خرق کے واقع نہیں ہو سکتی۔''

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون ''ممکنات و ناممکنات'' ہے، اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے کہ [3]

''صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو ''ناممکن'' کہنا حق بجانب ہو، منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں ''مربع مدور، ماضی موجود، دو متوازی خطوط کا تقاطع'' یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں، اس لیے کہ مدور موجود یا حاضر اور تقاطع کا تصور ہی مربع ماضی اور متوازی کے تصور کے متناقض ہے، لیکن پانی پر چلنا، یا پانی کو شراب بنا دینا، بچہ کے بے باپ پیدا ہونا، مردہ کو زندہ کر دینا، یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ دعویٰ کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں اس لیے یہ افعال اس کے لیے ناممکن ہیں لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا؟ ابھی تک ہم اس کی ابتدا اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے، اس کا ہم کو علم ہے باقی جو کچھ واقع ہونے

[1] ہکسلے کی کتاب ''ہیوم'' باب ۷ (متعلق معجزات) [2] انگریزی میں معجزہ کے لیے جو لفظ مستعمل ہے (مرکیل) اس کے لفظی معنی بھی ''حیرت انگیز'' کے ہیں۔ [3] ''ہیوم'' ۸۔۱۹۷۔

والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں، جس کی بنیاد کم وبیش گزشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے، جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا۔"

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے اور وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل وحکمت بہترین دوست ہے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدۂ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں۔ [1]

لیکن یہ باتیں قریباً چوتھائی صدی قبل کی ہیں، [2] ۱۹۲۷ء کے بعد کوانٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے باکانہ و مدعیانہ فقروں کی گنجائش نہیں چھوڑی، فلسفہ میں تو علت ومعلول کے لزوم ووجوب کی بنیادوں کو ہیوم کیا، ہیوم سے صدیوں پہلے امام ابوالحسن اشعری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا، البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور سمجھی جاتی تھی، اس ستم ظریفی کو کیا کہیے کہ خود سائنسی تجربات واختبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح ومتزلزل ہوگیا ہے، بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹین جیسے اکابرِ سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دینا پڑا ہے، چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات وخیالات پر "ماڈرن بلیف" کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا، اسی کے جستہ جستہ یہ اقتباسات پڑھو:

"کوانٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علل ومعلول کے قانون کی فرمانروائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا، سارے طبعی واقعات وحوادث بالکلیہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کیے جاتے تھے، سلسلۂ علل ومعلولات میں کہیں کوئی خلل ورخنہ نہ تھا مگر ۲۷ء میں اس خیال ویقین کو سخت دھکا لگا اور ماہرین طبیعیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب وکلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی یا قطعی علیت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا، ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاتفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہوگیا ہے کہ آیا کارخانۂ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے جس کو علیت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کی تہ میں کوئی ایسی شے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے۔ ماحصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔" [3]

[1] (Wonder of Life) عجائبات حیات) از ہیگل باب ۱۳ معجزات۔

[2] معجزات پر سیرت کا یہ ٹکڑا آج (۴۵ء) سے ۲۴ سال قبل لکھا گیا تھا۔ [3] بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابت ۳۲ء۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوانینِ فطرت کا سرے سے کوئی وجود نہیں بلکہ ''ان'' کی حیثیت اعداد وشمار کے لیے قوانین کی رہ جاتی ہے، زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس برس کی عمر میں مرجائے گا لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد آدمی چالیس کے سن میں مرجائیں گے یعنی افراد کا عمل ناقابل پیش بینی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بینی ممکن ہے بس قوانینِ فطرت فقط اسی معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیشین گوئی یا پیش بینی ہوسکتی ہے۔ ❶

بالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوباً پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی کہ وہ فلاں عمر میں مرجائے گا البتہ عادۃً یہ معلوم ہے کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مرجائیں گے مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادۃ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بنا پر عمل فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا البتہ ان قوانین کا منشا یہ ہے، بہرے، بے علم واختیار مادہ کا اٹل وجوب ولزوم سے نہیں۔ بلکہ ایک علم واختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت ومشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف بھی کرسکتی اور کرتی ہے یہی معجزہ ہے اور بقول مشہور سائنس دان ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ قائل مذہب سائنس دان کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آسکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کرسکتا ہے ہم کو معجزات کے خلاف اگر سائنس کے کسی ایسے فتویٰ کا علم نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول کرنے سے مانع ہو۔ ❷

جب کارپنٹر کے زمانہ میں ہی سائنس کا کوئی ایسا فتویٰ معلوم نہ تھا تو اب کو ایٹم نظریہ کے بعد جب کہ کلام وفلسفہ کے نرے قیاسات سے گزر کر خود سائنس کی دنیا میں اور سائنس ہی کی راہ سے فطرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہوگیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لیے رخصت کرنا پڑ رہا ہے تو اور بھی سائنس کا یا قوانین فطرت کے خرق کا نام لے کر کسی معجزہ کا انکار کس منہ سے کیا جاسکتا ہے لہٰذا بقول کارپنٹر ہی کے اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کردیا کرتا ہے۔'' ❸

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کرسکتا ہے یعنی معمولی سلسلۂ علل واسباب ومعلولات کو توڑ سکتا ہے بلکہ ایک اور نامور عالم طبیعیات پروفیسر ڈالبیر ❹ کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا

---

❶ پورا نام (Out Line of Modern Belief) ہے، مرتبہ جے ڈبلیوان سولیوان (Sulivan) واٹر گریرسن (Grierson) حصہ چہارم، باب ۶، صفحہ: ۴۸۔ ❷ دیکھو فرانک بیلارڈ کی (The Miracle of unbelife)

❸ ایضاً۔ ❹ دیکھو اس کی کتاب Metter, Either, Notion (مادہ، پتھر، حرکت)۔

کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل واسباب غائب ہوتے ہیں اجسام حرکت کرتے ہیں اور درانحالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتا ہے اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلا کسی وساطت کے) پہنچ سکتا ہے اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔ ہکسلے کو اگرچہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ معجزہ نام قوانین فطرت کے خرق کا ہے۔ لیکن تصریحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابل اعتراض نہیں رہ جاتی۔

① قوانینِ فطرت عبارت ہیں قوانینِ عادت سے۔

② جو ہم کو بذاتِ خود اشیاء کے اندر معلوم نہیں بلکہ ان کی بنیاد تمام تر گزشتہ تجربہ پر ہوتی ہے جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

③ لہٰذا قوانین فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا خرق) بذاتِ خود ممکن، عقلاً جائز ہے بہ الفاظ دیگر کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز و ممکن ہے۔

شہادتِ معجزات

امکان، وقوع کے لیے کافی نہیں

لیکن کسی امر کا صرف عقلاً جائز و ممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں، یہ عقلاً بالکل جائز و ممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا، مگر واقعتاً ایسا نہیں، کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لیے دو صورتیں ہیں: (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت، غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہ جاتی، مثلاً:

> ”آنحضرت ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے، جو خاص طور پر آپ کے لیے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو برتن دیا اور طشت طلب فرمایا، آپ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ

بسم اللہ کہہ کر آپ کے ہاتھ پر پانی گرائیں ،حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُمڈا پھر تمام طشت بھر گیا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہوگئے اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔'' 1

اب اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین وقبول کرنے میں کیا تامل ہوسکتا تھا، البتہ ہمارے لیے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہوسکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی شہادت کہاں تک قابل اعتبار ہوسکتی ہے۔ لہٰذا امکان معجزات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادت معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔

ہیوم کا فتویٰ

ہیوم کا روایاتِ معجزہ کے متعلق اگر چہ آخری فتویٰ یہی ہے کہ اس کے اثبات کے لیے انسانی شہادت کی کوئی کمیت وکیفیت نہیں کافی ہوسکتی ،تاہم نفس خارق فطرت و واقعات کے لیے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جس کی بنا پر ان کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

''فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے لے کر آٹھ دن تک برابر تمام روئے زمین پر تاریکی چھائی رہی یہ بھی فرض کرو کہ اس خارقِ عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم و کاست اور بلا شائبہ تناقض وہاں کے لوگوں کے یہی روایت بیان کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکما کا کام شک کے بجائے اس واقعہ کا یقین کر کے اس کی توجیہ اور اس کے علل واسباب کی جستجو ہوگی کائنات فطرت میں زور وانحطاط ،فنا وفساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابل قبول ہوگی بشرطیکہ یہ نہایت وسیع ،متواتر اور متفق علیہ ہو۔'' 2

ہیوم کا تعصب

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کر کے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے لیے کوئی انسانی شہادت قابل قبول نہ ہوگی ،کیوں؟ اس لیے کہ ''اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے۔'' حتی کہ ''جس معجزہ کی بنا کسی انسانی شہادت پر ہو، وہ حجت واستدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز

1 دیکھو کتاب ھذا بیان عام معجزات (صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب حدیث جابر الطویل......: ۷۵۱۹)۔
2 فھم انسانی، باب ۱، ص: ۱۴۶۔

ہے۔''مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مضحک وخرافات افسانوں کے دام میں آ جاتے ہیں لہٰذا مذہب کی طرف نفس انتساب ہی معجزہ کے حیلہ وفریب ہونے کا پورا ثبوت ہے۔ مذہب جیسی مقدس شے کی تائید میں لوگ بے ضرر کذب وافترا سے باک نہیں کرتے، پیمبر (معاذ اللہ) عزت پیمبری کے شوق میں ہر طرح کے خطرات کو گوارا کر سکتا ہے، مکر واحتیال پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ انسان زود اعتقاد اور بالطبع عجائب پسند ہے، معجزات کا قبول عام اور بہ آسانی شائع وذائع ہو جانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان میں عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے اور اس لیے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے پھر معجزات اور فوق الفطرت باتوں کے خلاف ایک ہی قوی قرینہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے۔ ایک عقل مند آدمی پرانے زمانے کی حیرت زا تاریخوں کو پڑھ کر پکار اٹھتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کے خارقِ عادت واقعات ہمارے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوتے انہی وجوہ کی بنا پر دعویٰ ہے کہ مذہب کے نام سے جتنے معجزات بیان کیے جاتے ہیں وہ سب کے سب محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ڈھکوسلا ہیں۔ [1]

بلاشبہ شہادت کی جرح وتعدیل اور تحقیق وتنقیح کے وقت یہ تمام امور قابل لحاظ ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی ایسی ہے جس کی بنا پر محض معجزہ یا مذہب کے نام آتے ہی ہیوم کا یہ ایسا ناقابلِ حمایت اور صریح تعصب تھا جس کے لیے صدائے تائید حکمت وفلسفہ کے سنجیدہ حلقوں سے نہیں اٹھ سکتی تھی اور اگر کسی معجزہ کی تصدیق تشفی بخش شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بنا پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مثلاً: ایک سفر میں ''صحابہ رضی اللہ عنہم بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں لیکن آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے۔'' [2]

کافی شہادت

اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زادراہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آ گیا تھا (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا (۴) اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے تو بکسلے جیسے حکیم وفلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ چنانچہ اسی نوعیت کا ایک معجزہ حضرت مسیح علیہ السلام کا انجیل میں مذکور ہے کہ پانچ روٹیوں اور مچھلیوں سے پانچ ہزار

[1] یہ تمام قریب قریب ہیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کو اس کے مضمون ''معجزات'' میں جا بجا ملیں گے۔ [2] دیکھو کتاب ہذا بیان عام معجزات۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب استحباب خلط الازواد اذا قلت، والمواساة فيها: ٤٥١٨۔

آدمیوں کا پیٹ بھر گیا اور پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ رہے جن کو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں [1] لیکن اس معجزہ کے باور کرنے میں روایتاً و درایتاً جو دشواریاں نظر آتی ہیں ان کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد ہکسلے نے لکھا ہے کہ

''اگر یہ ثابت کیا جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا (۲) پانچ ہزار آدمیوں میں یہ تقسیم کی گئیں بلا اس کے کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو (۳) تمام آدمی واقعتاً پوری طرح آسودہ ہو گئے (۴) اور اس کے بعد ٹوکریوں میں جو ٹکڑے جمع کیے گئے، ان کا وزن کیا تھا تو پھر ممکنات و ناممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات کچھ ہی ہوں لیکن مذکورہ بالا چار چیزوں کی تشفی بخش شہادت کے بعد مجھ کو ماننا پڑے گا کہ پچھلے خیالات غلط تھے اور اس معجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلاف توقع مثال سمجھوں گا۔'' [2]

غرض معجزہ نہ صرف فی نفسہ ایک ممکن الوقوع شے ہے بلکہ ''تشفی بخش شہادت'' کی بنا پر اس کے وقوع کا یقین بھی کیا جا سکتا ہے اس کے بعد یہ بحث رہ جاتی ہے کہ آیا مذہبی یا تاریخی کتابوں میں جو معجزات مذکور ہیں ان کے یقین کرنے کے لیے ''تشفی بخش'' شہادت موجود ہے؟ اس سوال کا جواب ہیوم کو تو نفی میں دینا ہی چاہیے تھا لیکن یہاں پہنچ کر ہکسلے بھی سپر افگندہ ہو جاتا ہے اور ہیوم کے جواب سے لفظاً و معناً کامل طور پر اتفاق کر لیتا ہے۔ [3]

''یہ سچ ہے کہ معجزات کے ناممکن ہونے کا دعویٰ نہیں ثابت کیا جا سکتا لیکن مجھ کو کوئی ایسی شے قطعاً نہیں معلوم جس کی بنا پر میں ہیوم کے اس وزنی فتویٰ میں کچھ ترمیم کر سکوں کہ تاریخ کے سارے دفتر میں ایک بھی ایسا معجزہ نہیں ملتا جس کی تصدیق و تائید میں ایسے فہمیدہ، باہوش اور تعلیم یافتہ لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جن کے خود فریب مغالطہ میں پڑنے کا ہم کو اندیشہ نہ ہو جن کی راست بازی اس درجہ غیر مشتبہ ہو کہ کسی مصلحت کی بنا پر دوسروں کو فریب دہی کا ان پر گمان نہ ہو سکے جو لوگوں کی نگاہ میں ایسی عزت و شہرت رکھتے ہوں کہ اگر ان کا جھوٹ کھل جائے تو ساری عزت خاک میں مل جائے ساتھ ہی جن واقعات کی وہ روایت یا تصدیق کر رہے ہیں وہ ایسے علی الاعلان طریقے سے اور ایسے مشہور مقام پر واقع ہوئے ہوں کہ ان کی نسبت دروغ بیانی چھپ ہی نہ سکے حالانکہ انسانی شہادت کو قطعی بنانے کے لیے یہ تمام باتیں ضروری ہیں۔''

ہیوم نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ قبول معجزات کے لیے جس درجہ کی شہادت درکار ہے اس کا تاریخ کے دفتر

[1] یوحنا باب ۶، آیت: ۵۔۱۴۔ [2] مقالات ہکسلے، ج ۵، ص: ۲۰۳۔

[3] مقالات ہکسلے، ج ۲، ص: ۲۰۷۔

میں کہیں پتہ نہیں لیکن معجزات کے عدم قبول کی کیا واقعتاً یہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعویٰ کی چند ہی صفحات آگے بڑھ کر خود تردید نہیں کر دی ہے؟ فرانس میں کوئی مشہور درگاہ ہے جس کے تقدس پر بقول ہیوم لوگ مدتوں فریفتہ رہے ہیں۔

''بہروں کو سماعت، اندھوں کو بصارت مل جانا اور بیماروں کا اچھا ہو جانا اس مقدس درگاہ کی معمولی کرامتیں تھیں جن کا ہر گلی کوچے میں چرچا رہتا تھا لیکن سب سے حیرت انگیز اور غیر معمولی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کرامتیں ایسے اشخاص کو حکم یا ثالث بنا کر ان کے رو برو ثابت کر کے دکھائی گئی ہیں جن کی دیانت پر حرف رکھنا ناممکن ہے پھر ان پر ایسے گواہوں کی مہر تصدیق ثبت ہے جن کی شہرت وسند مسلّم ہے، جس زمانہ میں ان کرامتوں کا ظہور ہوا وہ علم کا زمانہ ہے اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کرامتیں چھاپ چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں باایں ہمہ یسوعی فرقہ تک کو ان کی تکذیب یا پردہ دری کی مجال نہ ہوئی، حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے، مجسٹریٹ ان کی حمایت پر تھا اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے، جن کی تائید میں یہ معجزات پیش کیے جاتے تھے، اب یہ بتاؤ کہ کسی امر کی توثیق و تصدیق کے لیے اتنی تعداد میں موافق حالات ہم کو کہاں میسر آ سکتے ہیں اور ان دل بادل شہادتوں کے خلاف ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا دلیل ہے کہ یہ واقعات بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں اور معقول پسند آدمیوں کی نگاہ میں ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے۔'' [1] (اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا)

ہیوم کا صریح تناقض

ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض بیانی جس قدر حیرت افزا ہے اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے، بات یہ ہے کہ انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطق کا ساتھ نہیں دیتا۔ جبریہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے اور اس دعویٰ پر انہوں نے اٹل سے اٹل دلائل قائم کر دیے ہیں، تاہم دیکھو کہ ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں وہ خود کتنے لمحے ان دلائل کی بنا پر اپنے کو مجبور محض یقین کرتے ہیں، ہیوم کے دلائل فلسفہ نے بے شک یہ ثابت کر دیا کہ ''معجزہ فی نفسہٖ ناممکن نہیں لیکن پھر بھی دل سے یہ کھٹک نہیں نکلتی کہ یہ واقعات (معجزات) بذات خود ناممکن اور سراسر خارق عادت ہیں۔'' اور ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے، فرانس کی درگاہ کے متعلق جو کرامتیں مشہور ہیں ان کی توثیق و تصدیق کے لیے اسی درجہ کی شہادت اس کو مل گئی جس کا چند صفحہ پہلے اس کے نزدیک تاریخ کے سارے دفتر

---

[1] فہم انسانی، باب ۱۰، فصل ۲، ص:۱۴۲، قابل توجہ فقرات کو زیر خط میں مؤلف ہذا نے کیا ہے۔

میں وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتوں سے قطعی انکار ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کرانے کے لیے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے عدم امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہیے اور پھر خود یقین کی ماہیت واسباب پر بحث کرنی چاہیے۔

انتہائی استبعاد

اوپر اگرچہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف میں چنداں مضائقہ نہیں خیال کیا تھا کہ معجزات نام ہے خارق فطرت واقعات کا، لیکن تم نے اقتباس بالا کے آخری زیر خط جملہ میں دیکھ لیا کہ ''خارق'' کا لفظ کس قدر گمراہ کن ہے، خود ہیوم ہی کے فلسفہ کی رو سے معجزات کا بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر محقق ہو چکا ہے، پھر بھی اس کی زبان قلم اس لغزش سے اپنے کو نہیں بچا سکتی کہ واقعات (معجزات) بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں۔ اصل یہ ہے کہ نفسی ائتلافات کی بنا پر ہمارے ذہن میں یہ غلط خیال بے طرح جاگزیں ہو چکا ہے کہ فطرت یا قانون فطرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر شے ہے، اس لیے کسی واقعہ کو خارق فطرت کہتے ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب یہ مختتم طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ خود معجزہ کی ذات میں عدم امکان داخل نہیں ہے بلکہ ''تشفی بخش شہادت'' کی موجودگی میں اس کا یقین کیا جا سکتا ہے تو اس کو ''خارق فطرت'' کی گمراہ کن تعبیر کے بجائے بکسلے کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ انتہائی حیرت انگیز واقعہ کہا جا سکتا ہے لیکن انتہائی حیرت انگیز سے بھی مناسب تر تعبیر انتہائی مستبعد کی ہوگی۔

استبعادِ معجزات

فطرت کی یکسانی

ایک عام خیال جو اس ''حیرت انگیزی'' میں اضافہ کرتا ہے، یہ ہے کہ کارخانہ فطرت کے تمام پرزے ہمیشہ اور ہر حالت میں یکساں ہی نتائج پیدا کرتے ہیں، حکما جب تک فطرت کی یک رنگی پر زور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ میں مبتلا نظر آتے ہیں حتی کہ مل کو اپنی ''منطق'' [1] میں اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی ہمیشہ یکسانی پر مبنی ہوتی ہے، ہم خود غور کریں تو کچھ نہ کچھ مثالیں ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہیے ابھی آج ہی اخبار پڑھتے وقت اس قسم کے دو واقعے نظر پڑے۔ [2]

عورتوں کے علی العموم بہ وقتِ واحد ایک لڑکا ہوتا ہے یا کبھی کبھی دو لیکن حال میں میکسکو (امریکہ) میں ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اس نے کہا: کچھ

---

[1] نظام منطق کتاب ۳، باب: ۳۔ [2] یہ دونوں واقعے آج ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء کے لیڈر میں مذکور ہیں۔

عرصہ ہوا کہ برہما میں ایک عورت کے چھ لڑکے ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔طبعی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت ۱۰۷ یا ۱۰۸ درجے پر پہنچ جاتی ہے تو آدمی نہیں بچتا لیکن برسٹل میں انفلوائنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخار ۱۱۴ درجے تک پہنچ گیا، پھر بھی وہ اچھی ہوگئی اور زندہ ہے خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہے کہ

''جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بلایا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۲ نکلی، خیال ہوا کہ تھرمامیٹر میں کچھ نقص ہے، دوسرا تھرمامیٹر منگا کر لگایا تو پھر وہی ۱۱۲۔ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا اس نے دو تھرمامیٹر اور منگوائے، بالآخر یقین کرنا پڑا کچھ علاج سے بخار اپنی معتدل حالت پر آ گیا لیکن رات کو پھر بڑھ گیا اور دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۴ تھا، حیرت کی انتہا نہ رہی، بہر حال علاج سے فائدہ ہوا اور اب مریضہ خاصی روبصحت ہے۔''

تریکون متی (ٹرگنا میٹری) یا ''مساحۃ المثلثات'' وغیرہ ریاضیات عالیہ کی وہ شاخیں ہیں جن کی کالجوں میں ریاضیات کے اعلیٰ مدارج میں تعلیم دی جاتی ہے۔۱۰، ۱۱ برس کے بچے جو علی العموم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں، ان کی ریاضی دانی بس حساب کے چند ابتدائی قواعد تک محدود ہوتی ہے جو لڑکے غیر معمولی طور پر ذہین و محنتی اور جن کی تعلیم کا گھر پر معلم رکھ کر کچھ خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۳۔۱۴ برس کی عمر میں اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں۔

لیکن گزشتہ سال اکتوبر میں (۱۷ کا تار۔لیڈر) راج نرائن نامی ۱۱ برس کے ایک مدراسی لڑکے کا معجزہ ریاضیات اسی عنوان سے) یہ چھپا تھا کہ اس نے بلا کسی علم کی مدد کے اعلیٰ الجبراء، تریکون متی، تحلیلی، اقلیدس (جامیٹری) وغیرہ از خود حاصل کی ہے۔

ولادت مسیح علیہ السلام (بے باپ کے) یا احیائے موتی سے بڑھ کر کس شے میں انتہائی استبعاد یا اعجاز ہوسکتا ہے لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوان عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اس کے نظائر بھی تلاش کر لیے، چنانچہ ہکسلے جیسے سائنس دان نے معجزات ہی کے ضمن میں لکھا ہے کہ

''رہا مریم علیہا السلام کے کنوارپن میں مسیح علیہ السلام کا پیدا ہونا، تو یہ نہ صرف ممکن التصور شے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے، یہی حال احیائے موتی کا ہے، بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے۔تو پھر جان آ جاتی ہے۔'' [1]

[1] مقالات ہکسلے، ج ۵، ص: ۱۹۹۔

ایجادات سائنس

یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقی پہلو تھا، ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم ''انتہائی حیرت انگیز'' اعجاز نمائیاں نہیں کی ہیں۔ لاسلکی ذریعہ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر مستبعد بلکہ ایک حد تک ناقابل تصور بات تھی کہ آپ بمبئی میں بیٹھے ہیں اور آپ کا دوست لندن میں، اور درمیان میں ہزارہا میل سمندروں کی پنہائی حائل ہے، تار وغیرہ کوئی محسوس شے آپ دونوں کے مابین رابطہ نہیں پھر بھی چشم زدن میں آپ اس کو اپنا پیغام پہنچا دے سکتے ہیں ایک منٹ میں ۶۰ سیکنڈ ہوتے ہیں ایک سیکنڈ کے بھی ۱۶ حصے کیجئے اور اس سولہویں حصہ میں یہ پیام ۱۲ہزار میل سے زائد کی مسافت طے کر سکتا ہے۔ [1]

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ آپ صرف پیغام ہی نہیں پہنچا سکتے ہیں بلکہ حال میں ایک فرانسیسی سائنس دان نے اس معجزہ کا دعویٰ کیا ہے کہ بمبئی میں اپنے میز پر بیٹھے بیٹھے آپ اسی لاسلکی کے ذریعہ سے لندن، پیرس، یا نیویارک میں چیک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہیں قریب قریب یعنی سینکڑوں میل، کے مقامات پر اس کے کامیاب تجربات ہو چکے ہیں۔ [2]

تنویم

طبیعات کے ان کرشموں کو دیکھ چکنے کے بعد اب ذرا نفسیات کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لائیے جس کا نام ہپناٹزم ہے، عربی میں اس کو تنویم مقناطیسی کہتے ہیں لیکن ہم صرف تنویم یا عمل تنویم سے تعبیر کریں گے اس عمل کی کرامات ہمارے زمانہ میں ایک نہایت بلند پایہ محقق نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کے الفاظ میں یہ ہیں:

> ''عامل تنویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے اور جس چیز کا حکم کرتا ہے اس کو بجا لاتا ہے حتیٰ کہ جو چیزیں معمولی حالت میں آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں وہ بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: چھینک، چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا، حرارت خون کا کم یا زیادہ ہو جانا، حرکت قلب میں تیزی یا سستی پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔''
>
> تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ یخ ہوا جا رہا ہے یا آگ میں جلا جا رہا ہے، تم اس کو آلو کھلاؤ لیکن یہ یقین دلا سکتے ہو کہ شفتالو کھا رہا ہے، تم اس کو سرکہ پلا کر یقین دلا سکتے ہو کہ شراب پی رہا ہے نوشادر میں اس کو کالونی کی بو محسوس ہو سکتی ہے کرسی اس کو شیر نظر آ سکتی ہے، جھاڑو اس کے لیے خوبصورت عورت بن سکتی ہے، راستہ کا شور اس کو موسیقی معلوم ہو سکتا ہے، جوان آدمی اپنے کو بچہ، یا نپولین عظیم سمجھنے لگ سکتا ہے۔ سر یا دانتوں کا درد دور کر دیا جا سکتا ہے۔ وجع مفاصل

---

[1] معارف ج ۱۰، عدد ۲، اگست: ۱۹۲۲ء۔ [2] انڈین ریویو بابت جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۷۷۔

وغیرہ کے مریض کو اچھا کیا جا سکتا ہے۔ بھوک فنا کر دی جا سکتی ہے، یہاں تک کہ ایک شخص نے ۱۴ دن تک کھانا نہیں کھایا جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرا یا اندھا ہو سکتا ہے، مثلاً: فلاں لفظ وہ نہ سنے لاکھ اس کے سامنے چیخو نہ سنے گا یا فلاں آدمی کو وہ نہ دیکھے اس کے سامنے کھڑا کر دو وہ نہ دیکھ سکے گا۔'' [1]

اس عمل کے وقت معمول پر ایک نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس لیے اس کا نام تنویم ہے لیکن عمل کا اثر اس کیفیت کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے، مثلاً: جس مرض کے لیے تم عمل کرو وہ ہمیشہ کے لیے دور ہو سکتا ہے یا فرض کرو کہ معمول سے تم یہ کہہ دو کہ آئندہ سال جنوری کی ۲۰ تاریخ کو صبح ۹ بجے اپنے پلنگ کے پاس ایک شیر کھڑا دیکھو گے، سال بھر کے بعد ٹھیک اسی وقت پلنگ کے پاس معمول کو شیر دکھائی دے گا۔ گو عمل تنویم کے تجربات زیادہ تر نیند کی کیفیت طاری ہونے کے بعد کیے جاتے ہیں لیکن اس کیفیت کا نمایاں طور پر طاری ہونا کامیابی عمل کے لیے لازمی شرائط میں نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر مول کا خیال تو یہ ہے کہ ایسے معمول نسبتاً کم ہوتے ہیں جن پر کیفیت نوم طاری ہوتی ہو [2] ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس عمل کا اثر افراد ہی تک محدود نہیں بلکہ جماعتوں اور مجمعوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر البرٹ مول کا بھی نام لیا جا چکا ہے، اس جرمن فاضل کی کتاب ''ہپناٹزم'' اپنے موضوع پر سب سے بہتر نہایت محققانہ اور مستند خیال کی جاتی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ بہت سے معجزات کی توجیہ نہایت آسانی کے ساتھ تنویم مقناطیسی سے کی جا سکتی ہے، معجزات ہی پر کیا موقوف ہے، سحر وعلمیات تک کے صدہا عجائب کے گرہ کھل جاتی ہے اور جن واقعات پر عُقلا نے اوہام واباطیل کی مہر ثبت کر دی تھی وہ قوانین مادی کی طرح قوانین نفسی کے حقائق بن گئے ہیں۔

معجزاتِ شفا

بہت سے معجزات وکرامات کا تعلق امراض کی ایسی شفا سے ہے جو طب کے مادی وسائل علاج پر مبنی نہیں اور اس کے لیے مدعیان عقل کے ہاں اس کا نام ''وہم پرستی'' تھا لیکن آج تنویمی تحقیقات نے ایک نیا اور نہایت کامیاب اصول علاج منکشف کر دیا ہے جو عام مادی وسائل اور استعمال ادویہ سے قطعاً مستغنی ہے اور اس بے دوا کے علاج سے بہرے شنوا ہو جاتے ہیں پھیپھڑے اور سل کے امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے آنکھوں کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں وجع مفاصل دور ہو جاتا ہے زخم بھر آتے ہیں [3] کیا اس کے بعد بھی انجیل

---

[1] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب ''پرنسپلس آف سائیکالوجی'' (اصول نفسیات) جلد دوم، باب: ۲۷)۔

[2] ڈاکٹر مول کی کتاب ''ہپناٹزم'' صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

[3] ڈاکٹر مول کی کتاب ''ہپناٹزم'' صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

کی روایات مسیحائی کو محض خوش اعتقادی یا اکاذیب کا طومار کہنا خود اپنے جہل مرکب کی گواہی نہ ہوگی؟ فرانس کی جس مشہور درگاہ کی کرامات شفا کا اوپر ذکر گزرا ہے ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود ان کو قطعاً ناممکن قرار دیا تھا لیکن ڈاکٹر مول بلا کسی مطالبہ شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کرامات شفا کو تنویم ہی کا معجز نما نفسی اثر سمجھتا ہے [1] غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک قطعاً ناممکن تھی مول کے نزدیک اب اس میں اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کرے۔ جان اسٹورٹ مل نے معجزہ کی تعریف یہ کی تھی کہ وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم وشرائط نہ پائے جاتے ہوں جو دوبارہ اس کو وجود میں لانے کے لیے کافی ہوتے ہیں لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم وشرائط موجود ہیں جن کی بنا پر عصا اسی طرح اژدہا بن جاتا ہے جس طرح کہ کرسی شیر نظر آ سکتی ہے، تم کہو گے کہ تو پھر اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعجاز کیا رہا، اس کا جواب آئے گا، سردست تم صرف اتنا سمجھ لو کہ عصا کا اژدہا بن جانا اتنا مستبعد واقعہ نہیں جس پر یقین کے لیے نفس نوعیت واقعہ کی بنا پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو۔

عام تجربات

تنویمی تجربات کے علاوہ یوں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پراسرار واقعات مشاہد ومسموع ہوتے رہتے ہیں، جن کی توجیہ عام قوانین فطرت سے نہیں ہوتی اور جو بہت سے معجزات کے متعلق ہماری حیرت واستبعاد میں کمی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار ''لیڈر'' نے پچھلے سال اپریل میں بردوان کا ایک عجیب وغریب واقعہ چھاپا تھا جو نامہ نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

> ''بردوان میں ایک عجیب و پراسرار واقعہ پیش آیا جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا کردی ہے، لالہ کندن لال کپور ایک کھتری زمیندار ۱۱ ماہ حال کو ۶ بجے شام کے وقت مرا۔ متوفی چونکہ سوریہ بنسی کھتری تھا، اس لیے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا اس کی لاش جلائی نہیں گئی جلانے سے پہلے اس کے لڑکے (انندلال) نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہ تھا لاش کا فوٹو لیا لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ اور دھندلی تصویریں آ گئی ہیں، ان تصویروں میں سے دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچانا تھا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکی کی ہیں جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پہچانی نہ جا سکیں۔''

''ٹائمس آف سیلون'' میں ایک انگریز پلانٹر (چائے کا کاشتکار) نے اپنے قلیوں کی قربانی اور پوجا کے کچھ مشاہدات لکھے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے ان میں یہ بھی تھا: [2]

---

[1] ہپناٹزم، صفحہ: ۳۵۶۔ [2] لیڈر نے ''ٹائمس آف سیلون'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

’’ایک شخص آگ کی سوراخ دار چٹی ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص وطواف کرتا تھا اس نے مجھ کو یقین دلایا کہ یہ چٹی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی حالانکہ جب میں نے تجربۃً چٹی کے اسی حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی چھوا تو میری انگلی جل گئی ان کا بڑا پجاری کم وبیش ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا اسی طرح اور بھی کئی قلیوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں۔‘‘

ان چشم دید عجائب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہے کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں یا اگر ان کی کوئی توجیہ وتشریح ہوسکتی ہو تو کریں اس پر خود ’’ٹائمس‘‘ نے لکھا ہے کہ سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، مثلاً: کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی اب تک علمی توجیہ ہوسکی ہے، ایک نظریہ یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ پر عمل تنویم کر لیتے ہیں۔ [1]

بہرحال توجیہ ہوسکے یا نہ ہوسکے لیکن ایڈیٹر ٹائمس نے پلانٹر کے بیان کی تکذیب نہیں کی نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا، کیوں؟ اس لیے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلانٹر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس نوعیت واقعات ہی کی بنا پر ان کی تغلیط وتردید کردی جائے یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی بنا پر تم ان کی نبوت کا اقرار نہ کرو لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

رؤیائے صادقہ

رؤیا یا خواب کی تشفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت وفلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے، مختلف اصناف خواب کی توجیہ کے لیے جو جو نظریات فرض کیے گئے ہیں، خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لیے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی۔ تم کسی مصر آدمی سے دریافت کرو، اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں ان سے بے لطفی ہوجاتی ہے تو بیداری میں اس نتیجہ کے لیے وہ تیار رہتے ہیں اور اکثر کچھ نہ کچھ بدمزگی کی نوبت آ ہی جاتی ہے مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے، ۱۹۲۰ء کے روزنامچہ میں (۱۵، اپریل) ایک جگہ لکھا ہے کہ

[1] تنویم مقناطیسی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کرسکتا ہے۔

''آج دو پہر کو سویا تو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ ''ح'' کا خط آیا ہے، جس میں ''س'' کا بھی ایک خط ملفوف ہے، اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقعہ تھا، انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا، وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا، حالانکہ مجھ کو ''ح'' کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور ''س'' کا خط تو حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔''

پروفیسر ہلپر کت اسیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر ہے، اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک اشکال کو جو بیداری میں حل نہیں ہوسکا تھا، خواب میں حل کیا اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کاہن نے خواب میں آ کر اس کی راہنمائی کی۔ [1]

جب عام لوگوں کے یہ تجربات ہیں تو پھر اس میں کیا استعجاب واستبعاد رہ جاتا ہے کہ بعض نفوس قدسیہ (انبیا) کے تمام خواب رؤیائے صادقہ یا ایک طرح کا وحی والہام ہوتے ہیں، رسالت پناہ ﷺ پر وحی کی ابتدا رؤیائے صادقہ (صالحہ) سے ہوئی تھی، اخبار بالغیب کی گرہ بھی بڑی حد تک رؤیائے صادقہ سے کھل جاتی ہے۔

حقیقی اسرارِ نبوت

اسرار نبوت میں سب سے زیادہ پر اسرار مقام وہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کو خدا خود ندا دیتا ہے ﴿ وَنَادَيْنَهُ أَنْ يَّاِبْرٰهِيْمُ ﴾ (۳۷/ الصّٰفّٰت:۱۰۴) جہاں سے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ (۴/ النسآء:۱۶۴) کی بنا پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے اور جہاں محمد ﷺ اور خدا میں [2] ﴿ قَابَ قَوْسَيْنِ ﴾ (۵۳/ النجم:۹) یا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں منطق واستدلال کا ''حجاب اکبر'' اٹھ جاتا ہے اور ظنی علم کی جگہ کشف ومشاہدہ کا حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے، ابراہیم علیہ السلام کو کس نے ندا دی؟ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر کس سے کلام کیا؟ اور ''لن ترانی'' کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کون سی ہستی تھی جس میں اور محمد ﷺ میں صرف قاب قوسین کی دوری تھی؟ اور ﴿ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴾ (۵۳/ النجم:۱۰) کا ماجرا کیونکر پورا ہوا؟ ان سوالات کا جواب جامہ تحدید میں رہ کر نہ دیا جاسکتا ہے اور نہ سمجھا جاسکتا ہے۔

حقیقی آیاتِ نبوت کی عام مثالیں

عام معجزات کی نوعیت ہے چونکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے معمولی واقعات زندگی میں بھی ملتی رہتی ہیں، لہٰذا اسی نسبت سے ان کے استبعاد میں بھی بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے لیکن ''وادی ایمن'' اور (سدرۃ المنتہیٰ) کی واردات جو اصلی معجزات اور مقام نبوت کی حقیقی ''آیات کبریٰ'' ہیں ان کی، بظاہر کوئی مثال اس عالم ناسوت میں نہیں نظر آتی جس سے عام انسانوں کو ان کی فہم میں مدد ملے، بے شک ﴿ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۲۳) کا رتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا اور یہ سچ ہے کہ آفتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستاروں کی چمک

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون ''ڈریم''۔ [2] یا جبرائیل میں ''س''۔

سے نہیں ہوسکتا تاہم بہ قدر استعداد تجلی طور کا ہلکا سا پرتو ذرات پر کبھی کبھی پڑ ہی جاتا ہے اور چشم بینا کی ہدایت کے لیے اتنا ہی بس ہے۔ انبیائے مرسلین علیہم السلام کے بعد اولیائے مقربین کے ہاں ان تجلیات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں لیکن عام انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے، اس لیے اور نیچے اتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالیں تلاش کرنی چاہئیں۔ پروفیسر ولیم جیمس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محقق نفسیات اور جس کا شمار اکابر فلاسفہ میں ہے اس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب یا مذہبی تجربہ وشعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی ہے۔ [1] اس میں بلا قید مشرق ومغرب، انبیا واولیا عوام وخواص علما وحکما سب کے تجربات مذہبی کی آپ بیتی واردات کو یکجا کیا اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بہ ترتیب ذیل انتخاب کرتے ہیں۔ سب سے پہلے جیمس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی ذہین وزیرک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں، اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جب کہ یہ کتب بینی میں مشغول ہے، یا خالی بیٹھا ہے ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے پلنگ کے پاس ہے، اپنی گود میں اس کو دبا رہا ہے، گو وہ نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟ یا کیا ہے؟ تاہم نفس اس کی موجودگی کا اس سے کہیں زیادہ اس کو یقین ہے جتنا کہ دن کی روشنی میں کسی ذی روح کی موجودگی کا ہوسکتا ہے وہ اس کو کسی متشخص ذات یا انسان کی طرح نہیں دیکھ رہا ہے پھر بھی اپنے تمام محسوسات سے زیادہ اس کے حقیقی، واقعی ہونے کا اذعان ہے:

> ''اس کی موجودگی میں نہ کوئی ابہام والتباس ہے، نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد وکیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے، بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم ویقین ہے اور اس کے چلے جانے کے بعد میرے حافظہ میں اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے، ہر چیز جو میں لکھتا یا سنتا ہوں خواب ہوسکتی ہے، لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا۔'' (صفحہ ۶۰، ۶۱)

یہ دوست کوئی وہم پرست نہیں ہے بلکہ جیمس کو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ میں کیوں نہیں تعبیر کرتا، اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے:

''میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی، ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا اور پہلے میں یہی سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے، میں نے پھر سونے کے لیے کروٹ بدل لی فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے اور یہ کچھ عجیب احساس تھا کسی عام ذی حیات شخص کی موجودگی کا نہیں بلکہ ایک روحانی وجود کا احساس تھا ممکن ہے کہ تم کو اس پر ہنسی معلوم ہوتی ہو لیکن میں وہ بیان کرتا ہوں جو مجھ پر گزری بجز اس کے کہ میں ایک روحانی وجود سے اس کو تعبیر کروں اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی، ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب وخوفناک واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے۔'' (ص ۶۲)

[1] اس کا نام The Uireeties of Religious Exprerience تجربہ مذہبی کے اصناف پروفیسر موصوف کا انتقال ابھی سنہ ۱۹۱۰ء میں ہوا ہے۔

ایک سائنس دان کے اعترافات سنو!

''بیس اور تیس سال کی عمر کے مابین میں بتدریج لا ادری اور لا مذہب ہو گیا تھا، تاہم اس ''غیر متعین شعور'' سے میں کبھی خالی نہیں رہا، جس کا نام ہربرٹ اسپنسر نے حقیقۃ مطلقہ رکھا ہے لیکن اسپنسر کی طرح یہ حقیقت میرے لیے محض ناممکن العلم نہ تھی کیونکہ گو میں نے طفلانہ طریقہ سے خدا سے دعائیں مانگنا چھوڑ دیا تھا اور مذہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی نہ دست بدعا ہوا، تاہم میرا زیادہ حال کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے جو دعا اور نماز کا ہوتا ہے جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی خواہ وہ خانگی ہو یا کاروباری یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان و متردد ہوا اور میرا دل بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لیے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا جو اس ذات کے ساتھ مجھ کو حاصل تھا، اس نے ہمیشہ میری نصرت کی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تائید غیبی نے مجھ کو بے انتہا قوی کر دیا ہے میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا تعلق دراصل شخصی تھا کیونکہ ادھر چند سال سے اس سے استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے جس سے مجھ کو ایک صریح فقدان کا شعور ہے اور اقرار ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت و نصرت سے محروم ہو گیا ہوں جس ذات کو میں ''اس'' سے تعبیر کر رہا ہوں، یہ اسپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی بلکہ یہ میرا خدا تھا جس کی تائید پر مجھ کو بھروسا تھا لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح گم کر دیا۔'' (صفحہ ٦٥-٦) [1]

سویٹزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے کہ

''میں پوری طرح صحیح و تندرست تھا کسی قسم کی تھکن بھوک یا پیاس قطعاً نہ تھی طبیعت بالکل چاق اور شگفتہ تھی گھر سے جو خبر ملی تھی اچھی تھی غرض دور و نزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی ہوشیار راہنما ہم لوگوں کے ساتھ تھا، رات میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندیشہ نہ تھا، مختصر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل و دماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا کہ یکا یک مجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتقا محسوس ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا اس کی رحمت و قوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے، یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بہ مشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے چلو میرا انتظار نہ کرو، اب مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی، ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈ آیا، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میرے جیسی گناہگار مخلوق پر اتنا بڑا رحم و فضل فرمایا کہ زندگی ہی میں اپنے کو پہچنوا

---

[1] اس حالت کو سامنے رکھ کر ذرا ان آیات کو پڑھئے، ﴿ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ (١/ الفاتحہ:٤) "فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ ؕ" (٥١/ الذاریات: ٥٠) ﴿ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (٨/ الانفال:١٠)

کرا پنی ربوبیت کا کرشمہ دکھلایا، میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری زندگی تمام تر اس کی رضا جوئی میں بسر ہو جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و مسکنت کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کر اور اس کا فیصلہ مجھ خدائے قادر و توانا پر چھوڑ دے کہ اس سے بھی زیادہ شعور کے ساتھ تو مشاہدۂ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں؟ یہ احساس و اثر اس قدر گہرا اور واضح تھا کہ میں نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر کچھ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا اس قدر بیان کر دینا اور مناسب ہوگا کہ اس عالم وجد میں خدا کسی شکل و صورت اور رنگ و بو سے متصف نہ تھا، نہ میں اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا۔'' (صفحہ ٦٦۔٦٧)

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے لیکن ہم ایک طویل بیان کے دو جملوں کے اقتباس پر بس کرتے ہیں قیاس اور اخذ نتائج کے لیے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے:

''اس کے بعد مجھ پر ایک انتہائی فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی جس کے ساتھ ہی ایک ایسی اشراقی یا انشراحی حالت پیدا ہوئی جس کا بیان ناممکن ہے اس حالت میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں بلکہ عینی مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا یہ کیفیت صرف چند سیکنڈ تک رہی لیکن اس کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی گزر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے۔'' (صفحہ ٣٩٩)

ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو:

ایک دفعہ صبح کی نماز کے لیے آپ ﷺ دیر سے برآمد ہوئے نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں پھر فرمایا: ''آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے لیے مقدر تھیں تو نماز ہی میں کچھ اونگھ سا گیا، (نَعِسْتُ) اس حالت میں میں نے دیکھا کہ جلال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہوا۔ خطاب ہوا اے محمد (ﷺ)! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہیں اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوگئیں، سوال ہوا یا محمد (ﷺ)! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی، ہاں اے میرے رب......'' الخ [1]

---

[1] پوری حدیث کے لیے دیکھو آگے ذکر مشاہدات۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص: ۲۴۳۔

اس میں کلام نہیں مکالمہ طور اور ماجرائے اسراء (معراج) کا مقام مذکورۂ بالا مثالوں سے اتنا ہی بلند ہے جتنا کہ انبیا علیہم السلام کا مقام انسانوں سے بلند ہونا چاہیے تاہم "عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است" ان مثالوں میں ایک نہ ایک حد تک اس مقام برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے اور ہمارے مدعا کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

مقدمات ثلاثہ

یقین معجزات کے لیے ہماری منطق استدلال کے تین مقدمات تھے، جن میں سے دو کو تو ہیوم اور ہکسلے نے بہ ترتیب پورا کر دیا تھا، تیسرا مختلف اصناف استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے، ان مقدمات ثلٰثہ کا خلاصہ یہ ہے:

① معجزات بذات خود کوئی ناقابل تصور یا ناممکن الوقوع شے نہیں ہیں۔ (ہیوم)

② زیادہ سے زیادہ ان کو 'انتہائی حیرت انگیز' یا 'انتہائی مستبعد' واقعات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس لیے (الف) انسانی شہادت کی بنا پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے (ب) البتہ 'انتہائی حیرت انگیزی' واستبعاد کی وجہ سے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لیے جو شہادت مطلوب ہے، اس کو بھی ہر لحاظ سے انتہائی حد تک قابل اعتبار ہونا چاہیے (ہکسلے)

③ لیکن معجزات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے اس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی، نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں جن کے قبول و یقین کے لیے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے۔

لہٰذا یقین معجزات کے لیے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں۔

اصلی بحث یقین کی ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم و ہکسلے کی ناقص منطق سے اگر کوئی شخص گمراہ ہو گیا تھا تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیسرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہ راست پر آ جائے گا اور کیا اب صفحات بالا کے پڑھ لینے سے معجزہ کا کوئی منکر نہ رہ جائے گا مجھ کو تو اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے آپ کہیں گے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی سے قوی استدلال بھی، نفس اپنی قوت استدلال کی بنا پر کسی کو معجزات کا یقین دلا سکتا ہے؟ ارسطو، مل اور ہیگل [1] جو منطق کے 'اقانیم ثلٰثہ' ہیں کیا یہ سب کے سب مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے جو بذات خود ہر عام و خاص کو معجزات کا یقین دلا دیتا؟

ان سوالات کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر معجزات کے متعلق خالی امکان وقوع اور شہادت وقوع کی بحث چنداں اہم نہیں رہ جاتی بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل و اسباب کی ہے۔

---

[1] ارسطو اور مل علی الترتیب قیاسی واستقرائی منطق کے امام ہیں، جن کا تعلق اضافی حقائق وعلوم سے ہے لیکن ہیگل (جرمنی) نے منطق کے زمین و آسمان ہی بدل دیے یعنی منطق کو مابعد الطبیعات بنا کر اس کے ذریعہ حقیقۃ مطلقہ کا سراغ لگانا چاہا ہے۔

یقینِ معجزات

یقین کی ماہیت

یقین کی فلسفیانہ ماہیت پر کوئی مفصل و مستقل بحث چھیڑنا مقصود نہیں ہے، نہ یہاں چنداں اس کی ضرورت ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ نفس تصور اور اس کے یقین میں کیا فرق ہے۔ یہاں ہمارے مقصد کے لیے صرف اتنا جان لینا چاہیے کہ ریاضی کے تصورات مجردہ [1] کی طرح امور واقعیہ (واقعات) کے متعلق ہمارا یقین ناقابل تغیر یا اطلاقی نوعیت کا نہیں ہوتا بلکہ لذت والم، حیرت و استعجاب، رنج وغم، محبت ونفرت ارادہ و خواہش وغیرہ دیگر کیفیات نفسی کی طرح محض ایک اضافی وتغیر پذیر ذہنی کیفیت کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح کسی واقعہ سے ہر شخص کے نفس میں کیفیات بالا کا پیدا ہونا یا یکساں طور پر پیدا ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح ہر آدمی کے دل میں اس واقعہ کا یقین یا ایک ہی معنی میں یقین پیدا ہونا بھی لازمی نہیں۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک روایت مذکور ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس بیدردی کے ساتھ جلایا گیا کہ چھ مہینہ تک مصر کے حماموں کا ایندھن بنا رہا، علم کا فدائی اور حکمت وفلسفہ کا عاشق اس روایت کو پڑھ کر کف افسوس ملنے لگتا ہے اور اس کے دل میں نفرت وغصہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے بخلاف اس کے اسی روایت کو اگر ایک سپاہی پڑھتا ہے تو نہ وہ اپنے اندر کوئی نفرت وغصہ پاتا ہے اور نہ اتنا افسوس کرتا ہے اس کے نزدیک قلعہ انٹورپ کی بربادی کتب خانہ اسکندریہ کی تباہی سے کہیں زیادہ ماتم انگیز ہے لیکن یہی روایت اگر کسی صوفی عارف کی نظر سے گزرے تو رنج وغصہ کی جگہ اس کو انتہائی مسرت ہوسکتی ہے کہ ''حجاب اکبر'' کا یہ ''دفتر بے معنی'' اسی سلوک کا مستحق تھا۔'' ''صد کتاب و صد ورق در نار کن''

تم نے دیکھا کہ ایک ہی چیز سے مختلف اشخاص پر مختلف بلکہ متضاد جذبات طاری ہوئے۔ جذبات کی طرح یقین وعدم یقین کے بھی متضاد اثرات طاری ہوئے ہیں جن اہل یورپ کے دل میں مسلمانوں کی وحشت و جہالت کا تعصب راسخ تھا اور جن کی طبیعت تنقیص اسلام کی ہر شہادت کو قبول کرنے پر حریص تھی انہوں نے نہ صرف شہادت کی تحقیق وتفتیش کے بغیر اس خبر کا یقین کرلیا بلکہ اس کی روایتی ودرایتی تضعیف کے بعد بھی ان کا یقین قائم رہا لیکن انہی اہل یورپ میں جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا تھا کہ

---

[1] معجزات کا تعلق چونکہ تاریخ اور روایت کے واقعات سے ہے نہ کہ ریاضی کی مجردات سے، اس لیے ہم مجردات ریاضیہ کے علم ویقین کی جو نوعیت ہے اس کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ورنہ دراصل یہ یقین بھی کسی اطلاقی اور اٹل یا ناقابل تغیر بنیاد پر قائم نہیں ہے جس کا انکار نہ ہوسکے بلکہ مل جیسے منطقی وفلسفی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم وفریب ہے جس طرح براق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا یہ نہیں لازم آتا کہ براق کا وجود یقینی اور واقعی ہے اسی طرح دائرہ کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے ایسی شکل کا جس کے نصف قطر تمام برابر ہیں یہ لازم نہیں آتا کہ واقعاً ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے انتہا یہ کہ مل کے نزدیک اس میں بھی کوئی تناقض نہیں کہ دو اور تین مل کر چھ ہوسکتے ہیں۔

اس کے جذبۂ انصاف پسندی کو تعصب نے مغلوب کرلیا ہو، اس کو تحقیق کے بعد یہ روایت ہی سرے سے بے اصل و مضحکہ خیز نظر آئی اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان مؤرخ جو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کو دامن اسلام پر وحشت و جہالت کا ایک بدنما داغ سمجھتا تھا اور کسی طرح اس کا محبت اسلام سے لبریز دل اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا اس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنوں کا صریح افترا و بہتان قرار دیا بلکہ الٹے خود ان ہی افترا پرداز دشمنوں کو اصلی مجرم ثابت کر دکھایا۔

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ [1]

نظریاتِ حکمت کا یقین

یقین کی یہ جذباتی و اضافی حیثیت صرف واقعات تاریخ و روایت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ فلسفہ وحکمت (سائنس) کے نظریات و نظامات کا یقین بھی یہی حیثیت رکھتا ہے پروفیسر جیمس نے ''ارادہ یقین'' اور ''جذبہ عقل پرستی'' [2] کے عنوان سے دو نہایت دلچسپ مضمون لکھے ہیں ان میں اس نے دکھایا ہے کہ ہمارا یقین کس قدر خواہش و ارادہ یا جذبات کی اضافی کیفیات کا پابند ہے اور سائنس و فلسفہ کی بنیاد جس عقل پرستی پر ہے وہ بھی دراصل مذہب پرستی یا عجائب پرستی کی نوعیت کا ایک جذبہ ہے۔

یکسانی کا جذبہ

ایک فلسفی یا حکیم فلسفیانہ یا حکیمانہ فکر وتفحص میں کیوں اپنا سر کھپاتا ہے؟ زیادہ تر اس ''خواہش'' کی بنا پر کہ عالم میں جو ایک تشتت و پریشانی کثرت و پراگندگی نظر آتی ہے، کوئی ایسا اصول یا قانون دریافت ہو جائے جو اس کثرت و پراگندگی کو وحدت و یکسانی کے رشتہ سے مربوط و مسلسل کر دے، اس قانون و اصول کے عقلی یا صحیح ہونے کا کیا معیار ہے؟ صرف یہی کہ اس کے قبول و باور کرنے سے ہمارے دماغ کی حیرانی و پریشانی رفع ہو جاتی ہے اور کارخانہ فطرت میں یکسانی و ہمواری کی موجودگی کا ایک خوش گوار و لذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ لذت کہ پراگندہ واقعات دراصل کسی ایک ہی مخفی واقعہ کے مظاہر ہیں، اسی طرح کی لذت ہے جو کسی گویے کو پراگندہ آوازوں کے ایک نغمہ یا راگ میں منتظم کر دینے سے حاصل ہوتی ہے کون شخص اس امر کی دلفریبی کو نہ محسوس کرے گا کہ سیب کو زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے جو چاند کو اس کے ساتھ ہے، غبارہ اسی قانون کے ماتحت اوپر چڑھتا ہے جس کے ماتحت پتھر نیچے گرتا ہے، اس یقین میں کس کے لیے لذت نہ ہوگی کہ پہاڑ پر

---

[1] دیکھو رسائل شبلی، مضمون کتب خانہ اسکندریہ، اب یہ مضمون مقالات شبلی حصہ ششم میں شامل ہے، دیکھیے ص:۱۵۱۔

[2] انگریزی میں ان دونوں مضامین کے نام علی الترتیب Will to believe اور Sentiment of Rationalism ہے جو دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہوئے ہیں افسوس کہ یہاں ہم بہ خوف طوالت ان سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکتے لیکن جو انگریزی داں اصحاب یقین کی حقیقت ونوعیت کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں ان کو یہ دونوں مضمون ضرور پڑھنے چاہییں۔

چڑھنے یا درخت کے کاٹنے میں جس طاقت سے ہم کام لیتے ہیں وہ وہی ہے جو آفتاب کی ان کرنوں میں پائی جاتی ہے جو اس غلہ کو پکاتی ہیں جس کا صبح ہم نے ناشتہ کیا ہے۔ ❶ نظم و یکسانی کی لذت کے لیے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے اسی کو ملحوظ رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک زبردست معلم فلسفہ پروفیسر روائس نے تنبیہ کی ہے کہ ''جہاں کہیں بھی ہم کو کسی قانون فطرت کی وحدت و یکسانی کا یقین محسوس ہو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس احساس وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس ناقابل استیصال جذبہ پر مبنی ہوسکتا ہے جو وحدت و نظم کی پسندیدگی کے لیے خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہے۔ ❷ یہی تعصب تھا جس کی بنا پر ایک بڑے سائنس دان نے جیمس سے کہا کہ کلام نفسی کا دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہل سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایکا کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی اور نیز بہت سی ایسی چیزوں کی تکذیب ہوتی ہے جن کے مانے بغیر سائنس دان اپنا کام نہیں چلا سکتے۔ اس قول کو نقل کر کے جیمس نے لکھا ہے کہ اگر یہی سائنس دان حضرات کلام نفسی کو سائنس کے حق میں مفید مطلب پاتے تو اس سے اغماض کے بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہوتے بلکہ یہی شہادت یقین کے لیے کافی ہوتی ❸ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کیا ''عقل پرست سائنس'' کے ''تعصّبات'' ''وہم پرست مذہب'' کے تعصّبات سے کچھ بھی کم یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہل سائنس کا انکار معجزات وحدت و یکسانی کے مذکورۂ بالا تعصب کا نتیجہ نہیں ہے؟

نظریات فلسفہ کا یقین

خیر اہل سائنس یا حکما کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس کے نظریات و نوامیس زیادہ تر اضافی و مفروضی حیثیت رکھتے ہیں لیکن فلاسفہ یا متالہین، جو حقائق عالیہ اور صداقت مطلقہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کے اصول و نظریات پر تو انسانی جذبات یا ذاتی میلانات کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیے تھا مگر یہ کس قدر حسرت انگیز منظر ہے کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے مذاہب و نظامات شخصی جذبات و خواہشات کا عکس نظر آتے ہیں! بلکہ سچ یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ اتنے ہی مذاہب، حتیٰ کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں یہ قرار پائی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضحکیہ) فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصطلاح میں علی الترتیب ''شریہ'' اور ''خیریہ'' ❹ کہا جاتا ہے، یا اس کو ''یاسیہ'' اور ''رجائیہ'' بھی کہہ سکتے ہو، اگر نفسیاتی تحلیل کی جائے تو اس اختلاف کا مبنی رونے اور ہنسنے، یاس و رجا امید و بیم وغیرہ کے ذاتی جذبات و احوال ہی ثابت ہوں گے۔ دور جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار جس کا شمار فلسفہ کے اکابر ائمہ میں ہے اور جو فلاسفہ کی رونی جماعت کا ایک نامور فرد ہے اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ صداقت مطلقہ صرف ارادہ یا

---

❶ جیمس کا مضمون ''جذبہ عقلیت'' Sentiment of Rationality ❷ دیکھو اصول نفسیات، جلد ۲، ص: ۳۱۶ بحوالہ The Religious Aspect of Philosophy (فلسفہ کا مذہبی پہلو) مصنفہ پروفیسر روائس۔

❸ ارادہ یقین، ص: ۱۰ طبع جدید: ۱۹۱۷ء۔ ❹ انگریزی میں ان کا لقب علی الترتیب Pessimists اور Optimists ہے۔

خواہش ہے نہ کہ عقل یا فکر اور یہ ارادہ چونکہ ''بے عقل'' ہے، اس لیے اس کی کوئی غایت نہیں دنیا میں کوئی فلاح و سعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر بے مقصد ارادہ کا ایک کھلونا یا تماشا ہے، خارجی عالم اسی بے عقل و بے مقصد ارادہ کی محض ایک تصویر ہے۔ کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضادِ آرا کا یہ عالم ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں، کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمام تر عقل پر مبنی ہے، کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے، کوئی شخصی خدا کا یقین رکھتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا ناقابلِ تصور ہے، کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے، کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم و فریب ہے کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل و قائم بالذات روح ہے کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے، کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلہ علل لامتناہی ہے، کوئی مانتا ہے کہ نہیں ایک علة العلل ہے، کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے اور کوئی مختار کوئی جسد و عالم کی وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

عقل انسانی کی انہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے ورنہ نہیں [1] اور خصوصاً موجودہ زمانہ میں تو اس سرعت و کثرت کے ساتھ نظریات ابل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریباً ناممکن ہو گیا ہے، اس قدر مختلف ہندسات، اس قدر مختلف منطقیں اس قدر مختلف طبیعاتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے۔ [2]

مشاہدات کا یقین

تم سمجھتے ہو گے، کہ علم و یقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول و نظریات تک محدود ہو گی، باقی مشاہدات و محسوسات جو ان اصول و نظریات کا آخری مرجع ہیں وہ تو بہر حال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے متعلق زید و عمر کی نوعیت یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہے لیکن تمہارا یہ ''ناممکن'' نہ صرف ''ممکن'' بلکہ واقعہ ہے۔

دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے دوسرے کو بدصورت نظر آتی ہے، ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے دوسرے کو بدمزہ، آلات حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے، رنگ و بو، آواز و مزہ، سردی و گرمی، شکل و صورت، طول و عرض، (امتداد) پستی و بلندی، دوری و نزدیکی سے لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی، حکیم اور فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے۔ عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورہ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا

---

[1] ارادۂ یقین Theories of Knowledge (نظریات علم) از پروفیسر واکرص: ۴۳۲ بحوالہ۔

[2] The Meaning of Truth (معنی صداقت) ص ۵۸۔

سائنس دان کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنس دان تو بار باراس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیاء دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں۔'' (ماڈرن بلیف صفحہ ۵۶) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو، نہ کوئی آواز ہے نہ مزہ، لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ وقوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں اس لیے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ ومیلان پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ ''مادہ'' کسی نامعلوم شے کا نام ہے'' پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم میں اس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے بخلاف اس فلسفہ یا مابعد الطبیعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے، لہٰذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار کر دیتا ہے، اس کے نزدیک بس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا، مگر یقین کی گردن دلائل سے کب جھکتی ہے ممکن ہے کہ چند لحات کے لیے حکیم یا فلسفی عالم رنگ و بو یا مادہ کے وجود فی الخارج کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو، لیکن بالآخر اس کو جبلت کی حکومت قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے جہاں سے غور وفکر نے اس کو منحرف کیا تھا اور شب وروز کی زندگی میں وہ عالم رنگ و بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی۔ غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے جو نہ علم کا پابند ہے، نہ جہل کا، جس کا انحصار نہ عقل پر ہے، نہ بے عقلی پر، جو نہ سچ پر موقوف ہے، نہ جھوٹ پر، وہ فلسفہ، حکمت، علم وعقل سب چیزوں سے پیدا ہو سکتا ہے اور کسی سے بھی نہیں پیدا ہو سکتا اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے تو کلیفرڈ کے اس مشورہ کا منہ نہیں دیکھتا کہ ''جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ ہمیشہ یقین کے بغیر رہو۔'' کیا عجیب بات ہے کہ یقین کی اس ماہیت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہیں بلکہ محض ایک ذہنی میلان ہے خود اس شخص کی نکتہ رس نظر پڑی تھی جو یقین معجزات کا سب سے بڑا مخالف ہے چنانچہ ''ارسٹاٹیلین'' سوسائٹی کے ایک ممبر براڈ نامی نے ۳۔۴ سال ہوئے ہیوم کے نظریہ معجزات پر ایک مضمون کے ضمن میں خود ہیوم کے اصول کی بنا پر لکھا ہے: [1]

> ''ہیوم کے یقین معجزہ سے اس لیے انکار ہے کہ معجزہ گزشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہے مثلاً: گزشتہ تجربہ یہ ہے کہ الف کے بعد ہمیشہ ب ظاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے اندر ایک قوی یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی ''ب'' ہمیشہ ''الف'' کے تابع ہوگا، ایک مذہبی آدمی معجزہ پر اس لیے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے یقین کا ایک فطری میلان موجود ہے، جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو دونوں صورتوں میں یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے، ہیوم کا عدم یقین اس کے اس فطری میلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے وہی آئندہ بھی ہوگا اور مذہبی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے قبول کرنے کے

[1] دیکھو ارسٹاٹیلین سوسائٹی (جمعیۃ ارسطا طالیسیہ) لندن کی روداد بابت ۱۷۔۱۹۱۶ء ص: ۹۲۔

فطری میلان پر مبنی ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گزشتہ مستمر تجربہ سے آئندہ پر حکم لگانے کا ہم کو کوئی منطقی حق حاصل نہیں لہٰذا مذہبی آدمی کا یقین معجزات پر اور ہیوم کا یقین قوانین فطرت پر (جس کا نتیجہ معجزات کا عدم یقین ہے) منطق کی نگاہ میں دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں دونوں صورتوں میں یقین نفسیاتی علت پر مبنی ہے اور کسی صورت میں بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہیں پیش کرسکتا۔''

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلان نفسی ہے تو اس کے اسباب کی جستجو منطق وفلسفہ کے دلائل میں بے سود ہے، منطقی یا فلسفیانہ دلائل زیادہ سے زیادہ میلان یقین کی تقویت وتضعیف کا کام دے سکتے ہیں لیکن خود اس میلان کی تخلیق ان کے بس سے باہر ہے یہ میلان بذات خود ایک نفسی حقیقت ہے لہٰذا اس کے اسباب تخلیق کا سراغ نفسیات (علم النفس) ہی کے اوراق میں مل سکتا ہے کم وبیش تمام علمائے نفسیات نے یقین کی ماہیت واسباب پر بحث کی ہے لیکن ہمارے لیے یہاں علم النفس عام تفصیل طلب طرز بحث سے ہٹ کر کسی قدر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہوگی۔

نفسیات یقین

البتہ بنیاد بحث کے لیے استناداً کسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہے، جس کے لیے عہد حاضر میں امریکہ کے سب سے بڑے استاد نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستند ترین ضمانت ہوسکتا ہے، اس لیے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب ''اصول نفسیات'' کے باب احساس حقیقت (جلد دوم) سے اسباب یقین کے متعلق چند اصولی باتیں بلفظہٖ نقل کرتے ہیں۔

① ''معالجات (تدابیر شفا طلبی) کے بارے میں انسان کی زود اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب یعنی جذباتی (احوال) پر مبنی ہے، حتی کہ جب کوئی محبوب وعزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناگوار سے ناگوار شے بھی زود اعتقادی کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی (خصوصاً عورتوں کے لیے) جس شے میں کچھ بھی امید وشفا ہو اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہٰذا جو علاج بھی ایسی حالت میں تجویز کیا جائے وہ آتش گیر مادہ کے لیے چنگاری کا کام دیتا ہے، طبیعت فوراً اس پر عمل کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے، آدمی اس علاج کا سامان کرتا ہے اور کم از کم ایک دن کے لیے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا لہٰذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید وبیم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطہ اقتدار میں ماضی مستقبل اور حال تینوں داخل ہیں۔'' [1]

اس کے بعد دوسرے صفحہ پر ہے کہ

[1] اصول نفسیات، ج ۲، ص: ۳۱۰، ۳۱۱۔

② ''سب سے زیادہ یقین آفرین وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفی بخش توجیہ کے علاوہ ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے حاسہ جمال پرستی اور جذباتی و عملی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہوں۔''

لیکن ہم کو یہاں نفسیات یقین کے متعلق اصل میں جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ

③ ''ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیاء کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں) ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں۔'' [1]

خواہش یقین

ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لیے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو یقین ایک قسم کی تشفی ہے جب تک اس کے لیے طلب و تشنگی نہ موجود ہو یہ نہیں حاصل ہوتا، پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی پی لینے کے لیے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو، مثلاً: پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا، اس کی ناپاکی کا شبہ یا کسی بیماری کے لیے اس کے مضر ہونے کا اندیشہ اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کر دیتی ہے، مثلاً: گرمی کے موسم میں کسی دوست کے یہاں صفائی ونفاست کے ساتھ کوری کوری صراحیوں میں ٹھنڈا پانی رکھا ہوا اور ان کے آس پاس لکھنؤ کے نازک کاغذی آبخورے چنے ہوں تو بے پیاس کے پیاس لگ آتی ہے۔

موانع ومؤیدات یقین

یقین کی صورت میں ہم ان دونوں چیزوں کو علی الترتیب خواہش یقین کے موانع اور مؤیدات سے تعبیر کریں گے، جب کوئی چیز یقین واذعان کے لیے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اور اس کے موانع ومؤیدات میں باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے اور یقین یا عدم یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی کے آخری نتیجہ پر منحصر ہوتا ہے اگر خواہش یقین زیادہ قوی ہے تو وہ بلا مؤیدات کی اعانت کے موانع پر غالب آ جاتی ہے اگر موانع زیادہ قوی ہیں تو وہ خواہش کو مغلوب کر دیتے ہیں اگر موانع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تنہا خواہش کافی ہو سکتی ہے یا اگر موانع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سے ضعیف خواہش بھی اپنے مؤیدات کی مدد سے ان کو زیر کر لے گی۔ عقلی یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ انہی موانع ومؤیدات کی صف میں جگہ مل سکتی ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینوں (خواہش) موانع اور مؤیدات پہلوانوں کا اصلی حربہ جذبات ہی ہوتے ہیں۔

اب اوپر اقتباس اول میں جیمس نے جو مثال دی ہے، اس کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے

[1] ایضاً، ص: ۳۲۱۔

میں خواہش وارادہ کو کیا دخل ہے اور مؤیدات وموانع کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے؟

فرض کرو کہ زید کے گھر میں ایک شخص مہینوں سے مریض پڑا ہے، طبی علاج کوئی کارگر نہیں ہوتا، ایک دوست آ کر کہتا ہے کہ شہر میں ایک متقی پرہیز گار اور بے طمع بزرگ ہیں جن کی دعا سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے تم بھی انہی کی طرف کیوں نہ رجوع کرو۔ ظاہر ہے کہ زید کے دل میں اس مریض کے لیے شفا طلبی کی خواہش موجود ہے، اب اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی (مانع) نہیں ہے، تو بے تکلف دوست کے مشورہ پر عمل کے لیے آمادہ ہو جائے گا اور طبیعت میں کم از کم کچھ دیر کے لیے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی، جس کا نام میلان یقین ہے، اب بزرگ موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے، کہ اہل حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے، پھر ان کے اتقا اور بے لوثی کی کچھ مثالیں آنکھ کے سامنے آتی ہیں، لازماً ان چیزوں سے زید کے میلان یقین کی اور تائید و تقویت ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی ہے، وہ نہایت سخت ملحد و مادہ پرست ہے، تو ایسی حالت میں وہ دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ الٹے اس سے طرح طرح کی بحثیں کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، دعا کے اثر کو قانون فطرت کے منافی بتائے گا، اس کی شہادت پر جرح کرے گا، جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لے کر جاتے ہیں، ان کو اوہام پرست کہے گا اور اپنے اندر کوئی میلانِ یقین نہ محسوس کرے گا۔

البتہ اگر یہی مادہ پرست و بدعقیدہ زید ایک دولت مند آدمی ہے، مریض خود اس کا اکلوتا، نوجوان اور ہونہار لڑکا ہے جو اس کی دولت کا تنہا وارث اور خاندان کا ایک ہی چراغ ہے جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کا یہ مرکز مبتلا ہے وہ نہایت خطرناک ہے، ڈاکٹر اور اطبا علاج کرتے کرتے تھک گئے اور جواب دے چکے ہیں ان حالات میں زید کی خواہش شفا طلبی جس درجہ قوی ہوگی، معلوم ہے، انہی مواقع کے لیے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، اب زید کی ساری بدعقیدگی دھری رہ جائے گی، دوست کا مشورہ اس کی مایوسیوں میں امید کی ایک جھلک ثابت ہوگا، اس کی انتہائی طلب و تشنگی، الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل وموانع پر غالب آئے گی اور وہ بلا بحث وحجت دوست کے ساتھ ہو جائے گا اور جتنی ہی زیادہ اس کی خواہش قوی ہوگی، اتنی ہی زیادہ امید و یقین کے ساتھ یہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ لیکن اگر زید کے الحاد و بدعقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہے کہ وہ اس کی قوی سے قوی خواہش شفا طلبی کو بھی زیر کر سکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بیکار ثابت ہوگی اور دوست کی جانب سے دعا کی شفا بخشی کے دلائل وشواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائے گا ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾ (۲/ البقرۃ:۷) میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے ایمان و یقین کا حاسہ قلب ہے اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقل انسانی کی کوئی منطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ ساحروں کے دل میں ذوق ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنگی موجود تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے ﴿ اٰمَنَّا بِرَبِّ

هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ (۲۰/ طٰهٰ: ۷۰) لیکن کیا فرعون کے معاند ومختوم قلب پر بھی کوئی معجزہ اثر کرسکا؟ انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کی حیات طیبہ تمہارے سامنے ہے ''سیرۃ النبی ﷺ'' میں ابتدائی قبول اسلام کے صفحات پڑھو ہر سطر ذوق ایمان وطلب یقین کے مذکورہ بالا نفسی حقائق سے معمور ملے گی۔

نفسیات یقین کی شہادت واقعاتِ سیرت سے

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہوچکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی تعلیم وتلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جاکر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ ان مؤیدات یقین کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خود مکہ گئے اور گو اس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلان اسلام کے لیے نہایت خطرناک موانع موجود تھے، تاہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوقِ ایمان کی تشفی نے اتنا جوش پیدا کردیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کرکے کہا کہ (اشهد ان لااله الا اللّٰه واشهد ان محمدا عبده ورسوله) اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہوگئی۔ [1]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ سے خاص محبت تھی، آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے وہ گو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، دل میں نور حق موجود تھا، بالآخر ان بے رحمانہ ایذاؤں نے جو دشمنانِ اسلام آنحضرت ﷺ کو پہنچاتے تھے، اظہار اسلام پر بے تاب کردیا۔ اظہار تو کردیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ ''آبائی دین کو دفعتہً کیونکر چھوڑ دوں تمام دن سوچتے رہے آخر غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔'' [2] موانع یقین موجود تھے لیکن دین حق کے قبول اور اس کے داعی کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا۔ قیصر روم کے پاس جس وقت داعی اسلام ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر وابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان واذعان کی روشنی پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا میں اگر وہاں جاسکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا، لیکن قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہوچکے تھے نامۂ مبارک پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھادیا اور گو اس کے دل میں نور ایمان آچکا تھا لیکن تاج وتخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔ [3] تخت وتاج کی حرص دولت ایمان کی ترغیب سے قوی تر

---

[1] یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے، دیکھو سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا ج دوم، ص: ۴۲۴۔

[2] سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا جلد اول ص: ۱۶۸۔ [3] ایضاً پورا مکالمہ پڑھو۔

ثابت ہوئی۔

خسرو پرویز کے تاریک دل میں قیصر روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی، اس پر طرہ یہ ہوا کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے، ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، بخلاف اس کے نامہ مبارک پر پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ ﷺ کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے پھر نامۂ مبارک چاک کر ڈالا۔ لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اڑے۔ [1] اسی قسم کے واقعات کی بنا پر مصنف سیرت نے اوائل دعوت میں اسلام لانے والوں اور ان کے مخالفین کے جو مشترک خصائص گنائے ہیں، ان سے بھی تمام تریقین کے انہی اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے، جو اوپر بیان ہوئے ہیں، تفصیل کے لیے خود سیرت (جلد اول) کی طرف رجوع کرنا چاہیے یہاں اختصار کے ساتھ صرف ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

اسلام لانے والوں کے خصائص مشترک۔

① اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک طبع و پاکیزہ اخلاق تھے، حضرت ابوبکر، حضرت صہیب اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم وغیرہ کا شمار انہی طالبانِ حق میں ہے۔ (خواہش یقین)

② بعض صحابہ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا پیرو کہتے تھے۔ (موانع یقین کی کمی)

③ یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً: عمار، خباب، ابوفکیہ، صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی (موانع کی کمی)

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہوگا لیکن ان کی دشمنی کے کیا اسباب تھے؟

① مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی قریش ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے جس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا، خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔

اسلام کا اصلی فرض اس طلسم کو برباد کر دینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا، اسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔

② قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی لیکن اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ

---

[1] سیرۃ النبی ﷺ جلد اول۔

آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

③ ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنو ہاشم اور بنو امیہ۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتے تھے، اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی۔

④ ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے، ابولہب نے حرم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا، اخنس بن شریق نمام و کذاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، آنحضرت ﷺ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دار و گیر کرتے تھے، جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

غرض اولاً تو ان قریش میں ایمان و یقین کی خواہش کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ثانیاً اگر نفس خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیے جاتے، اس خواہش کا ظہور نا ممکن تھا۔

یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے کہ

① بذات خود یقین عام انسانی جذبات و احساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے فلسفہ و حکمت، بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے اس کی ماہیت بھی اس نفسی میلان سے زیادہ میلان نہیں ہے۔

② یقین کی بنیاد عقلی و نقلی تمام چیزوں میں یقین کی نفس خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع و مؤیدات کا وزن ہے۔

③ ان بنیادی اسباب یقین کی تعمیر تمام تر ان جذبات و معتقدات اور مزعومات و مفروضات (علوم عقلیہ) سے ہوتی ہے جو کسی شے کے قبول و یقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزیں ہوتے ہیں۔

لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین و قبول کے لیے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازمی ہے۔

غایتِ معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہیں

اوپر آغاز کلام میں معجزہ کا جو مفہوم بیان کیا جا چکا ہے، اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہے، غیب پر ایمان رکھتا ہے اور اس سنت الٰہی کا معتقد ہے کہ بندوں

کی ہدایت و راہنمائی کے لیے خدا ان ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے، اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات اخلاقیہ و اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے برتر نظر آتا ہے تو اس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے، اب اگر اس پیغمبر سے کوئی معجزہ نما واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا اس کی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے، جس سے ذوق ایمان کی تقویت ہوتی ہے اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لیے ایک معنی کر کے معجزہ براہ راست خود نبوت کی نہیں، البتہ مدعی نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے۔

معجزہ کی اصلی غایت

اس دلیل یا آیت کی جو غرض و غایت ہو سکتی ہے اس کی نفسی حقیقت کو یوں سمجھو کہ مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار و غیوب پر ہے، سب سے بڑا سرّ یا غیب بلکہ غیب الغیوب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے، حشر و نشر، جن و ملک، وحی و الہام تمام چیزیں ایک عالم غیب ہیں، نبوت نام ہے اسی عالم غیب کے ساتھ روابط و علائق کا، معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلۂ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے، اس لیے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے، اس کا نفس قدرتاً اس یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص سرے سے ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے معجزہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت۔ کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کی شے ہے کہ پہلے آدمی کا نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے اور وہ ہدایت خلق کے لیے انبیا کو بھیجتا یا بھیج سکتا ہے جو آدمی نقطۂ خط یا سطح وغیرہ مبادی اقلیدس ہی کا قائل نہیں اس کو تم اقلیدس کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لیے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازمی ہے اسی طرح تفصیلات مذہب پر یقین کرنے کے لیے پہلے نفس مذہب کا یقین ضروری ہے۔

مِل نے ہیوم کے انکار معجزات کی تنقیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا خارق عادت باتوں کی روایت کی جائے تو وہ ان کو معجزہ نہ مانے گا معجزات سے خود خدا کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا اس لیے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے نہ موجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی مداخلت کے علاوہ معجز نما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں، یہاں تک تو ہیوم کی دلیل با معنی کہی جا سکتی ہے لیکن

اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطعی یا غالب طور پر مان لیا جائے جو موجودہ نظام فطرت کی خالق ہے اور اس لیے اس میں تغیر وترمیم بھی کر سکتی ہے تو ہیوم کی دلیل بے معنی ہو جاتی ہے جب تم نے خدا کو مان لیا تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل واثر خواہ مخواہ کا فرض نہیں رہتا بلکہ ایک سنجیدہ ''امکان'' بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور خدا کی مداخلت یا عدم مداخلت کا فیصلہ اس بحث پر ٹھہرتا ہے کہ کائنات فطرت میں اس کی سنتِ عمل کیا رہی ہے یا عقلاً کیا رہنا چاہیے۔'' [1]

غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین وقبول کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب (خدا اور مذہب) پر ایمان رکھتا ہو اس کے بعد دیکھو کہ معجزہ کی مذکورۂ بالا غایت اور اس پر یقین کی اولین شرط کو پیش نظر رکھ کر وقوع معجزہ کی مختلف صورتیں یا توجیہات کیا ہو سکتی ہیں جزئی شقوق یا فرعی احتمالات سے قطع نظر کر کے جن سے قدیم وجدید علم کلام کا دفتر پر ہے، اصولی طور پر صرف وہی دو صورتیں نکلتی ہیں جن کی جانب مل نے اقتباس بالا میں اشارہ کیا ہے۔

پہلی صورت: یہ ہے کہ خدا نے کارخانۂ عالم چلانے کے لیے کچھ اصول وقوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے اور ارادۂ الٰہی اپنی اس سنت جاریہ میں کبھی کسی حالت میں تغیر وتبدل نہیں کرتا بقول اسپنوزا کے کہ ''خدا کی خدائی اور اس کی حقیقی عظمت وحکمت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو قدرت خداوندی کے معنی یہی ہیں کہ کارخانۂ فطرت اپنے ازلی یا اٹل قوانین کا تابع ہے۔ [2]

اس احتمال کی رو سے معجزہ کا وقوع بھی انہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہیے جس کا کم از کم ظہور معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس لیے معجزہ جو دراصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے بظاہر لوگوں کو معجزہ نظر آتا ہے مثلاً: جس وقت تک عمل تنویم کے نفسی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا عصائے موسوی کا اژدہا بن جانا معجزہ تھا لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لیے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسوی کے اژدہا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس توجیہ سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں یہ واقعہ معجزہ نہ تھا، اس لیے کہ اس زمانہ تک

---

[1] دیکھو Three Essays on Religion (مذہب پر تین مضامین) مطبوعہ ایشیاٹک پریس ص: ۹۸ نیز نظام منطق کتاب سوم باب ۲۵ فصل ۲، اسی میں مل نے ایک اور غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا ہے وہ یہ کہ خدا کو مان لینے کے بعد معجزہ کو قانون فطرت کا سرے سے خارق ہی نہیں کہا جا سکتا پتھر کو اوپر پھینکو اور کوئی شے بیچ میں مانع یا عائق نہ ہو تو اس صورت میں اس کا زمین پر لوٹ کر نہ گرنا یا ہوا میں معلق رہنا بے شک خلاف فطرت ہوگا لیکن اگر اس کو بیچ میں کوئی روک لے تو زمین پر نہ گرنا بالکل خارق عادت نہ ہوگا کیونکہ مانع موجود ہے معجزہ کی صورت میں جو ارادۂ خداوندی معمولی سلسلۂ علل واسباب کا خالق ہے وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے لہٰذا معجزہ نہ خلاف فطرت ہے اور نہ بلا علت کیونکہ عمل علت کی شرط تو یہ ہے کہ کوئی مانع نہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے۔

[2] اسپنوزا جدید فلسفہ کا ایک نامور امام ہے دیکھو اس کا مجموعہ تصنیفات Spinosa's Work جلد اول باب ۶ بحث معجزات۔

معجزہ کی وہ غایت جس کا ابھی اوپر ذکر آ چکا ہے اس واقعہ سے پوری طرح حاصل تھی یعنی اس میں ایک طرح کا غیب پایا جاتا تھا اور اس کا وقوع عالم ظاہری کے سلسلہ علل واسباب سے الگ معلوم ہوتا تھا، لہٰذا اس سے نبی کی تصدیق کا (جو عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے) نفس میں میلان پیدا ہوسکتا تھا جیسا کہ ساحروں کے نفس میں پیدا ہوا، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔ البتہ آج یہ واقعہ البرٹ مول یا ولیم جیمس کے سامنے بیان کیا جائے تو وہ اس کو بجائے معجزہ کے صرف ایک فطری واقعہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں اس لیے اب اگر کوئی نبی یا ولی اپنی نبوت یا ولایت کی تصدیق کا میلان کسی معجزہ یا کرامت کے ذریعہ سے مول اور جیمس وغیرہ کے دل میں پیدا کرنا چاہے تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کرنا ہوگی جس کی توجیہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو جس طرح کہ انبیائے سابقین کے زمانہ میں ان کے معجزات کی توجیہ سے اس وقت کا علم عاجز تھا یا بعض کی توجیہ سے اب بھی عاجز ہے، مثلاً: شق قمر لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں اگر تھوڑی سی قیاسی وسعت اور پیدا کر لی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس عمل کا دارو مدار تمام تر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے، یہ نفسی تاثیر و تاثر کم وبیش ہر انسان میں موجود ہے جس کی ادنیٰ مثالیں ہم کو روزانہ کی معمولی زندگی میں ملتی رہتی ہیں، ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ ''خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔'' جس کے یہی معنی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع واطوار سے اثر پذیر ہوتا ہے، نیک صحبت کے فوائد اور بری صحبت کے مضار کا بھید یہی نامحسوس تاثر ہے، جس قدر کسی شخص کی قوت ارادی یا قوت تاثیر زبردست ہوتی ہے اسی قدر زیادہ دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے ان کے صرف کہنے کا لوگوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ دوسروں کے دلائل وبراہین کا نہیں پڑتا، اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں، انہوں نے جس درجہ کے امرا واعیان ملک سے چرخہ کتوالیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کر دیا ہے وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب، انشا پرداز اور منطقی سینکڑوں ملیں گے لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر وجادو کسی کی تقریر، کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا، غرض اثر آفرینی [1] کی یہی قوت ہے جس کو عامل تنویم عشق سے بڑھا کر کرسی کو شیر اور جھاڑو کو حسین عورت بنا دے سکتا ہے۔

ان واقعات کی بنا پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس میں اتنی توسیع کا حق حاصل ہے کہ ماہرین تنویم یا عام اکابر رجال ومصلحین کی قوت آثر آفرینی کے مقابلہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی وہبی وروحانی قوت تاثیر ونفوذ کا

[1] انگریزی میں اثر آفرینی کے لیے (Suggestion) کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کو تجربات اور مثالوں سے سمجھنے کے لیے انگریزی دان حضرات ڈاکٹر سیڈس کی دلچسپ کتاب ''نفسیات اثر آفرینی'' The Psychology of suggestion کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

مرتبہ کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اور اس لیے وہ ان سے بھی بدرجہا زیادہ عجیب تر و محیر العقول امور کا یقین لوگوں کے دل میں پیدا کر دے سکتے ہیں، عامل تنویم اثر آفرینی کے لیے کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات وسکنات یا الفاظ وخطاب کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر اثر افراد تک محدود رہتا ہے لیکن نبی کی اعلیٰ اور روحانی قوت تاثیر کے لیے صرف باطنی ارادہ کافی ہوسکتا ہے اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہوسکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوگا جس کا دور کر لینا ضروری ہے وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر، نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہیں ہے یعنی جس شخص کو کوئی معجزہ نظر آتا ہے اس کا وجود خود اس شخص کی نظر، حواس یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

بعض وسوسوں کا جواب

اوپر معجزہ کی جو غایت معلوم ہو چکی ہے، اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ غایت ہرنوع حاصل ہے، معجزہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی، اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے، اس کے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو، ہاں بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں پھر نبی اور عالم تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اوپر ہی گزر چکا ہے کہ معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصل خصائص نبوت و اوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادہ حد تک مجتمع ہوتے ہیں اس کے حق میں معجزہ محض تائید مزید کا کام دے سکتا ہے اور جس شخص پر نبوت کے یہ اصلی خصائص و کمالات روحانی مؤثر نہ ہوں وہ بلاشبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ ﴿ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾ (۳۸/ ص:٤) ﴿ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴾ (٢٦/ الشعراء:٣٤) ﴿ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (٢٧/ النمل:١٣) ﴿ وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ (٥٤/ القمر:٢) [1]

[1] متکلمین اسلام کے ہاں سحر و معجزہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہل تحقیق کا مسلک یہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے یعنی انبیا اور اولیا اپنے نفس کی قوت معجز نمائی کو مقاصدِ خیر کے لیے استعمال کرتے ہیں اور ساحر مقاصد شر کے لیے سفینۃ الراغب، ص: ١١٨۔ مولانا حمید الدین فراہی جن سے بڑھ کر موجودہ دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو فہم قرآن کی سعادت حاصل ہو وہ بھی ﴿ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴾ (١٠/ يونس:٧٧) سے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ معجزہ اور سحر میں صرف یہ فرق ہے کہ ساحر فلاح یاب نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوت سحر کو خود اپنے یا دوسروں کے لیے فلاح و خیر کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا بلکہ علی العموم جادوگروں کی اخلاقی حالت نہایت پست ہوتی ہے۔ لیکن ﴿ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾ (٢٠/ طٰهٰ:٦٩) کی نص قرآنی کا زیادہ صاف و صحیح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے معجزہ کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ مغلوب و ناکام رہتا ہے جیسا کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ظاہر ہوا۔ اس سے سحر و معجزہ میں جب کہ دونوں میں مقابلہ ہو ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک یقینی معیار ہاتھ آجاتا ہے باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے یہ تو فن سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے جیسا کہ تمام فنی حقائق میں معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدمقابل ساحروں نے فرق جان لیا تھا۔

لیکن اس وسوسہ کا (کہ توجیہ بالا کی بنا پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی وواقعی وجود کی جگہ محض ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے) تحقیقی جواب دراصل مابعد الطبیعیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موشگافیوں کی آخری عدالت مرافعہ ہے مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے بلکہ اس کے نزدیک تو یہی امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے اور اساطینِ فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریہ) کا مسلک یہ ہے کہ ''عالم تمام حلقہ دام خیال ہے۔'' حقیقی وجود صرف روح، ذہن یا نفس کا ہے باقی دریا پہاڑ، چاند، سورج زمین وآسمان جو کچھ دیکھتے ہو یہ سب تمہارے ذہن ہی کے اندر ہیں مادہ اور عالم مادی محض ایک ''وہم وگمان ہے۔'' [1] اس جماعت نے عالم خارجی کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ جن چیزوں کو ہم موجوداتِ خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دیتا ہے اسی راز کی طرف اکبر مرحوم نے باتوں باتوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ ''جو کچھ ہے سب خدا کا وہم وگمان ہمارا'' لہٰذا جس ذات یا قوت نے سارے ذہن میں عصائے موسوی اور ثابت ومسلم قمر کا تصور پیدا کیا تھا اسی نے اگر تھوڑی دیر کے لیے عصا کی جگہ اژدہا اور قمر مسلم کی جگہ شق قمر کا تصور پیدا کر دیا تو دونوں کے وجود کی حقیقت ونوعیت میں کیا فرق پڑا۔ سائنس جس کا جذبہ مادہ پرستی دلائل سے لاجواب اور خود مادہ کو غیر مادی وغیر جوہری کہنے کے باوجود مادیات کے وجود خارجی سے یک قلم دست برداری پر راضی نہیں اور اس تار عنکبوت میں کسی نہ کسی طرح الجھا رہنا ہی پسند کرتا ہے وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ ماننے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ وبو، آواز ومزہ، سردی وگرمی وغیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے جس کو مادہ نامی کوئی ''نامعلوم شے'' ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں جب رنگ اور آواز جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں اس کے حقیقی وواقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ ہم اس کا احساس وتصور رکھتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ معجزات کے وجود کو ہم اس سے زیادہ حقیقی وواقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ایک اور اعتراض

یہ تو وہ شبہات تھے جو معجزہ اور سحر وتنویم کی یکسانی یا معجزات کے محض ذہنی وجود کی بنا پر پیدا ہوتے تھے لیکن ایک اور اعتراض معجزہ کی تمام ان توجیہات پر وارد ہوتا ہے جن کی رو سے یہ فطرت کے معمولی یا غیر متغیر قوانین اور علل واسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبعی ومادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول کیا جاتا ہے جس کا ظہور معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا، یہ ایک اعتراض معجزہ کے اضافی ہونے کا ہے فرض کرو کہ

---

[1] مابعد الطبیعیات کے اس نازک مسئلہ کی توضیح کی گنجائش یہاں نہیں نکالی جا سکتی البتہ دور جدید میں تصوریت کے بانی اول برکلے کا فلسفہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں وہ تو اس کی اصل کتاب ''مکالمات رساوی'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں عام لوگ شاید فلسفہ برکلے سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے (مطبوعہ دار المصنفین)۔

شقِ قمر کی علت خواہ تنویم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو یا کیمیاوی جذب واتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزا کو باہم ملحق کیے ہوئے ہے کوئی ایسا مادی قانون دفع وافتراق ہو جس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے ہوں ان دونوں صورتوں میں شق قمر صرف اسی وقت تک معجزہ ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین وعلل کا انکشاف نہیں ہوتا لاسلکی پیام رسانی کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر ایک سیکنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا لیکن اب معمولی بات ہے۔ بے شبہ اس معنی کر کے معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیت سے خالی ہو کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے اگر اس کا علم قطعی ومختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابد الاباد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی چاہیے لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمال اضافیت سے کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھلا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی؟ لہٰذا جو شے آج معجزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور معجزہ کی غرض وغایت کو پورا کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ (دیکھو اوپر صفحہ)

دوسری صورت: یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانۂ کائنات ایک مقررہ سنت یا بندھے ہوئے قوانین ہی کے ماتحت چلتا رہتا ہے لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین ومقربین کی تائید غیبی کے لیے اس ''سنت جاریہ'' میں مداخلت اور تغیر وتبدل کو بھی جائز رکھتا ہے خواہ یہ تغیر وتبدل فطرت میں کسی نئے حذف واضافہ کی وساطت سے ہو یا اس کا منشا براہ راست ارادۂ الٰہی ہو اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو، اسی طرح بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہے۔ ان فلاسفہ کے نزدیک وقوع معجزہ کے لیے بھی ارادۂ الٰہی کی براہ راست مداخلت ہی والا احتمال زیادہ قابل قبول ہوگا۔

اس صورت کے مختلف احتمالات

صورت مداخلت کے ان احتمالات ثلثہ میں اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہیں کی جا سکتی، تاہم جو موٹا سا فرق کیا جا سکتا ہے اس کو مثالوں سے سمجھ لینا چاہیے:

① عام قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادۂ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے اس کو اگر خدا خود رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں تو بلا اتصال جنسی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں

ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی ممکن ہے کہ ''ولادت مسیح علیہ السلام'' میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو۔

② اسی طرح اضافہ کے بجائے حذف کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزا جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں ان میں سے صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے تھوڑی دیر کے لیے خدا حذف یا سلب کر لے جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہوسکتا ہے۔

③ تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی مادی واسطہ کا حذف و اضافہ کیے بغیر براہ راست خدا نے صرف ارادہ ''کن فیکون'' سے قمر کو شق اور مسیح علیہ السلام کو پیدا کر دیا ہو۔

یہی آخری صورت عمیق النظر فلاسفہ و متکلمین اور اہل حق کا مذہب ہے بلکہ تنویمی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو سے گنجائش نہیں اس لیے کہ تنویم کا عمل اس کے عامل کے علم و ارادہ کے تحت ہوتا ہے اور معجزات میں انبیا علیہم السلام کے علم و ارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا اسی لیے وہ فرمائش و تعدی پر کسی آیت یا معجزہ کو خود پیش کر سکنے سے عجز کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مشکوک اعلان کرتے ہیں کہ آیات تو صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ ﴿ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (٦/ الانعام:١٠٩) اور رسول اگر ان کو پیش کرتا یا کرسکتا ہے تو صرف اللہ ہی کے براہ راست حکم و اذن سے، خود کسی رسول میں ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی آیت یا معجزہ پیش کر سکے۔ ﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (٤٠/ المؤمن:٧٨) اگر عامل تنویم کی طرح انبیا علیہم السلام اپنے ہی علم و ارادہ سے معجزات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو سانپ کی صورت میں ظاہر فرما کر خود اسی سے کیوں ڈرتے اور پھر اس کے عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ براہ راست اپنی طرف کیوں منسوب فرماتا کہ ''ڈرو نہیں ہم اس کو پھر ابھی چھڑی ہی بنا دیں گے۔'' ﴿ وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴾ (٢٠/ طٰہٰ:٢١)

باقی اور جتنے احتمالات اوپر بیان ہوئے وہ بھی بس احتمالات و تاویلات ہی کے درجہ میں ہیں لیکن تاویل خواہ بعید ہی ہو تکذیب کے مقابلہ میں اہون ہے لہٰذا یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج عقل پرستوں پر اتمام حجت اور انکار و تکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لیے ہیں جو بچوں کی طرح مٹھائی و عقل کا نام لیے بغیر کسی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے اور جن کی عقل، عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ خود عقل کی نارسائی تک بھی رسائی نہیں پا سکے ہیں۔ اصل بحث و توجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانۂ فطرت کی اساس و بنیاد کوئی بے شعور و بے ارادہ مبدء ہے یا اندر باہر انفس و آفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہوتا ہے تمام تر بالذات و براہ راست کسی علم و ارادہ والی ذات کی مشیت و قدرت کا ظہور ہے فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لیے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے یا ہو رہا ہے وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ

فرمائی وکارفرمائی کے مظاہر ہیں اور فلسفہ تصوریت کی رو سے (جس کا جدید فلسفہ میں خصوصاً دور دورہ رہا ہے) یہ ہستی اسی نوعیت کی ہے جس کو ہم شاعر الذات، نفس وروح یا انا وایغو تعبیر کرتے ہیں، باقی مادہ وطبیعت یا مادی و طبعی عوامل وقوانین کی ساری تعبیرات واصطلاحات دفتر بے معنی ہیں۔

~ تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا (اکبر)

نئی بات جو سائنس اور سائنس دانوں کے نام سے مرعوب ذہنوں اور عقلوں کے لیے خصوصاً لائق توجہ ہے یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر جس ٹھوس چٹان پر مادیت یا طبعی عوامل وقوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی، وہ خود نئی طبیعیات ہی میں برف کی طرح پگھل رہی ہے۔ ''اب ازلی وغیر فانی مادہ اور ٹھوس سالمات پرانا افسانہ ہو چکے ہیں قائم بالذات جوہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہیں تسلیم کیا جاتا وہ اب عملاً برقی توانائی (یا برقیات) میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔'' لیکن خود برق یا برقیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا، یہی نہیں بلکہ مادہ کو کسی معنی میں موجود جاننے کے لیے عام انسانی ذہن ودماغ کے لیے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یا مکان میں) موجود ہے لیکن نظریۂ اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی چھین لیا۔

''مادہ جو ہماری عام عقل وفہم کے لیے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جوہر تھا اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیروں ڈلوں یا ایسے مادی جوہروں کا جو خاص خاص قوانین کے مطابق زمان ومکان میں اِدھر سے اُدھر مارے مارے پھرتے تھے۔ اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطہ نظر سے برپا ہوا ہے وہ صحیح معنی میں اسی واقعہ کا نتیجہ ہے کہ مادہ اور زمان ومکان سرے سے تین جداگانہ حقائق ہی نہیں قرار دیے جاتے۔'' [1]

ایک عام آدمی عریاں الفاظ میں اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہے نہ کسی وقت میں یعنی نہ کسی زمان میں تو پھر ''ہے'' کے کیا معنی؟ اضافیت کے اس شاہکار کو پوری طرح سمجھنا یا سمجھانا تو اعلیٰ ریاضیات کے ماہرین ہی کا کام ہے، ہم عامیوں کو سچ پوچھئے تو ایسے مادہ کی نسبت جو زمان ومکان سے الگ یا مستقل بالذات ہو کر کسی جگہ اور وقت میں یا زمان ومکان کے مظروف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو قریباً عدم تک پہنچا دیا ہے۔ [2] اور یہ تو بہر حال واضح ہو گیا ہے کہ کائنات کو کوئی مشین نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پرانی مادیت دیوالیہ ہو چکی ہے، یعنی وہ مادیت جو کائنات، زندگی اور ذہن سب کا ایک مادی تصور رکھتی تھی۔ [3] اسی طرح سائنس وریاضی کے جھروکوں سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھانکنے لگی ہے حتیٰ کہ

''سائنس دانوں کو طبعی کائنات میں کسی اساسی خارجی یا معروضی حقیقت کی جستجو میں معلوم ہوا ہے کہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب وغریب شے

---

[1] ماڈرن بلیف۔ مقدمہ ص: ۱۵۱۔ [2] ایضاً ص: ۱۴۳۔ [3] ایضاً۔

ہوگی جو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آتی تھی، ایڈنگٹن نے نظریۂ اضافیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو طبعیات کی ایک دوسری جدید ترقی کوانٹم تھیوری تک پہنچ کر ہم نے خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کردیا ہے اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑی ہے جو صراحۃً ذہنی (SUBJECTIVE) ہیں، اگر خارجی دنیا کو جاننے میں ہمارے لیے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود ان (SELF KNOWING) شعور کے مسئلہ میں جہاں ''ذہن وخارج'' (یعنی جاننے والا اور جانا گیا) حقیقۃً ایک ہوجاتے ہیں اس کو جدا یا ممتاز کرنا کہیں زیادہ مشکل ہوگا۔'' [1]

غرض فلسفہ کے بعد سائنس میں بھی ہوا کا رخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف جارہا ہے کہ ہماری کائنات اور اس کی نیرنگیاں بے شعور مادہ کی میکانکی کارستانیاں نہیں بلکہ ذہن وشعور کی کارفرمائیاں ہیں اور خالص سائنس دان نہ سہی لیکن سائنس دان فلسفی کی حیثیت سے سرجیمس، جیانس، ماکس، پلانک، شرودونگر آئنسٹائن وغیرہ جیسے رجال سائنس کا تصوریت کی جانب رجحان بڑھتا جارہا ہے اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں جیسا کہ سرجیمس جیانس کا صاف اعتراف ہے کہ میرا رجحان تصوریہ کے اسی نظریہ کی طرف ہے کہ اساسی وبنیادی حقیقت شعور ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے۔ [2]

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور وذی علم اساسی سرچشمہ کائنات کے سوا کیا ہے اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم وشعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو معجزات کے مادی یا میکانکی عوامل وقوانین کی جستجو خود عقل کی رو سے کونسی عقلمندی کا کارنامہ ہے۔ [3] عقل ودانش کی بات تو بس وہی اکبرالہ آبادی کی ہے کہ

؎ تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا   ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

یقین معجزہ کے شرائط

غرض یقین معجزہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے اس کے بعد اپنے اپنے علم ومذاق کے مطابق توجیہ معجزات کی جس طرح یہ ''پہلی صورت'' ممکن ہے کہ وہ عام قوانین فطرت (خواہ نفسی یا مادی) ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف واضافہ) ''دوسری صورت'' بھی قابل قبول ہے، انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹال جیونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب ''اصول سائنس'' [4] کے نام سے لکھی ہے جس میں آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ

''اُوپر علم سائنس کی حقیقت ونوعیت کے متعلق جو بحثیں گزری ہیں ان سے ایک نتیجہ جو نہایت

[1] ماڈرن بلیف مقدمہ،ص:۸۔ [2] ماڈرن بلیف،ص:۵۲۰۔

[3] ان مباحث کی کامل وتشفی بخش تفصیل ان شاء اللہ فلسفہ اسلام کے ذیل میں بشرط صحت وحیات ملے گی۔

[4] The Principal of Scienc (حاشیہ) طبع آخر ۱۹۱۳ء ص ۷۶۶۔

صاف طور پر نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کارخانۂ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے، جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے وہ میرے نزدیک اس میں حذف واضافہ بھی کر سکتی ہے اس قسم کے واقعات ایک معنی کر کے ہمارے لیے ناقابل تصور کہے جا سکتے ہیں پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابل تصور نہیں ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے۔''

مگر جو شخص اس خالق کائنات قوت ہی کا قطعاً منکر ہو، جو سرے سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جو آرنسٹ ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا، روح، حشر ونشر وغیرہ کو معجزات (بمعنی اوہام و خرافات) قرار دیتا ہو اور جس کے نزدیک معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو، جس کا فنا کر دینا ہی علم وتمدن کی فتح ہوگی۔'' [1] تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی میں کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی قوت کا آفریدہ ہے یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے، اس کے عالم غیب کے ساتھ رابطہ وتعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟ یقین کی اُوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس کے لحاظ سے معجزہ پر بہ حیثیت آیت نبوت کے یقین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو جس کے بغیر یقین معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ناممکن ہے پھر بھی جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو، اس کی زندگی ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (٦٨/ القلم: ٤) کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو، (یہ چیزیں خواہش یقین کے لیے مؤیدات کا کام دیں گی) اور سب سے آخری لیکن سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون و ابوجہل کی طرح دل میں خصومت وعناد، خودی وخود بینی، ذاتی اغراض یا ہوا وہوس کے موانع یقین نہ موجود ہوں۔ جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات پر آمادہ نہیں کر سکتی بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات سے باز نہیں رکھ سکتی۔

میرے ایک دوست جن کا شمار کم از کم مسلمانوں میں تعلیم جدید کے مستثنیٰ افراد میں سے ہے، آج سے چند برس پہلے مغربی عقل وحکمت کے شدید پرستار تھے اور وجود خدا کا ان سے اقرار کرانا، اس لیے ناممکن تھا کہ وہ مل کی منطق اور ہکسلے و ہیگل کی تحقیقات سے نہیں ثابت ہوا تھا۔ قرآن میں ان کے نزدیک علم النفس کے بیسیوں دقائق مرعی تھے اور اس کا پیش کرنے والا پیغمبر اسلام (علیہ السلام) سکندر، اسپنزر، سقراط، ونپولین وغیرہ قائدین عظام ومصلحین عالم کی صف اول میں اپنی جگہ رکھتا تھا، تاہم اگر آیات قرآنی کو بہ حیثیت کلام الٰہی ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا یا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مکارم اخلاق سے معمور زندگی کو آپ ﷺ کی پیغمبری کے ثبوت میں بیان کیا جاتا تو وہ ''جواب جاہلاں'' کی باتمکین ''خاموشی'' یا زیادہ سے زیادہ ایک ''خندۂ تحقیر'' کی سزاوار تھی ظاہر ہے کہ بدعقیدگی کے اس عالم میں روایات معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ٹھہر سکتی ہے کہ وہ

---

[1] دیکھو ہیگل کی کتاب Wonders of Life (عجائبات حیات) باب ۳ معجزات۔

محض اپنے رواۃ کی خوش اعتقادیوں یا جاہلانہ عجائب پرستیوں کا مجموعہ ہیں۔لیکن ادھر ان کی اس درجہ حیرت انگیز کایا پلٹ ہوئی ہے کہ عقلیات مغرب کا سارا طومار ان کے نزدیک ''صد کتاب وصد ورق در نار کن'' سے زیادہ کا مستحق نہیں ہے قرآن کریم ''دقائق نفسیہ'' کی جگہ ''حقائق الٰہیہ'' کا منبع بن گیا ہے ''سیرت نبویہ ﷺ'' کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہد عدل ہے جو زبان جیمس اور راونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے رطب اللسان رہتی تھی اس کو انتہائی لذت اب صرف بزرگان دین کے مناقب، کشف و کرامات اور مسائل تصوف کے ذکر میں ملتی ہے حتیٰ کہ دور اول کے ''ناصح احباب'' کو اب خود ان پر ''خوش اعتقادی'' کا گمان ہونے لگا ہے۔

اس قلب ماہیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انبیائے عظام علیہم السلام کا تو ذکر ہی کیا ملک کی موجودہ تحریک ''ترک موالات'' کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی ان کو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتا ہے انتہا یہ کہ ان کی طرف جو طرح طرح کی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں [1] ان میں ایک مشہور واقعہ بعض درختوں سے روئی جیسی ایک چیز کا نکلنا تھا میرے یہ دوست بھی اس کو تائید غیبی کی ایک نشانی سمجھنے میں شریک تھے میں نے کہا کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں۔کہا، اس سے کیا ہوتا ہے خدا نے اسی وساطت سے تائید کی ہوگی۔شرائط یقین وغایت معجزات کے مقدمات بالا کو سامنے رکھ کر اب ذرا ریگستان عرب کے اس امی انسان کی زندگی، دعوت اور تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو، جس نے ساڑھے تیرہ صدی ادھر کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔

اس قدسی صفات انسان کی امانت و دیانت نے ہم وطنوں کی طرف سے اس کے لیے امین کا لقب حاصل کیا تھا اس کی راست گوئی دوست و دشمن سب کو یکساں تسلیم تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کو پچیس برس تک آپ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا، وہ ایک موقع پر آپ کو تسلی دیتی ہیں کہ ''ہرگز نہیں خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلہ رحم کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔'' [2]

اس اپنے پرائے کے غم خوار کی دعوت صرف یہ تھی کہ لوگو ((لا الہ الا اللّٰہ)) کہو تو نجات پاؤ گے، اس دعوت سے باز رکھنے میں رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی [3] اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابوطالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا۔جس کا جواب اولوالعزم من الرسول کی زبان سے فقط یہ ملا کہ ''چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق

---

[1] یہ تحریر گزشتہ تحریک ترک موالات کے شباب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اس وقت اس طرح کی بہت سی کرامتیں بانی ترک موالات کی زندگی اور اوصاف سے متعلق ملک میں پھیلی تھیں۔ [2] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی: ۳۔ [3] سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ اوّل، ص: ۱۶۱۔

سے باز نہ آؤں گا۔'' [1] نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا یعنی حق کامیاب ہوا لیکن کیا اس کامیابی سے داعیٔ حق ﷺ نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا ہے؟

مسجد نبوی کے صحن میں آپ ﷺ کے سامنے مال غنیمت کے انبار لگ جاتے تھے [2] مگر خود اس انبار کو تقسیم کرنے والے شاہ کونین ﷺ کی زندگی یہ تھی کہ آپ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے۔ کاشانۂ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا، تاہم اس میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا۔ [3] کئی کئی دن تک فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے۔ گھر کا کام کاج خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوھ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے، اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔ [4] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں جن کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بار بار مشک میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے لیکن باایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقرا و یتامیٰ کا حق ہے۔ [5]

اتنا ہی نہیں کہ آپ ﷺ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے بلکہ دشمنان دین طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے گالیاں دیتے تھے۔ گو ''رحمۃ للعالمین'' کا ہاتھ ان کے حق میں بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کے لیے اٹھتا تھا اور ان کے ساتھ نیکی ہی کا حکم فرماتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ [6] یہ سب کچھ تھا لیکن دعوت حق، نوع انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائبہ تزلزل جاری تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو اپنے فرستادۂ خدا ہونے کا اذعان، ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد اور بالآخر باطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا جس طرح تم کو رات کی تاریکی کے بعد طلوع صبح کا یقین ہوتا ہے کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آ کر ابوطالب سمجھاتے ہیں کہ ''جان پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھا لو۔'' آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجیے۔ حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا، عجم و عرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا۔'' کفار قریش بد نیتی (قتل) کے ساتھ آپ کے تعاقب میں نکلے ہیں، غار ثور جس میں آپ مخفی ہیں اس کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ ''رفیقہ فی الغار'' (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔'' آپ ﷺ

---

[1] سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ اوّل، ص: ۱۶۷۔ [2] سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ دوم، ص: ۶۰۹۔
[3] ایضاً ص: ۶۴۶۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔ [6] ایضاً۔

نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (۹/ التوبۃ:۴۰) ''غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔'' (1) ایک موقع پر آپ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا، چپکے سے آیا اور آپ ﷺ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعتہً آپ ہشیار ہو گئے، دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ اے محمد! اب تم کو کون بچا سکتا ہے؟ ایک پر اطمینان صدا آئی کہ ''اللہ۔'' (2)

کیا تشنگان ایمان کے لیے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کر سکتا تھا؟ اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پکار اٹھے کہ

(ليس هذا بوجه كذاب) ''یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے۔'' (3)

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے اور اگرچہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خط و خال کو کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا، تاہم ''سیرۃ النبی ﷺ'' کے گزشتہ دو حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر قطرات ماخوذ ہیں) انسانی ہاتھ سے جو ناتمام مرقع کھچ سکا ہے، اسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی پیکر بشری کے اندر ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (٦٨/ القلم:٤) کی اس ''جامعیت کبریٰ'' کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے، جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جا سکتا ہے اور نہ پیش کیا ہے، نہ کیا جا سکتا ہے۔

ایسی اعجاز مجسم جامع ہستی کے متعلق جو صاحب شمشیر و نگین بھی ہو اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدائے بے نوا بھی، فرمانروائے جہان بھی ہو اور سجہ گردان بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریا دل بھی، جس کی زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو، جس کے پاؤں رات رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماس کرتے ہوں۔ اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو تو اس شخص کو اس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا ہے جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص ہیگل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ (٧٩/ النازعات:٢٤) یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ جواب یہ مل سکتا ہے کہ ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (٥٤/ القمر:٢)

یہی راز تھا کہ سیرت نبویہ ﷺ کے سارے دفتر میں بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزات کی بنا پر لوگوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو بلکہ عہد رسالت کے ہزاروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا اور جن کے لیے ''روئے و آواز پیمبر'' ہی اصل معجزہ تھا گو آج ظاہری روئے و آواز ہم سے مستور ہے لیکن معنوی آدمی قرآن اور حقیقی ''روئے پیمبر'' سیرت طیبہ ابدالآباد تک ذوق ایمان رکھنے والوں کے لیے معجزہ نمائی کرتی رہے گی۔ (ﷺ)

---

(1) سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ اول، ص:۱۹۸۔ (2) سیرۃ النبی ﷺ طبع ہذا حصہ دوم، ص:۲۰۸۔

(3) ترمذی: ۲٤٨٥؛ ابن ماجہ: ۱۳۳۴؛ مسند احمد، ٥/ ٤٥١۔

لُبِّ لُباب

گزشتہ مباحث کا لب لباب یہ ہے کہ

① معجزہ نام ہے پیغمبرانہ اوصاف و مکارم اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقت ظہور عام علل و اسباب سے توجیہ نہ ہوسکے۔

② ایسے واقعات بذاتِ خود عقلاً ناممکن نہیں، ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز'' یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہے، اس لیے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لیے بھی نہایت غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے۔

③ لیکن دراصل یہ استبعاد ایسا نہیں ہوتا جس کی کافی مثالیں عام زندگی میں بھی نہ ملتی ہوں اور جن کے قبول کے لیے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

لہٰذا یقین معجزات کے لیے بھی معمولی درجہ کی قابل اعتماد شہادت کافی ہوسکتی ہے۔

④ مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کا دار و مدار زیادہ تر یقین کی خواہش اور اس کے موانع و مؤیدات پر ہے جس کا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گزشتہ معتقدات و مزعومات سے ہوتا ہے۔

⑤ یقین معجزات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے ''ایمان بالغیب پر''

⑥ اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون و ابوجہل کی طرح عناد و تعصب کے موانع موجود نہیں ہیں تو ساتھ ہی ساتھ انبیا کی نبوت کی زندگی اپنے احوال و اخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اس کی نبوت کی مؤید ہے تو معجزہ (بمعنی خارق عادت) کا کیا ذکر ہے خود پیغمبر کی آواز و اصوات ہی معجزہ ہے۔

؎ در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است
روئے و آوازِ پیمبر معجزہ است

آیات ودلائل اور قرآن مجید

انبیا علیہم السلام اور آیات ودلائل

گزشتہ صفحات میں جو کچھ پھیلایا گیا ہے وہ انسانی افکار وخیالات کی جہاں تک دسترس ہے، اس کی تشریح ہے، لیکن مسلمانوں کے نزدیک ہدایت وارشاد کا اصلی سرچشمہ قرآن مجید ہے، اس لیے آیات ودلائل کی نسبت اخیر فیصلہ اسی کی عدالت میں ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں اکثر انبیا علیہم السلام کے سوانح وحالات کے ضمن میں ان آیات اور معجزات کا بھی بیان ہے جو ان کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ودلائل انبیا علیہم السلام کے سوانح کا ضروری جزو ہیں، خصوصاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں کہ نزول قرآن مجید کے وقت انہی دونوں انبیا علیہم السلام کی امتیں عرب میں موجود تھیں اور ان ہی کے سامنے اسلام اپنے دعووں کو پیش کر رہا تھا۔

قرآن مجید میں جن انبیا علیہم السلام کا تذکرہ ہے ان میں سے کم وبیش حسب ذیل انبیا علیہم السلام کے آیات و دلائل بیان ہوئے ہیں، حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت زکریا، حضرت یونس، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بعض ایسے انبیا بھی ہیں جن کے آیات ودلائل کے ذکر سے قرآن خاموش ہے، مثلاً: حضرت اسحٰق، حضرت اسمٰعیل، ذوالکفل اور الیسع علیہم السلام وغیرہ لیکن اس خاموشی سے یہ نہیں ثابت ہوگا کہ ان کو کسی قسم کی نشانی اور دلیل عطا نہیں ہوئی تھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مِثْلَهُ أُومِنَ۔أَوْ آمَنَ۔عَلَيْهِ الْبَشَرُ)) [1]

''ہر نبی کو کچھ ایسی باتیں دی گئیں جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔''

البتہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر معمولی آیات ودلائل انہی انبیا علیہم السلام کو مرحمت ہوئے جن کو سخت وشدید معاندین اور منکرین کا سامنا کرنا پڑا اور ضرورت بھی انہی کو تھی کہ ان کے عناد وانکار کا وہ ان کے ذریعہ سے جواب دے سکتے، باقی وہ انبیا علیہم السلام جو اپنی جماعتوں میں صرف تجدید واصلاح کے لیے مبعوث ہوئے ان کو اس قسم کے دلائل کی حاجت نہ تھی کہ ان کی جماعتوں نے ان کی دعوت کے مقابلہ میں عناد وانکار کا اظہار نہیں کیا تھا۔

قرآن مجید اور اصطلاح آیات ودلائل

قرآن مجید نے انبیا علیہم السلام کے ان معجزات کو عموماً آیت یعنی نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

[1] بخاری، كتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ بعثت بجوامع الكلم: ٧٢٧٤؛ مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان، برسالة نبينا محمد ﷺ الى جميع الناس ونسخ الملل بملته: ٣٨٥ یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى ﴾ (۲۸/ القصص:۳۶)

’’جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری آیات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے۔‘‘

﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ﴾

(۷/ الاعراف:۱۳۳)

’’تو ہم نے فرعون کی قوم پر طوفان، ٹڈی، جوں، مینڈک اور خون کی کھلی ہوئی آیتیں بھیجیں۔‘‘

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتا ہے:

﴿ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ۝ ﴾ (۷/ الاعراف:۱۰۶، ۱۰۷)

’’اگر تم کوئی آیت لے کر آئے ہو تو اب لاؤ اگر تم سچے ہو، موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعتہً سانپ بن گئی۔‘‘

کفار معجزہ طلب کرتے ہیں تو اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (۶/ الانعام:۱۱۰) ’’آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔‘‘

﴿ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (۲۹/ العنکبوت:۵۰) ’’آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔‘‘

کفار کہتے ہیں:

﴿ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۝ ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۵)

’’چاہیے کہ وہ ہمارے پاس کوئی آیت لائیں جیسے پہلے پیغمبر بھیجے گئے۔‘‘

حضرت صالح علیہ السلام اپنے معجزہ کی نسبت کہتے ہیں:

﴿ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً ﴾ (۱۱/ ھود:۶۴) ’’اور اے لوگو! یہ خدا کی اونٹنی آیت ہے۔‘‘

لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت

آیت کے معنی ’’نشانی‘‘ اور ’’علامت‘‘ کے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم واحساس کے جو ذرائع عطا کیے ہیں وہ حقیقت میں صرف آیات وعلامات کی شناخت اور یاد ہے، دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں تم ان کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہو؟ صرف آیات وعلامات سے، کلیات سے لے کر جزئیات تک جو کچھ ہم کو خارج سے علم حاصل ہوا ہے وہ محض نشانیوں کو دیکھ کر۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ گھوڑا ہے، یہ انسان ہے، یہ درخت ہے، یہ سیب ہے، یہ انگور ہے لیکن ہم کیونکر جانتے ہیں؟ اس طرح کہ ان چیزوں کی جو مخصوص نشانیاں ہیں وہ الگ الگ ہمارے ذہن میں محفوظ ہوگئی ہیں اور اب انہی کی مدد سے ہم کہتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے ہم پہچانتے ہیں

کہ یہ زید ہے، یہ عمرو ہے، یہ میرا عزیز ہے، یہ میرا گھر ہے، یہ میرا گھوڑا ہے مگر یہ تمام شناختیں آیات وعلامات ہی کی مدد سے ہیں اگر دنیا میں ہر شے کی مخصوص آیات وعلامات مٹادی جائیں تو ہم یقیناً کسی چیز کو نہ شناخت کر سکتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں، نہ پہچان سکتے ہیں۔

یہی آیات وعلامات کی جان پہچان اور شناخت ہے جو حیوان وانسان اور عقل مند و بے وقوف میں فرق پیدا کرتی ہے، جس میں ان آیات وعلامات کی شناخت، تمیز اور یاد کی قوت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس کی عقل ودانائی کا کمال زیادہ ہوگا، ہماری منطق کا تمام تر استدلال بجز آیات وعلامات کے اور کیا ہے؟ ہم اپنے جس دعویٰ پر جو دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں وہ انہی آیات وعلامات کی مدد سے کرتے ہیں بلکہ ہمارے تمام تر تجربے اور مشاہدے، بلکہ طبیعیات، کیمیات، نباتات، حیوانات، ارضیات، ہندسیات، ریاضیات وغیرہ جو کچھ اور جس قدر علوم بھی ہیں وہ صرف علامات شناسی کا مجموعہ ہیں جن سے ہم براہ راست جزئیات کا علم حاصل کرتے ہیں اور پھر ہم ان سے کلیات تیار کر لیتے ہیں۔

غرض ہمارا تمام تر فن استدلال دراصل ان ہی آیات وعلامات پر موقوف ہے اگر اشیاء کی علامات و آیات محو کر دی جائیں تو نہ ہم کسی چیز کو پہچان سکیں گے اور نہ کسی دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کر سکیں گے ہم علت سے معلول پر اور معلول سے علت پر استدلال کرتے ہیں مگر انہی آثار وعلامات کے ذریعہ سے ہم کو تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شے جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ آثار وآیات ظاہر ہوتے ہیں اب کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ ''یہ شے پیدا ہوگئی ہے، اس لیے اس کا فلاں نشان اور اثر بھی ضرور پیدا ہوا۔'' یہ علت سے معلول پر استدلال ہے اور کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ ''فلاں نشان اور علامت ظاہر ہے اس لیے وہ شے بھی ہے۔'' یہ معلول سے علت پر استدلال ہے کبھی ہم آگ کے وجود سے حرارت کے وجود پر اور کبھی حرارت کے وجود سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم کسی غیر آباد میدان میں پہنچ جاتے ہیں، وہاں ہم کو ایک شاندار عمارت نظر آتی ہے اگرچہ ہم نے اس عمارت کے بنانے والوں کو نہیں دیکھا ہے، مگر اس عمارت کو دیکھ کر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کسی معمار کی صنعت ہے۔ ایک جنگل میں ایک جھونپڑے کے اندر ایک تنہا زخمی پڑا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے زخم صاف ہیں مرہم پٹی ٹھیک ہے، اس کے آرام وآسائش کے تمام سامان قرینہ سے رکھے ہوئے ہیں، ہم نے گو اس کے تیمار دار کو نہیں دیکھا مگر آس پاس کے علامات وآثار بتاتے ہیں کہ اس بیمار کا کوئی تیمار دار ہے اور وہ نہایت رحم ومہربانی سے اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ایک شخص آ کر کہتا ہے ''میں طبیب ہوں'' اس کے پاس جو مریض آتے ہیں وہ اس کے نسخہ سے شفا بھی پاتے ہیں اب گو ہم نے اس کو طب کی تحصیل کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کے آثار وعلامات کو دیکھ کر اس کے دعویٰ کی تصدیق کر سکتے ہیں، یہی ہمارا فنِ استدلال ہے اور

اسی پر ہمارے تمام حصولی علوم کی بنیاد ہے۔

آیات اللہ

قرآن مجید میں آیت کا لفظ اسی معنی میں اس کثرت سے آیا ہے کہ ہم یہاں ان کا استقصا بھی نہیں کر سکتے ،صرف متفرق سورتوں سے چند آیات یہاں نقل کرتے ہیں ،جن سے مفہوم کی تشریح ہو جائے گی:

﴿ إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهِ يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (٤٥/ الجاثية:٣-٦)

’’آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور تمہاری پیدائش میں اور زمین میں جو چوپائے چلتے ہیں ،ان میں ان کے لیے جو یقین کرتے ہیں نشانیاں ہیں اور رات دن کے الٹ پھیر اور آسمان سے خدا جو روزی برساتا ہے اور جس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور ہواؤں کے پھرنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں ، یہ آیتیں ہیں جن کو ہم سچائی کے ساتھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں تو پھر خدا اور اس کی نشانیوں کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔

﴿ إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (٢/ البقرة:١٦٤)

’’بے شک آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے الٹ پھیر اور ان کشتیوں میں جو دریا کے اندر انسانوں کو فائدہ پہنچانے والے سامان لے کر چلتی ہیں اور خدا آسمان سے جو پانی برساتا ہے جس سے وہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جو چوپائے اس نے پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلانے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے بیچ میں مسخر ہیں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔‘‘

﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (٦/ الانعام:٩٩)

''اور وہی خدا جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی نشوونما کو ظاہر کیا پھر اس سے سبزے پیدا کیے، جس سے ہم تہ بہ تہ دانہ نکالتے ہیں اور کھجور جن کے خوشے نیچے لٹکے ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغوں کو اور زیتون و انار کو اس نے پیدا کیا جو باہم ملے جلے ہوتے ہیں اور ان میل بھی ہوتے ہیں، ان کے پھلنے اور پکنے کو دیکھو ان چیزوں میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾

(١٠/ یونس:٦٧)

''اس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو اس نے روشن بنایا اور اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں۔''

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ﴾

(٣٠/ الروم:٢١۔٢٥)

''اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم کو ان کے پاس سکون اور قرار حاصل ہو اور تم دونوں کے لیے لطف و محبت پیدا کر دیا۔ اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں کا اور رنگوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن کو تمہاری نیند ہے اور تمہارا اس کی مہربانی (روزی) کی تلاش کرنا ہے اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں، نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس میں خدا کا خوف اور رحمت کی امید دونوں ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے

یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔"

﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴾ (۴۱/ فصلت: ۳۷)

"اور اس کی نشانیوں میں سے رات دن سورج اور چاند ہیں۔"

یہ آیات اللہ یعنی خدا کی نشانیاں، خدا کے وجود اور اس کے صفات کمالیہ کی علامات ہیں جس طرح ویرانہ کی عمارت معمار کے وجود کو اور ایک زخمی کی مرہم پٹی اور اس کے آرام و آسائش کا اہتمام، تیماردار کے رحم و کرم کے صفات کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح اس عالم کی یہ عظیم الشان عمارت جس کی چھت آسمان اور صحن زمین ہے ایک خالق و صانع کے وجود کو بتاتی ہے اور زمین کے اندر و باہر ابر، بارش، دن، رات، چاند، سورج، درخت، میوے پھل، غلہ کے اقسام وغیرہ زمین کے جانداروں کی زندگی کے سامان آرام و آسائش اس خالق و صانع کے رحم و کرم، عطا و بخشش اور دیگر اوصاف کمال کو نمایاں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خالق کو اپنے تمام مخلوقات کے ساتھ ایک خاص تعلق اور اعتنا ہے، کفر انہی کے دلوں میں پرورش پاتا ہے جو ان آیات الٰہی میں غور و فکر نہیں کرتے اور ان کی جلوہ گری سے حقیقی جلوہ آرا ہستی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

﴿ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ (۱۱/ ھود: ۵۹)

"اور یہ عاد کا قبیلہ ہے جس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔"

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ (۱۸/ الکھف: ۱۰۵)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔"

﴿ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ﴾ (۱۰/ یونس: ۹۵)

"اور ان لوگوں میں نہ ہو جنہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھلایا۔"

﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ﴾ (۶/ الانعام: ۱۵۷)

"اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔"

جس طرح یہ آیات الٰہی عام بندہ اور خدا اور خالق و مخلوق کے تعلق اور رابطہ کو نمایاں کرتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی خاص بندہ سے اپنے تعلق اور رابطہ کو اپنے مخصوص علامات و آیات کے ذریعہ سے نمایاں کرتا رہتا ہے۔

① انبیا علیہم السلام قوموں کے تاریک ترین زمانوں میں نور الٰہی کی مشعل ہاتھ میں لے کر تنہا مجمعوں کے اندر آتے ہیں، لوگ اس نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور تیغ و خنجر سے مشعل کے تھامنے والے دست و بازو کو زخمی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ شمع الٰہی بجھنے کے بجائے رفتہ رفتہ اپنے دائرہ نورانی کو وسیع کرتی جاتی ہے اور بالآخر سطح ارض

کے کناروں تک پہنچ جاتی ہے:

﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ ﴾

(٦١/ الصف:٨'٩)

''وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اپنے نور کو پورا روشن کرنے والا ہے گو کافر اس سے خوش نہ ہوں اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا مذہب دے کر بھیجا ہے، تا کہ وہ اس کو ہر مذہب پر غالب کر دے گو مشرک اس سے ناراض ہوں۔''

② باوجود تمام معاندانہ کوششوں اور مخالفانہ جدوجہد کے اس نور الٰہی کا پھیلتا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور اس مشعل گیر دست و بازو میں خدا کی غیر مرئی قوت کام کر رہی ہے۔''

﴿ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ﴾ (٨/ الانفال:١٧)

''اور تم نے وہ مٹھی بھر کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے پھینکیں۔''

قدم قدم پر تائیدات الٰہی اس کا ساتھ دیتی ہیں:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ﴾ (١٥/ الحجر:٩)

''ہم نے اس نصیحت کو اتارا اور بے شک ہم ہیں اس کی حفاظت کرنے والے۔''

③ پیغمبر کے صحیفہ زندگی کا صفحہ صفحہ ہر قسم کے اخلاقی داغ سے پاک ہوتا ہے، اس کی سچائی اور راستبازی عالم آشکارا اور دوست و دشمن سب کے نزدیک بے عیب ہوتی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی نسبت کافروں نے گواہی دی:

﴿ يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ﴾ (١١/ هود:٦٢)

''اے صالح! پہلے تم سے بڑی بڑی امیدیں تھیں۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کی مخالفت کے باوجود ان کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ بڑے عبادت گزار ہیں:

﴿ يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ﴾ (١١/ هود:٨٧)

''اے شعیب! کیا یہ تمہاری عبادت گزاری تم کو کہتی ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔''

آنحضرت ﷺ اپنی شہادت میں خود اپنی زندگی کو پیش کرتے ہیں:

﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ ﴾ (١٠/ يونس:١٦)

''میں نے تمہارے درمیان مدت تک عمر گزاری ہے کیا تم سمجھتے نہیں۔''

④ سب سے آخر یہ کہ تبلیغ و دعوت میں دین الٰہی کی نصرت اور اشاعت میں مخالفین کی شکست اور ہزیمت میں صلحا کو مزید ایمان اور تسکین کے حصول میں عجیب و غریب مافوق فہم نشانات ظہور پذیر ہوتے ہیں، جن کو عرف عام میں معجزات کہتے ہیں۔

غرض یہی وہ امور ہیں جو خالق اور داعی حق کے درمیان رابطہ خاص اور علاقہ مخصوص کو نمایاں کرتے ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرستادۂ الٰہی ہے۔

آیات و دلائل کی دو قسمیں، ظاہری اور باطنی

تفصیل بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آیات اور نشانات دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ظاہری اور مادی اور دوسری باطنی اور روحانی، ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوارق ہیں جن کو لوگ عام طور پر معجزات کہتے ہیں، مثلاً: مردہ کا زندہ کرنا، عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابلنا، بیمار کو اچھا کرنا وغیرہ۔ باطنی اور روحانی آیات و دلائل مدعی نبوت کی صداقت، معصومیت، تزکیہ، تاثیر، تعلیم، ہدایت، ارشاد و فلاح اور تائید ہے اہل نظر اور حقیقت شناسوں کے لیے یہی باطنی آثار و آیات نبوت کی حقیقی نشانیاں ہیں، باقی ظاہری نشانیاں صرف سطحی اور ظاہر بین نگاہوں کے لیے ہیں جو ہر چیز کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر پہچانتی ہیں۔

نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں

ہم نے نبوت کی ظاہری اور باطنی دو نشانیاں قرار دی ہیں اور باطنی نشانیوں کو ظاہری علامات پر ترجیح دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ حقیقت شناس صرف باطنی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں، آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ قرآن مجید بھی ان ہی کو نبوت کی اصلی علامات قرار دیتا ہے، یہاں واقعات کی روشنی میں یہ واضح کرنا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں بھی جو لوگ اہل نظر تھے، وہ انہی علامات کی تلاش کرتے تھے، چنانچہ ان لوگوں کو بھی چھوڑ و جنہوں نے بالآخر نبوت کی تصدیق کی اس عہد کے ان یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھو جنہوں نے گو کسی سبب سے علی الاعلان اس کی تصدیق کی جرأت نہیں کی مگر وہ اندرونی طور سے متاثر ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل سے بڑھ کر عرب میں علاماتِ الٰہی کا راز دان کوئی اور نہ تھا سینکڑوں یہودی مشککانہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، امتحانات لیے، تجربات کیے، مگر ان کا امتحان و تجربہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے اخلاق کی آزمائشیں کرتے تھے، صحف انبیائے بنی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے تھے، آپ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے، ان میں سے کسی نے آکر آپ سے خارق عادت معجزہ کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ تماشے بظاہر اور لوگ بھی دکھا سکتے ہیں اور یہ خوارق نبوت کی باطنی اور اندرونی علامات نہیں ہیں، آنے والے نبی کی بشارتیں اور صفتیں توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی صاحب خوارق ہونا اور ظاہری معجزات دکھانا۔ اس کی صفت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ توراۃ میں اس

کے اوصاف یہ بتائے گئے تھے کہ وہ فاران سے طلوع ہوگا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا، اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی، وہ غریبوں اور مسکینوں کا مددگار ہوگا اور بدکاروں کو جنگی مرد کے مانند ہلاک کرے گا، وہ عبادت گزار اور خدا کے احکام کا مطیع ہوگا، مختون قوم (عرب) میں پیدا ہوگا۔ انجیل نے بتایا تھا کہ وہ تسلی کی روح ہوگا، وہ مسیح علیہ السلام کی نامکمل تعلیم کی تکمیل کرے گا، خدا کی زبان اس کے منہ میں ہوگی۔

سینکڑوں یہود ونصاریٰ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کا امتحان لیا مگر امتحان کے پرچہ میں مادی معجزات کا سوال شامل نہ تھا بلکہ عام علمی اور مذہبی باتوں کی نسبت استفسار تھا قرآن مجید نے ان کے دو سوالوں کو دہرایا ہے: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ﴾ (١٨/ الكهف: ٨٣) اور ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ﴾ (١٧/ الاسراء: ٨٥) پہلے سوال میں ''ذی القرنین'' کا قصہ پوچھا گیا ہے اور دوسرے سوال میں ''روح'' کی حقیقت دریافت کی گئی ہے، ان کے علاوہ قرآن مجید میں اہل کتاب کے متعدد اعتراضات اور سوالات مذکور ہیں مگر ان میں سے ایک میں بھی یہ نہیں کہ ہم کو اپنی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں کوئی خارق عادت تماشا دکھاؤ بلکہ وہی سوالات کرتے تھے جس کو پیغمبر کے علم وعمل میں یا تعلیم وتزکیہ سے تعلق تھا، آگے چل کر ایک خاص باب میں ہم نے یہودیوں کے امتحانی سوالات جمع کر دیے ہیں، ان کو پڑھ کر تم بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔ قرآن مجید میں ان کا ایک سوال بے شبہ ایسا مذکور ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ سے کسی مادی معجزہ کی خواہش رکھتے تھے اور وہ یہ ہے:

﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (٤/ النسآء: ١٥٣)

''اہل کتاب تجھ سے فرمائش کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کتاب اتارے۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ یہودیوں کی معجزہ طلبی نہ تھی بلکہ چونکہ توراہ کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ اس کی چند لوحیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں، اس لیے وہ اسی تخیل کے مطابق قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے لیے اس کے نزول کو بھی اسی طرح چاہتے تھے۔ اب اس عہد کے عیسائیوں کو لو، قیصر روم کے دربار میں جب قاصد نبوی پہنچا تو ابوسفیان کو (جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے دشمن تھے) بلوا کر قیصر نے آنحضرت ﷺ کے متعلق جو سوالات کیے، وہ حسب ذیل ہیں:

قیصر: مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: شریف ہے۔

قیصر: اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔
قیصر: جن لوگوں نے اس کا مذہب قبول کیا ہے، وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟
ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں۔
قیصر: اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟
ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔
قیصر: کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟
ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں لیکن اب جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اس پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔
قیصر: تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟
ابوسفیان: ہاں۔
قیصر: نتیجہ کیا رہا؟
ابوسفیان: کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ۔
قیصر: وہ کیا سکھاتا ہے؟
ابوسفیان: کہتا ہے ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا کہ ''تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں دیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز و تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً پیغمبر ہے۔'' [1]

باوجود طول کلام کے ہم نے یہ تمام آیات سوالات و جوابات یہاں نقل کر دیے ہیں، غور کرو یہ تمام سوالات صرف پیغمبر کے حقیقی آثار و علامات سے متعلق ہیں، ان میں ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جن میں یہ مذکور ہو کہ یہ مکہ کا مدعی نبوت کوئی معجزہ بھی پیش کرتا ہے؟ حالانکہ اگر نبوت کی حقیقی علامت خوارق عادت ہوتے

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ: ٧۔

تو سب سے پہلے عیسائی قیصر کو یہی سوال پوچھنا چاہیے تھا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نجاشی کے دربار میں اسلام پر تقریر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ایھا الملك! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوۃ دیں، ہم ان پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال سے باز آئے۔ [1]

نجران کے عیسائی علما جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے قرآن کی آیتیں سنیں، مسلمانوں کی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اسلام کا فیصلہ دریافت کیا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان سے مباہلہ کرنا چاہا مگر انہوں نے منظور نہیں کیا اور آپس میں کہا کہ اگر یہ واقعی پیغمبر ہے تو ہم تباہ ہو جائیں گے، بالآخر سالانہ خراج پر صلح کر لی، [2] دیکھو انہوں نے اسلام کی تعلیمات کا ہر طرح امتحان کیا لیکن دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے ظاہری نشان نہیں مانگا۔

اب خاص عرب کے حقیقت شناس افراد کا مطالعہ کرو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ان میں سے ہزاروں اشخاص نے تصدیق کی جن کے فضل و کمال، عقل و ہوش اور فہم و ذکا پر ان کے حالات و واقعات گواہ ہیں مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا، جو باطنی علامات کو دیکھ لینے کے بعد ظاہری نشانیوں کا طلب گار رہا ہو، مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں، چنانچہ آغاز وحی ہی میں آنحضرت ﷺ نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنے مشاہدات روحانی کا تذکرہ فرمایا تو وہ ایمان لے آئیں مگر کس اثر سے؟ اس کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپ ﷺ نے بتقاضائے بشریت ان سے اپنے خوف جان کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا:

واللّٰہ ما یخزیك اللّٰہ ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق۔ [3]

”اللہ کی قسم! خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ صلہ رحم کرتے ہیں، قرض داروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، حق کی مصیبتوں پر لوگوں

---

[1] مسند احمد، ج ۱، ص: ۲۰۲، ۲۰۳۔ [2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة اهل نجران: ۴۳۸۰۔ [3] صحیح بخاری، باب بدء الوحی: ۳۔

کی اعانت کرتے ہیں۔‘‘

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ ذرا اس شخص کے پاس جا کر دیکھو جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے، وہ مکہ آئے اور تحقیق حال کر کے واپس گئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا:

رأیته یامر بمکارم الاخلاق و کلامًا ماھو بالشعر۔ [1]

’’میں نے اس کو دیکھا، وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ایک کلام پیش کرتا ہے جو شعر نہیں۔‘‘

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے حقیقت حال کی تشریح ہوتی ہے اور جن کی تفصیل سے ’’سیرۃ النبی ﷺ‘‘ کی گزشتہ جلدیں بھری پڑی ہیں۔

قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات

یہ تمام بیانات درحقیقت قرآن مجید کی ان آیتوں کی تشریح ہیں، جن میں نبوت کی حقیقت اور اس کے اصلی آثار و علامات بتائے گئے ہیں:

﴿ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ ﴾

(٥/ المآئدۃ:١٥۔١٦)

’’اے یہود و نصاریٰ! تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا جو تمہاری کتاب کی بہت سی باتیں جن کو تم چھپاتے ہو صاف صاف بیان کرتا ہے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور قرآن آ چکا خدا اس کے ذریعہ سے ان کو جو اس کی خوشنودی کے پیرو ہیں سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور ان کو اپنے حکم سے وہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور ان کو سیدھا راستہ بتاتا ہے۔‘‘

﴿ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ ﴾

(٦٢/ الجمعه:٢)

’’خود ان امیوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے، ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔‘‘

﴿ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ ﴾

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی ذر:٦٣٦٢۔

(۳/ آل عمران: ۱٦٤)

''خود امیوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے، ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

﴿ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۵۷)

''اس امی فرستادۂ الٰہی اور پیغامبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ توراۃ وانجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ ان کو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور (رسم ورواج) کے جو بوجھ اور بیڑیاں ان پر پڑی ہوئی تھیں وہ ان سے دور کرتا ہے۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ﴾ (۳۳/ الاحزاب: ٤۵، ٤٦)

''اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو اپنا گواہ اور (نیکوکاروں کو) خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا، خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

الغرض نبوت کے اصلی آثار وعلامات یہ ہیں کہ وہ آیات الٰہی تلاوت کرتا ہے، زنگ آلودہ نفوس اور سیہ کار قلوب کو جلا دیتا ہے، لوگوں کو کتاب وحکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اچھی باتوں کو پھیلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے، وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے، وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے، لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے، نیکوکاروں کو بشارت سناتا ہے، بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے اور اس ظلمت کدۂ عالم میں وہ ہدایت کا چراغ بن کر چمکتا ہے۔ قریش آنحضرت ﷺ سے معجزہ کے طالب ہوتے ہیں اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۱۸، ۱۱۹)

''اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے، ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دیں (اے

محمد ﷺ) ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور (جن کو اب بھی یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہوگی۔''

کفار پیغمبر کی صداقت کی نشانی چاہتے ہیں، اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی صداقت کی روشنی تو اس کا سرتاپا وجود ہے اور اہل یقین کے لیے اس کی سچائی کی تمام نشانیاں ظاہر کر دی گئی ہیں، اس کی حقانیت نیکوکاروں کو خوشخبری سنانا، بدکاروں کو ڈرانا اور متنبہ کرنا اور اس سے انقلاب انسانی اور نتائج روحانی کا ظہور یہ خود اس کی صداقت کی کھلی نشانیاں ہیں:

﴿ وَقَالُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَٰتٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ قُلْ إِنَّمَا ٱلْءَايَٰتُ عِندَ ٱللَّهِ وَإِنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ ﴾

(۲۹/ العنکبوت:۵۰، ۵۱)

''اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں۔ ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

یعنی خود یہ دعوت الٰہی اور پیغام ربانی آیت و نشانی ہے اور اہل بصیرت کے لیے یہی معجزہ ہے:

﴿ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ ءَايَةً أَن يَعْلَمَهُۥ عُلَمَٰٓؤُا۟ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ۝ ﴾ (۲۶/ الشعرآء:۱۹۷)

''کیا ان کافروں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ بنی اسرائیل کے عالم لوگ اس کو جانتے ہیں۔''

یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کا معجزہ یہ ہے کہ ایک اُمی ہو کر وہ ایک ایسی کتاب اور ایسی تعلیم پیش کرتا ہے جس کی صداقت کو علمائے بنی اسرائیل جانتے اور سمجھتے ہیں، کیا یہ معجزہ جہلائے قریش کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہے کہ بڑے بڑے علما اس کی سچائی کے دل سے معترف ہیں:

﴿ وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِـَٔايَةٍ مِّن رَّبِّهِۦٓ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِى ٱلصُّحُفِ ٱلْأُولَىٰ ۝ وَلَوْ أَنَّآ أَهْلَكْنَٰهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِۦ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَآ أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ ءَايَٰتِكَ ﴾

(۲۰/ طٰہٰ:۱۳۳، ۱۳۴)

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا کیا ان کو اگلی کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔''

یعنی گزشتہ انبیا علیہم السلام کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو صفات اور نشانیاں مذکور تھیں، پیغمبر اسلام ﷺ کا ان کا مصداق کامل ہونا یہی سب سے بڑی نشانی ہے یا اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ کفار بار بار یہی کہتے ہیں کہ معجزہ دکھاؤ، معجزے تو انہیں دکھائے جاچکے، کیا یہ نہیں معلوم کہ گزشتہ قومیں معجزات دیکھ کر بھی جب ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا حشر ہوا کفار کا سوال تھا کہ

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ ﴾ (۱۳/ الرعد:۷)

''اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔''

اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ﴾ (۱۳/ الرعد:۷)

''اے محمد (ﷺ)! تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم میں ایک ہادی گزرا ہے۔''

مقصود یہ کہ نبوت کی حقیقت معجزہ نہیں بلکہ انذار اور ہدایت ہے۔

ظاہری آیات اور نشانات

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انبیا علیہم السلام ظاہری آیات اور مادی نشانات سے خالی ہوتے ہیں، تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتیں بیک زبان اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ باطنی آیتوں کے ساتھ ان کو ظاہری حصہ بھی ملتا ہے، قرآن مجید نے اکثر انبیا علیہم السلام کے سوانح و واقعات کے ضمن میں ان کے ظاہری آثار و دلائل کو بھی بہ تفصیل بیان کیا ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ یہ مادی اور ظاہری نشانات نبوت کی اصل حقیقت سے خارج ہیں یہی سبب ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن مجید نے کفار کی مادی نشانیوں کی طلب میں آپ ﷺ کی طرف سے یہ الفاظ کہے:

﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل:۹۳)

''میں تو صرف ایک انسان پیغمبر ہوں۔''

ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں

لیکن نبوت کے ظاہری اور عامیانہ آثار و علامات یعنی خارق عادت معجزات صرف وہ فرقہ طلب کرتا ہے جس کے دل کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور جو تعصب و عناد اور جہل کے باعث حق کے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، چنانچہ انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ معجزات کی طلب نیکو کاروں نے نہیں کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے حواریوں نے نہیں بلکہ یہودیوں نے معجزہ طلب کیا، آنحضرت ﷺ سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نہیں، بلکہ ابوجہل و ابولہب نے معجزہ مانگا، یہی حال دوسرے انبیا علیہم السلام کا بھی ہے، قرآن

مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے اور طلب معجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۱۸)

''اور جن کو کتاب الٰہی کا علم نہیں (یعنی کفار قریش) کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔''

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ ﴾ (۶/ الانعام: ۳۷)

''اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔''

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ ﴾ (۱۳/ الرعد: ۲۷)

''اور کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی۔''

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ: ۱۳۳)

''اور کفار نے کہا کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا۔''

دیکھو کہ ہر آیت میں کفار ہی کا معجزہ طلب کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔

کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں

کفار کے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو معجزہ کیوں نہیں دکھاتے بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا، اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ چکے ہوتے تو بار بار معجزہ کے لیے اصرار کیوں کرتے؟ لیکن یہ استدلال سرتاپا غلط ہے، ان کو نفس معجزہ مانگنے پر بھی بلکہ مادی اور ظاہری معجزات طلب کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ عناد سے طلب معجزہ پر مصر ہیں، چنانچہ ان تمام مقامات میں جہاں کفار کی اس طلب معجزہ کا ذکر ہے یہ تصریح موجود ہے اور انہیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان خوارق سے انہیں تسلی نہ ہوگی ان کو چاہیے کہ نبوت کے اصلی آثار و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادت مند دلوں کی تسلی ان ہی سے ممکن ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ (۲/ البقرہ: ۱۱۸: ۱۱۹)

''اور جو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی آیت نہیں آتی ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک سے ہوگئے ہیں، ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دی ہیں، اے

پیغمبر! ہم نے تجھ کو سچائی دے کر، نیکو کاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور (جن کو یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہوگی۔"

اس آیت کریمہ میں صاف موجود ہے کہ ہم نشانیاں کھول کر بتا چکے ہیں لیکن ان نشانیوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اہل یقین ہیں اور جو ہر امر میں شک کرتے ہیں ان کا علاج صرف دوزخ ہے، دوسری آیت میں ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ ﴾

(۲۰/ طٰہٰ:۱۳۳، ۱۳۴)

"اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا؟ کیا ان کے پاس گزشتہ کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی؟ اگر ہم اس سے پہلے کسی عذاب سے ان کو ہلاک کردیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں ہمارے پاس کوئی رسول تو نے نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔"

اس آیت میں بھی معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزات کی طلب پر گزشتہ قوموں کے واقعات کی طرح جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں، متوجہ کیا گیا ہے کہ دیکھ لو! دنیا میں ان کا کیا حشر ہوا جنہوں نے معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں قبول کیا۔

معجزات تو بہر حال کسی نہ کسی آنی زمانہ اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہوجاتے ہیں اس بنا پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ ہی دکھاتا رہے تو یہ تسلسل شاید کبھی ختم نہ ہو اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشا گر کی حیثیت اختیار کرلے اس لیے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور مسلسل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ (۲۹/ العنکبوت:۵۰، ۵۱)

"اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں میں صرف کھلا ڈرانے والا ہوں کیا یہ ان کو بس نہیں کرتا کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔"

معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی

نفسیاتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کسی کی طرف سے اس کے جذبات مخالفانہ ہوتے ہیں تو وہ اس کی

کسی بات کو حسن ظن پر محمول نہیں کرتا اور اس کو اس کی ہر شے کے اندر شر، خبث اور بدی نظر آتی ہے، جلی سے جلی اور واضح سے واضح برہان بھی اس کے دل کے ریب اور قلب کے شک کو دور نہیں کر سکتے، معاندین جو انبیا علیہم السلام کے مکارم اخلاق، حسن عمل، حسن تعلیم اور دیگر علمی و عملی تلقینات کو باور نہیں کرتے اور ان کے کھلے اور بدیہی دعووں کو بھی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے اور ہر قسم کی دلیلوں کو سن لینے کے بعد بھی وہ اپنے لاعلاج مرض شک سے نجات نہیں پاتے تو آخر الحیل کے طور پر وہ پیغمبروں سے خارق عادت معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور چونکہ انہیں بدگمانی سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک مدعی انسان کبھی ایسی عجیب وغریب چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اس لیے وہ کبھی کوئی خارق عادت امر پیش نہ کرے گا اور اس طرح اس کی رسوائی عالم آشکارا ہو جائے گی اور خود اسی کے ہاتھوں سے اس کے دعووں کے تار و پود بکھر جائیں گے لیکن قدرت الٰہی آخری حجت کے طور پر ان کے سامنے معجزات اور خوارق عادت بھی پیش کر دیتی ہے، تاہم ان کو دیکھ کر بھی معاندانہ روح ان کے دلوں میں پیغمبروں کی سچائی کا اعتبار نہیں پیدا ہونے دیتی اور بدگمانی انہیں یہ بتاتی ہے کہ گو اس خارق عادت کے ظہور میں تو شک نہیں مگر یہ خدائی قوت کا کرشمہ نہیں بلکہ یہ شیطانی عمل اور سحر و جادو کی قوت سے پیدا ہوا ہے اور چونکہ بظاہر معجزہ اور سحر و شعبدہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اس لیے ان کے بدگمان قلب کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو متعدد معجزے دکھائے مگر ہر ایک کے جواب میں انہیں یہی سننا پڑا کہ تم جادوگر ہو:

﴿ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (۲۷/ النمل: ۱۳) ''یہ تو کھلا جادو ہے۔''

﴿ اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ: ۶۳) ''یہ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) یقیناً جادوگر ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ عصا کو دیکھ کر مصر کے جادوگر سجدے میں گر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری پر ایمان لے آئے مگر فرعون یہی کہتا رہا:

﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ: ۷۱)

''یہ موسیٰ علیہ السلام تم سب کا بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔''

توراۃ میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو جب کوئی معجزہ دکھاتے تھے تو ہر معجزہ کے بعد فرعون کے دل کی سختی علیٰ حالہ باقی رہ جاتی تھی، چنانچہ توراۃ میں تقریباً ہر معجزہ کے بعد یہ مذکور ہے۔ ''لیکن فرعون کا دل سخت رہا اور اس نے ان کی نہ سنی'' [1] انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے زیادہ معجزات دکھائے لیکن خود انجیل میں مذکور ہے کہ تقریباً ہر معجزہ کے بعد حاضرین کی دو جماعتیں ہو جاتی تھیں، ایک تو ان کی معتقد ہو جاتی تھی اور یقین کرتی تھی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور

[1] توراۃ کتاب الخروج۔

دوسری کہتی تھی کہ یسوع کے ساتھ شیطان رہتا ہے تب یہودیوں کے بیچ ان باتوں کے سبب اختلاف ہوا اور بہتوں نے ان میں سے کہا کہ اس کے ساتھ ایک دیوتا رہتا ہے اور وہ مجنون ہے۔'' ❶ تم اس کی کیوں سنتے ہو اوروں نے کہا، یہ باتیں اس کی ہیں جس میں دیو ہے کیا دیوانہ دھے کی آنکھیں کھول سکتا ہے۔ ❷ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک گونگے کو اچھا کیا لوگ حیرت زدہ رہ گئے لیکن فریسی یہودیوں نے کہا: یہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے۔ ❸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معاندین کے جواب میں کہا: ''تم کہتے ہو کہ میں دیوؤں کو بعل زبول (ایک دیوتا کا نام ہے) کی مدد سے نکالتا ہوں۔ ❹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متعدد دفعہ لوگوں سے کہا کہ ''تم معجزات دیکھتے ہو مگر ایمان نہیں لاتے۔''

یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) نے یہ باتیں کہیں اور اپنے تئیں ان سے (فریسی یہودیوں سے) چھپایا اور اگرچہ اس نے ان کے روبرو اتنے معجزے دکھائے پر وہ اس پر ایمان نہ لائے ❺ ''تب ان شہروں کو جن میں اس کے بہت سے معجزے ظاہر ہوتے، ملامت کرنے لگا کیونکہ انہوں نے توبہ نہ کی تھی۔'' ❻

کفار قریش آنحضرت ﷺ سے معجزوں کے طالب ہوتے تھے مگر جب معجزے دیکھتے تھے تو کاہن اور جادوگر کہنے لگتے تھے۔ ❼ عرب میں پیشین گوئی کاہن کیا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیوں کو دیکھ کر معاندین نے آپ ﷺ کو کاہن کا خطاب دیا تھا، اس لیے قرآن مجید نے کہا:

﴿ فَمَآ أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ ﴾ (۵۲/ الطور:۲۹)

''اے پیغمبر! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔''

﴿ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ﴾ (۶۹/ الحاقة:۴۲) ''اور یہ کسی کاہن کی بات نہیں ہے۔''

آنحضرت ﷺ کے معجزات اور خوارق کو وہ دیکھتے تھے اور ان کو جادو کا اثر سمجھتے تھے۔

﴿ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ ﴾ (۷۴/ المدثر:۲۳، ۲۴)

''پھر پیٹھ پھیر کر چلا اور غرور کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے۔''

کفار ایک دوسرے کو منع کیا کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) کے پاس نہ جایا کرو کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں:

﴿ هَلْ هَٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ۝ ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۳)

''یہ محمد تو تمہاری ہی طرح آدمی ہیں کیا تم جادو کے پاس آتے ہو اور تم دیکھ رہے ہو۔''

﴿ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ ﴾ (۴۶/ الاحقاف:۷)

''حق کے منکرین کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔''

---

❶ یوحنا کی انجیل، باب: ۱۰۔۱۹۔ ❷ متی کی انجیل، باب: ۹۔۳۴۔

❸ لوقا کی انجیل: ۱۱، ۱۸۔ ❹ یوحنا کی انجیل: ۱۳، ۳۷۔ ❺ متی کی انجیل: ۱۱، ۱۰۔

❻ متی کی انجیل: ۱۱، ۱۰۔ ❼ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، مناقب ابی ذر: ۶۳۶۱۔

آنحضرت ﷺ نے جب معجزہ شق القمر دکھایا تو کفار نے اس کو بھی جادو کہا:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ ﴾

(٥٤/ القمر:١، ٢)

''نزدیک آ گئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کوئی بھی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔''

دوسرے معجزات کو دیکھ کر وہ یہی کہتے رہے کہ محمد (ﷺ) تو جادوگر ہے:

﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

(١٠/ یونس:٢)

''کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک پر وحی اتاری کہ لوگوں کو ڈرا اور ان کو جو ایمان لائے بشارت دے کہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں ان کی بڑی پائے گاہ ہے کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے۔''

معاندین کو معجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی

چونکہ معاندین کو حق و باطل کی تمیز کی قوت نہیں ہوتی اور یقین کی سعادت سے وہ محروم ہوتے ہیں، اس لیے بڑی سے بڑی نشانی بھی شک وشبہ کے گرداب سے ان کو باہر نہیں نکال سکتی، وہ کبھی اس کو بخت و اتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، کبھی اس کو سحر و جادو سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے ہیں، کبھی فریب اور قوت شیطانی کا ان کو دھوکا ہوتا ہے، اس لیے معجزات سے بھی ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، حجت کے لیے ایک دفعہ معجزہ ان کو دکھایا گیا تو ان کا شبہ رفع نہیں ہوا پھر معجزہ طلب کرتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ اب بھی ان کی تسلی نہ ہوگی، چنانچہ سورۂ انعام کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام مراتب کو بیان کر دیا ہے:

﴿ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ ﴾ (٦/ الانعام:٤)

''اور خدا کی نشانیوں سے کوئی نشانی ان کے پاس نہیں آتی لیکن یہ کہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔''

﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (٦/ الانعام:٧)

''اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی آسمان سے اتاریں جو اوراق میں لکھی ہو کہ وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوئیں تو وہ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ یہ فقط ایک ساحرانہ تماشا ہے۔''

﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝ ﴾ (٦/ الانعام:٢٥)

''اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو وہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے جھگڑا کرتے ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔''

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ۝ ﴾ (٦/ الانعام:٨، ٩)

''اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا، کہہ دے کہ اگر فرشتہ اتارا جاتا تو ان کو پھر مہلت نہ دی جا سکتی اور بات پوری ہو جاتی اگر ہم رسول کا ساتھی کسی فرشتہ کو بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے تو پھر وہی شبہے ان کے دلوں میں ہم پیدا کرتے جواب یہ کر رہے ہیں۔''

﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ۝ ﴾ (٦/ الانعام:١١١)

''اور اگر ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے بھی اتار کر بھیجیں اور مردے بھی ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ان کے سامنے لا کھڑی کر دیں تو وہ ایمان نہ لائیں گے لیکن یہ کہ خدا کی مشیت ہو لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔''

آنحضرت ﷺ کو فرط شفقت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ یہ رؤسائے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں خدا نے فرمایا کہ ان کو حقیقت میں براہ راست نبوت کا انکار نہیں بلکہ ان کو نبوت سے اس لیے انکار ہے کہ ان کو اولاً نفس خدا پر یقین نہیں یہ بظاہر نبوت کی نشانیوں کو طلب کرتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کو خدا کی نشانیاں بھی تسلیم نہیں ایسے لوگوں کی قسمت میں ایمان کی سعادت نہیں، ان کے لیے معجزے بیکار ہیں یہ سعادت انہی کو ملتی ہے جو حق کے طالب ہیں اور حق کی باتوں کو سنتے ہیں:

﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ۝ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (٦/ الانعام:٣٣ تا ٣٧)

''ہم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تجھ کو غمگین کرتی ہیں لیکن تجھ کو غمگین نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل ان ظالموں کو خدا کی نشانیوں سے انکار ہے تجھ سے پہلے انبیا بھی جھٹلائے گئے تو انہوں نے اپنی تکذیب پر صبر کیا اور ان کو بھی ایذا پہنچائی گئی یہاں تک کہ ان کے پاس خدا کی نصرت آئی خدا کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں گزشتہ پیغمبروں کے واقعات مجھ کو معلوم ہو چکے ہیں اور اگر ان کافروں کی روگردانی تجھ پر گراں ہو تو اگر تجھ میں طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ کر ان کو کوئی نشانی لا کر دے (ان نشانیوں سے ان پر کوئی اثر نہ ہوگا) اگر خدا چاہتا تو ان کو راہ ہدایت پر متفق کر دیتا تو (غمگین ہو کر) جاہلوں میں سے نہ بن، دعوت الٰہی کو وہی قبول کرتے ہیں جو آواز پر کان دھرتے ہیں (اور یہ کافر جو دل کے مردے) ہیں ان کو خدا ہی اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لائے جائیں گے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی کہہ دے کہ خدا نشانی لانے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔''

لیکن معجزہ دیکھنے پر بھی ان کے قلوب کو اطمینان حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس شک وشبہ کا منشا محض عناد ہے حق طلبی نہیں اگر حق طلبی مقصود ہوتی تو پہلی ہی دفعہ دیکھ کر وہ ایمان لے آتے:

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ﴾ (٦/ الانعام:١١٠ تا ١١٣)

''اور یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ان کے پاس آ جائے گی تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کس نے بتایا کہ یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان لائیں گے یہ ایمان نہیں لائیں گے (نشانی کے بعد) ہم ان کے دلوں کو (حصول یقین سے) اور ان کی آنکھوں کو (اپنے دیکھنے پر اعتبار کرنے سے) پھیر دیتے ہیں جس طرح کہ یہ پہلے اس پر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی اسی سرکشی کی حالت

میں چھوڑ دیں گے کہ بھٹکتے رہیں اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتار کر بھیجیں اور مردے بھی اٹھ کر ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ہم ان کے سامنے بھی کر دیں تو وہ ایمان لانے والے نہیں، مگر جو چاہے اللہ، لیکن ان میں اکثر نادان ہیں اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کا معاند انسانوں اور جنوں سے بنایا ہے جو ایک دوسرے کو دھوکے کی نمائشی باتیں سکھایا کرتے ہیں (اسی عناد کے باعث وہ نشانیوں کو نہیں مانتے)۔''

اگر رفع حجت کے لیے ان کو معجزہ دکھایا بھی جاتا ہے تو حیلہ جوئی کر کے کہتے ہیں کہ گزشتہ انبیا کو جیسے معجزے دیے گئے، جب تک وہی معجزے ہم کو نہ دیے جائیں ہم ایمان نہ لائیں گے:

﴿ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝ ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۵)

''چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے لوگ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔''

لیکن فرض کرو کہ وہی معجزات دکھائے جائیں تو ان کی حیلہ جو طبیعت ان سے کب تسلی پائے گی، وہ فوراً یہ کہہ دیں گے جیسا کہ انہوں نے بارہا کہا ہے کہ یہ محض ساحرانہ کرشمہ ہے اور ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا گیا ہے:

﴿ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۶ تا ۱۵)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اے وہ جس پر نصیحت اتری ہے تجھ پر کوئی جن سوار ہے، کیوں تو فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے، خدا کہتا ہے ہم فرشتوں کو دنیا میں حق کے ساتھ اتارتے ہیں، اگر فرشتے اتار دیے جائیں تو پھر ان کافروں کو مہلت نہ دی جائے گی اس نصیحت کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ ہم نے تجھ سے پہلی قوموں میں بھی پیغمبر بھیجے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی پیغمبر نہ گیا لیکن انہوں نے اس سے تمسخر کیا اسی طرح ہم گنہگاروں کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے یہ اگلوں سے رسم ہوتی آئی ہے اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں چڑھ بھی جائیں تو یہی کہتے رہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو متوالا بنایا گیا ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔''

حاصل یہ کہ ان معاندین کے شکوک وشبہات کا تو بر تو بادل معجزات اور آیات کی روشنی سے بھی نہیں چھٹتا، آنحضرت ﷺ نے جب پہلے پہل اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی تو آپ کو انہوں نے مجنون کا خطاب دیا قرآن مجید نے ان کی تردید کی:

﴿ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴾ (۶۸/ القلم:۲)

''تو اپنے پروردگار کی عنایت سے مجنون نہیں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے سامنے معجزات اور آیات پیش کیے کہ کہیں مجنون سے بھی یہ افعال صادر ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے آپ کو مجنون کے ساتھ ''کاہن'' اور ''جادوگر'' کہا:

﴿ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴾ (۵۲/ الطور:۲۹)

''تو اپنے پروردگار کی عنایت سے نہ تو کاہن ہے اور نہ مجنون۔''

﴿ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (۱۰/ یونس:۲)

''کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔''

آپ ﷺ نے ان کے اس الزام کے جواب میں اپنی تعلیمات وتلقینات کو پیش فرمایا کہ کاہن و جادوگر علم وحکمت کا یہ خزانہ نہیں رکھتے لیکن پر عناد قلوب کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی اور کہا کہ علم وحکمت کے اسرار انہیں کوئی سکھاتا ہے:

﴿ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴾ (۴۴/ الدخان:۱۴)

''اور (ان معاندوں نے) کہا کہ یہ سکھایا ہوا مجنون ہے۔''

الغرض انسانوں کے افہام وتفہیم اور ہدایت وراہنمائی کے جو اسلوب اور طریق ہو سکتے تھے وہ سب ان کے سامنے پیش کیے گئے مگر انہیں شک وشبہ کی کشمکش سے نجات نہ ملی۔

بایں ہمہ انبیا علیہم السلام معاندین کو معجزات دکھاتے ہیں اور وہ اعراض کرتے ہیں

معاندین کی اس پیہم طلب اور اصرار سے خیال ہو سکتا ہے کہ اگر ان کو کوئی معجزہ دکھایا جائے تو وہ شاید ایمان لے آئیں لیکن تمام انبیا علیہم السلام کی سیرتیں شہادت دیتی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا، انہوں نے معجزات دیکھے پھر بھی اپنے انکار واعراض پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بار بار معجزہ دکھایا لیکن اس کا انکار ایمان سے متبدل نہ ہوا جیسا کہ توراۃ اور قرآن دونوں میں بہ تکرار بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ

اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ۝﴾ (٤٣/ الزخرف:٤٧تا٥٠)

''جب موسیٰ علیہ السلام ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آیا تو وہ ہنستے ہیں اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں، لیکن یہ کہ وہ پہلی نشانی سے زیادہ بڑی ہوتی ہے اور ہم نے ان کو بڑے عذاب میں گرفتار کیا کہ شاید وہ رجوع کریں اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے جادوگر! اپنے خدا سے ہمارے لیے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے تیری دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کر دے ہم راہ راست قبول کیے لیتے ہیں جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔''

اس موقع پر ایک نکتہ خاص خیال کے لائق ہے، یہ حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا ایک ٹکڑا ہے جو زمانہ ماضی کا ایک واقعہ تھا، جس کو تمام تر صیغۂ ماضی سے ادا ہونا چاہیے تھا لیکن اس میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جو واقعہ حال و مستقبل کے بیان کے لیے مقرر ہے:

① جب موسیٰ علیہ السلام ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آئے تو وہ ہنستے ہیں۔

② اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن وہ پہلی نشانی سے بڑی ہوتی ہے۔

③ پہلے انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی تو ہم ایمان لے آئیں گے لیکن جب دعا قبول ہو کر اس کا اثر ہوا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔

اس موقع پر صیغہ مضارع کے استعمال سے یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ گو یہ واقعہ خاص فرعون کے ساتھ پیش آیا مگر یہ مخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے فرعون کے ساتھ نہیں بلکہ ہر عہد کے فرعون اور ہر پیغمبر کے معاندین کی نفسی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ جب ان کے پیغمبر خدا کے احکام اور نشانیاں لے کے ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ صدائے خندۂ تحقیر بلند کرتے ہیں لیکن خدا ان کو نشانیوں پر نشانیاں دکھاتا جاتا ہے، تاہم ان سے ان کی تسکین نہیں ہوتی اور دوسری کوئی نشانی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نشانی ہم کو دکھا دی گئی تو ہم یقیناً ایمان لے آئیں گے لیکن جب وہ نشانی بھی ان کو دکھا دی جاتی ہے تو ان کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوتی اور وہ آخر تک ایمان کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کی امت نے حضرت صالح علیہ السلام سے ایک نشانی طلب کی، انہوں نے کہا یہ اونٹنی تمہاری نشانی ہے، جو ایک دن میں ان کے چشمہ یا کنوئیں کا تمام پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن ان کے جانوروں کو پانی ملتا تھا لیکن اس نشانی کو دیکھ کر کہ اونٹنی تمام چشمہ یا کنوئیں کا پانی پی جاتی ہے، انہیں تسکین نہ ہوئی اور اس اونٹنی کو مار ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پاداش میں وہ ہلاک کر دیے گئے، سورۂ شعراء میں ہے:

﴿مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ

وَّلَکُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ فَعَقَرُوْھَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ۝ فَاَخَذَھُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ۭ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾

(۲۶/ الشعرآء:۱۵٤ تا ۱۵۸)

''اے صالح! تم ہماری ہی طرح آدمی ہو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ، صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لیے ایک مقرر دن کا پانی پینا ہے اور اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آئے گا تو انہوں نے اس کی کونچ کاٹ ڈالی پھر نادم ہوئے تو عذاب نے انہیں آگھیرا۔ اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے، صالح علیہ السلام کی قوم کے لوگ اکثر مؤمن نہ تھے۔''

عہد محمدی ﷺ کے فرعونوں اور معاندوں کی نفسی کیفیت بھی یہی تھی کہ ان کو نشانیاں دکھائی جاتی تھیں، مگر انہیں عناد کی کور باطنی کے باعث ان سے تسکین نہیں ہوتی تھی، چنانچہ کفار قریش کے حال میں قرآن مجید کا بیان ہے:

﴿ وَمَا تَاْتِیْھِمْ مِّنْ اٰیَۃٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّھِمْ اِلَّا کَانُوْا عَنْھَا مُعْرِضِیْنَ ۝ فَقَدْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَھُمْ ۭ فَسَوْفَ یَاْتِیْھِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ۝ ﴾

(٦/ الانعام:٤، ٥)

''ان کے پاس خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی لیکن وہ اس سے اعراض کرتے ہیں، حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو عنقریب جس چیز کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کی حقیقت ان کو معلوم ہوگی۔''

ایک موقع پر قرآن مجید نے اسی واقعہ کو بیان کیا ہے کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کے صدق نبوت کی کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہے تو معاندین قریش کہتے ہیں کہ ان نشانیوں سے ہم کو تسکین نہ ہوگی، جب تک گزشتہ پیغمبروں کی طرح خود ہم کو بھی وہی نشانیاں نہ دی جائیں، یعنی نبوت کے تمام آثار و کیفیات خود ہم پر طاری نہ ہوں، تاکہ ہم کو دھوکا اور فریب کا شبہ نہ رہے، خدا نے کہا، یہ نبوت ہر ایک کا حصہ نہیں:

﴿ وَاِذَا جَآءَتْھُمْ اٰیَۃٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ ؔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ ۭ ﴾ (٦/ الانعام:۱۲٤)

''اور جب ان کفار قریش کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ کچھ نہ دیا جائے جو خدا کے پیغمبروں کو دیا گیا ہے، خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغامبری کا منصب کس کو عطا کرے۔''

اس لیے بالآخر معاندین کی طلب معجزہ سے تغافل برتا جاتا ہے

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد بالآخر معاندین پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور پھر طلب معجزہ کے لیے ان کے پیہم اصرار الحاح اور طلب کی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور صرف عذاب الٰہی کی آخری نشانی ان کے لیے باقی رہ جاتی ہے، انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام انبیا علیہم السلام سے زیادہ معجزات اور نشانیاں دکھائیں، تاہم فریسی یہودیوں کو معجزہ کی تشنگی باقی رہ گئی اور ہر ملاقات میں انہوں نے معجزہ کی نئی فرمائش کی۔

''تب فریسی نکلے اور اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے حجت کر کے اس کے امتحان کے لیے کوئی آسمان سے نشان چاہا۔'' (مرقس ۸۔۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آہ سرد بھر کر فرمایا:

''اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں تم سے کہتا ہوں کہ زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔'' (مرقس ۱۸۔۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک گونگے کو اچھا کیا بعضوں نے کہا کہ

''یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے اور اوروں نے آزمائش کے لیے اس سے ایک آسمانی نشان مانگا۔'' (لوقا ۱۱۔۱۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

''اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں، وہ نشان ڈھونڈتے ہیں، پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا مگر یونس نبی کا نشان۔'' (لوقا:۱۱۔۲۹)

اللہ تعالیٰ نے معاندینِ قریش کے جواب میں اسی نکتہ کا اظہار فرمایا:

﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ ﴾ (۱۷/ بنیٓ اسرآئیل: ۵۹)

''اور ہم کو نشانیوں کے بھیجنے سے صرف اس امر نے باز رکھا کہ پہلوں نے ان کو جھٹلایا۔''

قرآن مجید میں چار پانچ مقام پر مذکور ہے کہ عہد محمدی ﷺ کے معاندین نے کہا:

﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ ﴾ (۱۳/ الرعد: ۷)

''محمد ﷺ پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی۔''

اس کے جواب میں ان کو نبوت کی اصلی حقیقت، انذار، تبشیر اور ہدایت کی طرف متوجہ کیا گیا اور خرق عادت کی کسی مزید نشانی کے دکھانے سے تغافل اور احتراز برتا گیا۔ عیسائی معترضین قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ ''محمد (ﷺ) نے معجزہ دکھانے سے اس لیے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا۔'' اگر ان آیتوں سے یہ استنباط صحیح ہے تو انجیل کی جو آیتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں، ان کا کیا

مطلب ہوگا؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کرنا بھی یہی نتیجہ ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کو کوئی معجزہ خدا کی طرف سے نہیں ملا تھا؟

معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات روحانی کو بھی ایک نظام اور اصول کے تحت رکھا ہے، اس بنا پر ہم کو ضرورت ہے کہ ان مصالح اور اسباب کا پتہ لگائیں جن کی بنا پر باوجود قدرت اور اشد ضرورت کے معجزات سے کلیتہً انکار کیا گیا ہے یا ان کے ظہور میں تاخیر ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے امعان مطالعہ سے ان اسباب کو ذیل کی صورتوں میں محدود کیا جاسکتا ہے۔

① معجزات کے ذریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا ایمان محض جبری، تقلیدی اور بالواسطہ ہوتا ہے، وہ لوگ اپنے دل میں انبیا کے محاسن تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے، صرف معجزات کی قوت اور عجوبگی ان کو متحیر اور مبہوت کر دیتی ہے، حالانکہ انبیا علیہم السلام کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت کے رمز شناس اور اس کے اسرار و حکم سے ذوق آشنا ہوں۔ یہی حالت ہے جس کو قرآن مجید نے ''شرح صدر'' اور انشراح قلب سے تعبیر کیا ہے:

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ ﴾ (٦/ الانعام:١٢٦)

''جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کے سینہ کو قبول اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

اس قسم کے لوگوں کے لیے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے لیے آفتاب و ماہتاب آسمان و زمین، دن اور رات غرض دنیا کا ایک ایک ذرہ معجزہ ہوتا ہے اور خدا کے وجود، خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی نبوت پر بلاواسطہ دلالت کرتا ہے، ان کے لیے صرف تفکر اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، یہی گروہ ہے جس پر زیادہ سے زیادہ انبیا علیہم السلام کی نگاہ انتخاب پڑتی ہے اور وہ ان کو صرف تفکر و اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں، اس گروہ کے بالمقابل ایک کور باطن فرقہ اور بھی ہوتا ہے جس پر نظام فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح معجزات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑسکتا، انبیا علیہم السلام کو ابتدائے بعثت سے انہی دو گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے اور چونکہ فطرۃً ایک معجزات سے بے نیاز ہوتا ہے اور دوسرے پر معجزات کا کوئی اثر نہیں پڑسکتا، اس لیے ان دونوں گروہوں کے لیے معجزات بیکار ہوتے ہیں اور اس بنا پر انبیا علیہم السلام ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اسی نکتہ کو خداوند تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے:

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

(١٠/ یونس: ١٠١)

''کہہ کہ دیکھو آسمان و زمین میں کس قدر نشانیاں ہیں اور نشانیاں اور ڈراوے تو اس قوم کے

لیے کچھ بھی مفید نہیں جو ایمان نہیں لانا چاہتی۔"

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴾ (۱۳/ الرعد:۲۷)

"اور کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کو ہدایت کرتا ہے۔"

② بعض دفعہ معاندین ایسی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جن کے بار کے متحمل، قوت انسانی کے دوش و بازو نہیں ہوسکتے، خدا کا خود انسانوں کے سامنے آنا، خدا کا خود ہر انسان سے باتیں کرنا، فرشتوں کا نظر آنا، آسمان سے کوئی مجسم کتاب اتارنا بازیگری کی طرح پیغمبر کا آسمان پر چڑھنا، کفار کی طرف سے جب اس قسم کے معجزات طلب کیے جاتے ہیں تو انبیا علیہم السلام کو ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے اور اس انکار کا منشا خود منکرین کی فطرت ہے:

﴿ يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَن تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِن ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ﴾ (۴/ النسآء:۱۵۳)

"تم سے یہود کہتے ہیں کہ ان کے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتار دو، لیکن ان لوگوں نے تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا یعنی ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دو اس ظلم کا جو انہوں نے اپنے اوپر کیا یہ نتیجہ ہوا کہ بجلی کی کڑک نے ان کو دبا دیا۔"

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ﴾ (۲/ البقرہ:۱۱۸)

"اور جن لوگوں کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کیوں خدا ہم سے باتیں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں لاتا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہا، دونوں کے دل ایک سے ہیں۔"

﴿ لَّوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۷، ۸)

"کیوں نہیں فرشتوں کو ہمارے پاس لے آتے اگر تم سچے ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے لیکن حق کے ساتھ اگر وہ ان کافروں کے سامنے اتریں تو پھر ان کو مہلت نہ دی جاسکے گی۔"

③ مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل و محاسن کا مرکز صرف دولت، جائداد، مال و اسباب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عام لوگ اخلاق و عادات، تمدن و معاشرت، رسم و رواج غرض تمام چیزوں میں امرا کی تقلید

کرتے ہیں لیکن انبیا علیہم السلام ہمیشہ اپنی معاشرت، اپنی وضع، اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ فضائل کا منبع صرف روح ہے اور زخارف دنیوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔

اسی بنا پر جب منکرین انبیا علیہم السلام سے اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں جو امرا کے ساتھ مخصوص ہیں تو انبیا علیہم السلام کو عموماً ان کا انکار کرنا پڑتا ہے:

﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ ﴾ (۲۵/ الفرقان: ۷، ۸)

''اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اسکے ساتھ لوگوں کو ڈرائے یا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے، جس سے وہ کھائے اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک ایسے شخص کا اتباع کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔''

④ آیت بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو قاصد بن کر آئے اس کو مرتبہ بشریت سے بالاتر ہونا چاہیے اور اس کو بے انتہا خدائی قدرتیں حاصل ہونی چائیں، اس بنا پر جب اس قسم کے معجزے طلب کیے جاتے ہیں جن سے اس ظن فاسد کی تائید ہوتی ہے تو انبیا ان سے انکار کرتے ہیں:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ ﴾ (٦/ الانعام: ٥٠)

''کہہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں نے یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔''

⑤ متحدی بہ معجزات یعنی وہ معجزات جو کفار کے مطالبہ پر صادر ہوتے ہیں، ان کی تاخیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایسے معجزات پر ایمان نہ لانے کے بعد پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور منکرین کا گروہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثالیں قوم نوح، نمرود اور فرعون سے لے کر قریش تک کی تمام تاریخیں پیش کرتی ہیں اور قرآن کریم نے اس کو بتصریح بیان کر دیا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی امت نے ان سے نشانی طلب کی، خدا نے کہا نشانی تمھیں دکھائی جائے گی لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے:

﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ ﴾ (۱۷/ بنیٓ اسرآئیل: ۵۹)

''اور ہم نے نشانیاں بھیجنا اس لیے موقوف کیا کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کی نشانی دی، سمجھانے کو اور پھر اس کا حق نہ مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔''

لیکن جس طرح افراد کی موت وحیات کا ایک زمانہ ہے، اسی طرح قوموں کی ہلاکت و بربادی کی ایک خاص مدت متعین ہے:

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ﴾ (۷/ الاعراف:۳٤، ۱۰/ یونس:٤۹) ''ہر قوم کا ایک زمانہ مقرر ہے۔''

اس لیے اس قسم کے معجزات کے ظہور میں اس مدت معینہ تک کے لیے تاخیر کی جاتی ہے اور پیغمبر اور معاندین دونوں اس کے منتظر رہتے ہیں:

﴿ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴾ (۱۰/ یونس:۲۰)

''اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان نہیں اترتا؟ کہہ کہ غیب صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے تم لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔''

یہی سبب ہے کہ جن انبیا علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا مظہر اتم بنایا ان کے ہاتھوں سے تحدی اور مطالبہ کے معجزوں کے صدور میں تاخیر برتی جاتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انجیل کی آیتیں گزر چکی ہیں کہ یوں تو ان سے بیسیوں معجزے سرزد ہوتے تھے مگر تحدی اور مطالبہ کے معجزہ سے انہوں نے بالعموم انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو تباہ و برباد نہیں دیکھنا چاہتے تھے، یہاں تک کہ حوارئین نے جب زیادت ایمان اور ترقی ایمان کے لیے معجزہ کی فرمائش کی تو خدا نے جواب دیا:

﴿ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴾ (۵/ المآئدہ:۱۱۵)

''میں یہ آسمانی خوان تم پر اتار سکتا ہوں لیکن اس کے بعد اگر تم میں سے کسی نے انکار کیا تو میں اس کو ایسا سخت عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔''

غرض کائنات روحانی کا یہی اصول پیش نظر تھا، جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کفار کے مطالبہ کی پروا نہیں کرتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ ان کے مطالبہ اور تحدی کے مطابق معجزہ آنے کے بعد ان کو پھر فرصت نہ دی جا سکے گی اور وہ برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ معاندین قریش آنحضرت ﷺ سے یہ معجزہ طلب کرتے تھے کہ فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ، خدا نے کہا کہ اگر وہ سامنے آئیں بھی تو انسانوں کی صورت میں آئیں گے اور تم کو پھر وہی شبہ رہ جائے گا، علاوہ ازیں قانون الٰہی میں یہ آخری حجت ہے، اگر فرشتے اتر آئے اور اس سے بھی تمہاری تسلی نہ ہوئی تو پھر تم کو اس مطالبہ کے معجزہ کے بعد مہلت نہ مل

سکے گی اور تم ہلاک و برباد کر دیے جاؤ گے:

﴿ لَوْمَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۷، ۸)

''کیوں تم فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو خدا کہتا ہے فرشتوں کو حق کے ساتھ اتارتے ہیں، اگر وہ اتریں تو پھر تم کو اس وقت مہلت نہ دی جا سکے گی۔''

⑥ معاندین عموماً پیغمبروں کو جھوٹا جان کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس آخری معجزانہ عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو، وہ آخر کب آئے گا اور وہ جلد کیوں نہیں آتا؟ چونکہ اپنی نافہمی سے ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ معجزانہ عذاب ظاہر نہ ہوگا، اس لیے وہ اس کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں، تاکہ لوگوں میں پیغمبر کی سبکی ہو اور ہماری طرح اور لوگ بھی اس کو کاذب تسلیم کریں۔ چنانچہ قرآن میں بار بار ہر قرن کے کافروں کے اس مقولہ کو دہرایا گیا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی امت نے کہا:

﴿ وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝ۚ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝ؕ ﴾ (۲۶/ الشعرآء:۱۸۶، ۱۸۷)

''اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔''

لیکن اس کے لیے خدا کے ہاں ایک قانون مقرر ہے:

﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ۝ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۭ اٰٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:۴۹ تا ۵۱)

''ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے تو جب اس کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی وہ دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی، کہہ دے اے پیغمبر! بھلا دیکھو تو اگر خدا کا عذاب راتوں رات یا دن کو آ پہنچے تو یہ گناہگار جلدی کر کے کیا کر لیں گے؟ کیا جب آنے والا واقعہ آ جائے گا تب تم ایمان لاؤ گے، اب ایمان لاتے ہو؟ حالانکہ تم تو اسی کی جلدی کر رہے تھے۔''

عقیدۂ معجزات کی اصلاح

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس کی نظر میں ان ظاہری معجزات کی چنداں وقعت نہیں، وہ لوگوں کو ہمیشہ اصل روح نبوت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کے خاص اسباب ہیں، اسلام دنیا میں دین الٰہی کی تکمیل اور گزشتہ مذہبی اغلاط کی تصحیح کے لیے آیا تھا ان ظاہری معجزات نے گزشتہ قوموں میں بہت سے فاسد عقیدے پیدا کر دیے تھے جن انبیا علیہم السلام اور بزرگوں سے بکثرت معجزات صادر

ہوئے ان میں الوہیت اور خدائی کا عنصر تسلیم کیا گیا اور اس طرح توحید اور نبوت کی اصلی حقیقت جس پر دین الٰہی کی بنیاد ہے متزلزل ہوگئی اس لیے قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور نہایت صفائی اور نہایت تصریح کے ساتھ ان غلطیوں کا پردہ چاک کیا اور دنیا میں توحید اور نبوت کی اصل حقیقت اس استواری اور مضبوطی کے ساتھ قائم کر دی کہ آئندہ فساد اور سوئے عقیدہ کے سیل وطوفان سے اس کو گزند پہنچنے کا خطرہ باقی نہ رہا۔

① سب سے پہلے اس نے یہ حقیقت واضح کی کہ نبوت اور ظاہری معجزات میں کوئی تلازم نہیں اور یہ آثار و دلائل اصل نبوت سے خارج اُمور ہیں۔ نبوت کے اصل لوازم وحی، مخاطبہ الٰہی، تزکیہ، انذار، تبشیر، تعلیم اور ہدایت ہیں، جیسا کہ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اس بنا پر جب معاندین نے معجزہ کا مطالبہ کیا ہے تو قرآن مجید نے اکثر اس کے جواب میں نبوت کی اصلی حقیقت کی طرف ان کو متوجہ کیا ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْــَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۱۸، ۱۱۹)

''اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں خدا خود ہم سے کیوں باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہوگئے، ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول دی ہیں جو یقین کرتے ہیں، اے محمد (ﷺ)! ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکو کاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، جن کو اب بھی یہ نشانیاں نہ نظر آئیں تو ان دوزخیوں کا حال تجھ سے نہ پوچھا جائے گا۔''

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ (۲۹/ العنکبوت: ۵۰، ۵۱)

''اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اترتی ہیں کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں کیا ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ﴾

(۱۳/ الرعد: ۷)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشان اس کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اتارا جاتا، اے محمد (ﷺ)! تو تو ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کا ایک ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔''

② قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور تکرار کے ساتھ اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارا پیغمبر بشر اور خالص بشر ہے، اس میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور اس لیے وہ اپنی طرف سے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ (١٨/ الكهف: ١١٠ ، ٤١/ حٰمٓ السجدة: ٦)

''میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں، (البتہ) مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔''

کفار قریش کا خیال تھا کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتوں کا پرا ہونا چاہیے، کبھی کبھی خود خدا اس کے سامنے آ کر نمایاں ہو، اس کے لیے سونے چاندی کا محل ہو، عجیب وغریب اقسام کے باغ اس کے قبضہ میں ہوں، ہمارے سامنے وہ آسمان پر چڑھے اور وہاں سے ہمارے لیے کتاب اتار لائے:

﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ ﴾ (١٧/ بنیٓ اسرآئیل: ٩٠-٩٣)

''اور کافروں نے کہا کہ ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بہا دو یا تمہارے قبضہ میں کھجور اور انگور کا ایک باغ نہ ہو اور پھر تم اس کے بیچ میں نہریں نہ بہا دو یا جیسا کہا کرتے ہو، آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر لے آؤ یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور وہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا یقین اس وقت تک ہم کو نہ آئے گا جب تک وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔''

ان سب کے جواب میں قرآن مجید آپ ﷺ کو سکھاتا ہے:

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾ (١٧/ الاسرآء: ٩٣)

''کہہ دے اے پیغمبر! سبحان اللہ! میں کون ہوں، ایک آدمی پیغمبر۔''

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ ﴾ (٦/ الانعام: ٥٠)

''اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام کیا جاتا ہے۔''

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

(۷/ الاعراف:۱۸۸)

''اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دے کہ خود میرا نفع اور نقصان بھی میرے قبضہ اختیار میں نہیں لیکن جو چاہے خدا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو کوئی گزند نہ پہنچتا، میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔''

غور کرو کہ زمین سے باغ کا اُگا دینا، یا سونے کا محل کھڑا کر دینا یا چشمہ بنا دینا یا آسمان سے لکھی لکھائی کتاب اتار دینا، نہ خدا کی قدرت سے باہر تھا اور نہ اس رسول کے ان معجزات سے مافوق مطالبہ تھا، جس کے ہاتھ سے چشمے بہ چکے تھے، جس کے اشارے سے درخت چل چکے تھے یا جو معراج میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کر چکا تھا لیکن چونکہ اگر ان کے مطالبہ پر یہ امور واقع ہو جاتے تو وہ اگر بدعقیدگی کو راہ دیتے تو وہ آپ ﷺ کو جادوگر کہہ دیتے اور اگر خوش عقیدگی کا اظہار کرتے تو آپ کو نعوذ باللہ مافوق بشر تسلیم کر لیتے اور یہ دونوں باتیں اصول کے منافی ہیں، اس لیے سرے سے ان کے اس جاہلانہ مطالبہ کو رد کر دیا گیا کہ چند لوگوں کے ایمان وعدم ایمان کی خاطر نفس پیغام ودعوت کے اصول کی بیخ کنی نہیں کی جا سکتی۔

③ عام لوگوں میں انبیا علیہم السلام کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ براہ راست عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں، چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جس طریقہ سے پیش کیا ہے، اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبضۂ قدرت میں تھی اور وہ اس میں جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دین حق کی دیوار کج کھڑی کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی۔ قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ معجزات اور نشانات، پیغمبر کی قوت اور ارادہ سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں:

﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (۶/ الانعام:۱۰۹)

''کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔''

﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (۲۹/ العنکبوت:۵۰)

''کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔''

﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً ﴾ (۶/ الانعام:۳۷)

''کہہ دے اے پیغمبر! کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشان اتارے۔''

سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۱۳/ الرعد:۳۸)

''کسی رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی نشان لائے۔''

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات جس عبارت اور لب ولہجہ میں بیان ہوئے ہیں۔ان کا صاف منشا یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کردی گئی تھی، اس لیے وہ خاص اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہتے تھے کردیتے تھے۔قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو بیان کردیا ہے مگر اسی کے ساتھ اس عقیدۂ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کردیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا خدا کی قدرت سے تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار سے نہیں، چنانچہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن کہتا ہے:

﴿ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ﴾

(۳/ آل عمران:۴۹)

''میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہوجاتا ہے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مردہ کو زندہ کرتا ہوں، خدا کے حکم سے۔''

دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے خدا نے فرمایا:

﴿ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ ﴾ (۵/ المآئدۃ:۱۱۰)

''اور یاد کر جب تو مٹی سے پرندہ کی طرح صورت میرے حکم سے بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہوجاتا تھا اور تو اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردے کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا۔''

یہ قرآن مجید کے اسی اظہار حقیقت اور خالص تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام میں توحید اور نبوت کی حقیقتیں مشتبہ نہ ہوئیں اور پیغمبر اسلام ﷺ میں الوہیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی مسلمانوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا اور تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کامل کی علمبرداری صرف اسلام کے دست وبازو کو سپرد ہوئی۔

مسئلہ اسباب وعلل میں افراط وتفریط

عقیدۂ معجزات کے اصلاحات ہی کے تحت میں مسئلہ اسباب وعلل سے بھی تعرض کرنا ہے۔جس نے

دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دو فرقے پیدا کر دیے ہیں، ایک فرقہ وہ ہے جو دنیا میں صرف اسباب وعلل کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے اور ان اختیارات کو ناقابل نسخ وتغیر مانتا ہے، اس کے نزدیک اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ ان ہی مادی علل واسباب کے ماتحت ہوتا ہے اور ان میں کسی قسم کا ردوبدل اور نسخ وتغیر نہیں ہوتا اور اس لیے وہ خرق عادت کو ممتنع اور محال یقین کرتا ہے کیونکہ یہ اسباب وعلل اور عالم کا یہ نظام کارسنت الٰہی ہے اور سنن الٰہی میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، جیسا کہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں سے ثابت ہوتا ہے:

﴿ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ (۳۵/ فاطر:۴۳)

''تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔''

﴿ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾ (۳۵/ فاطر:۴۳)

''تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تغیر نہ پاؤ گے۔''

﴿ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ﴾ (۳۰/ الروم:۳۰) ''اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں۔''

دوسرا فریق اللہ تعالیٰ کو نظام خاص، قوانین فطرت اور اسباب وعلل کا پابند ٹھہرانا، اس کی شان قدرت کے منافی سمجھتا ہے اور وہ ان بیچ کے وسائط کے بغیر اسکو فرماں روائے مطلق یقین کرتا ہے، یہ فریق اپنے دعویٰ پر حسب ذیل دلیلیں پیش کرتا ہے:

﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ (۸۵/ البروج:۱۶) ''وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

﴿ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ (۳/ آل عمران:۴۰)

''اسی طرح خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔''

﴿ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ (۱۴/ ابراھیم:۲۷)

''اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ (۲۲/ الحج:۱۸)

''بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۵۳)

''لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (۵/ المائدۃ:۱)

''بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴾ (۲۲/ الحج:۱۴)

''بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

ان آیات کے علاوہ حسب ذیل آیت قرآن مجید میں کم وبیش تغیر کے سات آٹھ مقامات پر مذکور ہے:

﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۸٤، ۳/ آل عمران:۱۸۹، ٥/ المائدۃ:۱۷)

''اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔''

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے کی علت صرف خدا کی قدرت مشیت اور ارادہ ہے اور اس لیے ہر قسم کے خرق عادت ممکن ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فریق افراط وتفریط کے دو کناروں پر ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کی تمام آیتوں پر غور وتدبر کی نظر نہیں ڈالی ہے، یہی سبب ہے کہ انہوں نے اشیاء کے خواص وطبائع اور عقلی مصالح وحکم کا انکار کیا ہے۔

قرآن مجید اسباب ومصالح کا قائل ہے

حالانکہ ان آیات بالا کی بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن اسباب وعلل اور مصالح وحکم کا منکر ہے، کتاب الٰہی سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفات کمالیہ اور اس کے حکیم ہونے کی نفی کرنا ہے، قرآن مجید نے جا بجا مخلوقات الٰہی میں تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے اگر یہ صحیفۂ قدرت اسباب ومصالح سے خالی ہوتا تو یہ دعوت بے سود تھی، قرآن ان عجائب قدرت کو آیات اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے اسرار وحکم پر غور وفکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی دلیل سے وہ خدا کی قادر وحکیم ہستی کے وجود پر استدلال کرتا ہے اگر یہ چیزیں اسباب ومصالح سے خالی ہوتیں تو ان میں غور وفکر کرنا بیکار ہوتا، قرآن نے آسمان وزمین، چاند وسورج، ہوا بادل، پھول پھل، جسم وجان ان میں سے ہر شے کو اللہ کی وسیع قدرت اور دقیق مصلحت کا اعلان عام قرار دیا ہے اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِۙ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ (۳/ آل عمران:۱۹۰، ۱۹۱)

''آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور جو اللہ کو اٹھتے بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔''

خدا نے ان لوگوں کو جو اشیاء کی پیدائش کو خالی از مصلحت جانتے ہیں زجر فرمایا ہے:

﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ (۲۳/ المؤمنون:۱۱٥)

''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے

جاؤ گے۔“

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ ﴾ (٤٤/ الدخان:٣٨)

”اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو، جو ان کے درمیان ہے ان کو محض کھیل کے لیے نہیں بنایا ہے۔“

﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ ﴾

(٦/ الانعام:٩٩)

”اور اسی خدا نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے ہر شے کی روئیدگی پیدا کی پھر ہم نے اس سے ہری کھیتی نکالی اور اس سے توبرتو دانے پیدا کیے اور چھواروں کے درخت سے اس کے پھولوں سے لٹکے ہوئے خوشے اور انگور اور زیتون اور سیب کے باغ جن کے میوے ایک ہی قسم کے اور مختلف اقسام کے بھی پیدا کیے، جب وہ پھلتا ہے تو اس کے پھل اور اس کے پکنے کو دیکھو۔“

اگر ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ مصالح واحکام کے آثار پوشیدہ نہ رکھتا تو ان میں نظر وفکر کی دعوت کیوں دیتا، متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق الٰہی کے ”منافع“ کی خاص تصریح فرمائی ہے:

﴿ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

(١٦/ النحل:٥ تا ١٤)

''اور خدا نے جانوروں کو پیدا کیا، ان کے اون میں خوشگوار گرمی اور بہت سے فائدے ہیں، ان میں سے بعض جانور تمہاری خوراک ہیں اور تم کو ان سے رونق ہے، جب شام کو ان کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اور وہ تمہارے مال واسباب کو اس شہر تک اٹھا لے چلتے ہیں جہاں تم بغیر سخت تکلیف کے نہیں لے جا سکتے تھے، بے شک تمہارا رب شفقت والا مہربان ہے اور گھوڑے، خچر اور گدھے بنائے کہ تم ان پر سوار ہو اور رونق ہو اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے، خدا ہی پر ہے سیدھی راہ اور اس سے ہٹنے والی بھی اور اگر چہ چاہے تو سیدھی راہ دے تم سب کو، اسی نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا، کچھ اس میں سے پینے کے کام آتا ہے اور کچھ سے درخت اگتے ہیں جس میں تم اپنے جانور چراتے ہو، اس پانی سے خدا تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون، چھوہارے، انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے اور اسی خدا نے رات اور دن اور سورج اور چاند تمہارے کام میں لگائے اور تارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور جو بکھیرا ہے تمہارے لیے زمین میں کئی رنگ کے غلے اور دانے، اس میں ان کے لیے جو سوچتے ہیں نشانی ہے، اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ (موتی اور مونگے) نکالو جس کو زینت کا سامان بنا کر پہنتے ہو اور تم دیکھو کہ کشتیاں اس دریا کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کی روزی کو اور شاید احسان مانو۔''

غور کرو، اگر ان چیزوں میں مصالح وحکم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کو ان چیزوں کی پیدائش پر شکر کا حکم کیوں دیتا۔

بعض اشیاء کے مصالح واسباب کو خود قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے پہاڑوں کی مصلحت یہ ظاہر کی ہے:

﴿ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ ﴾ (١٦/ النحل:١٥)

''اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑوں کے گرد ڈال دیئے ہیں کہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے۔''

ستاروں کی پیدائش کی یہ غرض بتائی:

﴿ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (١٦/ النحل:١٦)

''اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔''

رات کی پیدائش کی مصلحت یہ بتائی:

﴿ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ ﴾ (۱۰/ یونس:۶۷)

''اور اسی نے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو۔''

چاند کے گھٹنے بڑھنے کی غایت یہ ظاہر کی:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۸۹)

''لوگ تجھ سے چاند کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ وہ لوگوں کے لیے وقت اور زمانہ کا معیار ہیں۔''

سایہ، آفتاب، رات، دن، ہوا اور پانی کے مصالح یہ تعلیم کیے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ○ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ○ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ○ ﴾

(۲۵/ الفرقان: ۴۵ تا ۴۹)

''کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلا رکھا ہے اور اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ٹھہرا رہتا، پھر سورج کو سایہ کا راہنما بنایا، پھر اس سایہ کو ہم اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں، اسی خدا نے رات کو تمہارا اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن تمہارے جدوجہد کے لیے بنایا اسی خدا نے اپنے ابر رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری سنانے والا بنایا اور ہم نے آسمان سے ستھرا اور نکھرا پانی اتارا کہ اس سے مردہ زمین کو زندہ کردیں اور چوپایوں اور بہت سے انسانوں کو اس سے سیراب کریں۔''

قرآن مجید نے اشیاء کے اسباب وعلل ہونے کا بھی صاف اقرار کیا ہے، مثلاً: جابجا بارش کو کھیتی اور پھل پھول کے پیدا ہونے کا سبب بتایا ہے:

﴿ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۲)

''اور آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے۔''

تمام ذی روح چیزیں پانی سے زندہ ہیں:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ ﴾ (۲۴/ النور:۴۵)

''اور خدا نے ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا۔''

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ﴾ (۲۱/ الانبیآء:۳۰)

''اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا۔''

ہر قسم کے نباتات پانی سے اگتے ہیں:

﴿ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ (۶/ الانعام:۹۹)

''اسی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی روئیدگی ظاہر کی۔''

بادصرصر اور آندھی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہے:

﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْٓ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ ﴾

(۴۱/ حٰمٓ السجدۃ:۱۶)

''ہم نے عاد کی قوم پر بادصرصر بھیجا منحوس دنوں میں، تاکہ ہم ان کو رسوائی کا عذاب چکھائیں۔''

﴿ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا ﴾ (۴۶/ الاحقاف:۲۴، ۲۵)

''ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا جو خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے۔''

﴿ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ۚ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴾

(۵۱/ الذریات:۴۱، ۴۲)

''یاد کرو جب ہم نے فائدہ نہ پہنچانے والی آندھی ان پر بھیجی جو جس شے پر گزرتی تھی اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر دیتی تھی۔''

آگ جلاتی ہے:

﴿ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴾ (۲۳/ المؤمنین:۱۰۴)

''آگ ان کے چہروں کو جھلسا دیتی ہے۔''

آگ لکڑی سے پیدا ہوتی ہے:

﴿ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا ﴾ (۳۶/ یٰسٓ:۸۰)

''جس نے ہرے درختوں سے آگ کو پیدا کیا۔''

قرآن مجید اشیاء کے طبعی خواص کا بھی منکر نہیں شراب میں خواص ہے:

﴿ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۱۹)

''کہہ دے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ انکے فائدے سے زیادہ ہے۔''

اون میں گرمی کی خاصیت ہے۔

﴿ فِيهَا دِفْءٌ ﴾ (١٦/ النحل:٥) ”جانوروں کے اون میں خوشگوار گرمی ہے۔“

پانی میں پیاس بجھانے اور درخت اگانے کی خاصیت ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ ﴾ (١٦/ النحل:١٠)

”وہی خدا آسمان سے پانی برساتا ہے، اس سے پینا ہے اور اس سے درخت ہیں۔“

شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دور کرنے کی خاصیت ہے:

﴿ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ (١٦/ النحل:٦٩)

”شہد کی مکھیوں کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں ان میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“

لیکن علت حقیقی قدرت ومشیت ہے

غرض ان آیات کریمہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اسباب وعلل، مصالح وحکم اور طبائع و خواص کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جو ان چیزوں کا انکار کرتی ہے اور یہ جانتی ہے کہ ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت ومشیت الٰہی کے عقیدہ کا ابطال لازم آتا ہے، حالانکہ یہ تو اس وقت لازم آتا ہے جب ان اسباب وعلل اور طبائع وخواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اسباب وعلل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع وخواص ہیں، لیکن یہ اسباب وعلل اور طبائع وخواص خود خلاق عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں اور وہ ان ہی پر عموماً کاربند رہتا ہے لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہ کر سکتا ہو اور کبھی اپنے خاص حکم وارادہ سے بھی وہ ان کو شکست نہ کر سکتا ہو کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آتا ہے اس لیے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ اسباب وعلل کے ساتھ ساتھ خدا کی مشیت اور ارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے، تاکہ انسانوں میں خدا کی معذوری، مجبوری اور عدم قدرت کا تصور نہ پیدا ہو اور نہ اس کی مشیت وارادہ پر خود اس کی مشیت وارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں، چنانچہ وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کے متعلق اوپر دوسرے فریق کی طرف سے پیش کی گئی ہیں وہ اسی موقع کی ہیں اور جن سے یہی تعلیم مقصود ہے۔

ہم نے اوپر اسباب وعلل اور طبائع وخواص کے ثبوت میں جس قدر آیتیں لکھی ہیں غور کرو ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان مسببات کے اسباب وعلل اور اشیاء کے طبائع وخواص خود اس نے اپنی مشیت وارادہ اور اپنے حکم وامر سے بنائے ہیں اور ہر جگہ اس کی توضیح کر دی ہے، تاکہ ظاہر میں انسان ان ظاہری علل واسباب اور طبائع وخواص کو دیکھ کر اشیاء کی علت حقیقی کا انکار

کر کے مبتلائے الحاد یا اسباب وخواص کو مستقلاً شریک تاثیر مان کر گرفتار شرک نہ ہو جائے یہ انبیا کی تعلیم کا خاص طریقہ ہے اور قرآن نے اس نکتہ کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے یہاں تک کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور بزرگان خاص کو بھی عادتِ جاریہ اور ظاہری علل واسباب کے خلاف باور کرنے میں جب استعجاب اور استبعاد ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کیا ہے اور ان کے اس استعجاب اور استبعاد کو اپنی قدرت اور مشیت کو یاد دلا کر رفع کیا ہے، حضرت سارہ علیہا السلام کو پیرانہ سالی میں جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو توراۃ اور قرآن دونوں میں ہے کہ ان کو اس پر سخت تعجب ہوا انہوں نے کہا:

﴿ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ؀ ﴾

(۱۱/ ھود:۷۲)

’’اے خرابی! کیا میں جنوں گی؟ اور میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ خاوند بوڑھا ہے یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔‘‘

فرشتوں نے جواب میں کہا:

﴿ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ (۱۱/ ھود:۷۳)

’’اے سارہ! کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتی ہو؟‘‘

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کے لیے کافی تھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کا قطعی علم تھا لیکن وہ اپنی اور اپنی بیوی کی ظاہری عدم استعداد اور اسباب وعلل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی خدا کی قدرت اور مشیت کے مؤثر حقیقی ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے، چنانچہ اسی حالت میں انہوں نے ایک وارث کی دعا مانگی مگر جب ان کو اجابت دعا کی بشارت دی گئی تو تقاضائے بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب وعلل کے دیکھنے کا عادی ہے، اس کمال ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہوا اور انہوں نے عرض کی:

﴿ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ؀ ﴾

(۱۹/ مریم:۸)

’’اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں یہاں تک کہ بڑھاپے سے اکڑ گیا ہوں۔‘‘

خدا نے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا:

﴿ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـــــًٔا ؀ ﴾

(۱۹/ مریم:۹)

''کہا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا! یہ مجھ پر آسان ہے (زکریا تجھ کو یاد نہیں) کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔''

حضرت مریم علیہا السلام کو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے بھی ظاہری علل واسباب کے خلاف ہونے پر حیرت ظاہر کی:

﴿ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا۝ ﴾ (۱۹/ مریم:۲۰)

''مریم علیہا السلام نے کہا! میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھ کو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں کبھی بدکار تھی؟''

فرشتہ نے جواب میں کہا:

﴿ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ ﴾

(۱۹/ مریم:۲۱)

''بولا یوں ہی ہے، تیرے رب نے کہا، وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے رحمت۔''

قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم

وہ فریق جو خرق عادت اور خلاف اسباب وعلل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی ان آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں ''سنت الٰہی'' کے عدم تبدیل کا ذکر ہے درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہوم قرآن کی تحریف کا مجرم ہے قرآن مجید میں ''سنت الٰہی'' کا ایک خاص مفہوم ہے اور اسی اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر وشر، حق وباطل، نور وظلمت اور ظلم وانصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گناہ گار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند وموعظت ان کے لیے مؤثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھڑگھڑاہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں، یہ سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے چنانچہ وہ تمام آیتیں ذیل میں لکھ دی جاتی ہیں، تاکہ ناظرین کو شک وشبہ نہ رہے۔ قریش داعی حق کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرنے سے اعلانیہ انکار کر دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا۝

﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴾

(۱۷/ بنی اسرآءیل:۷۶، ۷۷)

''اور وہ (کفار قریش) تو تجھ کو اس شہر سے لگے تھے گھبرانے، تاکہ وہ تجھ کو یہاں سے نکال دیں لیکن اگر ایسا ہوتو وہ تیرے بعد کم ٹھہریں گے یہ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو اللہ کے دستور کو ٹلتے نہ پائے گا۔''

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے، خدا فرماتا ہے:

﴿ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۶۱، ۶۲)

''وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے، دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے اور تو اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پائے گا۔''

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لیے سورۂ فاطر کی حسب ذیل آیت سے بڑھ کر اور کون سی آیت ہو سکتی ہے:

﴿ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ﴾ (۳۵/ فاطر:۴۳، ۴۴)

''اور بدی کا داؤ پیچ خود داؤ پیچ کرنے والوں کو الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر پہلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں تو تم اللہ کے دستور کو ہرگز نہ بدلتے پاؤ گے اور نہ کبھی اللہ کے دستور کو ٹلتے پاؤ گے کیا وہ زمین میں پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ اس سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا۔''

حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے:

﴿ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ ﴾ (۴۸/ الفتح:۲۲، ۲۳)

''اور اگر یہ کافر سے لڑتے، تو پیٹھ پھیر دیتے پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ مددگار، اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے۔''

اب ان آیتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنۃ اللہ کے مفہوم کے سمجھنے میں کس کو غلطی ہو سکتی ہے؟

قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے جس کو یہ فریق اپنے ثبوت میں پیش کرتا رہتا ہے:

﴿ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ﴾ (۳۰/ الروم:۳۰)

''خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں۔''

اس موقع پر اس آیت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے جس کو وہ دین فطری سے تعبیر کرتا ہے چنانچہ اوپر کی پوری آیت اگر پیش نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخود آئینہ ہو جاتا ہے، خدا فرماتا ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۳۰/ الروم: ۳۰)

''سو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت خاص پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں یہی سیدھا دین ہے، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔''

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری ہو جاتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((مامن مولود یولد إلاَّ علی الفطرة فابواه یهودانه اوینصرانه اویمجسانه کما تنتج البهیمة بَهِیْمَةً جمعاء هل تحسون فیها من جدعاء ثم یقول ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ ...... الخ﴾)) [1]

''کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا لیکن ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں، جس طرح ہر جانور صحیح وسالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا'' اور آخر آیت تک۔

معجزہ کا سبب صرف ارادۂ الٰہی ہے

الغرض اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے اور نہ عالم کے نظام کار کو علل ومصالح سے خالی تسلیم کرتا ہے لیکن وہ ان تمام اسباب وعلل سے مافوق ایک اور قادر اور ذی ارادہ ہستی کو فرمانروائے کل یقین کرتا ہے جس کی مشیت اور ارادہ کی قوت سے کائنات کی یہ مشین چل رہی ہے معجزہ کا سبب اور علت براہ راست اس کی مشیت اور ارادہ ہے، کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً: قوم نوح کے لیے طوفان آنا، قوم ہود کے لیے کوہ آتش فشاں کا پھوٹنا یا زلزلہ آنا، حضرت ایوب علیہ السلام کا چشمہ کے پانی سے صحیح وتندرست ہو جانا، قوم صالح کے لیے آندھی آنا، مکہ

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الروم: ۴۷۷۵۔

میں قحط عظیم کا رونما ہونا، غزوۂ خندق میں آندھی چلنا یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات جاریہ کے خلاف نہیں لیکن ان اسباب کے ظاہر ہونے کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست، نیکوکاروں کی نجات اور گناہگاروں کی ہلاکت ہوئی محض بخت واتفاق نہیں بلکہ ارادۂ ومشیت الٰہی نے خاص ان قوموں کے لیے بطور نشانی کے ان کو پیدا کیا اور کبھی یہ مشیت الٰہی عادات جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے، مثلاً: عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا، مردہ کا جی اٹھنا، چاند کا دوٹکڑے ہو جانا، پتھر سے چشمہ کا ابلنا، درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا، بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم واسباب وعلل کی بنا پر نہیں کی جاسکتی اور نہ ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جاسکتا ہے، اس لیے ان کی علت خدا کی مشیت اور ارادہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی، اس لیے انبیا علیہم السلام نے یہ تصریح کی ہے کہ جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ صرف خدا کی قدرت، مشیت اور اذن سے ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ ظاہری علل واسباب کے مطابق ہوں تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط وعلاقہ کی دلیل کیونکر بن سکتے ہیں کفار ان کو دیکھ کر فوراً کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے ہوا ہے، اس لیے خدائی نشان ہونے کا ثبوت کیونکر بہم پہنچ سکتا ہے؟

معجزہ کی باعتبار خرق عادت کے چار قسمیں

اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ معجزات اور نشانیاں کسی نہ کسی حیثیت سے خارق عادت ہوں چنانچہ:

① کبھی نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے، مثلاً: عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا دوٹکڑے ہو جانا، انگلیوں سے چشمہ کا اُبلنا، مردہ کا زندہ کرنا وغیرہ

② کبھی یہ ہوتا ہے کہ نفس واقعہ خلافِ عادت نہیں ہوتا، مگر اس کا اس وقتِ خاص پر رونما ہونا خرق عادت بن جاتا ہے، مثلاً: طوفان آنا، آندھی آنا، زلزلہ آنا، کفار کا باوجود کثرتِ تعداد کے، بے یار ومددگار اہل حق سے خوف کھانا وغیرہ تمام تائیدات الٰہی اسی قسم میں داخل ہیں۔

③ ایک صورت یہ ہے کہ نفسِ واقعہ اور اس کے ظہور کا وقت خاص تو عادات جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا مگر اس کا طریقہ ظہور خلاف عادت ہوتا ہے، مثلاً: انبیا کی دعاؤں سے پانی کا برسنا، بیمار کا اچھا ہونا، آفتوں کا ٹل جانا، کہ نہ تو پانی کا برسنا یا بیمار کا اچھا ہو جانا یا کسی آئی ہوئی آفت کا ٹل جانا، خلاف عادت ہے اور نہ اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب وعلل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارق عادت ہیں، استجابت دعا اسی قسم میں داخل ہے۔

④ کبھی نہ تو واقعہ خارق عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقہ ظہور خارق عادت ہوتا ہے بلکہ اس کا قبل از وقت علم، خارق عادت ہوتا ہے، مثلاً: انبیا علیہم السلام کی پیشین گوئیاں، ایک دفعہ زور سے آندھی چلی آنحضرت ﷺ مدینہ سے باہر تھے آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے۔'' چنانچہ جب لوگ

مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مر گیا،[1] اس معجزہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خرق عادت ہے، نہ آدمی کا آندھی کے صدمہ سے مر جانا خلاف اسباب ہے، بلکہ صرف واقعہ کا قبل از وقت علم خرق عادت ہے۔

اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں

انبیا علیہم السلام کی زندگی علم و عمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان کے تمام ارشادات و تعلیمات سے صرف ان ہی دونوں کی ترقی اور تکمیل مقصود ہوتی ہے، اس لحاظ سے انبیا کے بعض معجزات کا اثر صرف علم و یقین پر پڑتا ہے ان سے کوئی عملی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا، ہاتھ کا چمک اٹھنا، عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا شق ہو جانا، اگرچہ نہایت عظیم الشان معجزے ہیں لیکن ان کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے نے انکار کیا لیکن انبیا کے بہت سے معجزات ایسے ہوتے ہیں جن سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً: عصا کے سانپ بن جانے سے بنو اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ نہ پہنچ سکا لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا جو چشمہ اُبلا وہ ان کے لیے حیات بخش ثابت ہوا پہلی قسم کے معجزات کو قرآن میں حجت، برہان اور سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان سے علم و یقین کو ترقی ہوتی ہے اور دوسری قسم کے معجزات کو اس نے تائید اور نصرت الٰہی کہا ہے پہلی قسم کے معجزات طلب اور سوال کے محتاج ہوتے ہیں لیکن تائید اور نصرت الٰہی اس کی پابند نہیں ہوتی۔

آغاز نبوت میں چونکہ انبیا علیہم السلام صرف عقائد کی تعلیم دیتے ہیں اور کفار کی طرف سے ان ہی عقائد کا انکار کیا جاتا ہے اور انہی کے اثبات پر دلیل طلب کی جاتی ہے، اس لیے اول اول انبیا علیہم السلام سے اسی قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے، جن کا اثر صرف علم و یقین پر پڑ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی قسم کے دو معجزے دے کر فرعون کے پاس بھیجا اور اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کو معجزہ شق القمر دکھایا لیکن اس کے بعد انبیا علیہم السلام کی تعلیم و ہدایت سے مومنین مخلصین کا ایک گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو عموماً مفلوک الحال، خانہ بدوش، بے سر و سامان اور بے یار و مددگار ہوتا ہے، یہ گروہ اگرچہ صفائے باطن اور خلوص نیت اور شدت ایمان کی بنا پر کسی معجزہ کا خواستگار نہیں ہوتا، تاہم تائید الٰہی خود اس کی طلب گار ہوتی ہے اور ہر موقع پر اس کی حفاظت اور حمایت کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تائیدات الٰہیہ کا ظہور اکثر بغیر طلب و سوال کے ہوتا ہے، مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے کسی معجزہ کا سوال نہیں کیا لیکن آپ سے اکثر معجزات کا ظہور انہی کے درمیان ہوا، بالخصوص غزوات میں اکثر تائید الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے، غزوۂ بدر و حنین میں فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا، تھوڑے سے زاد راہ کا تمام فوج کے لیے کافی ہونا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا، یہ اور اس قسم کے بہت سے معجزات غزوات ہی کے زمانہ میں آپ سے ظہور

[1] مسند امام احمد، ج ۳، ص: ۳۴۱، ۳۴۶، ۳۴۷۔

پذیر ہوئے اوران سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جب کہ تمام دنیوی اسباب و وسائل منقطع ہو چکے تھے۔

اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں نصر (مدد) اور تائید ہے اور یہ ہر نبی کو آخر وقت میں عطا کی جاتی ہے اور عین اس وقت جب بظاہر اسباب مایوسیوں کے تمام مناظر پیش ہوتے ہیں اور تائید حق کا بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا دفعتہً نصرت الٰہی توقع کے خلاف گردوپیش کے واقعات کے خلاف بجلی کی طرح ناامیدیوں کے بادل سے چمک اٹھتی ہے:

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۝ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۱۴)

’’کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت گزری نہیں جو تم سے پہلوں پر گزری ان پر مصیبت اور تکلیف آئی اور اس قدر جھڑ جھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ مسلمان (گھبرا کر) کہہ اٹھے کہ خدا کی نصرت کہاں ہے؟ ہاں خدا کی نصرت نزدیک ہے۔‘‘

﴿ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۝ ﴾ (۱۲/ یوسف:۱۱۰)

’’یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے نصرت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا کہ ہماری نصرت آ گئی پھر ہم نے جن کو چاہا وہ بچا دیئے گئے اور پھیری نہیں جاتی ہماری آفت گنا ہگار قوم سے۔‘‘

خدا کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ وہ حق پرستوں کو ہمیشہ آخر کار نصرت عطا کرے گا:

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ ﴾ (۳۰/ الروم:۴۷)

’’اور ایمان داروں کی مدد ہم پر فرض ہے۔‘‘

یہ نصرت مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیغام سناتی تھی، بدر ہو کہ احد، خندق ہو کہ حنین، ہر جگہ وہی ان کی دستگیر تھی:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ ﴾ (۹/ التوبۃ:۲۵)

’’خدا نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی۔‘‘

لیکن سب سے بڑی نصرت بدر کی تھی، جب تین سو بے برگ و ساز نہتوں نے قریش کی ایک ہزار مسلح فوج کو کامل شکست دے دی:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۲۳)

"اور خدا نے یقیناً بدر میں تمہاری مدد کی، جب تمہارے پاس کوئی قوت نہ تھی۔"

لیکن عام معجزات اور نصرت الٰہی میں یہ فرق ہے کہ جو معجزات بطور حجت اور برہان کے پیش کیے جاتے ہیں، وہ صرف انبیا علیہم السلام کی روحانی طاقت کا فیض ہوتے ہیں، یعنی ان کا یہ فیض سبب ہوتا ہے ارادۂ الٰہی کے ظہور کا، لیکن نصرت الٰہی میں پیغمبر کی روحانی طاقت کے ساتھ مومنین کے کمال ایمان، شدت یقین، تزکیہ نفس اور استعداد قلب کی شرکت بھی ضروری ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے جب سخت فاقہ کی حالت میں نزول مائدہ (خوان آسمانی) کی درخواست کی تو انہوں نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی:

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ ﴾ (۵/ المآئدۃ:۱۱۲)

"یاد کرو جب حواریوں نے کہا، اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار سکتا ہے؟ عیسیٰ نے کہا، خدا سے تقویٰ کرو اگر تم کو یقین ہے۔"

میدان جنگ میں آنحضرت ﷺ صحابہ کو نزول ملائکہ کی بشارت سناتے ہیں، تو ساتھ ساتھ صبر اور تقویٰ کی بھی تعلیم دیتے ہیں:

﴿ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۝ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۲۴، ۱۲۵)

"یاد کر اے پیغمبر! جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تم کو مدد دے (خدا کہتا ہے) ہاں اگر تم مستقل رہو اور تقویٰ کرو اور وہ فوراً آ جائیں تو خدا پانچ ہزار سوار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے گا۔"

یہی وہ معجزات تھے جن کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کو برکت سمجھا کرتے تھے۔

کفار کے لیے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں

جس طرح مومنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں، اسی طرح کفار پر نتائج کی حیثیت سے بھی ان کی دو قسمیں ہیں، آیت ہدایت اور آیت ہلاک، انبیا علیہم السلام کفار کو پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں، کفار کی کثیر تعداد میں جس قدر صالح اجزا ہوتے ہیں، وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت آتا ہے، جب مادۂ فاسد کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہ جاتا تو اس وقت آیت ہلاک، آسمان کی بجلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بن کر رونما ہوتی ہے اور سطح خاکی کو ان کے وجود کی نجاست سے پاک کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متعدد معجزے عنایت ہوئے تھے مگر وہ اس لیے تھے کہ ان کو دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جب ایک مدت کے بعد اہل مصر میں سے جس قدر لوگ ایمان لا سکتے تھے لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شق بحر کی آیت ہلاک عنایت ہوئی اور رود احمر کی لہریں فرعون کو اس کے سارے ساز و سامان اور امرائے دربار کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نگل گئیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو آیت طوفان، حضرت صالح علیہ السلام کو آیت ناقہ، حضرت لوط علیہ السلام کو بربادی سدوم کی نشانی، حضرت شعیب علیہ السلام کو آیت صاعقہ بحر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آیت رفع اور آنحضرت ﷺ کو معجزہ بطشۃ الکبریٰ (بدر) جو دیا گیا تھا، وہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا، ان میں سے ہر معجزہ اور نشانی کے طور کے بعد یا خود اسی معجزہ اور نشانی کے ذریعہ سے معاندین کی ہلاکت، استیصال اور بربادی ہوئی اور اسی کو قرآن مجید نے سنۃ اللہ (خدا کا دستور) اور سنۃ الاولین (پہلوں کا دستور) کہا ہے کہ ہر پیغمبر کی قوم میں یہ اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے:

﴿ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ ﴾

(۳۵/ فاطر:۴۳)

''اور بدی کا داؤ پیچ کرنے والوں پر الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر اگلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں۔''

﴿ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ۝ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ ﴾

(۳۳/ الاحزاب:۶۱، ۶۲)

''یہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے، یہ اللہ کا دستور پڑا ہوا ہے اگلی قوموں میں۔''

اس معجزۂ عذاب کے ظاہر ہونے میں عموماً ایک وقت معین تک تاخیر کی جاتی ہے جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

① یہ معجزۂ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا، جب تک آیات ہدایت سے قوم کے تمام صالح اجزا اس کے فاسد عنصر سے الگ نہیں ہو جاتے اور مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے پھٹ کر جدا نہیں ہو جاتے اور رسول کو بقیہ عناصر کے ایمان سے قطعی مایوسی نہیں ہو جاتی، حضرت نوح علیہ السلام نے ایک طویل زمانہ تک اپنی قوم کو دعوت دی اور اس کے بعد ناامید ہو کر انہوں نے آخری معجزہ کی دعا مانگی:

﴿ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ ﴾ (۷۱/ نوح:۲۶، ۲۷)

''اے میرے پروردگار! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ، اگر تو ان کو چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ نہ جنیں گے لیکن فاجر اور کافر کو۔''

اس کے بعد طوفان آیا اور قوم نوح کو بہالے گیا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون سے پوری مایوسی ہوگئی تو انہوں نے دعا کی:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾

(۱۰/ یونس:۸۸)

''اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان وشوکت اور دولت عطا کی ہے، اے ہمارے رب! وہ اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ وہ لوگوں کو تیرے راستہ سے گمراہ کرتے ہیں، خداوندان کی دولت کو سمیٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کردے جب تک وہ تیرے دردناک عذاب کا مزہ نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔''

اسی موقع پر اسی قسم کی دعائیں دیگر انبیا علیہم السلام نے بھی کی ہیں۔

② اس منزل پر پہنچ کر پیغمبر کو اپنے مومنین کی جماعت کو ساتھ لے کر ہجرت کا حکم ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کو مع رفقا کے کشتی پر چڑھا کر کفار سے الگ کیا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے ملک سے اپنی ہجرت کا اعلان کرتے ہیں ﴿ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ ﴾ (۲۹/ عنکبوت:۲۶) ''میں خدا کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاتے ہیں، حضرت لوط، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت صالح علیہم السلام، سب نے اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر اپنی نافرمان قوموں سے علیحدگی اختیار کی اور جب تک یہ ہجرت نہیں ہولیتی اور مومن وکافر الگ نہیں ہوجاتے، معجزۂ عذاب نہیں بھیجا جاتا، حضرت نوح علیہ السلام جب تک کشتی پر سوار ہو کر علیحدہ نہ ہولیے، طوفان نہ آیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک کلدانیوں کے ملک عراق سے نکل کے شام اور مصر نہ چلے گئے، ان پر عذاب نہ آیا، اسی طرح حضرت لوط، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر جب تک الگ نہ ہوگئے، ہلاکت کا عذاب نہیں آیا اور جب انہوں نے ہجرت کرلی تو یہ معجزۂ عذاب مختلف صورتوں میں ان قوموں پر نازل ہوا اور مومنین کی نجات اور کافروں کو ہلاکت نصیب ہوئی۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ان واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے اور نیز اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ دستور اور قانون فرمایا ہے، جس میں تغیر وتبدل ناممکن ہے جیسا کہ اس سے پہلے ''قرآن مجید میں سنۃ اللہ کے مفہوم'' کے ضمن میں آیات قرآنی کے حوالہ سے اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے، سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اس اصول کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ

الْمُنْتَظِرِيْنَ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ ﴾

(۱۰/ یونس:۱۰۲، ۱۰۳)

''کیا یہ کافر گزشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں، کہہ دے کہ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو ہم پر فرض ہے، ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو۔''

آنحضرت ﷺ اور معجزۂ ہدایت

ہدایت کی غرض سے آنحضرت ﷺ سے جو معجزات اور نشانیاں صادر ہوتی رہتی تھیں، ان کا بڑا حصہ غیر معمولی قوت تاثیر، استجابت دعا، تائید و نصرت اور پیشین گوئی کا تھا، اسی غیر معمولی قوت تاثیر کا نتیجہ تھا کہ قریش لوگوں کو آپ ﷺ کے پاس جانے سے روکتے تھے، سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں، قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اس باطنی اعتراف کا آئینہ ہے:

﴿ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝ ﴾ (۴۱/ حٰمٓ السجدۃ:۲۶)

''اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور و غل کرو، شاید تم غالب آ و۔''

قرآن کے اثر کا ان پر یہ رعب چھایا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ دیکھتے تھے کہ وہ شور و غل اور ہنگامہ کر کے لوگوں کو سننے نہ دیں، آنحضرت ﷺ کی استجابت دعا کا بھی کفار کو بدرجۂ اتم یقین تھا، ایک دفعہ صحن حرم میں جب ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش آنحضرت ﷺ کی نماز میں خلل انداز ہوئے اور آپ نے ان پر بددعا کی تو [illegible] مسلم میں یہ تصریح ہے کہ وہ اس کو سن کر کانپ اٹھے۔ [1] ایک دفعہ جب مکہ میں قحط عظیم پڑا تو ابوسفیان نے آپ کے پاس آ کر کہا کہ ''محمد (ﷺ) تمہاری قوم ہلاک ہوگئی، خدا سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کو ان سے دور کرے۔'' چنانچہ آپ نے دعا کی اور وہ بلا دور ہوئی۔ [2] اسی طرح آپ کی پیشین گوئی کی صداقت کا بھی ان کو دل سے اعتراف تھا، یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے جب امیہ کو حضرت سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے مارے جانے کی پیشین گوئی کی ہے تو وہ گھبرا اٹھا اور اس کی بیوی پر یہ اثر ہوا ہے کہ اس نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنے شوہر کا دامن تھام لیا کہ ''محمد (ﷺ) کی پیشین گوئی تمہیں یاد نہیں؟'' [3] فتح روم کی مشہور پیشین گوئی جس دن پوری ہوئی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب اذا القی علی ظهر المصلی قذر او جیفة لم تفسد علیه صلوته: ۲۴۰ ومسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین والمنافقین: ۴۶۴۹۔

[2] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورة حم الدخان: ۴۸۲۴۔

[3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر: ۳۹۵۰۔

بہت سے لوگ اس نشان صداقت سے ہدایت پا کر مسلمان ہو گئے۔ [1] آنحضرت ﷺ کی تائید ونصرت کے عجائبات بھی قریش کی نظروں سے گزر چکے تھے وہ بار بار آپ پر حملے کی تیاریاں کرتے تھے اور ناکام رہتے تھے ایک دفعہ ابوجہل نے یہ ناپاک ارادہ کیا اور اس نیت سے آگے بڑھا تو فوراً ڈر کر پیچھے ہٹ گیا ساتھیوں نے واقعہ پوچھا تو بتایا کہ مجھے یہ نظر آیا کہ میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی خندق ہے اور چند پردار ہستیاں کھڑی ہیں۔ [2] الغرض ہدایت کے متعدد نشانات تھے جو مکہ میں کفار کو اس غرض سے دکھائے گئے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کے قلوب میں قبولِ حق کی صلاحیت پیدا ہو۔

شق قمر آخری نشانِ ہدایت تھا

ہدایت کی ان نشانیوں میں کفار مکہ کے لیے سب سے آخری [3] اور فیصلہ کن نشان شق قمر کا تھا، جس کے بعد آیات ہلاکت کا آغاز ہونے والا تھا احادیث میں ہے کہ کفار مکہ آپ ﷺ سے معجزہ کے طالب تھے تو آپ ﷺ نے ان کو شق قمر کا معجزہ دکھایا، چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا لیکن معاندین کو اس عظیم الشان اور واضح تر معجزے سے بھی ہدایت نہ ملی، بعضوں نے کہا محمد (ﷺ) نے جادو کیا ہے، کسی نے کہا ایسی عجیب عجیب باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝﴾ (٥٤/ القمر: ١، ٢)

”قیامت کا وقت قریب آ گیا ہے اور چاند شق ہو گیا اور اگر یہ کافر کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔“

اب خداوند ذوالجلال کے رحم وکرم نے دوسری شان اختیار کی یعنی اس کے قہر وغضب نے ان غیر صلاحیت پذیر ہستیوں سے سطح ارضی کو پاک کر دینے کا تہیہ کر لیا اور وہ سنت الٰہی جو تمام گزشتہ امتوں کے ساتھ جاری رہی تھی یعنی یہ کہ معجزہ کے دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے پر کفار کی ہلاکت اور بربادی فرض ختم ہو جاتی ہے، وہ قریش کے حق میں جاری ہوئی۔

گزشتہ دستور الٰہی کی تفصیل کے مطابق اس ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کے لیے پہلے دو چیزوں کی ضرورت تھی:

---

[1] ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ الروم: ٣١٩٤۔ [2] صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب قولہ تعالیٰ: ﴿ان الانسان لیطغی ان رآہ استغنی﴾: ٧٠٦٥۔ [3] ہم نے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصول الٰہی کے مطابق اولاً ایسا سمجھا تھا کہ شق قمر کا معجزہ ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا ہوگا لیکن سیر ومغازی اور کتب احادیث کا مطبوعہ ذخیرہ اس دعویٰ کے ثبوت و انکار دونوں سے خاموش تھا، اسی اثنا میں حاکم کی مستدرک کی دوسری جلد حیدر آباد سے چھپ کر پہنچی، اس میں سورۂ قمر کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں، یہ تصریح ملی کہ یہ نشان قبل مخرج النبی ﷺ یعنی ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا ہے حاکم کی یہ روایت بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق ہے اور حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس کی تصدیق کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے، (مستدرک، ج ٢، ص: ٤٧١، ٤٧٢ حیدر آباد)۔

① مومنین کی جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شہر مکہ سے ہجرت۔

② ہجرت سے پہلے ہدایت کی کسی آخری کھلی نشانی کا ظاہر ہونا۔

چنانچہ ہجرت سے پہلے شق قمر کا نشان ظاہر ہوا اور اس کو دیکھ کر بھی جب قریش کے رؤسا اسلام نہ لائے تو آنحضرت ﷺ کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا اور ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آ گیا صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسرار نبوت کے جو محرم تھے وہ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ ہجرت قریش کی بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ مستدرک حاکم (جلد ۳، ص: ۷) اور مسند ابن حنبل (جلد ۱، ص: ۲۱۶) میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ مکہ والوں نے اپنے پیغمبر کو نکال دیا اب یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے، چنانچہ ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ﴾ والی قتال کی آیت نازل ہوئی۔'' [1]

آنحضرت ﷺ اور معجزہ ہلاکت

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں قریش کو تقریباً ۱۳ برس تک دعوت دی اور ان تیرہ سالوں کے اندر اس راہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی اور آیات ہدایت کے مختلف نمونے ان کو دکھائے، بالآخر شق قمر کا معجزہ بھی ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرا اور آخر وہ وقت آیا جو اپنے اپنے پیغمبروں کے سامنے دوسری قوموں پر آ چکا تھا یعنی قبیلہ قریش میں سے وہ افراد صالحہ جو بے خوف وخطر حق کو قبول کر سکتے تھے، انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور صرف وہ رؤسائے قریش رہ گئے جو قبول حق کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے تھے یا وہ ضعفا تھے جو ان رؤسا کی موجودگی میں حق کا ساتھ دینے کی قوت نہیں رکھتے تھے اور اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان رؤسا کے وجود سے ارض حرم کو پاک کیا جائے۔

آنحضرت ﷺ مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے لیکن وہاں بھی کوئی حق کا سننے والا نہیں تھا، بازار اور راستہ میں شریروں نے آپ کو پتھر مارے، یہاں تک کہ قدم مبارک خون آلود ہو گئے، آپ مکہ واپس آ رہے تھے کہ فرشتہ جبال نے آپ کو ندا دی کہ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں سے ان کو چکنا چور کر دیا جائے رحمت عالم ﷺ اب بھی مایوس نہ ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ابھی وہ معجزۂ ہلاکت ظاہر نہ ہو، شاید کہ ان کی نسل سے کوئی توحید کا پرستار پیدا ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! احد کے علاوہ آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ دن جب میں نے طائف کے سردار عبد یالیل کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور اس نے انکار کیا میں مغموم واپس آ رہا تھا کہ فرشتہ جبال نظر آیا۔'' اور اس کے بعد آپ نے کفار کی ہلاکت کے لیے فرشتہ جبال کی اجازت طلبی اور اپنا جواب بیان کیا۔ [2] آنحضرت ﷺ اس دن کو ایام مصائب کی تاریخ میں سب

---

[1] نسائی، کتاب الجهاد، باب وجوب الجهاد: ۳۰۸۷ اور ترمذی تفسیر آیت بالا: ۳۱۷۱ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے ''س''۔

[2] مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب ما لقی النبی ﷺ من اذی المشرکین: ٤٦٥٣ وبخاری، کتاب بدء الخلق: ۳۲۳۱۔

سے زیادہ سخت فرماتے ہیں، بظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے طائف کی تکلیف کو سخت ترین دن فرمایا لیکن واقعہ یہ نہیں ہے اس سے بھی زیادہ تکالیف اور مصیبت کی گھڑیاں آپ پر آئی ہیں بلکہ اس لحاظ سے آپ اس کو سخت ترین دن قرار دیتے ہیں کہ یہ قریش کی فرصت اور مہلت کی اخیر گھڑی تھی اور اب معجزۂ ہلاک ان کے سر پر تھا اور رحمت عالم ﷺ کو اس کا صدمہ تھا، تاہم قریش کو اب آخری عذاب کی اطلاع دی گئی تھی اور وہ نادان استہزا کرتے تھے، جیسا کہ دوسری قومیں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کرتی آئی ہیں۔ کفار قریش آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر کہتے تھے جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ کیوں نہیں آتا؟ اگر تم میں قدرت ہے تو وہ عذاب لاؤ اور اپنی صداقت کی یہ آخری نشانی بھی دکھادو:

﴿ وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ ۖ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:۲۰)

''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اترتا۔ اے پیغمبر کہہ دے کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے، تم اس کے ظہور کا انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔''

کبھی آ کر کہتے:

﴿ أَوْ تُسْقِطَ ٱلسَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِىَ بِٱللَّهِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةِ قَبِيلًا ۝ ﴾

(۱۷/ بنیٓ اسرآئیل:۹۲)

''یا جیسا تم کہا کرتے ہو، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔''

﴿ لَّوْ مَا تَأْتِينَا بِٱلْمَلَٰٓئِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۷)

''اگر تم سچے ہو تو کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتے۔''

خدا نے جواب میں کہا:

﴿ وَمَا كَانُوٓا۟ إِذًا مُّنظَرِينَ ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۸)

''جب فرشتے آ جائیں گے تو پھر انہیں مہلت نہ دی جائے گی۔''

کفار قریش کو معجزۂ عذاب کے دیکھنے کی جلدی تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیشین گوئی سراسر جھوٹ ہے، خدا نے کہا جب تک پیغمبر کی آمد کی برکات ختم نہ ہو جائیں یعنی تمام افراد صالحہ الگ نہ ہو جائیں گے عذاب نہیں آئے گا۔

﴿ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِٱلسَّيِّئَةِ قَبْلَ ٱلْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ ٱلْمَثُلَٰتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو

مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ (۱۳/ الرعد:٦)

''اور کفار جلدی چاہتے ہیں تجھ سے بھلائی سے پہلے برائی، حالانکہ ان سے پہلے گزشتہ قوموں میں اس قسم کے واقعات گزر چکے ہیں اور تیرا رب لوگوں کی گناہگاری کے باوجود ان کو معاف کرتا ہے اور تیرا رب بڑے عذاب والا بھی ہے۔''

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے معجزہ کا ذکر کر کے کہتا ہے:

﴿ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ﴾ (۲٦/ الشعرآء:۲۰۱ تا ۲۰۸)

''وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک دکھ کا عذاب نہ دیکھ لیں گے پھر یہ عذاب اچانک ان پر اس طرح آ جائے گا کہ ان کو خبر (نہیں) ہونے پائے گی تو اس وقت کہیں گے کہ ہم کو مہلت بھی کچھ مل سکتی ہے؟ کیا یہ کفار ہمارا عذاب جلد مانگتے ہیں، بھلا دیکھ تو اگر ہم نے ان کو چند سال فائدہ اٹھانے کا موقع دے بھی دیا اور پھر ان پر وہ عذاب آ گیا جس کا وعدہ تھا تو کیا ان کی یہ دولت ان کے کچھ کام آئے گی؟ ہم نے کسی آبادی کو ہلاک نہیں کیا لیکن اس کو ڈرسنانے والے پہلے موجود تھے۔''

یعنی اس اصول کی بنا پر کہ قوموں کی ہلاکت سے پہلے ان کے اندر ایک ڈرسنانے والا مامور ہوا کرتا ہے، قریش میں بھی ایک ڈرسنانے والا آ گیا اگر وہ اس کی نہ سنیں گے تو پچھلی قوموں کی طرح وہ بھی نیست و نابود ہو جائیں گے۔ سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ قریش کو مختلف قوموں کے حالات سنا کر کہتا ہے:

﴿ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (۲۲/ الحج:٤٥ تا ٤٩)

''تو کتنی بستیاں ہم نے برباد کیں اور وہ گناہگار تھیں اور اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھی پڑی ہیں اور کتنے کنویں بے کار پڑے ہیں اور کتنے اونچے اونچے محل خراب اور ویران ہیں، کیا یہ کافر

زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے پاس دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے کیونکہ آنکھیں کچھ اندھی نہیں ہوتی ہیں (کہ ان کو یہ عبرتناک مناظر سوجھائی نہ دیتے ہوں) مگر وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں اور یہ کافر تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہ ٹالے گا اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گناہگار تھیں پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے، کہہ دے اے لوگو! میں تو صاف صاف تم کو ڈر سنانے والا ہوں۔''

قرآن نے رؤسائے قریش کی طرف اشارہ کرکے پوچھا:

﴿ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ﴾ (۳۵/ فاطر: ۴۳)

''کیا وہ پہلی قوموں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔''

چنانچہ گزشتہ قوموں کے قانون کے پورے ہونے کے دن آ گئے ہیں یعنی رسول اور مومنین کو گناہگار قوم کی آبادی کے اندر سے نکل جانے کی اجازت ملی، کیونکہ جیسا پہلے گزر چکا ہے، جب تک رسول اپنی قوم سے ہجرت نہیں کرتا عذاب و ہلاکت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا، چنانچہ کفار قریش کو جو اس نشان کے دیکھنے کے لیے بے تاب تھے، پہلے ہی یہ جتا دیا گیا تھا:

﴿ وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝ ﴾

(۱۷/ بنی اسرآءیل: ۷۶، ۷۷)

''اور اگر وہ اس زمین سے تجھ کو گھبرانے لگے ہیں، تاکہ تجھ کو یہاں سے نکال دیں تو یاد رہے کہ تیرے چلے جانے کے بعد بہت کم پھر ٹھہر سکیں گے تجھ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کی یہ سنت ہے اور خدا کی سنت کو تم مٹا نہ پاؤ گے۔''

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش ادھر ادھر بیٹھے ہنسی، دل لگی کی باتیں کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا کہ کون مذبح میں جا کر وہاں سے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائے گا؟ چنانچہ ایک شریر نے یہ خدمت انجام دی اور جب آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو وہ نجاست آپ کی پشت مبارک پر ڈال دی، آنحضرت ﷺ اس بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے اور کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے بے خود ہوئے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس موقع پر موجود تھے، کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھ رہا تھا لیکن مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں ان کے سامنے کچھ کر سکتا، اسی اثنا میں ایک شخص نے جا کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی جو اس زمانہ میں بچی تھیں وہ آئیں اور اس نجاست کو ہٹایا تو آپ ﷺ نے

سر اٹھایا[1] یہ پہلا موقع ہے کہ سرور عالم ﷺ رؤسائے قریش کے ایمان سے قطعاً مایوس ہوتے ہیں اور یہ اس لیے نہیں کہ آپ کے جسم مبارک کو تکلیف پہنچی بلکہ اس لیے کہ وہ نماز (یعنی مشاہدۂ جمال الٰہی) میں جو اس دنیا میں آپ کی محبوب ترین چیز تھی خلل انداز ہوئے۔ قرآن نے کہا:

﴿ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۭ﴾ (۹۶/ العلق:۹۔۱۰)

''کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندہ الٰہی کو نماز سے روکتا ہے۔''

یہ رؤسائے قریش کی مہلت کا اخیر لمحہ تھا، آنحضرت ﷺ نے بلند آواز میں بددعا کی اور اس آخری معجزۂ ہلاک کی درخواست کی مگر پھر بھی رحمت عالم ﷺ کی شفقت دیکھئے کہ حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی طرح پوری قوم کی تباہی و بربادی کی دعا نہیں مانگی، بلکہ صرف قریش کے رئیسوں کے حق میں بددعا کی اور ان میں سے بھی سات رئیسوں کے نام لیے اور فرمایا ''خداوندا! قریش کے سرداروں کو لے، خداوندا! ابوجہل، عتبہ، شیبہ، عقبہ بن معیط، امیہ بن خلف، ولید بن عقبہ اور ابی بن خلف کو پکڑ۔'' یہ بددعا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے۔[2]

اب سنت الٰہی کے مطابق معراج کے ساتھ ہجرت کی دعا آپ ﷺ کو بتائی گئی:[3]

﴿ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل:۸۰)

''خداوندا! مجھ کو خوبی سے کہیں پہنچا اور خوبی سے نکال اور اپنے پاس سے مجھے ایک مدد کرنے والی طاقت عطا کر۔''

یہ دعا مقبول ہوئی اور بشارت آئی:

﴿ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۸۱)

'' حق آ گیا اور باطل ہٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کو ہے۔''

انبیا کی سنت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اپنے متبعین کے ساتھ ہجرت فرمائی اور جس دن کا انتظار تھا وہ آ گیا، قرآن نے کہا رؤسائے قریش پر آیت عذاب کے نازل ہونے کے لیے ہجرت کا انتظار تھا، وہ ہو چکی اور اب کوئی مزید انتظار نہیں۔

﴿ وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ۭ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجهاد و السیر، باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین:۴۶۴۹۔

[2] بخاری، کتاب الوضوء، باب اذا القی علی ظهر المصلی......:۲۴۰ اور مسلم باب ما لقی النبی ﷺ من اذی المشرکین:۴۶۴۹۔ [3] ترمذی، ابواب التفسیر: ۳۱۳۹ اور مستدرک حاکم، باب الهجرة، ج۳، ص:۳ میں تصریح ہے کہ یہ دعائے ہجرت ہے۔

خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۚ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ﴾ (۸/ الانفال: ۳۰ تا ۳۴)

’’اور جب (اے پیغمبر) منکرین داؤ کر رہے تھے تیری جان لینے کا کہ وہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا جلا وطن کر دیں وہ داؤ کرتے ہیں اور خدا بھی داؤ کرتا ہے اور خدا داؤ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں، ہاں ہم نے سنا، اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں، یہ تو فقط اگلوں کی کہانیاں ہیں اور جب وہ کہتے ہیں کہ اے خدا! اگر یہ قرآن حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش کر یا کوئی اور بڑا عذاب ہم پر لا اور خدا ان پر (ہجرت سے پہلے) کیونکر عذاب کرتا، جب کہ تو ان میں تھا اور خدا ان پر عذاب کرنے والا نہیں ہے، درآنحالیکہ وہ مغفرت چاہتے ہوں اور خدا ان پر عذاب کیوں نازل نہ کرے گا، جب وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کی تولیت کے مستحق نہیں، اس کے مستحق صرف پرہیزگار ہیں۔‘‘

غزوۂ بدر معجزۂ ہلاک تھا

جس طرح دوسری قوموں کے لیے مختلف معجزات عذاب، آئے اسی طرح جس قوم میں آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تھے، اس کے لیے غزوۂ بدر معجزۂ عذاب تھا، ہجرت سے قبل آنحضرت ﷺ کی بددعا سے پہلے قریش پر قحط کا عذاب آیا، جو اس قدر سخت تھا کہ بھوک سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا، آسمان کی طرف دیکھتے، تو دھواں سا نظر آتا تھا بعض رؤسائے قریش نے خدمت نبوی ﷺ میں آ کر کہا کہ محمد (ﷺ)! تم رحمت و شفقت اور صلہ رحمی کی دعوت دیتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ اس قحط سے قریش کا کیا حال ہے؟ آنحضرت ﷺ نے دعا کی اور یہ بلا دور ہوئی [1] مگر پھر قریش کی سرگردانی کا وہی عالم ہو گیا تو ان کے لیے معجزہ عذاب کے سوا کوئی اور طریقہ علاج باقی نہ رہا، چنانچہ ہجرت کے بعد بدر کا بطشۂ کبریٰ (بڑی پکڑ) ان کے لیے ہلاکت کی نشانی قرار پائی، قرآن مجید نے ہجرت سے پہلے مکہ میں اپنا یہ اعلان عام سنا دیا تھا، جس میں پہلے اس قحط کی پھر اس کے گڑگڑانے کی اور اس کے بعد غزوۂ بدر کی پیشین گوئی کی تھی:

﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ۚ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ حم الدخان: ۴۸۲۴۔

عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ﴾

(٤٤/ الدخان: ١٠ تا ١٧)

''اس دن کی راہ دیکھ جب آسمان صاف دھواں کرلاوے جو لوگوں کو گھیر لے، اس وقت کہا جائے گا، یہ ہے دکھ کی مار، تب گڑ گڑائیں گے کہ خداوند! ہم سے یہ عذاب دور کردے، ہم ایمان لاتے ہیں، کہاں ہے ان کے لیے سمجھنا، حالانکہ ان کے پاس کھول کے سنانے والا رسول آچکا تو اس سے پیٹھ پھیری اور کہا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے، اچھا ہم تھوڑے دنوں کے لیے عذاب کو دور کردیتے ہیں تم پھر وہی کرنے والے ہو انتظار کرو اس دن کا جب ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے، ہم بدلہ لینے والے ہیں اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں۔''

ان آیات کریمہ میں پورے واقعہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے اور آخر میں یہ بھی ظاہر کردیا گیا ہے کہ بطش اکبران رؤسائے قریش کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو فرعون کے لیے غرق بحر کی حیثیت تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیتیں قریش کی شان میں نازل ہوئی ہیں، قریش نے جب نافرمانی کی تو آنحضرت ﷺ نے خدا سے دعا کی کہ ''اے خدا! ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے سات برس والے قحط کی طرح قحط نازل کر۔'' چنانچہ مکہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ بھوک سے آسمان اور قریش کی آنکھوں کے درمیان دھواں سا اڑتا نظر آتا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے آکر دعا کی درخواست کی چنانچہ آپ نے دعا کی اور بارش ہوئی۔ خدا نے کہا کہ وہ پھر اپنی پہلی حالت پر آجائیں گے یعنی ایمان نہ قبول کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بطشۃ الکبریٰ (بڑی پکڑ) کا دن مقرر فرمایا، یعنی بدر۔ [1]

یاد ہوگا کہ صحن حرم میں رؤسائے قریش جو نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، آپ نے ان کا نام لے لے کر ہر ایک کے حق میں بددعا کی تھی، اس سے پہلے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آئے، ہجرت کے بعد ہی آپ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا اعلان کردیا تھا، بدر سے پہلے حضرت سعد انصاری رضی اللہ عنہ عمرہ کو گئے تھے ابوجہل نے ان کو روکا، امیہ نے بیچ میں دخل دینا چاہا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''امیہ تم دخل نہ دو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔'' یہ سن کر امیہ ڈر گیا، چنانچہ جب بدر کا موقع پیش آیا تو اس نے جانے میں پس وپیش کیا، لوگوں کے طعن سے اس نے جانا چاہا تو اس کی بیوی نے دامن تھام لیا اور کہا: ''کیا تم کو اپنے یثربی دوست کی بات یاد نہیں؟'' [2]

جب غزوۂ بدر کے لیے آپ ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے تو اس وقت جیسا کہ پہلی جلد میں تفصیل

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورۃ حم الدخان: ٤٨٢١۔ [2] صحیح بخاری، کتاب المغازی: ٣٩٥٠۔

گزر چکی ہے، مسلمانوں کے سامنے قریش کی دو جمعیتیں تھیں، ایک قریش کا شامی قافلہ جو مدینہ کی راہ سے گزر کر مکہ جارہا تھا، دوسرا رؤسائے قریش کا جنگی لشکر جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلا تھا، خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان دو جمعیتوں میں سے ایک ان کے ہاتھ لگے گی، عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ ان کے ہاتھ آئے گا لیکن حضور انور ﷺ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج معمولی فتح وشکست کا نہیں بلکہ اس بطشۃ الکبریٰ کا دن ہے جس کا بارگاہ الٰہی میں مدت سے وعدہ تھا۔ رات کو جب مسلمان بدر کے پڑاؤ پر پہنچے ہیں تو انہیں یہ فکر ہوئی کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پتہ لگایا جائے، چنانچہ مسلمان مخبر ادھر ادھر گئے اور ایک چرواہے کو پکڑ لائے اور اس سے قریش کے قافلے کا حال پوچھنے لگے، اس نے جواب دیا کہ ''قریش کے قافلہ کا تو مجھے علم نہیں، البتہ ان کا لشکر ادھر پڑا ہے۔'' یہ سن کر مسلمانوں نے اس کو مارا کہ یہ ہم سے صحیح حال چھپاتا ہے مار کھانے پر اس نے کہا، اچھا ٹھہرو قافلہ کا حال بتاتا ہوں۔ جب لوگ اس کو چھوڑ دیتے تو وہ پھر یہی کہتا کہ مجھ کو قافلہ کی خبر نہیں، البتہ یہ جانتا ہوں کہ ادھر قریش کا لشکر سامنے پڑا ہے۔ آنحضرت ﷺ نماز میں مصروف تھے، اس سے فراغت ہوئی تو فرمایا: ''جب وہ جھوٹ کہتا ہے تو تم چھوڑ دیتے ہو اور جب وہ سچ کہتا ہے تو تم مارتے ہو۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ قریش کی تباہی کا دن ہے، یہ ابوجہل کا مقتل ہے، یہ عتبہ کا ہے، یہ ابی کا ہے وغیرہ۔'' راوی کہتا ہے کہ آپ نے جس کا مقتل جہاں متعین فرمایا تھا ایک سرمو فرق وہاں سے اس نے تجاوز نہیں کیا اور معرکۂ جنگ میں وہ وہیں مرا پڑا ملا۔ حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ جو صحن حرم کی بددعا کے دن موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ عرب کے ساتوں رئیس جن کے حق میں آپ نے بددعا کی تھی کل کے کل بدر کے میدان میں ڈھیر ہو گئے [1] اور بطشۃ الکبریٰ کے انتقام کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ سورۂ انفال جس میں بدر کے تمام واقعات کا ذکر ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہی وہ فیصلہ کا دن تھا جس کا مدت سے انتظار تھا:

﴿ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ ﴾ (۸/ الانفال:۷، ۸)

''اور خدا جو چاہتا ہے کہ حق کو اپنی بات سے مستحکم کر دے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے تا کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دے گا اگرچہ گناہ گار اس کو پسند نہ کریں۔''

وسط سورہ میں فرمایا:

﴿ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ ﴾

(۸/ الانفال:۵۲)

''یہ ویسا ہی ہوا جیسا فرعون والوں کا اور ان سے پہلوں کا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی

[1] یہ دونوں واقعے صحیح بخاری، کتاب المغازی: ۳۹۶۰ ومسلم، کتاب الجهاد، باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین: ٤٦٤٩ میں موجود ہیں۔

نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر دیا۔"

یہ فیصلہ کا دن تھا:

﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾ (۸/ الانفال:۴۱)

"اور جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن اتارا جس دن دونوں لشکر آمنے سامنے بھڑے۔"

یہ سب اس لیے ہوا کہ

﴿ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ﴾ (۸/ الانفال:۴۲۔۴۴)

"تا کہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو پہلے مقرر کیا جا چکا تھا۔"

نکتہ: بدر کے میدان میں جب تین سو بے سروسامان مسلمان ایک ہزار، لوہے میں غرق فوج سے مقابل تھے، آنحضرت ﷺ نے بھی اسی قسم کی بددعا مانگی، جیسی حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غرق سے پہلے اپنی اپنی قوم کے لیے مانگی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: "خداوند! اب زمین پر کوئی کافر بسنے والا نہ چھوڑ کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے تیرے نام کی تقدیس نہ ہوگی اور نہ ان کی نسل سے کوئی تیرا نام لینے والا پیدا ہوگا۔" (۷۱/ نوح:۲۶۔۲۷) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: "خداوند! ان کے دل سخت کر دے جب تک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے۔" (۱۰/ یونس:۸۸) لیکن اس موقع پر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو فقرہ نکلا وہ یہ تھا کہ "خداوندا! اپنا وعدہ پورا کر، اگر یہ مٹھی بھر مسلمان تباہ ہو گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ ملے گا۔" [1] حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے براہ راست اپنی اپنی قوم کی تباہی کی دعا مانگی لیکن رحمت عالم ﷺ نے اب بھی دعا مانگی تو صرف اہل توحید کی فتح ونصرت کی دشمنوں کی تباہی و بربادی کی نہیں۔

حاکم نے مستدرک (جلد۳ صفحہ۲۱) میں بہ روایت صحیحہ نقل کیا ہے کہ بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے اور آپ نے ان کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا اور مختلف صاحبوں نے مختلف رائیں پیش کیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کفار قریش اپنے انہی بھائیوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے تھے (یعنی گزشتہ انبیا کی امتوں میں) نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ "خداوند! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی آباد گھر والا باقی نہ رکھ۔" (۷۱/ نوح:۲۶۔۲۷) موسیٰ علیہ السلام نے کہا: "ہمارے پروردگار! ان کی دولت کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔" (۱۰/ یونس:۸۸) ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو خدا غفور و رحیم ہے۔" (۱۴/ ابراہیم:۳۶) عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: "الٰہی اگر تو ان (نافرمانوں) پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو غالب اور دانا ہے۔"

[1] صحیح مسلم، كتاب الجهاد، باب الامداد بالملائكة فی غزوة بدر واباحة الغنائم: ۴۵۸۸۔

(۵/ المآئدہ: ۱۱۸) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ ’’تم لوگ وہ قوم ہو جس میں فریب اور دغا سے قتل کر دینے کا رواج ہے تو تم میں سے کوئی زرفدیہ یا اپنا سر دیے بغیر لوٹ کر نہ جا سکے گا۔‘‘
اس روایت سے ہمارے اصول مذکورہ کی حرف حرف تائید ہوتی ہے، یعنی یہ کہ

① بدر قریش کے لیے ویسا ہی عذاب ہلاکت کا دن تھا، جیسا گزشتہ قوموں پر ہلاکت کے لیے دن آیا کئے ہیں۔

② آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر دو قسم کے انبیا علیہم السلام کے نام اور ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے، ایک وہ جنہوں نے سخت گیری کا پہلو اختیار کیا، مثلاً: حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام اور دوسرے وہ جنہوں نے نرمی کا اظہار کیا، مثلاً: حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں سے بیچ کی راہ اختیار کی۔

سحر اور معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز

گزشتہ صفحات میں انبیا علیہم السلام کے جو خصائص و امتیازات اور علامات و آثار بتائے گئے ہیں ان سے خود سحر و معجزہ کا فرق اور ساحر و پیغمبر کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے، سحر و شعبدہ صرف دل لگی کے آنی تماشے ہوتے ہیں، لیکن معجزات و آیات قوموں اور جماعتوں کے صلاح و فساد تعمیر و تخریب، ترقی اور تنزل کے اسباب و سامان ہوتے ہیں، ساحر کا مقصد کسی غیر معمولی واقعہ کا صرف حیرت انگیز طریقہ سے اظہار ہوتا ہے، تاکہ وہ دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لیے متحیر کر دے، لیکن پیغمبر کا مقصد اپنے ان حیرت انگیز اعمال سے دنیا کی اصلاح، قوموں کی دعوت، جماعتوں کی تہذیب اور دین الٰہی کی تقویت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا پیغمبر، بشیر، نذیر، مزکی، ہادی، سراج منیر اور شاہد عالم ہوتا ہے، ساحر ان تمام اوصاف سے خالی ہوتا ہے اور حیرت انگیز تماشا گری کے سوا اور کوئی ممتاز بات اس کے اندر نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں سحر کے متعلق جس قدر بیانات ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سحر کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا اور تخیل اور نظر بندی سے زیادہ اس کو وقعت نہیں دیتا۔ ہاروت و ماروت کے قصہ میں سحر کے زور و قوت کا منتہا یہ بیان کیا ہے:

﴿ مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ ﴾ (۲/ البقرۃ:۱۰۲)

’’سحر کا وہ فن سیکھتے ہیں جس سے خاوند اور اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں اور یہ کسی کو حکم الٰہی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہے اور نفع نہیں پہنچاتی۔‘‘

غرض سحر و جادو کوئی مؤثر حقیقی شے نہیں سورۂ طٰہٰ میں نہایت تصریح کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خیال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں:

﴿ حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۶۶)

''پھر ناگاہ مصر کے جادوگروں کی رسیاں لاٹھیاں اور ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں معلوم ہونے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔''

حکم ہوا کہ موسیٰ تم بھی اپنا عصائے اعجاز ڈال دو نتیجہ یہ ہوا کہ حق نے باطل پر فتح پائی:

﴿ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ۝ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ۝ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۶۸، ۶۹)

''ہم نے کہا، موسیٰ! ڈرو نہیں تم ہی سربلند رہو گے تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے تم اس کو ڈال دو وہ ان کی صنعت کاری کو نگل جائے گا بے شک جادوگروں نے جو صنعت کی تھی وہ جادو کا فریب تھا اور جادوگر جدھر سے بھی آئے وہ فلاح نہیں پا سکتا۔''

ساحر اور نبی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق و امتیاز بتایا وہ یہی ہے کہ نبی فلاح پاتا ہے اور جادوگر فلاح نہیں پاتا، نبی کے تمام اعمال، مساعی، جدوجہد اور معجزات کا مرکز و محور فلاح اور خیر ہوتا ہے اور جادوگر کا مقصد صرف فریب، دھوکا اور شر ہوتا ہے، دوسری جگہ ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو دہرایا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کے جادوگروں سے کہتے ہیں:

﴿ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ ﴾

(۱۰/ یونس:۸۱)

''جو تم لائے ہو وہ جادو ہے، اللہ اس کو باطل کر دے گا، بے شک اللہ شریروں کے کام کو نہیں سنوارتا۔''

یعنی وہ سحر و جادو ایک آنی تماشا ہوتا ہے اور اعجاز کا اثر دائمی ہوتا ہے اور اس کے نتائج دنیا میں نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز کو دیکھ کر کہا کہ یہ سب جادو کے کرشمے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿ أَسِحْرٌ هَٰذَا ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:۷۷)

''کیا یہ جادو ہے اور جادو کرنے والے تو فلاح نہیں پاتے۔''

غرض ''فلاح'' اور ''عدم فلاح'' سحر اور اعجاز کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے۔

کفار آنحضرت ﷺ کی نسبت کہتے تھے کہ یہ شیطان کی قوت سے یہ کلام پیش کرتے ہیں اور ان کے

کلام کا سرچشمہ شیطان کی تعلیم ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا کہ اس حقیقت کا امتیاز کہ اس کا منبع اور سرچشمہ خیر ہے یا شر اور یہ شیطان کی قوت کا نتیجہ ہے، یا ملکوتی طاقت اس کا مظہر ہے، نہایت آسان ہے اور خود مدعی کی زندگی اور اس کے اخلاق و اعمال اس کے شاہد عدل ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کے مطابق درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ان دونوں قوتوں کے درمیان تفریق کچھ زیادہ نہیں، خدا نے کہا ''ہم بتائیں شیطان کس پر اترتے ہیں؟''

﴿ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۭ ﴾

(۲۶/ الشعرآء: ۲۲۲، ۲۲۳)

''شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنا ہگار پر، لا ڈالتے ہیں وہ سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔''

یعنی نبی اور متنبی کا فرق خود اس کی اخلاقی زندگی ہے علاوہ ازیں افترا پرداز اور شریر کے کام کو مستقل اور دائمی زندگی عطا نہیں ہوتی:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۭ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

(۱۶/ النحل: ۱۱۶، ۱۱۷)

''جو لوگ کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے چند روزہ کامیابی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

معجزات اور نشانات سے کن لوگوں کو ہدایت ملتی ہے

معجزات و دلائل، آیات اور آثار سے ہدایت کن لوگوں کو عطا ہوتی ہے، قرآن مجید نے ان کے اوصاف و شرائط بیان کیے ہیں:

① سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کو خدا پر ایمان ہو اگر اس کو سرے سے خدا پر ایمان نہیں تو اس کو معجزہ سے ہدایت نہیں مل سکتی، اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ پہلے کائنات کے اسرار و عجائب کو دیکھ کر ایک قادر مطلق ہستی کے وجود پر یقین کرے، اس کے بعد معجزات اور نشانیوں کے ذریعہ سے اس کو نبوت کے باب میں ہدایت نصیب ہوگی:

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

(۱۰/ یونس: ۱۰۱)

''کہہ اے پیغمبر! کہ غور سے دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے۔''

② دوسری چیز جو آیات اور نشانیوں سے عبرت پذیر نہیں ہونے دیتی وہ خودی اور تکبر ہے معاندین چونکہ عموماً دولت مند رؤسا اور مدعیان عقل و خرد ہوتے ہیں اس لیے ان کا جذبہ انانیت ان کو داعیان حق کے علم کے نیچے کھڑے ہونے سے باز رکھتا ہے، اس بنا پر آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس جذبہ سے پاک ہوں معاندین نے ہمیشہ انبیا، کو کہا ﴿ اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ﴾ (٥٤/ القمر:٢٤) ”یہ پیغمبر تو ہماری طرح ایک آدمی ہے کیا ہم اس کی پس روی قبول کر لیں۔“ مصر کے بادشاہ اور سرداروں نے اسی جذبہ کی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور ان کو گونا گوں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ہدایت نہیں ملی:

﴿ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ ﴾

(٢٣/ المومنون: ٤٥ تا ٤٧)

”پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نشانیاں اور کھلی قوت دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے غرور کیا اور وہ مغرور لوگ تھے تو انہوں نے کہا: کیا ہم اپنی ہی طرح کے آدمیوں پر ایمان لائیں درآنحالیکہ ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے منکروں اور خود پسندوں کی نسبت اپنا یہ فیصلہ سنا دیا:

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ ﴾ (٧/ الاعراف: ١٤٦)

”ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیوں کے سمجھنے سے پھیر دیں گے جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ تمام نشانیوں کو دیکھ بھی چکیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔“

قریش کے معاندین جو اپنی قوم کے رؤسا، اکابر اور اہل دولت تھے وہ بھی ان نشانیوں سے اسی لیے ہدایت نہ پا سکے کہ ان کو ایک غریب و مفلس اور بے یار و مددگار انسان کی پیروی گوارا نہ تھی وہ کہتے تھے کہ اگر نبوت ہوتی تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو ملتی:

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾

(٤٣/ الزخرف: ٣١)

”اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔“

سب سے آخری چیز جو ان آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتی ہے وہ دل کا قبول حق کی طرف میلان ہے۔ بڑے سے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب معجزات ان لوگوں کے

نزدیک سحر و جادو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے جن کے دل انابت اور رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی ہیں:

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴾ (۱۳/ الرعد:۲۷)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری کہدے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اسی کو اپنی راہ دکھاتا ہے جو خدا کی طرف اپنے کو رجوع کرتا ہے۔''

اگر قبولیت اور اصلاح کی یہ استعداد نہ ہو تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی باطل پرستی سے زیادہ نہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر گمراہی کے شقاوت کی مہر لگی ہوئی ہے۔

مشرک جو کسی مذہب حق کو نہیں مانتے اور علم سے بے بہرہ ہیں ان کا یہی حال ہے:

﴿ وَلَئِن جِئْتَهُم بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ۝ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾ (۳۰/ الروم:۵۸، ۵۹)

''اور (اے پیغمبر ﷺ)! اگر تو ان کے پاس کوئی نشانی لائے تو وہ جو منکر ہیں کہیں گے کہ تم فریبی ہو اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے۔''

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت کے طلب ثبوت میں یہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہم ان کو پیغمبر برحق تسلیم نہ کریں گے جب تک اسی قسم کے معجزے وہ نہ دکھائیں جیسے ان پیغمبروں نے لوگوں کو دکھائے تھے قرآن کہتا ہے کہ فرض کرو کہ صرف ان ہی جیسے معجزوں سے پیغمبری کی سچائی تسلیم کی جاسکتی ہے، تو ان پیغمبروں نے تو وہی معجزے دکھائے تھے پھر ان کو دیکھ کر ان کے زمانہ کے کل منکرین کیوں ایمان نہ لے آئے اور آخر تک وہ ان کو جادوگر ہی کیوں سمجھتے رہے:

﴿ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ ۚ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۖ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ ۝ ﴾

(۲۸/ القصص:۴۸)

''تو جب ہماری طرف سے سچائی ان کے پاس آئی تو انہوں نے کہا، کیوں نہیں (محمد ﷺ کو) ویسی ہی چیز دی گئی جیسی موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، کیا موسیٰ کو جو چیز دی گئی تھی اس کا انکار منکرین پہلے نہیں کر چکے انہوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہیں جو باہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں ہم ان سب کے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔''

صداقت کی نشانی صرف ہدایت ہے

قرآن مجید نے اس کے بعد ہی کہا کہ صداقت کی نشانی صرف ہدایت وراہنمائی ہے کہ مدعی جو پیغام اور جواحکام پیش کرتا ہے وہ انسانوں کوفلاح ،نجات اور رشد کی طرف لے جاتے ہیں اور جوان سے انکار کرتے ہیں وہ ظالم اور خودسر ہیں ان کو ہدایت کی سعادت نہیں ملتی:

﴿ قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ ﴾ (۲۸/ القصص:۴۹، ۵۰)

’’کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ)! کہ اگر تورات اور قرآن دونوں جھوٹی کتابیں ہیں اور تم سچے ہوتو ہدایت میں ان سے بڑھ کر کوئی ایسی کتاب الٰہی لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں تو اگر وہ تمہارے اعلان کے مطابق نہ کر دکھائیں تو جان لے کہ یہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے اللہ خودسر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔‘‘

آیات ودلائل نبوی ﷺ کی تفصیل

''معجزہ'' کے ہر پہلو پر کلی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد اب موقع آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام مافوق فہم بشری سوانح وواقعات کی تفصیل کی جائے، یہ سوانح وواقعات دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو حقیقت میں لوازم نبوت ہیں اور کم وبیش ہر پیغمبر کو وہ ایک ہی طرح پیش آئے ہیں ہم نے ان کا نام ''خصائص النبوۃ'' رکھا ہے، دوسری قسم میں وہ جزئی واقعات داخل ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالات زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے ہیں اور جن کو اصطلاح عام میں معجزات کہتے ہیں۔

ہم نے ان معجزات کو ان کے استناد اور ماخذ کی حیثیت سے تین مختلف ابواب میں منقسم کر دیا ہے پہلے میں وہ معجزانہ واقعات ہیں جو بنص صریح یا اشارۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ دوسرا باب ان معجزات کا قرار دیا ہے جو صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہیں اور تیسرے باب میں ان معجزات پر بحث کی ہے جن کو تو بعض محدثین اور ارباب سیر نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے مگر محدثانہ اصول کی بنا پر وہ تمام تر کمزور اور غیر مستند ہیں اس کے بعد کتب سابقہ کی وہ پیشین گوئیاں درج ہیں جو آنحضرت ﷺ کی آمد کے متعلق ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور سب سے آخر میں خصائص محمدی ﷺ کا باب ہے اس تفصیل کے مطابق آئندہ اوراق کی ترتیب حسب ذیل صورت ہوگی:

1. خصائص النبوۃ۔
2. وہ آیات ودلائل جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔
3. صحیح اور مستند روایتوں سے جو آیات ودلائل ثابت ہیں۔
4. غیر مستند روایتیں اور ان پر تنقید۔
5. کتب سابقہ کی بشارتیں۔
6. خصائص محمدی ﷺ۔

خصائص النبوۃ

دنیا میں ہر جنس اور نوع کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، جن سے وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتی ہیں، وہ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے اس جنس اور نوع کی کوئی فرد خالی نہیں ہوتی، اسی طرح نبوت کی بھی کچھ نہ کچھ خصوصیتیں ہیں جو اس کے لئے بمنزلہ لوازم حقیقت کے ہیں چنانچہ دنیا میں جس قدر پیغمبر کسی نہ کسی قوم اور کسی نہ کسی زمانہ میں آئے ہیں وہ ان خصوصیات سے ہمیشہ ممتاز ہوئے ہیں، مثلاً: یہ کہ خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام وارشاد سے مفتخر اور اپنے احکام سے مطلع فرمایا ہے ان کے ادراک واحساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں ان کو نظر آتی ہیں، عامہ بشر جن آوازوں کو نہیں سن سکتے وہ ان کو سنائی دی ہیں، ملائکہ الٰہی خدا کے قاصد بن کر ان کے پاس آئے ہیں صداقت کے لحاظ سے ان کے خواب و بیداری کا ایک ہی عالم رہا ہے کیونکہ گو ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل نہیں سوتے [1] اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے۔ [2]

آنحضرت ﷺ چونکہ افضل الرسل اور خاتم النبیین تھے اس لئے ان خصوصیات میں سے ہر خصوصیت کا وافر حصہ آپ کو عنایت ہوا تھا اسی لئے مکالمۂ الٰہی، نزول ملائکہ، مشاہدۂ خواب و بیداری وغیرہ خصائص نبوت کے واقعات آپ کی سیرت میں دوسرے انبیا علیہم السلام کی سیرتوں سے بیشتر اور کامل تر نظر آتے ہیں [3] چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اشارات اور احادیث صحیحہ میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں مختلف انبیا علیہم السلام میں ان خصائص کا کم وبیش ہونا بھی قرآن مجید کا فیصلہ ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۵۳)

''ان پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض سے خدا نے باتیں کی، بعضوں کے رتبے بلند کئے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعہ سے اس کی تائید کی۔''

دیکھئے مکالمۂ الٰہی، رفع درجات، عطائے نشان، تائید بروح القدس، یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جن سے خدا کا کوئی فرستادہ محروم نہ تھا، تاہم چونکہ ان میں سے ہر چیز تمام پیغمبروں میں یکساں نہ تھی بلکہ بعض کو ان میں سے کسی چیز کا حصہ وافر دیا گیا تھا اور بعض کو کوئی دوسری چیز زیادہ ملی تھی اس لئے ہر پیغمبر کی طرف اس خاص چیز کی نسبت مخصوص طور سے کی گئی ہے، جس کا ان کی قسمت میں بڑا حصہ آیا تھا، اس سے یہ مقصود نہیں کہ نبوت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، کان النبی ﷺ تنام عینه......: ۳۵۷۰ وکتاب التوحید، باب وکلم اللہ موسی تکلیما: ۷۵۱۷۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام: ۷۲۷۴۔

[3] کما قیل حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضاء داری ۔ آنچه خوبان ہمه دارند تو تنہا داری۔

کے ان خصائص سے کوئی پیغمبر محروم بھی تھا۔

ان خصائص میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ زور وحی اور نزول ملائکہ پر دیا ہے ہر جگہ رسول اور نبی کی گویا تعریف ہی یہی کی ہے کہ ایک ایسا انسان جس کو خدا نے اپنی پیغمبری کے لئے منتخب کیا ہو اور اس پر اپنی وحی نازل کی ہو چنانچہ سورۂ نحل اور سورۂ انبیاء میں تمام پیغمبروں کا مشترک وصف یہ بتایا ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ﴾ (۱۲/ یوسف:۱۰۹)

''اور ہم نے اپنا قاصد بنا کر تم سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا لیکن وہ انسان تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی بھیجی۔''

نزول ملائکہ کی نسبت بھی خدا نے یہ فرمایا: ''وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو اس لئے اتارتا ہے، تاکہ وہ اس کی بات کو ان تک پہنچا دیں۔''

﴿ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ ﴾ (۱٦/ النحل:۲)

''خدا اپنی بات کی روح دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔''

ان کے علاوہ رؤیت و مشاہدۂ غیب اور سیر ملکوت کے احوال و مشاہدہ کا بھی اکثر انبیا علیہم السلام کے سوانح زندگی میں ان کے درجوں اور رتبوں کے مطابق پیش آنا، اسفار و کتب الٰہی سے ثابت ہے جیسا کہ آئندہ اوراق کے مطالعہ سے ناظرین پر روشن ہوگا۔

مکالمۂ الٰہی

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ﴾ (٤٢/ الشورٰی:٥١)

پیغمبروں کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت مکالمہ الٰہی ہے۔ قرآن مجید میں بار بار پیغمبروں کے ساتھ مخاطبہ ربانی اور مکالمۂ الٰہی کی تصریح ہے اور مجموعۂ توراۃ میں ہر پیغمبر کے متعلق اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خدا انبیا سے کلام کیونکر کرتا ہے؟ قرآن مجید کی ایک آیت میں اس کی حسب ذیل تصریح ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴾ (٤٢/ الشورٰی:٥١)

''اور کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے دوبدو کلام کرے لیکن وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے جو اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے، بے شک وہ علی وحکیم ہے۔''

اس آیت میں مکالمۂ الٰہی کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں کلام بالوحی، کلام پس پردہ اور کلام بذریعہ قاصد وفرشتہ، ان ہر سہ اقسام میں سے ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی طریقۂ کلام سے مشرف کیا گیا ہے، بعض پیغمبروں کو خصوصیت کے ساتھ کلام پس پردہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا ہے اسی لئے ان کے فضائل میں تکلم الٰہی کی فضیلت کو مستقل حیثیت دی گئی ہے، مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ ان کی شان میں:

﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ (٤/ النساء:١٦٤)

''اور خدا نے موسیٰ (علیہ السلام) سے باتیں کیں۔''

کی تصریح ہے، ان کو وادی سینا کے ایک درخت سے خدا کی آواز سنائی دی، سورۂ بقرہ میں اس خاص طریقۂ کلام کے دائرہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے چنانچہ پیغمبروں کے وصف میں خدا نے فرمایا:

﴿ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴾ (٢/ البقرہ:٢٥٣)

''ان پیغمبروں میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں۔''

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں کہ کن پیغمبروں کو خدا تعالیٰ نے اس مخصوص طریقۂ کلام سے مشرف کیا اس لئے اس شرف خاص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوسرے انبیا علیہم السلام بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو مکالمۂ الٰہی کے تینوں مذکورۂ بالا طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے، بلکہ واقعہ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا ہے جہاں حبیب ومحبوب کے درمیان قاصد و پیامبر سرے سے بیگانہ تھے، جہاں زمان ومکان اور جلوہ ونگاہ کی شرکت بھی مخل تنہائی تھی، جہاں نہ کوہ سینا تھا، نہ برق طور دشت یمن تھا، نہ نخل وادی صوت سرمدی سامعہ نواز تھی اور حقیقتِ محمدی ﷺ گوشِ سامع ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ﴾ (٥٣/ النجم:١٠)

''پھر اس نے اپنے بندہ سے چپ چاپ باتیں کیں۔ جو باتیں کیں۔''

وحی

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ ﴾ (۵۳/ النجم: ۳، ٤)

گو مکالمۂ الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے ایک وحی بھی ہے، لیکن اسلام کے محاورہ میں وحی کا مفہوم اس قدر وسیع کر دیا گیا ہے کہ مکالمۂ الٰہی کی تمام صورتیں اس کے تحت میں داخل ہوگئی ہیں وحی کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں:

الوحی الاشارة والكتابة والرسالة والالهام والكلام الخفی وكل ما القيته الى غيرك۔ ❶

''وحی کے معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم دوسرے کے خیال میں ڈالو۔''

لکھنا، عجاج کا شعر ہے:

حتی نحاهم جدنا والناحی　　لقدر كان وحاه الواحی ❷

خط اور کتاب، لبید کہتے ہیں:

فمدافع الريان عری رسمها　　خلقا كما ضمن الوحی سلامها ❸

''توریان پہاڑ کے نالوں کے آثار پرانے ہوکر ایسے دھندلے ہوگئے، جیسے پتھر میں لکھی ہوئی عبارت۔''

حکم دینا، عجاج کہتا ہے:

وحی لها القرار فاستقرت　　وشدها بالراسيات الثبت ❹

''زمین کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ٹھہر گئی اور اسے جمے ہوئے پہاڑوں سے جکڑ دیا۔''

چھپا کر بات کرنا، ابوذویب کا شعر ہے:

فقال لها وقد اوحت اليه　　الا للّٰه أمك ما تعيف ❺

''اس مرد نے کہا جب عورت نے اس سے پوشیدہ طریقہ پر گفتگو کی کہ تیری ماں کا کیا کہنا وہ کیا فال بدلتی ہے۔''

اشارہ کرنا: يوحی اليها بانقاض ونقنقة ❻

''وہ مرغ اس مرغی کی طرف کڑکڑا کر اشارہ کرتا ہے۔''

آواز: ابوزبید　　مر تجز الجوف بوحی اعجم ❼

---

❶ لسان العرب، ج۳، ص: ۸۹۲ بیروت۔ ❷ ایضاً۔ ❸ سبع المعلقات کا شعر ہے دیکھئے دیوان لبید بن ربیعة عامری۔ ❹ لسان العرب حواله مندرجه بالا۔ ❺ ایضاً۔

❻ علقمہ کا شعر ہے لسان العرب حواله مندرجه بالا۔ ❼ ایضاً۔

''گھوڑے کے پیٹ سے نہ سمجھنے والی آواز آتی ہے۔''

لیکن اہل لغت کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنی ''دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں۔'' کسائی عرب کا محاورہ بتاتا ہے کہ ''وحیت الیہ بالکلام واوحیہ الیہ ھو ان تکلمہ بکلام تخفیہ من غیرہ۔'' [1] ''یعنی کسی سے اس طرح باتیں کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ۔'' ابواسحاق لغوی کہتا ہے: واصل الوحی فی اللغة کلھا اعلام فی خفاء۔ [2] ''وحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں میں چھپا کر اطلاع دینے کے ہیں۔''

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے اصل مفہوم کے اندر تین معنوں میں آیا ہے:

① فطری حکم:

﴿ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ﴾ (١٦/ النحل:٦٨)

''تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو وحی کیا۔''

﴿ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴾ (٩٩/ الزلزال:٥)

''اس لئے کہ تیرے پروردگار نے ''زمین'' کو وحی کیا۔''

عجاج کے اس شعر میں بھی یہی معنی ہیں:

وحی لھا القرار فاستقرت　　　وشدھا بالراسیات الثبت

''خدا نے زمین کو ساکن رہنے کی ''وحی'' کی تو وہ ساکن ہے اور اس کو مضبوط پہاڑوں سے باندھ دیا ہے۔''

② دل میں بات ڈال دینا:

﴿ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ﴾ (٥/ المائدہ:١١١)

''اور جب میں نے حواریوں کو ''وحی'' کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔''

﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ﴾ (٢٨/ القصص:٧)

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو ''وحی'' کیا کہ اس بچہ کو دودھ پلاؤ۔''

③ چپکے سے بات کرنا:

﴿ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ ﴾ (٦/ الانعام:١١٢)

''یہ ایک دوسرے کی چکنی چپڑی بات ''وحی'' کرتے ہیں۔''

﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ ﴾ (٦/ الانعام:١٢١)

''اور یہ شیطان لوگ اپنے دوستوں کو ''وحی'' کرتے ہیں۔''

---

[1] لسان العرب، ج٣، ص:٨٩٢۔ [2] ایضا، ص ٨٩٢۔

وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ''منہ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا مفہوم سمجھا دینا'' یا اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ادا ہوں کہ دوسرے ان کو نہ سن سکیں''۔ اس لئے اشارہ کرنا، لکھنا، دل میں ڈال دینا، حکم فطری، خط اور کتابت اور جانوروں کا اپنے حرکات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا سب اس کے معنوں میں داخل ہیں۔ بہرحال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کا لفظ جس مذہبی معنی میں مستعمل ہے وہ درحقیقت لغوی معنی کے بہت قریب ہے، چنانچہ خود شعرائے جاہلیت نے اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مکالمۂ الٰہی اور وحی کا آغاز رؤیا اور خواب سے ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

> اول مابدی به رسول الله ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم فکان لایری رؤیا الاجاءَ تُ مثل فلق الصبح۔ [1]
>
> ''آنحضرت ﷺ کے ساتھ وحی کا آغاز اچھے خواب سے ہوا آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔''

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ پر وحی کیونکر آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

> **((احیانا یأتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشده عَلی فیفصم عَنِّی وقد وعیت عنه ما قال واحیاناً یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاعی مایقول))** [2]
>
> ''کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ (جبریل) میرے لئے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اس کو میں محفوظ کر لیتا ہوں۔''

صلصلة الجرس یعنی ''گھنٹہ کی آواز کی طرح آواز کا ہونا'' اس کی تشریح متکلمین اور ارباب باطن نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے لیکن ہم اس کا صاف اور صریح مطلب وہ سمجھتے ہیں جو عوام ہاتف غیب یا منادی غیب کے لفظ سے سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ آواز سنائی دے لیکن کوئی صورت نظر نہ آئے، بانگ جرس کے ساتھ اس کی تشبیہ محض اس بات میں ہے کہ جس طرح دور سے جرس کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کے متعینہ اشاروں سے انسان کچھ سمجھ سکتا ہے حالانکہ جرس یا اس کے بجانے والے کی شکل آنکھوں سے اوجھل یا بہت دور ہوتی ہے، اسی طرح پیغمبر کبھی دور سے منادی غیب کی آواز سنتا ہے لیکن کوئی مجسم شکل اس کے سامنے نہیں ہوتی، اسی کے بالمقابل آپ ﷺ نے وحی کی دوسری صورت بیان فرمائی کہ بولنے والا فرشتہ مجسم ہو کر سامنے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی:۳؛ مسلم، کتاب الایمان: ۴۰۳۔

[2] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی:۲۔

آتا ہے اور وہ باتیں کرتا ہے۔

حدیثوں میں طریقۂ وحی کی اور صورت بھی آئی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان روح القدس نفث فی روعی)) [1]

''روح القدس نے میرے دل میں پھونکا۔''

اور کہیں یہ صیغہ مجہول کے ساتھ آیا ہے:

نفث فی روعی [2] ''میرے دل میں پھونکا گیا۔''

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر وحی کی حسب ذیل قسمیں قرار دی ہیں:

① رؤیائے صادقہ، سچ خواب دیکھنا۔

② نفث فی الروع یا القافی القلب، دل میں پھونکنا، یا دل میں ڈالنا۔

③ صلصلۃ الجرس، گھنٹہ کی طرح آواز آنا۔

④ تمثل فرشتہ کی کسی شکل میں متشکل ہو کر نظر آنا۔

⑤ فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا۔

⑥ وہ طریق مکالمہ جو معراج میں پیش آیا۔

⑦ بلاواسطہ مکالمہ۔ [3]

صحیح بخاری، بدء الوحی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیسری صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے اور پھر وہ شدت جاتی رہتی ہے۔'' آپ پر وحی آتی تھی تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''وحی اترنے کی حالت میں میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی جبینِ مبارک عرق آلودہ ہو جاتی تھی۔'' [4] ایک اور موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ''وحی کی حالت میں آپ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ڈھلکنے لگتے۔'' [5] صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ اس حالت میں جسم مبارک بہت بھاری ہو جاتا تھا سواری کے اونٹ بیٹھ بیٹھ جاتے تھے۔ [6] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ پر وحی آئی اور میرا پاؤں زانوئے مبارک کے نیچے دبا تھا مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا پاؤں بوجھ سے ٹوٹ جائے گا۔ [7] یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ

---

[1] النھایة فی غریب الحدیث والأثر، ج ۲، ص: ۱۱۱، مصر۔ [2] شعب الایمان: ۱۱۸۵؛ مصنف عبدالرزاق، باب القدر، ۱۱/ ۱۲۵؛ ابن ابی شیبہ، کتاب الزھد، ۱۹/ ۶۹ طبع جدید بیروت؛ مسند الشھاب: ۱۱۵۱؛ شرح السنہ بغوی، باب التوکل علی اللہ، ۷/ ۲۴۴۔ [3] زاد المعاد، ج ۱، ص: ۱۸، ۱۹۔

[4] بخاری، کتاب بدء الوحی: ۲۔ [5] بخاری، کتاب المغازی، حدیث الافک: ۴۱۴۱۔

[6] مسند احمد، ج ۶، ص: ۱۱۸ ومستدرک حاکم، کتاب التفسیر، سورۃ المزمل، ج ۲، ص: ۵۰۵۔

[7] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب: لا یستوی القاعدون من المؤمنین: ۴۵۹۲ وجامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، تفسیر باب ومن سورۃ النساء: ۳۰۳۳۔

ایک صحابی تھے ان کو بڑا شوق تھا کہ ایک دفعہ نزول وحی کے عالم میں وہ آپ کی زیارت کرتے، اتفاق سے حج کے سفر میں ان کو یہ سعادت نصیب ہوگئی وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا ہے اور آپ خراٹے لے رہے ہیں تھوڑی دیر میں یہ حالت رفع ہوگئی۔ ❶ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو بے چینی ہوتی، چہرہ کا رنگ بدل جاتا، آپ سر جھکا لیتے، صحابہ جو آپ کے ساتھ بیٹھے ہوتے وہ بھی سر نیچے کر لیتے وحی کے بعد آپ سر اٹھاتے۔ ❷

فرشتہ کی زبانی سب سے پہلی وحی غار حرا میں آئی اس وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی اور ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ﴾ (۹۶/ العلق:۱) کی ابتدائی آیتیں اس مکتب کا اولین درس تھا، اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا سلسلہ رکا رہا آپ کو سخت صدمہ ہوا، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئی۔ ❸

﴿ وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۗ﴾ (۹۳/ الضحی:۱ تا ۳)

”قسم ہے دن کی جب کہ وہ پوری روشنی پر ہو اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ سنسان ہو جائے کہ تیرے پروردگار نے نہ تجھ کو چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے اس نے اپنی محبت اٹھائی۔“

لیکن صحیح بخاری تفسیر سورۂ والضحی اور باب کیف نزل الوحی میں ہے کہ اس سورہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ بیمار تھے چند روز راتوں میں اٹھ کر عبادت الٰہی میں مصروف نہ ہوسکے تو ایک ہمسایہ عورت نے طعن سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ دو تین روز سے تیرے پاس نہیں آیا۔ اس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ ❹ اسی موقع پر دوسری روایت ہے کہ اس عورت نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے رفیق نے تم سے ملنے میں تاخیر کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس کے بعد کسی اور زمانہ میں نازل ہوئی۔ ❺

تمام محدثین ❻ کا اس پر اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلہ وحی کے رک جانے (فترۃ) کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں، آپ ﷺ حرا سے واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی آپ نے ادھر اُدھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا، اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا، آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو کہا کہ مجھے کمل اوڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو، اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ﴾ (۷۴/ المدثر:۱ تا ۳)

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب:۱۵۳۶، کتاب فضائل القرآن: ۴۹۸۵۔ ❷ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب عرق النبی ﷺ: ۶۰۶۱۔

❸ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص: ۱۵۴۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الضحی: ۴۹۵۰۔ ❺ ایضاً:۴۹۵۱۔ ❻ اس کے برخلاف صرف حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے (بخاری، کتاب بدء الوحی: باب کیف نزول الوحی:۴ نیز دیکھیں کتاب التفسیر، سورۃ المدثر: ۴۲۴) کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں مگر اجماع عام یہ ہے کہ یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا وہم ہے وہ آیتیں فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔

''اے گلیم پوش! اٹھ اور لوگوں کو خدا سے ڈرا اپنے رب کی کبریائی بیان کر۔''

اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونی شروع ہوگئی [1] اور اس کا تار اس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیات طیبہ کا ظاہری سلسلہ منقطع نہ ہوگیا، یعنی چالیس برس کے سن سے لے کر تریسٹھ کے سن تک کل ۲۳ برس نزول وحی کے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی آخر عمر میں وحی کی کثرت ہوگئی تھی۔ [2] محدثین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تھی۔ اطراف ملک سے وفود کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا، احکام اور لوگوں کے استفسارات بڑھ گئے تھے، اس لئے مخاطبہ الٰہی کی ترقی بھی اس کے ساتھ ضروری تھی۔

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وفات نبوی ﷺ کے بعد جب ان ایام سعادت کو یاد کرتے تھے جب مدینہ کی گلیاں روح الامین کی گزرگاہ اور مدینہ کے در و دیوار وحی کے مطلع انوار تھے تو ان کی آنکھیں اشک آلودہ ہو جاتی تھیں، آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک بوڑھی صحابیہ رضی اللہ عنہا تھیں ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کے گھر تشریف لے گئے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں سبب دریافت کیا تو کہا آہ! کہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، یہ سن کر ان صاحبوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ [3]

قرآن مجید نے وحی کی حقیقت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ وہ نبوت کے مترادف ہوگئی ہے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب میں نبوت کی حقیقت یا تو سراسر مفقود ہے اور یا یہ کہ اس کو انسانیت و بشریت کے پرتو سے اس قدر منزہ سمجھا ہے کہ اس کو الوہیت کا ہم رتبہ قرار دے دیا ہے، لیکن قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو کئی دفعہ اس اعلان کی تاکید کی ہے کہ

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ﴾

(۱۸/ الکهف: ۱۱۰، ۴۱/ فصلت: ٦)

''کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔''

آنحضرت ﷺ جو کچھ خدا کی طرف سے لوگوں کو سناتے تھے، وہ چیز آپ کے نفس و ارادہ سے نہیں اٹھتی تھی بلکہ خدا کی طرف سے ان کے اندر آتی تھی:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ (۵۳/ النجم: ۳، ٤)

''وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کو بھیجی جاتی ہے۔''

البتہ اس کا مواد اور مہبط آپ ﷺ کا پاک و منزہ قلب تھا:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ٤ وکتاب التفسیر: ٤٩٢٢۔ [2] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی: ٤٩٨٢۔ [3] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ام ایمن: ٦٣١٨۔

﴿ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ (۲/ البقرۃ:۹۷)

''اسی نے اس کو تمہارے قلب پر خدا کے حکم سے اتارا ہے۔''

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ ﴾ (۲۶/ الشعرآء:۱۹۳، ۱۹۴)

''روح الامین نے اس کو تیرے قلب پر اتارا ہے۔''

اور یہی مجموعہ وحی آپ ﷺ کی نبوت کا بڑا معجزہ ہے ارشاد ہوا کہ ''دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا لیکن اس کو ایسی چیزیں دی گئی جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے لیکن مجھے جو چیز دی گئی وہ وحی ہے جو مجھ پر اتاری گئی۔'' ❶

سرمایۂ وحی کی جو دولت اسلام کے ہاتھ آئی وہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں میں اب تک محفوظ ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گنج گراں مایہ حدیث صحیحہ کے اوراق میں مخزون ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے قرآن عطا کیا گیا، اور اتنا ہی اور۔'' ❷ یعنی وہ احکام و مواعظ جن کو جان نثاروں نے حرز جان بنا کر رکھا اور دوسروں کو سپرد کیا۔ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ صحابی حجۃ الوداع کے زمانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جعرانہ میں آپ ﷺ تھے کہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ اس شخص کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں، جس نے کپڑوں میں خوشبو مل لینے کے بعد احرام کی نیت کی، آنحضرت نے کسی قدر انتظار کیا، آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی جب وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں گیا؟ لوگ اس کو سامنے لائے آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو خوشبو تم مل چکے ہو اس کو تین دفعہ دھو ڈالو اور اس کپڑے کو اتار ڈالو پھر حسب معمول عمرہ ادا کرو۔'' ❸

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے، تو لوگو! خدا سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ کو کام میں لاؤ رزق میں تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ گناہ کے ذریعوں سے روزی تلاش کرو، کیونکہ جو خدا کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے۔'' ❹ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' ❺

اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ ''خدا نے مجھے حکم دیا ہے'' یا ''خدا نے مجھ سے یہ کہا۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی:۴۹۸۱ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ...... ۳۸۵۔ ❷ ابوداود، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ:۴۶۰۴۔

❸ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نزل القرآن بلسان قریش والعرب:۴۹۸۵۔

❹ مستدرك حاکم، ج۲، ص:۴ حیدر آباد۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ومن کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ: ۱۲۳۷۔

لیکن وہ قرآن مجید کے اجزا نہیں ہیں، اسی لئے فقہا نے وحی کی دو قسمیں کر دی ہیں، وحی متلو یعنی وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن اور وحی غیر متلو جو تلاوت نہیں کی جاتی مثلاً: وہ احکام و نصائح جو بہ روایت صحیح احادیث میں مذکور ہیں، پہلی وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تواتر روایت سے ثابت ہے اور وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے۔ دوسری قسم تواتر سے بہت کم مروی ہے اور وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے۔

نزول ملائکہ

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ﴾ (۲۲/ الحج:۷۵)

لفظ "مـلائکـہ" کاواحد "ملاك" ہے جوعربی کے قاعدہ سے "ملك" ہوگیا ہے یہ الو کۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی ''پیغام'' کے ہیں اس لئے ملائکہ کے معنی پیغام رساں اور قاصد کے ہیں۔

ملائکہ الٰہی خالق اور مخلوق کے درمیان قاصد ہیں۔قرآن مجید نے متعدد مقام پر ان کو رسل اور رسل اللہ یعنی قاصدان الٰہی کہا ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ﴾ (۲۲/ الحج:۷۵)

''خدافرشتوں میں سے اپنے پیغامبر منتخب کرتا ہے۔''

علاوہ ازیں یہ خدا کے حکم سے عالم کی مشین کے پرزوں کو ہلاتے اور چلاتے ہیں اور اسی لئے حدا نے ان کو مدبراتِ امر کے نام سے بھی یاد کیا ہے (سورۂ والنازعات) ان کی مخصوص صفت یہ ہے کہ خدا کے سراپا مطیع ہیں اور اس کے کسی امر یا اشارہ سے کبھی روگردانی نہیں کرتے:

﴿ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ ﴾

(۶۶/ التحریم:۶)

''اس پر سخت اور مضبوط فرشتے ہیں اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس سے روگردانی نہیں کر سکتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔''

انبیا علیہم السلام کی تمام سیرتیں، فرشتوں کی آمد، ان کی بشارت اور نصرت سے معمور ہیں، تورات اور انجیل و قرآن ہر کتاب الٰہی ان کے کارناموں کی شاہد ہے، حضرت آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں انہوں نے سجدہ کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان خانہ میں یہ بھیجے گئے، حضرت لوط علیہ السلام کی حفاظت اور ان کی قوم کی بربادی پر یہ مامور ہوئے، حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو بیابان میں یہ نظر آئے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے خیمہ میں ان کا دنگل ہوا، حضرت ایوب علیہ السلام کے مناظرۂ جبر و اختیار میں حکم یہ قرار پائے، حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام کو بشارت انہوں نے دی، آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں بھی یہ مختلف فرائض پر مامور ہوئے، یہ آپ کی خدمت میں احکام الٰہی کے قاصد تھے، دشمنوں سے وجود اقدس ﷺ کی محافظت ان کے سپرد تھی، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کی دستگیری ان کا فرض تھا۔ ملائکہ کے سرخیل جبرئیل علیہ السلام ہیں اور وہی خدا اور پیغمبروں کے درمیان سفارت پر مامور ہیں اور یہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی آکر سفارت کا فرض انجام دیتے تھے اور خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔

نزولِ جبریل

''جبریل'' عبرانی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ''مرد خدا'' کے ہیں لیکن یہ اصطلاح شریعت میں اس فرشتہ کا نام ہے جو خدا اور خاصان خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے تورا ۃ اور انجیل میں بھی یہ نام اسی حیثیت سے مستعمل ہوا ہے، چنانچہ دانیال (۸۔۱۶۔۱۹۔۲۱) میں اس کی پیامبری کا بیان ہے اسی طرح انجیل (لوقا ۱۔۱۹۔۲۶) میں مذکور ہے کہ وہ حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت لے کر آیا تھا۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ وہ پیامبر جو آنحضرت ﷺ اور خدا کے درمیان وحی کا ایلچی تھا وہ یہی جبریل تھا:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۲/ البقرۃ:۹۷)

''جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو کیونکہ (اے پیغمبر ﷺ)! اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل پر اس کو نازل کیا ہے۔''

اور کہیں اسی کو الروح الامین (امانت دار روح) سے تعبیر کیا ہے:

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ ﴾

(۲۶/ الشعرآء:۱۹۳، ۱۹۴)

''امانت دار روح اس کو لے کر تیرے دل پر اتری، تاکہ تم لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرانے والوں میں ہو۔''

سورۂ نحل میں اس کو روح القدس (پاکی کی روح) کہا گیا ہے۔

﴿ قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ (۱۶/ النحل:۱۰۲)

''کہہ دے کہ اس کو روح القدس نے تیرے پروردگار کی طرف سچائی کے ساتھ اتارا ہے۔''

رسول (فرستادہ) کا لفظ بھی اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے:

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ﴾ (۶۹/ الحاقۃ:۴۰)

''یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے۔''

سورۂ تکویر'' میں اس رسول'' کے متعدد صفات کا بھی ذکر ہے:

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْنٍ ۝ ﴾

(۸۱/ التکویر:۱۹، ۲۱)

''یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے جو قوت والا ہے اور تخت والے خدا کے حضور میں اس کا

اعتبار ہے اس کی سب اطاعت کرتے ہیں اور وہ امانت والا ہے۔''

سورۂ نجم میں اس کے کچھ اور صفات بھی مذکور ہیں:

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۙ﴾ (۵۳/ النجم:۵، ۶)

''اس پیغمبر کو بڑی قوتوں والے اور بڑی طاقت والے نے تعلیم دی۔''

آغاز وحی کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے جبریل کے لئے الملک کا لفظ فرمایا ہے اور ورقہ نے اس کو ''ناموس'' کے لفظ سے ادا کیا ہے، [1] ملک کی اصل جیسا کہ ابتدا میں بتایا جاچکا ہے، املاک جو الوکہ سے نکلا ہے اور جس کے معنی پیغام کے ہیں، اس لئے ملک کے معنی پیغامبر کے ہوئے اور لفظ ناموس کے معنی محرم اسرار اور رازداں کے ہیں۔ بہرحال یہ تمام مختلف الفاظ اور عنوانات ایک ہی مفہوم و معنی کو ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جبریل علیہ السلام کا نام تین مقام پر آیا ہے دو دفعہ سورۂ بقرہ میں اور ایک جگہ سورۂ تحریم میں لیکن اس کی خصوصیت کے ساتھ کہ وہ وحی محمدی کے پیامبر اور قرآن کے حامل ہیں، صرف ایک ہی موقع پر قرآن مجید نے اس نام سے ان کو یاد کیا ہے اور وہ اس آیت میں:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۲/ البقرہ:۹۷)

''جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو کیونکہ اس نے تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس کو اتارا ہے۔''

دوسری آیتوں میں قرآن مجید نے حامل قرآن فرشتہ کی تعبیر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، روح الامین، روح القدس اور رسول کریم کے الفاظ سے کی ہے لیکن احادیث اور روایات میں ان الفاظ کے بجائے جبریل کا ہی لفظ عام طور سے مستعمل ہوا ہے۔

ایک پیامبر کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جبرئیل کی سب سے پہلی آمد اس وقت ہوئی ہے جب آپ غار حرا میں معتکف تھے، صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وحی کا آغاز خواب میں رؤیائے صالحہ سے ہوا۔ آپ جو رؤیا دیکھتے تھے وہ سپیدۂ سحر کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا تھا پھر (طبیعت مبارک میں) تخلیہ پسندیدہ کیا گیا۔ غار حرا میں جا کر آپ تنہا کچھ دن بسر کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے تھے، جب وہ سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور پھر نیا سامان لے کر غار میں چلے جاتے یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آ گیا اور وہ فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا: ''پڑھ'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پڑھا نہیں ہوں۔'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اس نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ ''پڑھ'' میں نے پھر وہی جواب دیا اس نے مجھے اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا اور چھوڑ دیا اور کہا کہ ''پڑھ'' میں نے پھر کہا کہ ''میں پڑھا

[1] صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی: ۳۔

نہیں ہوں۔'' اس نے تیسری دفعہ دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ ﴾ (۹۶/ العلق: ۱ تا ۵)

''اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کی جو نہیں جانتا تھا۔''

آنحضرت ﷺ ان آیتوں کے ساتھ گھر واپس آئے، قلب مبارک پر لرزہ تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: ''مجھے کمل اوڑھاؤ، مجھے کمل اوڑھاؤ۔'' لوگوں نے آپ کو کمل اوڑھایا، جب آپ کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ ''مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہرگز آپ کی جان کو خطرہ نہیں خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا آپ قرابتداروں کا حق ادا کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ کو آپ خود اٹھاتے ہیں، فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، انصاف کی خاطر آپ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ کو لے کر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی یا عربی لکھنا جانتے تھے (شاید تورات سے مراد ہو) اور انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے۔ [1] اور بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے ابن عم! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنیے، ورقہ نے کہا: ''اے میرے بھتیجے بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟'' آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا، ورقہ نے کہا: ''یہ وہی ناموس (محرم اسرار ہے) جو موسیٰ پر اتارا گیا تھا، اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ تمہاری قوم تم کو نکال دے گی۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟'' اس نے جواب دیا: ''ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو اور اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔'' اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ورقہ نے وفات پائی۔ [2]

اس کے بعد جبریل علیہ السلام کی آمد رکی رہی اور آپ ﷺ بدستور غار حرا میں جاتے رہے، اسی اثنا میں ایک دن آپ غار حرا سے نکل کر اور پہاڑی سے نیچے اتر کر جب میدان میں پہنچے تو غیب سے ایک آواز آئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے آگے پیچھے داہنے بائیں دیکھا پھر نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو دیکھا کہ وہی

---

[1] دو روایتیں ہیں ایک میں ہے کہ عبرانی میں لکھتے تھے اور دوسری میں ہے کہ عربی میں لکھتے تھے۔ [2] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۳ و کتاب التعبیر: ۶۹۸۲ و کتاب التفسیر: ۴۹۵۳ میں یہ پورا واقعہ مفصل مذکور ہے میں نے ان تینوں روایتوں کو تسلسل کے لئے یکجا کر دیا ہے چونکہ استاذ مرحوم نے جلد اول میں ان تفصیلات کو قلم انداز کر دیا تھا، اس لئے یہاں ان کے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔

فرشتہ جو پہلے غار حرا میں نظر آیا تھا آسمان اور زمین کے بیچ تخت پر بیٹھا ہے اور میں مرعوب ہو کر گھر واپس آیا۔" [1]
اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کی پے در پے آمد شروع ہوئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب وحی لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تو آپ جلد جلد اپنی زبان سے ان کے الفاظ کو ادا کرنے لگتے اس پر حکم ہوا: [2]

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ ﴾ (۷۵/ القیامۃ:۱۶، ۱۷)

"وحی کے الفاظ کے ساتھ اپنی زبان کو عجلت طلبی کے لئے جنبش نہ دو اس کی حفاظت اور قراءت کا فرض ہم پر ہے۔"

اس کے بعد جب جبریل علیہ السلام نازل ہوتے تو آپ خاموشی سے سنتے اور ان کے چلے جانے کے بعد آپ اس کو پڑھتے۔

بارگاہ نبوی میں جبریل علیہ السلام کے آنے کا کوئی وقت متعین نہ تھا صبح و شام، روز و شب، صلح و جنگ، ہر وقت فیضانِ الٰہی کا چشمہ ابلتا رہتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نصف شب کو سوتے تھے کہ اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا: "رات جبریل علیہ السلام نے مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع جا کر لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگوں۔" [3] غزوۂ بدر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دیکھو یہ جبریل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں۔" [4] غزوۂ خندق سے جب مسلمانوں کی فوج لے کر آنحضرت ﷺ واپس آئے اور ہتھیار کھول کر غسل فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام نے سامنے آ کر کہا کہ آپ ﷺ نے ہتھیار کھول دیے حالانکہ ہم اب تک مسلح ہیں اور بنو قریظہ کو ابھی ان کی غداری کا صلہ دینا ہے۔ [5] بایں ہمہ سب سے زیادہ جبریل علیہ السلام کی آمد آپ کے پاس ماہ رمضان میں ہوتی تھی جس میں وہ ہر روز آ کر آپ سے قرآن مجید سنتے تھے اور خود آپ کو سناتے تھے۔ [6]

جبرائیل علیہ السلام اس وقت بھی آتے تھے جب آپ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے لیکن جو کچھ آپ دیکھتے اور سنتے تھے وہ عموماً اوروں کو دکھائی اور سنائی نہیں دیتا تھا، ایک دفعہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عائشہ! جبریل علیہ السلام تم پر سلام بھیجتے ہیں۔" انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔ [7] توراۃ میں انبیائے بنی اسرائیل کے قصوں میں اس فرشتہ غیب کے تجسم اور تشکل کے بکثرت واقعات مذکور ہیں۔ انجیل میں ہے کہ روح القدس کبوتر کی شکل میں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی:٤، ٤٩٢٤۔ [2] بخاری، کتاب التفسیر: ٤٩٢٧۔
[3] نسائی، کتاب الجنائز، باب الامر بالاستغفار للمؤمنین: ٢٠٣٩۔
[4] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب شهود الملائكة بدرا: ٣٩٩٥۔ [5] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الى بنی قریظة: ٤١١٧۔ [6] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ٦۔
[7] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل عائشة: ٣٧٦٨۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتری۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت ﷺ لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آ کر آپ کے پاس بیٹھا اور سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، خدا سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قبر سے پھر جی اٹھنے پر تم یقین رکھو۔'' اس نے پھر پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ جواب دیا کہ ''تم خدا کی اطاعت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور نماز پڑھو، زکوٰۃ مفروضہ دو، روزے رکھو۔'' اس نے کہا اور احسان کیا ہے؟ ارشاد ہوا: ''احسان یہ ہے کہ تم خدا کو اس طرح پوجو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اس نے پھر سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجیب اس باب میں سائل سے زیادہ واقف نہیں البتہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاتا ہوں جب لونڈی اپنے آقا کو جنے اور جب اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں، قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ (۳۱/ لقمان: ۳۴) ''قیامت کا علم خدا ہی کو ہے۔''

وہ شخص اس کے بعد اٹھ کر چلا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ذرا اس کو واپس بلا لو۔'' لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔'' [1] صحابہ میں دحیہ رضی اللہ عنہ نام کے ایک صحابی بہت حسین تھے، جبریل اکثر انہی کی صورت میں مجسم ہو کر آیا کرتے اور اس حالت میں کبھی کبھی لوگوں کو نظر بھی آ جاتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دحیہ رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے بیٹھے آپ سے باتیں کر رہے ہیں مجھے کچھ بھی شک نہ ہوا کہ یہ دحیہ رضی اللہ عنہ نہیں ہیں، اتنے میں مسجد نبوی ﷺ میں میں نے آپ کے خطبہ کی آواز سنی کہ آپ فرما رہے تھے: ''ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے۔'' ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ تب میں سمجھی کہ وہ اصل میں دحیہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ جبریل امین علیہ السلام تھے۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جبریل علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ نے ان کی اصلی شکل میں دو دفعہ ملاحظہ فرمایا [3] ایک دفعہ تو معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور دوسری دفعہ ایک اور مقام پر وہ آسمان کے کناروں میں نظر آئے۔ سورۂ نجم کی یہ آیتیں اسی کے متعلق ہیں:

﴿ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل: ۵۰۔ [2] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی: ۴۹۸۰۔ [3] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ والنجم: ۴۸۵۵ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل ﴿ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ﴾: ۴۳۹۔

عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝﴾ (۵۳/ النجم: ۵ تا ۱۴)

”بڑی قوتوں والے طاقتور نے اس کو سکھایا اور پھر وہ برابر ہوا اور بہت اوپر آسمان کے کنارے تھا پھر قریب ہوا، پھر لٹک آیا تو دو کمانوں کے بقدر تھا یا اس سے بھی قریب تر، تو خدا نے اپنے بندہ پر وحی کی جو وحی کی، دل نے جھوٹ نہیں بولا جو دیکھا، کیا تم لوگ اس سے اس کے مشاہدہ پر جھگڑتے ہو، حالانکہ اس نے اس کو دوسری دفعہ اترتے دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔“

سورۂ تکویر کی حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار آپ کو مجنوں اسی لئے کہتے تھے کہ آپ اس غیر مشاہد ہستی کے مشاہدہ کا دعویٰ کرتے تھے:

﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝﴾ (۸۱/ التکویر: ۱۹ تا ۲۳)

”یہ ایک بزرگ پیغام رساں کی بات ہے قوت والا، جو عرش والے خدا کے پاس معتبر ہے وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے، وہ امانت دار ہے، تمہارا ساتھی (یعنی پیغمبر) مجنوں نہیں ہے، یقیناً اس کو آسمان کے کھلے کنارے میں دیکھا۔“

وہ ذوق وشوق جو حضور ﷺ کو اس قاصد الٰہی کی آمد کے ساتھ تھا، وہ اس آرزو کی شکل میں ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا: ”تم اس سے بھی زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے۔“ جواب ملا:

﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝﴾ (۱۹/ مریم: ۶۴) [1]

”ہم تو تیرے پروردگار کی اجازت اور حکم سے اترتے ہیں ہمارے آگے اور پیچھے اور درمیان کا سب علم اسی کو ہے اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شب کو میں نکلا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تنہا چاندنی میں ٹہل رہے ہیں، میں سمجھا کہ شاید آپ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں اور کسی اور کا یہاں ہونا، پسند نہ فرمائیں گے، چنانچہ اسی خیال سے میں سایہ میں ہو گیا لیکن آپ کی نگاہ پڑ گئی پوچھا: ”کون ہے؟“ عرض کیا آپ پر قربان میں، ابوذر۔ آپ نے ساتھ لے لیا اور تھوڑی دیر تک ٹہلتے رہے، پھر فرمایا: ”جو آج دولت مند ہیں وہی کل قیامت میں غریب ہوں گے لیکن وہ شخص جس کو خدا نے دولت دی ہو وہ اس کو داہنے بائیں آگے پیچھے پھینک دے اور اس میں نیکی کا کام کرے۔“ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک ساتھ ٹہلتا رہا، اس کے بعد ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”تم یہاں ٹھہرے رہو۔“ اور یہ کہہ کر آپ پہاڑ کی طرف گئے اور

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وما نتنزل الا بامر ربك......: ۴۷۳۱۔

میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، میں نے دور سے آواز سنی تو میں ڈرا لیکن چونکہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے نہ ٹلوں اس لیے ٹھہرا رہا تھوڑی دیر کے بعد آپ سامنے سے آتے نظر آئے اور زبان مبارک سے یہ فرما رہے تھے: ''اگر چہ چوری کرے اور زنا کرے۔'' میں نے کہا، یارسول اللہ! آپ پر قربان ہو، آپ پہاڑی کی اوٹ میں کس سے باتیں کر رہے تھے فرمایا: ''کیا تم نے آواز سنی ؟'' عرض کیا ہاں فرمایا: ''جبریل علیہ السلام تھے پہاڑی کے بیچ مجھے نظر آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''میں نے کہا، یا جبریل علیہ السلام کیا اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو؟'' جواب دیا: ''ہاں'' میں نے پھر کہا: ''اگر چہ زنا چوری ہی کیوں نہ کی ہو؟، وہی جواب دیا: ''ہاں'' میں نے پھر کہا: ''اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو؟'' تیسری دفعہ بھی جواب وہی تھا۔ [1]

فرشتہ میکائیل کا نزول

جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ دوسرے ملائکہ کا بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنا ثابت ہے، قرآن مجید میں جبریل علیہ السلام کے علاوہ ایک دو اور فرشتوں کے نام بھی آئے ہیں، جن میں سے ایک میکائیل علیہ السلام ہیں یہودیوں نے قرآن کے ماننے سے اس لئے اپنا انکار ظاہر کیا تھا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے نازل ہوتا ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۝ ﴾

(۲/ البقرۃ:۹۸)

''جو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے۔''

یہودیوں کے اعتقاد میں یہ عرش الٰہی کے چار مخصوص فرشتوں میں سے ایک کا نام تھا، یہ خاص طور پر اسرائیل اور اس کے خاندان کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور لڑائیوں میں ان کی مدد کیا کرتا تھا (دانیال ۱۰۔۱۳۔۲۱) عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق یہی فرشتہ تھا جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا تھا۔ (اعمال ۷۔۳۸)

میکائیل بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے ہیں، معراج کے موقع پر جو دو فرشتے آئے تھے وہ جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے، اسی طرح غزوۂ احد میں جو دو فرشتے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتے تھے، وہ بھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے [2] بعض روایتوں میں ہے کہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ ما یسرنی ان عندی مثل احد هذا ذهبا: ٦٤٤٤۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اکرامه ﷺ بقتال الملائکة...... : ٦٠٠٤، ٦٠٠٥۔

نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں میکائیل علیہ السلام ہی آپ کے ساتھ تھے۔

عام ملائکہ کا نزول

جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ناموں کی تخصیص کے علاوہ دوسرے عام فرشتوں کا بلاتعین نام آپ کی خدمت میں آنا بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور انہی کی روحانی تائیدات کا اثر تھا کہ آپ کا دل ہر وقت سکینتِ الٰہی سے معمور رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر جب نبوت کا بارگراں رکھا گیا تو یقیناً آپ کو نظر آتا ہوگا کہ ایک طرف بظاہر ایک بے دست و پا انسان ہے جس کے قبضہ میں نہ سونے چاندی کے خزانے ہیں اور نہ اس کے علم کے نیچے خود اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا سپاہی ہے اور دوسری طرف ایک دنیا ہے جس کے ہاتھوں میں دنیاوی دولت کے خزانے اُبل رہے ہیں اور جس کے پرچم کے زیر سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا ٹڈی دل ہر وقت حق کے مٹانے کو آمادۂ پیکار ہے، یہ وہ وقت تھا جب فرشتوں کو حکم پہنچا کہ میرے پیغمبر کو اپنی بشارتوں اور خوشخبریوں سے مطمئن کرو:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾

(۳۳/ الاحزاب:۵۶)

''بے شک خدا اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی اس پر درود وسلام بھیجو۔''

رئیس قریش اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہو کر اعلان کرتا ہے کہ رؤسائے قریش ہمارے ساتھ ہیں۔ پیغمبر کی طرف سے خدا منادی فرماتا ہے:

﴿ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ ﴾ (۹۶/ العلق:۱۷، ۱۸)

''وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلائے ہم بھی اپنے فرشتوں کو آواز دیں گے۔''

اس وقت جب منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزم خاص میں نفاق ڈالنا اور گھر میں خانہ جنگی کے سامان بہم پہنچانا چاہتے ہیں بعض ازواج سے آپ آزردہ ہیں، تو ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾

(۶۶/ التحریم:۴)

''تو خدا پیغمبر کا والی و ناصر ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے اس کے مددگار ہیں۔''

ایک بار ابوجہل نے کفار سے پوچھا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی تمہارے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ سب نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں ان کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھوں گا تو ان کی گردن توڑ

ڈالوں گا اوران کی پیشانی کو زمین میں رگڑ دوں گا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ ﷺ مصروف نماز تھے وہ اسی نیت سے آپ کی طرف بڑھا لیکن فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گیا، کفار نے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک خندق اور بہت سے پر (یعنی فرشتوں کے) حائل ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی تکا بوٹی کر دیتے۔''

قرآن مجید کی اس آیت میں:

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰىۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ ﴾ (٩٦/ العلق:٩، ١٠)

''تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز سے مانع آتا ہے۔''

اسی واقع کی طرف اشارہ ہے۔ [1]

سفر طائف سے جب آپ ناکام واپس آرہے تھے تو حسب اقتضائے بشری آپ دل شکستہ تھے، جب آپ قرن الثعالب میں پہنچے اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک لکہ سایہ فگن ہے، اس میں آپ کو ایک فرشتہ نظر آیا جس نے پکار کر کہا: ''یا محمد ﷺ! میں پہاڑوں پر موکل (ملک الجبال) ہوں، آپ کے پروردگار نے آپ کی اور آپ کی قوم کی گفتگو سنی مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں پہاڑوں کے نیچے ان کو کچل ڈالوں۔'' فرمایا: ''شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔'' [2]

اسلام کی تاریخ میں ابتلا وامتحان کا سب سے زیادہ سخت اور سب سے پہلا موقع غزوۂ بدر میں پیش آیا، مسلمانوں کی تعداد تین سو انیس آدمیوں سے زیادہ نہ تھی لیکن اس شرذمۂ قلیلہ کے مقابلہ کے لئے کفار کا ٹڈی دل امڈا ہوا چلا آتا تھا، آنحضرت ﷺ نے جب اس منظر کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر درگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دفعتہً ایک ہزار فرشتوں کی روحانی فوج مسلمانوں کی صف جنگ میں آکر کھڑی ہو گئی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴾

(٨/ الانفال:٩)

''جب تم خدا سے فریاد کر رہے تھے تو خدا نے تمہاری فریاد کو سنا اور کہا کہ میں ایک ہزار ہمرکاب سواروں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔''

اس فوج نے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی اس کی کیفیت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح بیان کی ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس نے کافر کے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی اور سوار

[1] صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب قولہ تعالیٰ: ﴿ان الانسان لیطغی﴾: ٧٠٦٥؛ مسند أحمد، ج٢، ص:٣٧٠۔ [2] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ:٣٢٣١ وصحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب ما لقی النبی ﷺ من اذی المشرکین: ٤٦٥٣۔

کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''آگے بڑھ اے حیزوم'' یہ کہنا تھا کہ کافر چت زمین پر گر پڑا مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کی ناک میں سوراخ ہو گیا تھا جس میں نکیل لگی ہوئی تھی اور تمام چہرہ پھٹ گیا تھا اور اس میں نیلی بدھیاں پڑ گئی تھیں ان صحابی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس واقعہ کو بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے۔'' [1]

غزوۂ احد میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی مسلمانوں کو یہ دیکھ کر اضطراب ہوا لیکن آنحضرت ﷺ نے تسلی دی کہ ''اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نہ جاؤ، خدا اپنے ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، خدا نے کہا، کہ ہاں بے شک اگر مسلمان جرأت و ہمت اور صبر سے کام لیں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کی فوج ان کی مدد کو اتاروں گا۔'' سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بتفصیل بیان کیا ہے:

﴿ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۲٤ تا ۱۲٦)

''اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں سے کہتے تھے کہ کیا تم کو یہ بس نہیں کرتا کہ خدا تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، ہاں بے شک اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو اور تمہارے دشمن بڑے زوروں سے بڑھ کر آئیں تو وہ پانچ ہزار بہادر فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، خدا نے اس وعدہ کو تمہارے لئے ایک خوشخبری بنایا اور تا کہ تمہارے دلوں میں طمانیت پیدا ہو مدد تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔''

لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے صبر کا سر رشتہ چھوٹ گیا، اس لئے خدا کے وعدۂ نصرت سے وہ محروم رہ گئے مگر آنحضرت ﷺ کے وجود اقدس کی حفاظت کے لئے دو فرشتے ساتھ تھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے غزوۂ احد میں دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ ﷺ کی طرف سے سخت جانبازی کے ساتھ لڑ رہے تھے اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔'' [2]

صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ دونوں فرشتے جبریل و میکائیل علیہما السلام تھے۔ [3]

غزوۂ احد کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا، اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی بے چارگی اور بے سروسامانی کا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب امداد بالملائكة: ٤٥٨٨ـ [2] صحیح بخاری، کتاب المغازی: ٤٠٥٤ـ [3] صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب اكرامه ﷺ بقتال الملائكة...... ٦٠٠٤، ٦٠٠٥ـ

وہی عالم تھا، اسلامی فوج کی رسد کی یہ کیفیت تھی کہ خود مقدس سپہ سالار ﷺ اپنے سپاہیوں کے ساتھ کئی وقت کا بھوکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ روحانی فوج نازل کی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۹)

''اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب کفار نے تم کو آ کر گھیر لیا تو ہم نے ان پر بھی ہوا بھیجی اور اس فوج کو بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو قدیم الاسلام صحابی تھے، روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کو پہلے پہل کیونکر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پیغمبر ہیں، فرمایا کہ ''میں ایک دفعہ جارہا تھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے، ایک آسمان کی طرف گیا اور ایک زمین پر آیا، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ''کیا یہ وہی ہے؟'' دوسرے نے کہا ''ہاں یہ وہی ہے'' پھر اس نے کہا: ان کو ایک آدمی سے تولو تو میرا پلہ بھاری رہا، پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں تولا گیا تب بھی میرا پلہ ہی بھاری رہا، دوسرے فرشتے نے کہا اگر ان کی تمام امت بھی ایک پلہ میں رکھو اور ان کو دوسرے میں تب بھی ان کا ہی پلہ جھکتا رہے گا۔'' [1]

یہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ کی فضیلت بشری کی تمثیل تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک شب عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹے تو میرا ہاتھ پکڑ کر مکہ کے باہر میدان میں لے گئے اور ایک جگہ خط کھینچ کر فرمایا: ''یہاں ٹھہرو اور اگر تم کو کچھ لوگ نظر آئیں تو ان سے بولنا نہیں وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے۔'' یہ کہہ کر آپ ﷺ ایک طرف تشریف لے گئے، اس اثنا میں مجھے وہ لوگ نظر آئے جو زطی قوم کی طرح معلوم ہوتے تھے نہ وہ برہنہ تھے اور نہ ان کے کپڑے نظر آتے تھے، وہ میری طرف آ کر پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے جاتے تھے اور خط سے آگے نہیں بڑھتے تھے، آدھی رات کے بعد آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور فرمایا: ''تم دیکھتے ہو کہ آج شب میں سویا نہیں۔'' یہ کہہ کر میرے زانو پر سر رکھ کر سو گئے، اتنے میں کچھ لوگ اجلے اجلے کپڑے پہنے جن کے حسن و جمال کا حال خدا ہی جانے کہ کیا تھا، پاس آ کر بیٹھ گئے کچھ آپ کے سرہانے بیٹھے اور کچھ آپ ﷺ کے پاؤں کے پاس آ کر بیٹھے، دونوں نے مل کر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک تمثیل بیان کی اور

[1] یہ حدیث سنن دارمی ، باب کیف کان اول شأن النبی ﷺ: ١٤ میں ہے اس کا سلسلہ سند یہ ہے: اخبرنا عبداللّٰہ بن عمران حدثنا ابو داود حدثنا جعفر بن عثمان القرشی عن عثمان بن عروۃ بن الزبیر عن ابیہ عن ابی ذر غفاری تیسرے راوی جعفر بن عثمان القرشی کا صحیح نام جعفر بن عبداللہ بن عثمان القرشی ہے جو محدثین میں معتبر نہیں۔

کہا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جس کی آنکھیں گو سوتی ہیں مگر دل ہشیار رہتا ہے، اس کے بعد وہ چلے گئے، آپ ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا: ''ان لوگوں نے جو باتیں کیں وہ میں نے سنیں تم جانتے ہو یہ کون تھے؟'' عرض کی خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں فرمایا: ''یہ فرشتے تھے ان کی تمثیل کی تفسیر یہ ہے۔'' [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عشاء پڑھ کر آپ ﷺ چلے تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا، فرمایا: ''کون؟ حذیفہ۔'' عرض کی، جی ہاں۔ فرمایا: ''آج وہ فرشتہ مجھ پر اترا جو آج تک زمین پر نہیں اترا تھا، اس نے خدا سے اذن مانگا کہ وہ میرے پاس آ کر مجھے یہ بشارت سنائے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی بیبیوں کی اور حسن اور حسین علیہما السلام جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔'' [2]

---

[1] ترمذی، ابواب الامثال، باب ماجاء فی مثل اللہ عزوجل لعبادہ: ۲۸٦۱۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

[2] ترمذی، ابواب المناقب، باب ان الحسن والحسین سید اشباب...... : ۳۷۸۱ حدیث حسن غریب۔

عالمِ رؤیا

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ﴾ (٤٨/ الفتح:٢٧)

رؤیا اور خواب درحقیقت نفس یا روح کے عجائبات کا ایک حیرت انگیز طلسم ہے۔علمائے نفس کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قوائے نفسی و دماغی ہر وقت اور ہر آن اپنے ذہنی اعمال میں مصروف رہتے ہیں، جب وہ سو جاتا ہے اور اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں، اس وقت بھی ان کے فکر و نظر کا عمل جاری رہتا ہے مگر چونکہ عموماً انسان عمیق اور پرسکون نیند سوتا ہے، اس لئے جاگنے کے بعد اس کو اپنی حالتِ خواب کا احساس نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی جب اس کی نیند مستغرق اور گہری نہیں ہوتی تو اس کو اپنی گزشتہ سیر دماغی کے مکمل یا نامکمل مناظر یاد رہ جاتے ہیں، اسی کا نام خواب ہے، یہ تو فلسفۂ قدیمہ کا ''فرسودہ خیال'' تھا، اب جدید عہدِ ترقی میں سائیکالوجی اور نفسیات کے علما کا مشہور و مقبول نظریہ یہ ہے کہ ہم عالم بیداری میں اپنے جن خیالات، جذبات اور ارادوں اور تمناؤں کو جان کر یا بے جانے کسی سبب سے دبا دیتے ہیں، عالم خواب میں جب ہمارے تعقل اور احساس کی جابرانہ حکومت ان سے اٹھ جاتی ہے تو ان کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ہم کو خواب بن کر نظر آتے ہیں، بہر حال یہ شاید ان رؤیا کی توجیہ ہوگی جن کو ''خواب پریشاں'' یا ''اوہام دماغی'' کہنا زیادہ موزوں ہے۔

عرفائے روح اس خوابِ پریشاں یا اوہام دماغی کے منکر نہیں ہیں لیکن رؤیا کی حقیقت ان کے نزدیک کچھ اور ہے، وہ کہتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے عبارت ہے، روح جب تک جسم کے اندر رہے اس کی جلوہ نمائی کے دو رُخ ہیں، جسمانی و روحانی، اپنے جسمانی دروازہ سے وہ جھانکتی ہے تو اس کو جسم کے مادہ کی سطح پر رنگا رنگ کے نقش و نگار اور گلکاریاں نظر آتی ہیں، یہ اس کے وہ تعلقات اور دلچسپیاں ہیں جو اس کے اس جسمانی و مادی عالم کے ساتھ قائم ہیں لیکن اس کے پیچھے ایک دوسرا دروازہ ہے جہاں سے وہ روحانیت کے عالم کی سیر کر سکتی ہے، جس قدر اس کا تعلق انس، دلبستگی، شیفتگی اور مشغولیت عالم جسم سے زیادہ ہوگی اسی قدر دوسرے عالم کی طرف سے فراموشی، غفلت اور بے تعلقی زیادہ ہوگی، حالت خواب میں روح کی ظاہری جسمانی مصروفیتیں چونکہ کم ہو جاتی ہیں، اس لئے اس کو دوسری کھڑکی کی طرف جھانکنے کی فرصت مل جاتی ہے اور پھر روح کو جس قدر تعلقات خارجی سے بے گانگی زیادہ ہوتی ہے شہرستان ملکوت میں اس کی سیر بہت آگے تک اور بہت دور تک اور وہاں کے تمثیلی مناظر و مشاہدات سے اس کی اطلاع اور واقفیت زیادہ صحیح اور سچی ہوتی ہے جو روحیں کہ اس عالم جسمانی کی بندشوں میں رہ کر بھی ان میں گرفتار و مقید نہیں ان کے لئے عالم بیداری بھی اقلیم روح کی گلگشت سے مانع نہیں، اسی کا نام مشاہدہ و مکاشفہ ہے۔

انبیا علیہم السلام کے مقدس قالبوں میں جو ارواح طیبات ہیں وہ عالم ظاہری کی گرفتاریوں کے بعد بھی جس حد

تک آزاد اور بے تعلق رہتی ہیں وہ عام حد انسانی سے بہت آگے اور بہت بلند ہے، اسی لئے عالم مشاہدہ اور عالم رؤیا دونوں میں حقائق و اسرار کی بستیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں، بیداری تو بیداری وہ سوتے بھی ہیں تو بیدار رہتے ہیں، ان کے جسم سوتے ہیں لیکن ان کی روحیں ہمیشہ جاگتی رہتی ہیں:

((تنام اعینهم و لا تنام قلوبهم)) [1]

''پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔''

غافل انسان ادھر التفات نہیں کرتا، ورنہ درحقیقت نیند اور خواب کا معاملہ ایک سرّ ملکوتی اور راز الٰہی ہے:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۝ ﴾ (۳۰/ الروم:۲۳)

''خدا کی نشانیوں میں سے (اے انسانو!) راتوں میں اور دنوں میں تمہاری نیند ہے (اور پھر بیدار ہو کر اپنے کاروبار میں تمہارا مصروف ہونا) اور اس کی دولت کو تلاش کرنا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں، بڑی بصیرتیں ہیں۔''

موت اور نیند دونوں کم و بیش ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں، فرق اس قدر ہے کہ موت کی حالت میں جسم سے روح کو دائمی مفارقت ہو جاتی ہے اور نیند میں عارضی، موت میں تمام تعلقات ظاہری کے بند ٹوٹ جاتے ہیں اور نیند میں کچھ نہ کچھ گرہیں باقی رہ جاتی ہیں۔ قرآن مجید نے اسی روزانہ پیش آنے والے حیرت افزا واقعہ قدرت کی طرف ہم کو اس آیت میں متوجہ کیا ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝ ﴾

(۳۹/ الزمر:۴۲)

''وہ اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا، ان کو نیند میں ان کی (مصروفیت دنیاوی) کا وقت پورا کر دیتا ہے پھر جن پر موت کا فرمان جاری ہو چکتا ہے، ان کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے، اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔''

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''توفی نوم ازاں قبیل است کہ شخصے از وطن مالوف خود بہ شوق ورغبت

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی ﷺ تنام عینه و لا ینام قلبه: ۳۵۷۰۔

از برائے سیر و تماشا بیرون آید تا فرح و سرور حاصل کندوخرم و شاداں بہ وطن خودباز رجوع نماید و سیرگاہ او عالم مثال است کہ متضمن عجائب ملک و ملکوت است۔'' [1]

عربی زبان میں خواب کے لئے دولفظ ہیں، ایک حلم جس کی جمع احلام آتی ہے، اس کے معنی ''خواب و خیال'' کے ہیں یعنی محض وہم وتخیل، دوسرا رؤیا یہ اس خواب کو کہتے ہیں جس میں حقیقت بینی اور رمز شناسی ہو، ان دونوں لفظوں میں ایک اور فرق یہ ہے، پہلے میں وسوسہ شیطانی کا دخل ہوتا ہے اور دوسرا اس سے پاک ہے، یہ فرق سورۂ یوسف کی ان آیتوں میں صاف نظر آئے گا، عزیز مصر نے خواب دیکھا ہے، اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھتا ہے، اہل دربار کہتے ہیں یہ محض خواب وخیال اور وہم ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ۝ قَالُوٓا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ۝ ﴾ (۱۲/ یوسف:۴۳، ۴۴)

''اے درباریو! میرے اس خواب کے بارہ میں مجھے رائے دو، اگر خواب کی تعبیر تم بیان کر سکتے ہو، انہوں نے کہا، یہ تو محض اوہام وخیالات کا مجموعہ ہے، ان اوہام اور خیالات کی تعبیر سے ہم واقف نہیں۔''

گو عالم رؤیا کا نظارہ ہر اس ہستی کو کبھی کبھی پیش آتا ہے جو روح سے وابستہ ہے اور جس میں کالے گورے، مومن وکافر، شقی وسعید اور نیک وبد کی کوئی تمیز نہیں لیکن جس طرح ایک نہایت نازک اور باریک یا کسی دور سے آنے والی چیز کو بہت سی آنکھیں دیکھ سکتی اور دیکھتی ہیں لیکن ان میں حقیقت اور صحت کے قریب اسی کی رؤیت ہوتی ہے جس کی بینائی تیز، آلات باصرہ صحیح اور فہم واستنباط کی قوت لطیف ہوتی ہے، اسی طرح عالم رؤیا کے مشاہدات کی حقیقی اور صحیح رؤیت بھی انہی کے لئے ہے جن کی روح ودل کی بینائی تیز اور بصیرت کی آنکھیں روشن اور ادراک وعرفان کے حواس لطیف ہوں اور جن کے نفس کے آئینہ میں صلاح وتقویٰ کا صیقل زیادہ ہو:

﴿ وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِۦٓ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ ﴾ (۱۷/ الاسرآء:۷۲)

''اور جو یہاں اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے۔''

﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۸۲)

''خدا سے تقویٰ کرو اور وہ تم کو علم بخشتا ہے اور خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔''

اسی لئے دنیا کے تمام مذاہب نے رؤیا کو خاص اہمیت دی ہے، اسلام اور شارع اسلام نے جس طرح دین کے اور شعبوں کی تکمیل کی ہے، اس حقیقت کو بھی نہایت واضح اور روشن کر دیا ہے، قرآن مجید کی آیت ہے:

[1] مکتوبات سی ویکم، ج ۳، ص:۵۸۔

﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:٦٣، ٦٤)

''جو ایمان لائے اور وہ متقی ہیں، ان کے لئے اس دنیا میں بشارت ہے اور آخرت میں بھی، خدا کی باتوں میں تبدیلی نہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔''

جب یہ آیتیں اتریں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! اس دنیا میں بشارت کیا ہے؟ فرمایا کہ ''وہ رؤیائے صالحہ ہے جو ایک مرد مسلم دیکھتا ہے۔'' [1] آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نبوت اور رسالت ختم ہوگئی لیکن صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ مبشرات (خوشخبریاں) ہیں۔'' لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا: ''مسلم کی رؤیائے صالحہ یہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے۔'' [2] بخاری، مسلم [3] اور ترمذی کی متعدد روایتوں میں مختلف صحابیوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مومن کی رؤیائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔'' [4] اس سے زیادہ رؤیا کی اہمیت اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ نبوت کا ایک حصہ ہے لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ وہ کون سی رؤیا ہے، ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ عربی میں خواب کے لئے دو لفظ ہیں، حلم (خواب پریشاں یا خیالات نفسانی) اور رؤیا، حدیث صحیح میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الرؤيا من الله والحلم من الشيطان)) [5]

''رؤیا خدا کی طرف سے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے۔''

آغاز مضمون میں علمائے نفس اور عرفائے روح کی تشریحات کی تفصیل ہوچکی ہے، ذیل کی حدیث سے یہ حقیقت بہت اچھی طرح ظاہر ہوجاتی ہے، صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اصدقكم رؤيا اصدقكم حديثا)) [6] ''تم میں سے سب سے سچا خواب دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہے۔'' حقیقت میں انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہے جس کی زبان سچ بولے گی اس کی روح بھی یقیناً سچ دیکھے گی۔ علمائے نفسیات حدیث کے اس ایک فقرہ کی گرہ کشائی پورے ایک باب میں کرسکتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''خواب تین قسم کے ہوتے ہیں ایک رؤیائے صالحہ یہ خدا کی طرف سے خوشخبری ہوتی ہے، دوسرا غم پیدا کرنے والا خواب یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، تیسرا وہ خواب ہوتا ہے جو انسان کی اپنے دل کی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں۔'' [7] اس تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے نفس اور عرفائے روح جس خواب اور رؤیا کی تشریح کرتے ہیں وہ اپنی اپنی حقیقت کی روح سے بالکل الگ

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الرؤیا، باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات: ۲۲۷۵۔ [2] ایضًا: ۲۲۷۲۔

[3] مسلم، ٥٩١٦، ٥٩٥٠، ٥٩٥٠ میں ۴۵ اور ۷۰ کے عدد بھی آئے ہیں ''ض''۔ [4] ترمذی: ۲۲۷۰؛ بخاری: ٦٩٨٣؛ مسلم: ٥٩٠٦۔ [5] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحة جزء من ستة واربعين جزء من النبوة: ٦٩٨٦؛ مسلم: ٥٨٩٧ وترمذی، ابواب الرؤیا: ۲۲۷۷۔

[6] صحیح مسلم، کتاب الرؤیا: ٥٩٠٥؛ جامع ترمذی، ابواب الرؤیا: ۲۲۹۱۔ [7] ایضًا۔

ہیں اس عالم رؤیا کے تحت میں جس قسم سے بحث ہے وہ صرف پہلی قسم ہے۔

عام انسانوں اور انبیا علیہم السلام کی رؤیا میں وہی نسبت ہے جو ان دونوں کی ذات میں ہے جب عام انسانوں کی آنکھیں سوتی ہیں تو کم و بیش ان کے دل بھی سوتے رہتے ہیں۔ لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کی آنکھیں جب سوتی ہیں تو بھی ان کے دل بیدار رہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے بڑی دیر تک تہجد کی نماز پڑھی لیکن ابھی وتر نہیں پڑھے تھے کہ لیٹ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! آپ بے وتر پڑھے سوتے ہیں، فرمایا: ''اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا۔'' [1] معراج کے ذکر میں ہے کہ آپ اس حالت میں تھے کہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں، لیکن دل بیدار تھا اور انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ [2]

انہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر جمہور علمائے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی رویا بھی اسی قدر قطعی اور یقینی ہے، جس قدر آپ کے عام احکام وحی اور مخاطبات الٰہی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب اپنے پہلوٹے بیٹے کی قربانی کے متعلق دیکھا، اس کے حکم الٰہی ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوا اور انہوں نے اس کی تعمیل ویسی ہی ضروری سمجھی جیسی اس حکم کی جو عالم بیداری میں انہیں خدا کی طرف سے ملتا۔ دوسرے پیغمبروں کے حالات میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ ان کو اپنی رؤیا کی صحت وصداقت اور واجب العمل ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح مبارک میں یہ احوال بہ کثرت پیش آئے ہیں اور اس عالم میں جو احکام اور علوم آپ کو دیے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح قطعی ہیں جس طرح وہ احکام اور علوم جو وحی کے دوسرے طریقوں سے آپ کو مرحمت ہوئے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ (رویا الانبیاء وحی) ''انبیا کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔'' [3]

اوپر اشارہ گزر چکا ہے کہ بعض علمائے اسلام اور اصحاب کشف وعرفان عالم غیب اور عالم ملکوت اور اس عالم شہادت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں جس کا نام انہوں نے عالم برزخ (درمیانی مقام) اور عالم مثال رکھا ہے، چنانچہ علما میں امام خطابی، امام غزالی، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ صاحب اور صوفیہ میں حضرت امام ربانی اور تمام حضرات مجددیہ اس عالم کے قائل ہیں شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے [4] جس میں متعدد احادیث سے علامہ سیوطی اور امام غزالی کی تحریروں سے اس عالم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے عالم مثال ان کے نزدیک گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا مجسم نہیں ہیں، مثلاً: صفات، اعراض، نیکی وبدی، ایمان وعلم، وغیرہ وہاں اپنی مناسب وموزوں

[1] صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ: ۱۷۲۳۔

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی ﷺ تنام عینہ......: ۳۵۷۰۔

[3] ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عمر فاروق: ۳۶۸۹۔

[4] حجۃ اللہ البالغۃ، جزء اوّل، ص: ۱۰۔

شکلوں میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں، نیکی ایک حسین و جمیل کی شکل میں، بدی ایک کریہہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر علم دریا کے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے، اسی طرح عالم غیب کی چیزیں، جنت، دوزخ، ملائکہ وغیرہ اسی نہر و آئینہ میں منعکس ہو کر اس عالم شہادت کے لوگوں کو نظر آتی ہیں اور جس طرح تصویر کی شبیہ اور نہر و آئینہ کے عکس میں اور اصل جسمانی شکلوں میں کامل مشابہت اور مماثلت ہوتی ہے اسی طرح عالم غیب کی اشیاء اور عالم مثال کی شبیہوں اور تصویروں میں پوری مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔

بہر حال اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیح میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے، انجیل اور قرآن مجید دونوں میں ہے کہ جبریل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت لے کر آئے:

﴿ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴾ (۱۹/ مریم:۱۷)

''مریم کے سامنے ایک پورے انسان کی مثال بن کر آئے۔''

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ کے سامنے جنت اور دوزخ کی صورتیں جلوہ گر کی گئیں، اس موقع پر مختلف صحابیوں نے اس مفہوم کو حسب ذیل مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((انه صورت لی الجنة والنار حتی رأیتهما دون الحائط)) [1]

''میرے لئے جنت اور دوزخ مصور کی گئی یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی صورت پیش کی گئی یہاں تک کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔''

((لقد رأیت الان منذ صلیت لکم الصلوٰة الجنة والنار ممثلتین فی قبلة هذا الجدار)) [2]

''میں نے ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے رخ میں ممثل دیکھا یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی مثال پیش کی گئی۔''

((انی رأیت الجنة...... ورأیت النار)) [3]

''میں نے جنت کو دیکھا اور دوزخ مجھے بھی دکھائی گئی۔''

((فعرضت علی الجنة...... وعرضت علی النار)) [4]

[1] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب التعوذ من الفتن: ۷۰۸۹۔
[2] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی السماء فی الصلوة: ۷۴۹۔
[3] صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب صلوة الکسوف جماعة: ۱۰۵۲۔
[4] صحیح مسلم، کتاب صلوة الکسوف، باب ما عرض علی النبی ﷺ: ۲۱۰۰۔

''مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی۔''

((لقد جيء بالنار...... ثم جيء بالجنة)) 1

''میرے پاس جنت اور دوزخ لائی گئی۔''

((اطلعت في الجنة...... واطلعت في النار)) 2

''میں جنت اور دوزخ میں جا نکلا۔''

ایک ہی مفہوم کو مختلف راویوں نے ان مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ الفاظ کی احتیاط بھی جس قدر امام بخاری کے ہاں ہے کسی اور کے ہاں نہیں اس لئے امام بخاری کے الفاظ تصویر اور تمثیل یا صورت اور امثال یا امام مسلم کے الفاظ لایا جانا اور پیش کیا جانا پر ذرا تامل درکار ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زبان اس درجہ ادائے مطلب میں قاصر ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے عالم محسوس کی کیفیتوں کی بھی پردہ دری نہیں کر سکتی پھر اس سے یہ توقع کس قدر بے جا ہے، کہ غیر محسوس عالم کی کیفیتوں کو وہ کبھی الفاظ کا جامہ پہنا سکتی ہے جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ صحیح مستند اور محفوظ ذریعہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے، وہ دوسروں تک پہنچا دیں۔ وحی نبوی ﷺ کا آغاز رؤیائے صالحہ سے ہوا آپ ﷺ کو چیزیں رؤیا میں دکھائی جاتی تھیں اور وہ سپیدۂ صبح کی طرح ٹھیک ٹھیک پوری اترتی تھیں۔ 3

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منہ کر کے آپ ﷺ جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور ان سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے اور اگر وہ رؤیائے صالحہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کی تعبیر کرتے اگر وہ خواب وخیال ہوتا تو کہہ دیتے کہ یہ محض خواب وخیال ہے، اسی اثنا میں اس شب میں اگر خود آنحضرت ﷺ کو کوئی رؤیا دکھائی گئی ہوتی تو آپ ﷺ اس کو سناتے۔ 4

آنحضرت ﷺ کی جس قدر رؤیا احادیث میں مذکور ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہیں جو تمثیلی رنگ میں دکھائی گئی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تعبیر وتشریح خود اپنی زبان مبارک سے کر دی ہے، دوسری وہ رؤیا ہیں جو بعینہٖ واقعہ اور حقیقت ہیں اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بیان کرتے وقت ان کی تاویل وتشریح نہیں کی، اس کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں بعض اوقات دنیا کے متعلق پیشین گوئی اور اخبار غیب ہے، دوسری وہ جس میں احوال آخرت اور اسرار غیب کا اظہار ہے، ذیل میں ہم ہر قسم کے واقعات کو الگ الگ عنوانوں کے تحت میں بیان کرتے ہیں۔

---

1 صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب ماعرض علی النبی ﷺ: ۲۱۰۲۔ 2 صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة: ٦٥٤٦۔ 3 صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۳؛ کتاب التعبیر: ٦٩٨٢؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی: ٤٠٣۔ 4 صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلوۃ الصبح: ٧٠٤٧؛ مسلم، کتاب الرؤیا: ٥٩٣١، ٥٩٣٧؛ ترمذی، ابواب الرؤیا: ٢٢٩٤۔

رؤیائے تمثیلی

ابھی آپ ﷺ مکہ معظمہ میں تھے، اسلام پر سختی اور مصیبت کے دن تھے، صدائے حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کم تھی کہ آپ کو عالم رؤیا میں دکھایا گیا کہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تر و تازہ کھجوریں لاکر آپ کو اور آپ کے رفقا کو دی گئی ہیں، آپ نے اس کی تعبیر یہ کی کہ دنیا میں مسلمانوں کی ترقی اور آخرت میں عاقبت بخیر ہوگی اور ان کا مذہب پھلے اور پھولے گا۔ [1]

ابھی آپ ﷺ نے ہجرت نہیں کی تھی لیکن ہجرت کا زمانہ قریب تھا کہ آپ کو ہجرت اور ہجرت کے بعد کے تمام اہم واقعات رؤیا میں دکھائے گئے، آپ نے فرمایا کہ ''میں نے دیکھا کہ میری ہجرت کی سرزمین چھوہاروں کا باغستان ہے، میرا خیال تھا کہ یہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر یثرب کا نکلا'' اسی خواب میں نظر آیا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے، میں نے اس کو ہلایا تو وہ ٹوٹ گئی۔ یہ احد کی شکست کی طرف اشارہ تھا، پھر میں نے اس کو ہلایا تو وہ ایک نہایت عمدہ تلوار ہوگئی۔ یہ اس واقعہ کی تمثیل تھی کہ احد کے بعد اللہ تعالیٰ فتح و کامیابی اور مسلمانوں کا اجتماع نصیب کرے گا۔ میں نے اسی خواب میں گائے کو ذبح ہوتے دیکھا۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو احد میں شہید ہوئے اس کے بعد بھلائی دیکھی یہ وہ بھلائی ہے جو اسلام کو نصیب ہوئی۔'' [2]

مسلمانوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی ہے تو یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق نہ تھی وبا بھی پھیلی تھی، مہاجرین میں اضطراب سا تھا، آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کالی سیاہ عورت جس کے سر کے بال الجھے اور پریشان ہیں وہ مدینہ سے نکل کر جحفہ کی طرف جارہی ہے، اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ مدینہ کی وبا جحفہ میں منتقل کردی گئی [3] چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدینہ منورہ اس سے پاک ہوگیا۔

ایک دفعہ رؤیا میں آپ کو دکھایا گیا کہ آپ کے دونوں ہاتھ میں سونے کا ایک ایک کنگن ہے، اس سے آپ کو تکلیف ہوئی حکم ہوا کہ ان کو پھونک دو، آپ نے پھونکا تو دونوں کنگن ہاتھوں سے علیحدہ ہوکر اڑ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ یہ نبوت کے دو جھوٹے مدعی ہیں (مسیلمہ اور اسود عنسی) جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔'' [4]

آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ کے سامنے دودھ کا پیالا لایا گیا، آپ نے اس کو اس قدر سیر ہوکر پیا کہ انگلیوں سے دودھ بہنے لگا، پیالہ کا بچا ہوا دودھ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ آپ نے لوگوں

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ: ۵۹۳۲۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ: ۵۹۳٤۔ [3] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب اذا رأی انه اخرج الشيء......: ۷۰۳۸، باب المرأة السوداء: ۷۰۳۹؛ ترمذی، ابواب الرؤیا، باب ما جاء فی رؤیا النبی ﷺ: ۲۲۹۰۔

[4] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب اذا طار الشيء فی المنام: ۷۰۳٤؛ صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ: ۵۹۳٦؛ ترمذی، ابواب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ: ۲۲۹۲۔

سے جب یہ خواب بیان کیا تو انھوں نے دریافت کیا، یارسول اللہ ﷺ! اس کی تعبیر آپ نے کیا کی؟ فرمایا: ''علم'' [1] اسی طرح آپ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: ''آج شب کو جب میں سویا تھا، میرے سامنے کچھ لوگ پیش کیے گئے، ان میں سے کسی کے بدن پر کرتہ سینہ تک تھا، کسی کے اس سے نیچے تک عمر رضی اللہ عنہ جب سامنے آئے تو ان کے جسم پر کرتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے دامن زمین پر لوٹ رہے تھے۔'' سننے والوں نے پوچھا، یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی فرمایا: ''دین۔'' [2] ایک شب میں آپ کو ذات محمدی ﷺ پر ختم نبوت اور تکمیل دین کی تمثیل دکھائی گئی، آنکھیں خواب آلودہ تھیں لیکن قلب اقدس بیدار تھا، کچھ فرشتے اتر کر آپ کے پاس آکر بیٹھے اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ ''اس پیغمبر کی کوئی تمثیل بیان کرو، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی آقا ہو، اس نے ایک محل تیار کیا اور اس میں دسترخوان بچھایا اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، اب جس نے اس کی بات کو قبول کیا، وہ آیا اور کھا پی کر سیر ہوا اور جو نہیں آیا اس کو اس نے سزا دی'' بیدار ہو کر آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''وہ آقا تو خدا ہے، جنت اس کا محل ہے جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے انکار کیا اس کو اس نے عذاب دیا۔'' [3]

ایک دفعہ آپ ﷺ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک کنویں کے اندارے پر کھڑے ہیں، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں، اردگرد لوگوں کا جماؤ ہے، آپ ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر ان کو پلا رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ''اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوبکر آئے اور انھوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے کر مجھے سبکدوش کر دیا اور پھر وہ پانی کھینچ کھینچ کر پلانے لگے مگر خدا ان پر رحم کرے، ذرا کھینچنے میں کمزوری معلوم ہوتی تھی، اس کے بعد عمر آئے تو ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا اور عمر نے اس قوت اور تیزی سے پانی کھینچا کہ حوض کناروں تک پر ہو گیا اور لوگ پی کر سیراب ہو گئے۔'' [4] یہ خواب اتنا واضح تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں سمجھی، کون نہیں سمجھا کہ ڈول اور پانی کھینچنے سے مراد خلافت اور خدمت خلق کی بجا آوری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان چند سعید لوگوں میں ہیں جن کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی جاچکی تھی

[1] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب اللبن: ۷۰۰۶، باب اذا اعطی فضلہ غیرہ فی النوم: ۷۰۲۷، باب القدح فی النوم: ۷۰۳۲؛ ترمذی، ابواب الرؤیا: ۲۲۸۴۔

[2] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب القمیص فی المنام: ۷۰۰۸؛ جامع ترمذی، ابواب الرویا: ۲۲۸۵۔

[3] جامع ترمذی، ابواب الامثال، باب ماجاء فی مثل اللّٰہ عزوجل لعبادہ: ۲۸۶۱۔

[4] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب نزع الذنوب والذنوبین: ۷۰۲۰، ۷۰۲۱؛ صحیح مسلم، باب من فضائل عمر: ۶۱۹۶؛ ترمذی، ابواب الرؤیا، باب ماجاء فی رؤیا النبی ﷺ فی المیزان والدلو: ۲۲۸۹۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، سامنے ایک محل ہے اور ایک عورت اس میں بیٹھی وضو کر رہی ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے، جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمر کا مسکن ہے، میں نے چاہا کہ اندر جاؤں مگر عمر کی غیرت یاد آئی تو الٹا پھر گیا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن کر رو پڑے اور کہا، یا رسول اللہ میں آپ سے غیرت کرتا؟ [1] ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ''اے بلال! تم کون سا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جب جنت میں گیا تو تمہارے جوتوں کے چاپ کی آواز سنی۔'' عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں ہمیشہ باوضو رہتا ہوں اور جب نیا وضو کرتا ہوں دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔ [2]

ورقہ بن نوفل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی گزر چکا ہے، یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ دار تھے اور اسلام سے پہلے سچے عیسائی ہو گئے تھے، جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ سے نزول جبریل علیہ السلام کا حال سنا تو انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ ''اگر زندہ رہا تو اس وقت جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی میں آپ کی پوری مدد کروں گا۔'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ورقہ جنت میں گئے یا دوزخ میں، انہوں نے تو آپ کی تصدیق کی تھی، لیکن آپ کے ظہور سے پہلے مر گئے۔ فرمایا: ''مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے کہ وہ سپید کپڑے پہنے ہیں اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر یہ لباس نہ ہوتا۔'' [3]

ایک شب کو جب آپ ﷺ مصروف نماز تھے جمال الٰہی بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا، صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ دیر کو برآمد ہوئے، نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں، پھر فرمایا: ''آج شب کو جب میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی میرے لئے مقدر تھیں تو نماز ہی کے اندر میں اونگھ گیا، میں نے دیکھا کہ جمال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا یا محمد ﷺ! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی نہیں اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں، سوال ہوا، یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی، ہاں! اے میرے رب ان اعمال کی نسبت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب القصر فی المنام: ۷۰۲۳؛ صحیح مسلم، باب من فضائل عمر: ۶۱۹۸؛ ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عمر: ۳۶۸۸، ۳۶۸۹۔

[2] بخاری، کتاب التهجد، باب فضل الطهور بالليل والنهار: ۱۱۴۹؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل بلال: ٦٣٢٤؛ ترمذی، ابواب المناقب: ۳۶۸۹۔

[3] جامع ترمذی، ابواب الرؤیا، باب ماجاء فی رؤیا النبی ﷺ: ۲۲۸۸۔

گفتگو کر رہے ہیں جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ پوچھا: وہ کیا ہیں؟ عرض کی: نماز با جماعت کی شرکت کے لئے قدم اٹھانا، نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور موت دونوں بخیر ہوں گی، وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جائے گا جیسا اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ پھر سوال ہوا کہ یا محمد! درجات کیا ہیں؟ گزارش کی، کھانا کھلانا، نرمی سے باتیں کرنا، جب دنیا سوتی ہو تو اٹھ کر نماز پڑھنا۔ پھر حکم ہوا کہ اے محمد! مجھ سے مانگو، میں نے عرض کی، خداوند میں نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے اور غریبوں سے محبت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں، میری مغفرت کر، مجھ پر رحم فرما، جب کسی قوم کو تو آزمانا چاہے تو مجھے بے آزمائے اٹھا لینا، میں تیری محبت کا اور جو تجھ سے محبت رکھے اس کی محبت کا اور جو عمل مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا خواستگار ہوں۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: ''یہ جو کچھ تھا حق تھا اور اس کو پڑھا کرو۔'' [1]

آثار قیامت کے بعض واقعات بھی اسی عالم میں آپ پر پیش کئے گئے، آپ نے صحابہ کے مجمع میں ایک دن فرمایا: ''رات مجھے ایک رؤیا دکھائی گئی، میں نے دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، اسی اثنا میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا، بہتر سے بہتر گندم گوں آدمی جو تم نے دیکھا ہو، اس کے گیسو پڑے ہوئے تھے، بہتر سے بہتر گیسو جو تم نے دیکھے ہوں، کنگھی سے بال درست کئے تھے اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ طواف کر رہا تھا میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا مسیح ابن مریم علیہما السلام میں ادھر دیکھنے کو مڑا تو ان کے پیچھے ایک اور آدمی نظر آیا سرخ رنگ، موٹا، بھدا، بالوں میں بہت گھونگھر پڑے ہوئے ایک آنکھ سے کانا آنکھ ایسی معلوم ہوتی تھی گویا کہ ابھرا ہوا انگور ہے میں نے پوچھا، یہ کون ہے؟ معلوم ہوا دجال ہے۔'' [2]

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ سونے سے جاگ اٹھے چہرۂ مبارک سرخ تھا اور زبان پر یہ کلمات تھے: ''لا الہ الا اللہ! افسوس ہے عرب پر! برائی نزدیک آ گئی، یاجوج ماجوج کی دیوار میں آج اتنا سوراخ ہو گیا۔'' [3]

حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے جس طرح آپ کے عام مشاہدہ میں آتے تھے اسی طرح اس عالم رؤیا میں حاضر ہوتے تھے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا: ''آج شب کو

---

[1] یہ روایت جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ صٓ: ۳۲۳۵ ومسند احمد، ج ۵، ص: ۲۴۳ مذکور ہے، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

[2] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب الطواف بالکعبة فی المنام: ۷۰۲۶ وصحیح مسلم، باب ذکر المسیح الدجال: ۴۲۵ تا ۴۲۹۔ [3] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: ویل للعرب من شرقد اقترب: ۷۰۵۹، صحیح مسلم، باب اشراط الساعة: ۷۲۳۵۔

میں نے خواب میں دو شخص دیکھے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ دوزخ کی آگ کو جو جلاتا ہے وہ مالک داروغہ دوزخ ہے میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ [1]

نظارۂ جمال الٰہی کے بعد اس عالم کا سب سے بڑا مشاہدہ وہ تھا جس میں آپ ﷺ کو دوزخ کے مہیب وہولناک مناظر اور بہشت کی بعض دلکش اور مسرت افزا جلوہ آرائیاں دکھائی گئیں، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد آپ ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے اور پھر دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، بہر حال حسب معمول آج بھی آپ نے دریافت فرمایا ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ ﷺ! ارشاد ہوا: ''آج شب کو مجھے رؤیا میں یہ نظر آیا کہ دو آنے والے میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مقدس سرزمین میں لے گئے، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پڑا ہے، دوسرا شخص ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لئے اس کے پاس کھڑا ہے، وہ زور سے پتھر اس کے سر پر مارتا ہے جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھکنے لگتا ہے، وہ دوڑ کر پتھر اٹھاتا ہے تو اس کا سر پھر درست ہو جاتا ہے، وہ پھر آ کر اسی طرح مارتا ہے اور سر کے پرخچے اڑ جاتے ہیں، میں نے پوچھا: سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ میرے ساتھیوں نے کہا آگے چلو، آگے چلو میں آگے چلا تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے دوسرے شخص کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا ہے، وہ ایک طرف اس کے منہ میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے تو باچھیں پھٹ کر گدی سے مل جاتی ہیں پھر آنکھ میں پھر نتھنے میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے اور چیر ڈالتا ہے ادھر سے فرصت کر کے دوسری جانب جاتا ہے اور ادھر کے بھی جبڑے اور آنکھ اور نتھنے کو اسی آنکڑے سے پیچھے تک چیر ڈالتا ہے، اسی اثنا میں پہلی طرف کے سب زخم بھر آتے ہیں اور پھر آ کر وہ ان کو چیرتا ہے تو دوسری طرف کے بھر جاتے ہیں، میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ جواب ملا آگے چلو آگے چلو میں اور آگے بڑھا تو دیکھا ایک تنور ہے اس میں آگ روشن ہے کچھ مرد اور عورتیں اس میں ننگے ڈالے گئے ہیں، جب نیچے سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو چیختے ہیں چلاتے ہیں، تھوڑی دیر میں وہ آگ دب جاتی ہے اور پھر بلند ہوتی ہے اور پھر وہ چیختے ہیں اور چلاتے ہیں، میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے پھر آگے بڑھنے کو کہا، اب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک خون کی سرخ ندی ہے، اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے اور کنارے پر ایک شخص پتھر لئے کھڑا ہے وہ آدمی چاہتا ہے کہ تیر کر کنارے لگ جائے مگر جب وہ قریب آتا ہے وہ شخص پتھر اس زور سے تاک کر مارتا ہے کہ وہ اس کے منہ میں جا کر لگتا ہے اور حلق سے نیچے اتر جاتا ہے، وہ آدمی ہٹ کر پھر جہاں تھا وہیں پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ کنارے پر آنے کا قصد کرتا ہے کہ پھر اسی طرح پتھر آ کر اس پر پڑتا ہے، میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آگے چلو، آگے چلو میں اور آگے چلا تو ایک شخص نظر آیا کریہہ منظر سے کریہہ منظر آدمی جو تم نے دیکھا ہو وہ اس سے بھی زیادہ کریہہ منظر تھا

[1] بخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة: ٣٢٣٦۔

آگ اس کے سامنے دہک رہی تھی اور وہ اس کو اور دہکا رہا تھا اور اس کے چاروں طرف پھر رہا تھا میں نے اپنے ساتھیوں سے پھر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے آگے بڑھنے کو کہا: میں آگے بڑھا تو ایک ہرا بھرا گنجان باغ نظر آیا جس میں نوبہار کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے تھے، باغ کے بیچ میں ایک نہایت ہی خوبصورت عمارت دکھائی دی کہ میں نے ویسی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس میں بچے بوڑھے، جوان، عورت، مرد ہر طرف آگے نظر آئے، آگے بڑھا تو ایک اور عمارت جو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھی نظر آئی اس میں بھی کچھ لوگ مختلف سن وسال کے دکھائی دیے، ایک باغ میں ایک درخت کے پاس ایک دراز قد انسان دیکھا جس کا سرا تنا اونچا تھا کہ آسمان تک پہنچ گیا تھا اور مجھے نظر نہیں آتا تھا، اس انسان کے چاروں طرف اتنے بچے نظر آئے کہ میں نے اتنے نہیں دیکھے تھے میں نے اپنے ہمراہیوں سے پھر سوال کیا مگر انہوں نے اور آگے بڑھا دیا تو ایک بہت بڑے باغ کے قریب جس سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا پہنچا، اندر گیا تو ایک شہر نظر آیا جس کی چاردیواری ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی دروازہ کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوایا دروازہ کھلا اور ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو وہاں ہم کو ایسے لوگ نظر آئے جن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت تھا اور آدھا دھڑ نہایت بدصورت میرے ہمراہیوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطے لگاؤ ناگاہ ایک نہایت صاف وشفاف نہر نظر پڑی وہ گئے اور جا کر اس میں غوطے لگائے غوطے لگا کر باہر آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور وہ نہایت خوبصورت ہو گئے ساتھیوں نے کہا: یہ شہر جنت عدن ہے اور آپ کی منزل وہ ہے میری نگاہ اوپر اٹھی تو ایک محل سپید بادل کی طرح دکھائی دیا میں نے کہا: خدا تمہارا بھلا کرے مجھے وہاں جانے دو انہوں نے جواب دیا کہ ابھی نہیں مگر آپ وہاں یقیناً جائیں گے پھر میں نے کہا کہ آج رات کو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں۔ بتاؤ یہ کیا تھیں انہوں نے کہا اب ہم آپ کو سب بتا دیں گے۔ پہلا آدمی جس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا وہ تھا جو قرآن پڑھ کر پھر اس کو چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے غافل ہو کر سو جاتا ہے اور وہ شخص جس کی آنکھ ناک اور منہ چیرا جا رہا تھا وہ تھا جو جھوٹ بولتا ہے، تنور میں جو عورت مرد ننگے بدن نظر آئے وہ زنا کار ہیں خون کے دریا میں جو غوطے لگا رہا تھا اور پتھر نگل رہا تھا وہ سود خور ہے (کہ وہ لوگوں کا خون چوس کر حرام کھاتا تھا) کریہہ منظر شخص جو آگ دہکا رہا تھا دوزخ کا داروغہ مالک تھا باغ میں جو دراز قد انسان اور اس کے چاروں طرف بچے نظر آتے تھے وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور یہ بچے وہ کم سن تھے جو دین فطرت پر مرے۔'' یہاں پر حاضرین مسجد میں سے ایک مسلمان نے آنحضرت ﷺ کو ٹوک کر کہا: ''یا رسول اللہ! اور مشرکین کے بچے؟ فرمایا: ''اور وہ بھی۔'' (کیونکہ وہ ہوش میں آنے سے پہلے دین فطرت ہی پر مرے) پھر سلسلۂ گفتگو آگے بڑھا اور فرمایا: ''اور فرشتوں نے بتایا کہ پہلی عمارت جس میں ہر عمر کے لوگ تھے عام اہل ایمان کا مسکن ہے اور دوسری عمارت جو اس سے بہتر تھی اور جس میں ہر سن وسال کے

کچھ آدمی ملے وہ شہیدوں کا مقام ہے اور یہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا وہ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کئے خدا نے ان سے درگزر کیا۔'' [1]

[1] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلوۃ الصبح:۷۰٤۷ وکتاب الجنائز:۱۳۸٦۔

مشاہدات و مسموعات

عالم بیداری

﴿ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ۝﴾ (۵۳/ النجم:۱۲)

''پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہے کیا اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو۔''

انبیا علیہم السلام کے حواس عام اصناف انسانی کے حواس سے زیادہ لطیف ہوتے ہیں یا ہمارے حواس کے ماسوا ان کے کچھ اور بھی حواس ہوتے ہیں، جن سے عام انسان اسی طرح بیگانہ ہیں جس طرح مادرزاد نابینا ایک تیز نگاہ نوجوان کی قوت بینائی اور لطف نظر سے ناآشنا ہے۔

مشاہدات نبوی ﷺ عام مادی واقعات نہیں جن کی روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود اپنے علم یا رؤیت یا سماعت سے کر سکتے، بلکہ وہ ان واقعات سے اسی قدر جان سکتے تھے، جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے کبھی کبھی ظاہر فرمایا، اس لئے روایات حدیث میں مشاہدات نبوی ﷺ کا احاطہ نہیں ہو سکا ہے اور نہ عام امت کے عمل دین کے لئے ان کیفیات مافوق کا علم ضروری ہے، بہر حال لفظ و عبارت کے حدود میں جہاں تک ممکن ہے ہم ان کے احاطہ کی کوشش کرتے ہیں۔

مشاہدات نبوی ﷺ کی فہرست میں سب سے پہلی چیز روح القدس یا روح الامین یا جبریل نامی فرشتہ کی رؤیت ہے، جو سب سے پہلے غار حرا میں نظر آیا اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک وہ آپ کی نگاہ سے اوجھل رہا [1] اور آنحضرت ﷺ کو اس کی وجہ سے تکلیف رہی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مکہ میں آپ کے چند سال ایسے گزرے کہ آپ کو صرف غیب کی آوازیں سنائی اور روشنی دکھائی دیتی تھی اور کوئی چیز آپ کو نظر نہیں آتی تھی۔ [2] غالباً یہی فترۃ الوحی کا زمانہ ہے، یہ زمانہ ختم ہو گیا تو آپ نے ایک دن آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو آسمان و زمین کے بیچ ایک کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا ہوا نظر آیا، [3] مگر عموماً وہ کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا، صحیح روایتوں میں ہے کہ جبریل صرف دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں آپ کو نظر آئے، آپ نے اس وقت دیکھا کہ ان کے جسم پر چھ سو پر ہیں اور ان کے دونوں بازوؤں نے افق کو گھیر لیا ہے [4] جبریل کے علاوہ دوسرے فرشتگان الٰہی بھی بارگاہ نبوت میں آیا کرتے تھے، جس کی تفصیل نزول ملائکہ کے عنوان میں گزر چکی ہے۔

فرشتوں کے مقابل دوسری ہستی شیطان کی ہے، یہ قوت شر ہے، جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا،

[1] صحیح بخاری:۳، ۴ و مسلم باب بدء الوحی: ۴۰۳ تا ۴۰۹۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کم اقام النبی ﷺ بمکۃ: ۶۱۰۴۔ [3] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی: ۴۰۶۔

[4] صحیح بخاری، بدء الخلق: ۳۲۳۲، ۳۲۳۳ و کتاب التفسیر، سورۃ والنجم: ۴۸۵۵ تا ۴۸۵۸؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴۳۴۔

سب سے پہلے اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش ہوئی اور خدا نے یہ نتیجہ ظاہر کیا:

﴿ لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴾ (۲۰/ طٰہٰ:۱۱۵) ''ہم نے آدم میں استقلال نہیں پایا۔''

سفر ایوب اور قرآن میں ہے کہ اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کی بھی آزمائش ہوئی اور وہ اس امتحان میں پورے اترے۔ انجیل میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی شیطان سے آزمائے گئے اور انہوں نے کامیابی سے اس میدان کو سر کیا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے۔'' پوچھنے والے نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا: ''ہاں لٰکِنَّہُ اسلم لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے یا مطیع ہو گیا ہے، ایک دفعہ کا واقعہ ارشاد فرمایا: ''میں نماز پڑھ رہا تھا کہ شیطان مجھے چھیڑنے لگا اور میری نماز توڑنے لگا تو خدا نے مجھے اس پر غلبہ عطا کیا۔'' [1]

جنت و دوزخ گو اور عالم کی چیزیں ہیں لیکن نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو سامنے آ جائیں، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا، آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے اور بہت دیر تک قراءت، رکوع اور سجدہ میں مصروف رہے، اسی اثنا میں صحابہ نے دیکھا کہ آپ نے ایک بار ہاتھ آگے کو بڑھایا، پھر دیکھا کہ آپ کسی قدر پیچھے ہٹے، نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا، تو فرمایا: ''اس وقت میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں، جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، جنت اور دوزخ کی تمثیل اسی دیوار کے پاس دکھائی گئی، میں نے بہشت کو دیکھا کہ انگور کے خوشے لٹک رہے ہیں چاہا کہ توڑ لوں اگر میں توڑ سکتا تو تم تا قیامت اس کو کھا سکتے تھے پھر میں نے دوزخ کو دیکھا جس سے زیادہ بھیانک چیز میں نے آج تک نہیں دیکھی لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا۔'' لوگوں نے سوال کیا یارسول اللہ! یہ کیوں۔ فرمایا کہ ''اپنے خاوندوں کی ناشکری کے سبب اگر ایک عورت پر تم عمر بھر احسان کرو اور صرف ایک دفعہ وہ تمہارے کسی فعل سے آزردہ ہو جائے تو وہ کہے گی کہ میں نے کبھی تمہارا اچھا برتاؤ نہیں دیکھا۔ میں نے اس دوزخ میں اس چور کو دیکھا جو حاجیوں کا اسباب چرایا کرتا تھا میں نے اس میں ایک یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لئے عذاب ہو رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا اس کو نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گری پڑی چیزیں کھائے اور آخر اسی بھوک سے اس نے جان دے دی۔'' [2]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں جنت میں جا نکلا تو دیکھا یہاں کے باشندوں میں بڑی تعداد ان کی ہے جو دنیا میں غریب تھے اور دوزخ میں جا کر دیکھا تو ان میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی۔'' [3] عمر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس: ۳۲۸٤۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب صلوة الکسوف جماعة: ۱۰۵۲، ۷٤۵ و صحیح مسلم، باب صلوة الکسوف، باب ما عرض النبی ﷺ فی صلوة الکسوف من امر الجنة والنار: ۲۱۰۰ تا ۲۱۰۲ تا میں پورے واقعہ کی تفصیل ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف ابواب میں متفرقاً نقل کیا ہے کسی ایک باب میں پوری تفصیل نہیں۔ ''ض''

[3] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة: ۳۲٤۱۔

کے اخیر سال میں آپ ﷺ شہدائے احد کے مقبرے میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آ کر آپ نے ایک خطبہ دیا، اسی درمیان میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے حوض (کوثر) کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کنجیاں حوالہ کی گئیں، اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے لیکن ڈرتا اس سے ہوں کہ اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک وحسد نہ کرنے لگو۔'' ❶

منبر مبارک مسجد نبوی ﷺ میں تھا اور اسی سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بھی تھے جن میں سے ایک میں جسد اقدس سپرد خاک ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہے۔'' ❷

محدثین نے اس حقیقت کو مختلف تاویلوں سے ظاہر کرنا چاہا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی صحیح تشریح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایسا مشاہدہ کرایا گیا۔ معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے لئے جب آپ بیدار ہوتے تو امہات المومنین کو بھی جگا دیتے، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ ایک شب خواب سے بیدار ہوئے تو فرمایا: ''سبحان اللہ! آج شب کو کیا کیا دولت کے خزانے اور کیا کیا فتنے نازل ہوئے ہیں ان حجروں میں رہنے والیوں (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کو کون جگائے، اے افسوس! دنیا میں کتنی عورتیں سامان آرائش سے آراستہ ہیں مگر آخرت میں وہ ننگی ہوں گی۔'' ❸ (کہ دنیا میں وہ جامۂ عملی سے برہنہ تھیں۔)

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے، ایک ٹیلے پر چڑھے پھر فرمایا: ''اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم دیکھ رہے ہو؟'' لوگوں نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا: ''میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں۔'' ❹ (یہ غالباً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد کے واقعات کا مشاہدہ تھا۔)

آنحضرت ﷺ کو ہر حال میں اپنی امت کی فکر دامن گیر رہتی تھی ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام کناروں کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا، میں نے ان کے مغرب ومشرق کو دیکھا، میری امت کی سلطنت ان تمام کناروں تک پہنچ جائے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں، مجھے سرخ وسپید (سونا چاندی) کے دونوں خزانے دیے گئے ہیں میں نے خدا کے حضور میں دعا کی کہ بارالہا! میری امت کو کسی عالمگیر قحط سے برباد نہ کرنا اور نہ ان پر ان کے سوا کسی غیر دشمن کو مسلط کرنا، حکم ہوا کہ میرے دربار میں فیصلہ کی تبدیلی نہیں ہوتی میں نے تمہاری یہ

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الشهيد: ١٣٤٤؛ کتاب الرقاق، باب يحذر من زهرة الدنيا: ٦٤٢٦۔

❷ صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد...... وباب فضل مابين القبر والمنبر: ١١٩٦۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب تحريض على قيام الليل: ١١٢٦۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: ويل للعرب: ٧٠٦٠ وصحیح مسلم، کتاب الفتن، باب نزول الفتن كمواقع القطر: ٧٢٤٥۔

دعا قبول کی، تو اب میری امت کو کوئی دوسرا تباہ نہ کرے گا بلکہ وہ خود ایک دوسرے کو تباہ کریں گے۔'' [1] مسلمانوں کی پوری تاریخ اس مشاہدۂ اقدس کی تفسیر ہے۔ گزشتہ انبیائے کرام کی تمثیلیں اکثر آپ کو دکھائی گئی ہیں اور معراج اور عالم رؤیا کے علاوہ بیداری کے عالم میں بھی یہ مشاہدے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں (غالباً سفر حج) جاتے ہوئے وادی ازرق سے گزرے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''یہ کون سی وادی ہے؟'' لوگوں نے کہا، یہ وادی ازرق ہے فرمایا: ''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور ان کی زبان پر تلبیہ (صدائے حج) جاری ہے۔'' اس کے بعد ہرشا کی گھاٹی آئی، فرمایا: ''یہ کون سی گھاٹی ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ یہ ہرشا کی گھاٹی ہے فرمایا: ''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ متی کے بیٹے یونس علیہ السلام سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، کمبل کا جبہ پہنے ہیں، اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ لبیك اللّٰھم لبیك کہتے جارہے ہیں۔'' [2]

معراج کے واقعہ میں یاد ہوگا کہ جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ دفعتہً اللہ تعالیٰ نے اس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا وہ ایک ایک چیز کو پوچھتے جاتے تھے اور میں جواب دیتا جاتا تھا۔'' [3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ کسی قبرستان سے گزر رہے تھے، فرمایا: ''ان دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔'' ''یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ کی پاداش میں نہیں ہے ایک کو اس بات پر سزا دی جارہی ہے کہ وہ طہارت کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا، یا یہ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا، دوسرے کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا۔'' اس کے بعد آپ نے ایک درخت کی سبز ٹہنی کو دو ٹکڑے کر کے دونوں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا: ''شاید ان کی تسبیح وتہلیل سے ان کی سزاؤں میں تخفیف ہو۔'' [4]

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آپ کے کانوں میں ایک آواز آئی فرمایا: ''یہ یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔'' یہ بخاری کی روایت ہے۔ [5] طبرانی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہود کو ان کی قبروں میں جو عذاب دیئے جارہے ہیں، ان کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں۔'' [6] ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف ایک آدمی مارا گیا تھا لوگوں نے کہا وہ شہید ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک عبا چرائی تھی۔'' اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب هلاك الامة بعضهم ببعض: ۷۲۵۸۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ٤٢٠۔ [3] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حدیث الاسراء: ۳۸۸٦ وصحیح مسلم باب الاسراء: ٤٢٨۔ [4] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغیبة والبول: ۱۳۷۸۔ [5] بخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر: ۱۳۷۵۔

[6] ارشاد الساری قسطلانی شرح حدیث مذکور، ج ۲، ص: ۵۲۷۔

جنت میں صرف اہل ایمان جائیں گے۔ ❶

عمرو بن عامر خزاعی عرب میں پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو دیوتاؤں کے نام نذر کرنے کی بدعت پیدا کی۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے جہنم کو دیکھا اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں اور اس میں عمرو بن عامر کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے۔'' ❷

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ ایک دفعہ بنی نجار کے نخلستان میں جانکلے آپ ایک خچر پر سوار تھے اور جان نثار ساتھ ساتھ تھے کہ دفعتہً خچر اس زور سے بھڑکا کہ قریب تھا کہ آپ گر پڑیں، پاس پانچ چھ قبریں تھیں دریافت فرمایا: ''ان قبروں کو کوئی جانتا ہے؟'' ایک نے کہا ہاں یارسول اللہ! میں جانتا ہوں فرمایا: ''یہ لوگ کب مرے ہیں۔'' عرض کیا کہ یہ لوگ شرک کی حالت میں مرے ہیں۔ فرمایا: ''ان لوگوں کی ان کی قبروں میں آزمائشیں ہورہی ہیں اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مردوں سے ڈر کر ایک دوسرے کو دفن کرنے میں ڈرنے لگو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آوازیں سنائے جو میں سن رہا ہوں۔'' ❸

ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی طرف کو تشریف لے جارہے تھے، اتنے میں ایک سخت بدبو پھیلی فرمایا: ''جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں۔'' ❹

حاکم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی طرف جارہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! جو میں سن رہا ہوں تم سن رہے ہو؟'' عرض کی نہیں یارسول اللہ ﷺ! فرمایا: ''تم نہیں سنتے کہ مردوں پر عذاب ہو رہا ہے۔'' ❺ مستدرک حاکم، کتاب الزہد۔ امام احمد، بزار اور بیہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پینے کی کوئی چیز مانگی تو لوگ شہد اور پانی لے آئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر رونے لگے لوگوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک دن میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر تھا تو دیکھا کہ آپ ہاتھ سے کوئی چیز ہٹا رہے ہیں اور مجھے کوئی چیز ہٹانے کی نظر نہیں آتی تھی تو میں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کس چیز کو ہٹا رہے ہیں؟ فرمایا: ''یہ دنیا ہے جو میرے سامنے ممثل ہو کر آئی ہے، میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے چلی جا، تو اس نے کہا، اگر آپ مجھ سے بچ گئے تو آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔'' ❻

---

❶ جامع ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی الغلول: ۱۵۷٤۔ ❷ بخاری، کتاب المناقب، باب قصة خزاعة: ۳۵۲۱، ٦٤۲٤۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب عرض مقعد المیت من الجنة: ۷۲۱۳۔

❹ مسند احمد بن حنبل، ج۳، ص: ۳۵۱۔ ❺ احمد، ج۳، ص: ۲۵۹؛ حاکم، ج۱، ص: ٤۰۔

❻ مستدرك حاكم، ج٤، ص: ۳۰۹؛ شعب الایمان: ۱۰۵۱۸ ذہبی نے لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ نے اس کے ایک راوی عبدالصمد کو متروک کہا ہے۔

اسراء یا معراج

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۱)

اسراء کے معنی ''رات کو چلانے یا لے جانے کے ہیں۔'' چونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر رات کو ہوا تھا، اس لئے اس کو اسراء کہتے ہیں اور قرآن مجید نے اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے، ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۱) ''پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندے کو لے گیا۔'' معراج ''عروج'' سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں، چونکہ احادیث میں آپ ﷺ سے لفظ عرج بی مجھ کو اوپر چڑھایا گیا، مروی ہے، اس لئے اس کا نام معراج پڑا۔

انبیا اور سیر ملکوت

انبیا علیہم السلام کے روحانی حالات و واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رؤیت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیے جاتے ہیں، اسباب سماعت کے دنیاوی قوانین ان کے لئے منسوخ کر دیے جاتے ہیں، قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں، آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں اور وہ اس کے بعد نور کا حلّہ بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ قدس میں بار پا کر قاب قوسین (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانہ آب و خاک میں واپس آ جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نبوت عطا ہوتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (۶/ الانعام:۷۵) ''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں۔'' یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے، یہی اسراء و معراج ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق توراۃ میں مذکور ہے۔

> ''یعقوب بیر سبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا اور وہاں ایک مقام پر جا کر لیٹا کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے اور وہیں سو رہا، وہاں خواب میں دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے، جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے اور اس نے کہا میں ہوں خداوند، تیرے باپ ابراہیم اور

اسحاق کا خدا، جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دوں گا۔'' (تکوین۔۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر جلوۂ حق کا پرتو نظر آیا، وہی ان کی معراج ہے، دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے تورات کے صفحات معمور ہیں، عیسائیوں کے مجموعۂ انجیل میں یوحنا رسول کا مکاشفہ بہ تفصیل مذکور ہے، جس میں ان کو خواب کے اندر بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں ان کے سامنے پیش کیے گئے ہیں، یہ پورا مکاشفہ جس کو ہم سفر نامہ ملکوت کہہ سکتے ہیں ۲۲ بابوں میں ختم ہوا ہے اور ان میں آثار قیامت جزا و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی ہیں جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں اور ان کو تمام مسلمان پسند کرتے ہیں۔ مجوس اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں جس میں زیادہ تر آنحضرت ﷺ کے واقعات معراج کے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پیروان بدھ بھی نخلِ حکمت کے سایہ میں بودھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔

بہرحال اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ سے سیر ملکوت انبیائے مقربان الٰہی اور مدعیان قرب الٰہی کے سوانح کا جز و رہی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس عالم کے مشاہدہ کا فیض حاصل کیا ہے، اسلام نے اس خزانہ کو یہاں تک عام کیا ہے کہ اہل ایمان کے لئے دن میں پانچ دفعہ اس دربار کے کسی نہ کسی گوشہ تک رسائی ممکن کر دی ہے کہ ((الصلوۃ معراج المؤمنین))۔

معراج نبوی ﷺ

لیکن حضور ﷺ چونکہ سرور انبیا اور سید اولاد آدم تھے، اس لئے اس حظیرۂ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپ ﷺ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا۔

معراج نبوی کا وقت و تاریخ اور تعداد وقوع

اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو واقع ہوئی اور ایک دفعہ ہوئی یا مختلف اوقات میں، صحیح و مستند روایات کے مطابق اور جمہور علما کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی جو لوگ تعدد کے قائل ہیں اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایتوں میں جزئیاتِ معراج کے بیان میں اختلاف ہے، اس لئے انہوں نے رفع اختلاف کے لئے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے۔ [1] تاکہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک ایک جداگانہ معراج پر منطبق کیا جائے لیکن درحقیقت یہ ایک فرض محض ہے جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں مستند اور صحیح روایات ہمارے سامنے ہیں اور ان میں تعدد معراج کا اشارہ تک نہیں ہے، ایک ایسے اہم مافوق مشاہدۂ بشری اور

---

[1] امام سہیلی نے روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام میں اسی استدلال کی بناپر تعدد کا میلان ظاہر کیا ہے، ج ۱، ص: ۲۴۴ مصر۔

طویل واقعہ کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور جس قدر تھی وہ بھی پراگندہ حال اور منتشر الخیال تھی اور ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے رواۃ اکثر وہ لوگ ہیں جو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے یا مدنی لوگ ہیں جن کو قبل ہجرت کے واقعات کی ذاتی اور بلاواسطہ واقفیت نہ تھی اگر جزئیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقع ہوا ہے تو ان کی تطبیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں ان کے جزئیات کی تفصیل اگر مختلف راویوں سے سنیں یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں تو ترتیب واقعات اور دیگر جزئی امور میں بیسیوں اختلافات پیدا ہو جائیں گے بااین ہمہ اصل معاملہ اور اس کے اہم اجزا کے وقوع میں شک وشبہ نہ ہوگا۔

بعض ارباب سیر نے دو دفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے جن میں وہ ایک کو اسراء اور دوسرے کو معراج کہتے ہیں کہ قرآن میں اسراء اور احادیث میں معراج آیا ہے، انہوں نے اس کی ضرورت اس لئے سمجھی ہے کہ قرآن کے پندرھویں پارہ میں اسراء کا بیان ہے، اس میں صرف مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر مذکور ہے اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہی ہوا، حالانکہ معراج میں تو آسمان کا سفر ہوا ہے اور عجیب وغریب واقعات پیش آئے ہیں اور بعض روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا، بہرحال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگے نہیں بڑھتا، قرآن مجید کے الفاظ خواب و بیداری دونوں کے متحمل ہیں، اس بنا پر اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج ایک ہی دفعہ واقع ہوئی ہے۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ ''یہی جمہور محدثین، متکلمین اور فقہا کی رائے ہے اور روایات صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہئے۔'' [1] حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کے تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلاف سیاق احادیث ٹھہرایا ہے۔ [2]

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعیین میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جب کہ تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا، تاہم وقت کے متعلق اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا خود قرآن مجید میں ہے اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا یعنی (لے گیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رات کے وقت) اور تمام روایات بھی اس پر متفق اللفظ ہیں لیکن صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے، محدثین کے ہاں کسی سے بھی بروایت صحیحہ اس کی تصریح موجود نہیں ہے۔

ارباب سیر نے بعض صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں کی ہیں لیکن ان کی تصریحات مختلف ہیں، تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی [3] کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ

[1] شرح مواهب، جلد ۱، ص: ۲۵۵۔ [2] تفسير القرآن العظيم، الجزء الثالث، ص: ۲۲۔

[3] صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں معراج کے بیان میں شریک نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ قبل آغاز وحی کے ہوا، اس کا مطلب محض فرشتوں کا آنا ہی نفس معراج نہیں، تفصیل آگے آئے گی۔

ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

مہینہ کی تعیین کے متعلق اربابِ سیر کے پانچ اقوال ہیں کوئی (۱) ربیع الاول کہتا ہے (۲) کسی نے ربیع الآخر کی روایت کی، (۳) بعض رجب کی تعیین کرتے ہیں، (۴) بعض رمضان یا (۵) شوال کہتے ہیں یہ آخری روایت سدی کی ہے جس کو ابن جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے، اس کی روایت ہے کہ معراج ہجرت سے ۱۷ مہینے پیشتر واقع ہوئی، ہجرت اوائل ربیع الاول میں ہوئی ہے، اس بنا پر ۱۷ مہینے پیشتر آخر رمضان ہوگا یا آغاز شوال لیکن کون نہیں جانتا کہ سدی پایہ اعتبار سے ساقط ہے، واقدی سے ابن سعد نے دو روایتیں کی ہیں [1] ایک یہ کہ "سنیچر کی شب تھی، ۱۷ تاریخ تھی اور رمضان کا مہینہ تھا، ہجرت (ربیع الاول سنہ ۱ھ) سے ۱۸ مہینے پیشتر کا یہ واقعہ ہے" دوسری یہ ہے کہ "یہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔" واقدی نے ان روایات میں کسی قدر تصریح کے ساتھ دن اور تاریخ اور وقت بتا دیا ہے لیکن ہمارے علمائے رجال کی عدالت میں ان کی شہادت کوئی بڑی قدر و قیمت نہیں رکھتی، چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت اور یا تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے، اسی قدر وہ زیادہ نامعتبر ہے کیونکہ اس کی سند ناتمام ہے، دوسرے مہینوں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں، ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے رجب کی تعیین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے (روضہ میں) اسی کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کردی ہے اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں اسلاف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔ [2] اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقول، قیاسیات، استنباطات اور مجادلات سے جو دس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں قطع نظر کرلیا جائے تو دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں اور کثرت روایت اور گمان صحت کا راجح پہلو کس کی جانب ہے، چنانچہ یہ تصریحات حسب ذیل ہیں:

نام راوی	روایت	کیفیتِ سند
(۱) ابن سعد بواسطہ واقدی از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص و ام سلمہ و عائشہ و ابن عباس و ام ہانی رضی اللہ عنہم	۱۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال قبل	ابن سعد نے یہ روایت متعدد مسلسل طریقوں سے صحابہ سے نقل کیا ہے۔
(۲) موسیٰ بن عقبہ بواسطہ زہری	=	موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین کتب سیرت میں ہے۔
(۳) زہری بواسطہ سعید بن مسیب	=	
	ہجرت سے ایک سال قبل	
	=	

[1] ابن سعد، ج ۱، ص: ۱۴۳۔ [2] یہ تمام تفصیل زرقانی، ج ۱، ص: ۳۵۵ و ۳۵۸ میں مذکور ہے۔

(۴) عروہ بن زبیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	ہجرت سے ایک سال قبل	=
(۵) قتادہ	=	یہ تابعی ہیں۔
(۶) مقاتل	=	=
(۷) ابن جریج	ہجرت سے ایک سال قبل	=
(۸) ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۷ ربیع الآخر ہجرت سے ایک سال پہلے	=
(۹) مسلم بن قتیبہ	ہجرت سے ۱۸ ماہ پیشتر	یہ مؤرخ ہیں۔
(۱۰) عمرو بن شعیب از حضرت عمرو بن العاص	۱۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال پہلے	=
(۱۱) سُدی	ہجرت سے ۱۷ یا ۱۶ مہینے پیشتر	سدی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

متاخرین نے امام زہری کے انتساب سے دو مختلف اقوال نقل کیے ہیں، ایک ہجرت سے پانچ سال قبل، اور دوسرا البعثت سے پانچ سال بعد، پہلے قول کے ناقل علامہ ابن حجر (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۵۵ مصر) ہیں اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض، امام قرطبی اور امام نووی شارحین صحیح مسلم اسی کے مؤید ہیں لیکن امام نووی کی شرح صحیح مسلم مطبوعہ ہندوستان (ص ۹۱) اور قسطلانی کی سیرۃ مواہب لدنیہ (مطبوعہ مصر مع زرقانی) میں دوسرا قول منقول ہے۔ زرقانی [1] نے جلد اول فصل معراج میں اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے، افسوس ہے کہ قلمی نسخے موجود نہیں، ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے، اسی طرح اسد الغابہ، ابن اثیر مطبوعہ مصر (ص ۲۰) میں سدی کی نسبت لکھا ہے کہ ''وہ کہتا ہے کہ معراج ہجرت سے چھ مہینے (ستة اشهر) پہلے ہوئی یہ ۶ درحقیقت ۱۶ ہے ستة اشهر کے بجائے ستة عشر شهراً چاہیے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے (تفسیر اسراء) نقل کیا ہے اور جو اس کی ۱۷ مہینے والی روایت کے قریب قریب ہے جو طبری و بیہقی میں ہے، چھٹی صدی میں علامہ ابن اثیر نے کسی قیاس یا استنباط تاریخی کی بنا پر ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے مگر جہاں تک ہم کو معلوم ہے، کسی اور نے ان کا ساتھ نہیں دیا ہے اور نہ کہیں سیرت کی امہات کتب میں یہ تاریخ مذکور ہے، بجز اس قیاس کے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں واقعہ معراج کو ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے پہلے نقل کیا ہے اور یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال پہلے پیش آئے تھے اس سے اشارۃً سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن اسحاق کا خیال تھا کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔

ہم نے مقدمہ کی پوری روداد ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے جس سے معلوم ہوا ہوگا کہ قدیم روایوں کا ایک بڑا حصہ ایک سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرتا ہے، ایک دو بزرگ ۷ یا ۸ مہینے کی مدت اور بڑھا دیتے ہیں، متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاس تاریخی سے تین سال یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرنا چاہا

[1] یہ تمام روایات مختلف ماخذوں سے جمع کی گئی ہیں، اول ابن سعد میں ہے دوم، چہارم یازدہم تفسیر ابن کثیر، (سورہ اسراء، ص: ۴۰) میں ہے، ہشتم تفسیر ابن جریر (۱۵، ۲،۷) میں ہے، پنجم وششم تفسیر ابن حبان (اسراء، ص: ۵) میں ہے، بقیہ اقوال وروایات کے لئے فتح الباری، زرقانی، شرح شفاء عیاض، استیعاب ابن عبد البر، اسد الغابہ ابن اثیر اور روض الانف (ذکر معراج) دیکھیے۔

ہے اس کا مبنی یہ ہے کہ بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ نماز بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی پھر بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال کیا ان مقدمات کو یکجا کر کے انہوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے (بقول ابن اثیر) پانچ سال پہلے (بقول قاضی عیاض وغیرہ) پیش آیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اس وقت درست ہو سکتا تھا جب یہ ثابت ہوتا کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات دونوں ایک ساتھ ہوئیں یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کے چند روز بعد پیش آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معراج (فرضیتِ نماز پنجگانہ) سے پہلے وفات پائی، اب یہ نہیں معلوم ہے کہ ایک مہینہ پہلے یا سال بھر پہلے یا چند سال پہلے اس لئے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہو سکتی۔

بہرحال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں، اسی جانب ہیں کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول سنہ ۱ھ سے ایک سال یا ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعت عقبہ اور ہجرت سے متصلاً پہلے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعہ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے، اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا یہی منشا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو یا اور کچھ کم و بیش معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں، آگے چل کر ہم یہ بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا۔ مہینہ کی تعیین مشکل ہے جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول ۱ھ سے ایک سال پہلے کہتے ہیں ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑے گا اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول ہی رہے گا اور اگر عام مشہور و معمول بہ رجب کی تاریخ اختیار کی جائے تو ہجرت سے ایک سال ۶ مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔

معراج کی صحیح روایتیں

واقعہ معراج چونکہ نہایت اہم، ہماری مادی کائنات سے ماورا اور قیاس استنباط اور عقل انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس باب میں صحیح و خالص روایتوں کی پیروی کی جائے، احادیث و سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو کثیر التعداد صحابیوں نے بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے اور حدیث و تفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روایتیں مذکور ہیں ان کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے

تفسیر (بنی اسرائیل) میں ان میں سے اکثر روایتوں کو یکجا کر دیا ہے، ان میں صحیح، مرفوع، قوی، ضعیف، موقوف، مرسل، منکر سبھی قسم کی روایتیں ہیں، صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مستقلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ضمناً اور مختصراً یہ واقعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آ گئے ہیں، امام بخاری اور مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذر، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے، ان میں چار پچھلے صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کئے ہیں۔

صحیحین میں واقعہ معراج کا مسلسل اور مفصل بیان حضرت ابوذر، حضرت مالک بن صعصعہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین طرق سے روایت کی ہے، ایک طریقہ میں صحیح مسلم باب الاسراء اور صحیح بخاری کتاب التوحید، اخیر راوی وہی ہیں لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا یا کسی صحابی نے ان سے بیان کیا، دوسرے طریقہ میں (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و باب المعراج اور صحیح مسلم باب الاسراء) یہ تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے سنا اور تیرے طریقہ (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ و کتاب الانبیاء) میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی سنا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے معراج کا واقعہ سنا تھا اور اسی لئے ان کا بیان سب سے زیادہ جامع اور مفصل ہے۔ تابعین میں سے متعدد بزرگوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے، مثلاً: ثابت البنانی، ابن شہاب زہری، قتادہ اور شریک بن عبداللہ بن ابی نمر، ان میں محفوظ تر بیان ثابت کا ہے، شریک کی روایت متعدد امور میں ثقات کی روایت کے مخالف ہے اور اسی لئے امام مسلم نے صحیح مسلم باب الاسراء میں اس کی طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ ''ان کی روایت میں تقدم و تاخر اور زیادت و نقص ہے۔''

حضرت مالک بن صعصعہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بلفظ اور حرف بحرف آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے گو یہ دونوں بزرگوار جلیل القدر صحابی ہیں لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ میں ایک مزید خصوصیت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں ہیں اور وقوع معراج سے پہلے ہی مکہ میں آ کر اسلام لا چکے تھے، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ انصاری ہیں، اس بنا پر معراج کی تمام روایتوں میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو ہم سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔

معراج کا واقعہ

الغرض جب اسلام کی سخت اور پرخطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد اطمینان و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم ﷺ کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا

اجرا اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہد عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا، روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے، حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو، کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ آب و خاک کے تمام مادی احکام وقوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیے جائیں اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رؤیت وسماعت، تخاطب وکلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں۔

صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے، انہوں نے پہلے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا، پھر اس کو آب زمزم سے دھویا اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھر لائے اور ان کو سینہ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا، پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے جب آپ آسمان پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ ''کھولو'' اس نے کہا، کون؟ انہوں نے جواب دیا: جبرئیل۔ اس نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ اس نے سوال کیا: کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

بہر حال آپ ﷺ جب پہلے آسمان پر چڑھے تو آپ کو ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا، جس کے دائیں بائیں بہت سی پرچھائیاں تھیں، جب وہ دائیں دیکھتا تھا تو ہنستا تھا اور جب بائیں جانب نگاہ پڑتی تھی تو وہ روتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر اس نے کہا: ''مرحبا اے نبی صالح! اے فرزند صالح!'' آنحضرت ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' انہوں نے کہا: یہ آدم ہیں اور ان کی دائیں بائیں پرچھائیاں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں، اس لئے وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں، اس کے بعد آپ دوسرے آسمان پر پہنچے تو اسی قسم کا سوال و جواب ہوا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام اور چھٹے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پیغمبروں کی منازل کی تعیین نہیں بیان کی)۔ بہر حال حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو ادریس علیہ السلام کے پاس سے لے کر گزرے، انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا: ''مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح!'' آپ نے نام پوچھا: حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نام بتایا، پھر یہی واقعہ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ پیش آیا، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے نبی صالح اور برادر صالح کہہ کر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی صالح اور فرزند صالح کہہ کر آپ کا خیر مقدم کیا، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو اوپر لے گئے اور آپ

اس مقام پر پہنچے جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز آتی تھی اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے آپ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی آنحضرت ﷺ اس عطیۂ ربانی کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ ''خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''پچاس وقت کی نماز'' انہوں نے کہا: ''خدا کے پاس دوبارہ جائیے کہ آپ کی امت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی۔'' آنحضرت گئے اور خدا نے ایک حصہ کم کردیا، آپ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ''دوبارہ خدا کے پاس جائیے، آپ کی امت اس کی بھی متحمل نہیں ہوگی'' آپ گئے تو خدا نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کردی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا: ''آپ کی امت میں اس کی بھی قوت نہیں۔'' آپ پھر گئے تو خدا نے اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کردیا اور ارشاد ہوا: ''گو نمازیں پانچ وقت کی ہوں گی لیکن ثواب ان ہی پچاس وقتوں کا ملے گا۔ کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف مزید کی غرض سے آنحضرت ﷺ کو پھر خدا کے پاس مراجعت کا مشورہ دیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب تو مجھے شرم آتی ہے۔'' اس کے بعد آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی جو ایسے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کو آپ جان نہ سکے، پھر آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں لے گئے، وہاں آپ ﷺ کو موتی کی عمارتیں نظر آئیں اور آپ نے دیکھا کہ اس کی مٹی مشک کی ہے۔ [1]

کتب حدیث میں واقعہ معراج کے متعلق یہ مقدم ترین اور معتبر ترین روایت ہے اس کے بعد حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا درجہ ہے۔ اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی روایت سے زائد ہیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح نہیں کہ آپ ﷺ اس وقت بیدار تھے یا خواب میں تھے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے، پہلی روایت میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور اس میں ہے کہ آپ ﷺ حطیم یا حجر [2] میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت جبرائیل آئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں براق کا ذکر نہیں اور اس روایت میں ہے کہ آپ براق پر سوار ہوکر گئے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں منازل انبیا نہیں بیان کئے گئے ہیں لیکن اس روایت میں نام بنام تصریح ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات نماز کی تعداد تین مرتبہ میں گھٹائی گئی۔ [3] لیکن اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس غرض سے خدا کے پاس پانچ بار گئے، ان دونوں روایتوں میں درحقیقت اجمال و

---

[1] بخاری، کتاب الصلوۃ، باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء: ۳۴۹؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ ﷺ: ۴۱۵۔ [2] حطیم اور حجر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں یہ مختصری جگہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصل تعمیر کردہ کعبہ میں سے قریش کے بنائے ہوئے کعبہ کی چاردیواری سے باہر رہ گئی ہے اور اندر داخل نہیں ہوسکی ہے۔

[3] بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۳۴۲، ۳۸۸۷؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴۱۵۔

تفصیل کا فرق ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت مجمل ہے اور حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے، تاہم یہ دوسری روایت بھی معراج کے تمام واقعات وسوانح کو محیط نہیں ہے، اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملا کر معراج کے سوانح ومشاہدات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصل خانہ کعبہ کے جو عمارت بنائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی اور پھر بنی تھی، اس طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت ﷺ ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے، سیلاب سے گر گئی، قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا، اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی اور اب تک اسی طرح اس زمین کا نام حجر اور حطیم ہے، قریش کے نوجوان اور رؤسا اکثر یہاں رات کو سویا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے، نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ کو حالت رؤیا میں فرشتے نظر آتے تھے۔ [1]

جس شب کو معراج ہوئی آپ ﷺ اسی مقام [2] پر استراحت فرما رہے تھے، بیداری اور خواب کی درمیانی حالت تھی، آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے، ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے، پہلے وہ آپ کو چاہِ زم زم کے پاس لے گئے اور وہاں آپ ﷺ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور قلبِ اطہر کو نکال کر آبِ زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان وحکمت سے معمور لایا گیا۔ جبریل نے اس طشت سے ایمان وحکمت کے خزانہ کو لے کر آپ ﷺ کے سینہ میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا۔ اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک

---

[1] بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ: وکلم اللہ موسیٰ تکلیما: ٧٥١٧، کتاب احادیث الانبیاء، باب کان النبی ﷺ تنام عینه ولا ینام قلبه: ٣٥٧٠۔

[2] اس شب کو جس مقام پر آپ ﷺ استراحت فرماتے تھے اور جہاں معراج کا واقعہ پیش آیا، اس کی تعیین میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے، صحیحین میں حضرت مالک اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی جو روایتیں ہیں ان میں بتصریح تمام یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ مسجد حرام (کعبہ) میں تھے اور اسی کے ایک بیرونی گوشہ میں جس کا نام حجر اور حطیم ہے آپ سو رہے تھے، یہ تو صحیحین کا بیان ہے، بعض نیچے درجے کی روایتوں میں ہے کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی، ام ہانی رضی اللہ عنہا کا گھر شعب ابی طالب میں تھا، یہ روایت مشہور دروغ گو کلبی کی ہے، اس میں حد درجہ لغو وغریب ومنکر باتیں مذکور ہیں، مسند ابو یعلیٰ میں ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ میرے ہی مکان میں سوئے، شب کو میری آنکھ کھلی تو آپ کو نہ پایا۔ رؤسائے قریش کی دشمنی کے باعث دل میں عجیب عجیب بدگمانیاں پیدا ہونے لگیں، نیند نہ آئی، صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا: ''میں رؤسائے قریش سے کہنے جاتا ہوں۔'' میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا کہ خدا کے لئے ان سے نہ کہئے وہ تکذیب کریں گے اور آپ کی جان پر حملہ کریں گے لیکن آپ نے نہ مانا اور دامن جھٹک کر چلے گئے، ان روایتوں میں علاوہ اور لغویات کے عشاء اور صبح کی نماز وجماعت کی تصریح کس قدر غلط ہے کہ یہ نماز پنجگانہ تو عین شب معراج میں فرض ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتوں کا صحیحین کے مقابلہ میں کیا درجہ اور کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں تھے، البتہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبریل آئے ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپ ﷺ آرام تو خانہ کعبہ ہی میں فرما رہے تھے لیکن مشاہدہ آپ کو یہ کرایا گیا کہ آپ اپنے گھر میں ہیں اور اس کی چھت کھلی اور حضرت جبریل نازل ہوئے۔

لمبا جانور براق نامی لایا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی [1] آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اس قلابہ میں باندھ کر جس میں انبیا اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، آپ نے مسجد اقصیٰ کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی، یہاں سے نکلے تو جبرائیل نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کیے، آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ جبرائیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، بعد ازیں جبرائیل آنحضرت ﷺ کو لے کر آسمان پر چڑھے، پہلا آسمان آیا تو جبرائیل نے دربان کو آواز دی، اس نے کہا: کون ہے؟ جبرائیل نے اپنا نام بتایا، پوچھا کہ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا محمد ﷺ ہیں پھر دریافت کیا، کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں۔ یہ سن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا خوش آمدید کہا اور کہا کہ اس خبر کو سن کر آسمان والے خوش ہوں گے، خدا اہل زمین کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ آسمان والوں کو اس کا علم نہ بخشے وہ جان نہیں سکتے، اب آپ ﷺ پہلے آسمان میں داخل ہوئے تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیں تھیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا اور جب بائیں طرف دیکھتا تو رو دیتا تھا، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر بولا: مرحبا اے نبی صالح! اے فرزند صالح!'' آپ ﷺ نے جبریل سے دریافت کیا کہ ''یہ کون ہے؟'' جبریل نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں ان کی دائیں اور بائیں طرف جو پرچھائیاں ہیں یہ ان کی اولادوں کی روحیں ہیں، داہنی طرف والے اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لئے جب اُدھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور اِدھر دیکھ کر آزردہ ہوتے ہیں۔ اسی آسمان میں آپ ﷺ کو آمنے سامنے دو نہریں نظر آئیں، پوچھنے پر جبریل نے بتایا کہ یہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں، چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لؤلؤ و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک اذفر کی تھی جبریل نے کہا: یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپ ﷺ کے لیے رکھا ہے۔

اسی طرح ہر آسمان پر گزرتے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور جبریل علیہ السلام سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی، دوسرے میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ملے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے ملاقات ہوئی، تیسرے میں حضرت یوسف علیہ السلام ملے جن کو حسن کا ایک حصہ عطا ہوا

[1] مسند احمد، ج۳، ص:۱٦٤ میں بروایت انس اور ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل: ۳۱۳۱، اور ابن جریر طبری، ج۱۵، ص:۵ میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے براق پر سوار ہونے کا قصد کیا تو اس نے شوخی کی، جبریل نے کہا کیوں شوخی کرتے ہو، تیری پشت پر آج تک محمد ﷺ سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا، یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا، ابن جریر کی روایت کی نسبت حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعض الفاظ میں نکارت وغرابت ہے (تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص:۵)، ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ غریب ہے، غریب لا نعرفه الا من حديث عبدالرزاق۔ (ترمذی، تفسیر سورة بنی اسرائیل:۳۱۳۱)۔

تھا، چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کی نسبت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے: ﴿ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ ﴾ (۱۹/ مریم:۵۷) ''ہم نے اس کو ایک بلند مقام تک اٹھایا ہے۔'' اور پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملے اور ہر ایک نے اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح کہہ کر خیر مقدم کیا، چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا: مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح!'' جب آپ ﷺ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو پڑے آواز آئی کہ اے موسیٰ! اس گریہ کا کیا سبب ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ''خداوندا! میرے بعد تو نے اس نوجوان کو معبوث کیا ہے، اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے۔'' ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے فرزند صالح کہہ کر خیر مقدم کیا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت معمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔ [1] اس مقام تک پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہنچے۔ اس درخت پر شانِ ربانی (امر اللہ) کا پرتو تھا جس نے آ کر جب اس کو چھالیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے، یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے، پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہوسکتی، ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ ﴾ (۵۳/ النجم:۱۰) اس وقت آپ ﷺ کو بارگاہِ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے، رحمت خاص نے مژدہ سنایا کہ امت محمدی ﷺ میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو کرم مغفرت سے سرفراز ہوگا اور ندا آئی اُمت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ آپ ﷺ ان عطیوں کو لے کر واپس پھرے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ بارگاہِ خاص سے کیا احکام عطا

[1] کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں مثلاً: ابن ابی حاتم (تفسیر) ابن جریر طبری (تفسیر بنی اسرائیل) بیہقی (دلائل النبوۃ) میں جنت و دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور پیغمبروں اور فرشتوں کی تعجب انگیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی تفصیل ہے، ان روایتوں کے ناقل ابو ہارون العبدی، ابو جعفر رازی اور خالد بن یزید ہیں۔ ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دروغ گو ہیں ابو جعفر رازی کو گو بعضوں نے ثقہ کہا ہے لیکن اکثروں کے نزدیک وہ ضعیف اور راوی منکرات ہیں اور ان کی تنہا روایت قبول نہیں کی جاتی نیز ان روایتوں میں بہت سی لغو و منکر باتیں مذکور ہیں جن کو محدثین تسلیم نہیں کرتے علاوہ ازیں یہ مناظر و مشاہدات جیسا کہ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا) میں ہے کہ معراج کے سوا ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ کو دکھائے گئے تھے سرے سے یہ معراج کے مشاہدات ہی نہیں۔

ہوئے ؟ فرمایا: ''امت پر پچاس وقت کی نماز۔'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے آپ کی امت سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔'' آپ واپس جائیے اور عرض کیجئے۔ آپ نے مراجعت کی اور عرض پرداز ہوئے کہ ''بارِ الٰہا! میری امت نہایت کمزور اور اس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں۔'' حکم ہوا کہ دس وقت کی نمازیں معاف ہوئیں لوٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر ٹوکا اور دوبارہ عرض کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر دس اور معاف ہوئیں، اسی طرح آپ ﷺ چند بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے بارگاہِ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے، یہاں تک کہ شب وروز میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر یہی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجئے۔ فرمایا: ''اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔'' ندا آئی کہ ''اے محمد ﷺ! میرے حکم میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دس گنا بخشوں گا یہ پانچ بھی پچاس ہوں گی، میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔''

اب آسمان سے اُتر کر آنحضرت ﷺ زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے دیکھا کہ یہاں انبیا علیہم السلام کا مجمع ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نماز میں مصروف ہیں۔ آپ نے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل وصورت بھی بیان کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا: ''ان کا لمبا قد اور گندمی رنگ تھا اور الجھے ہوئے گھونگر والے بال تھے اور شنوءہ کے قبیلہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قد میانہ اور رنگ سرخ وسپید تھا۔ سر کے بال سیدھے اور لمبے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہیں، عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ثقفی (صحابی) سے ان کی صورت ملتی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت تمہارے پیغمبر (خود آنحضرت ﷺ) کی سی تھی۔ بہر حال اسی اثنا میں نماز (غالباً صبح کی نماز) کا وقت آ گیا، سرور انبیا علیہ السلام منصب امامت سے سرفراز ہوئے۔ [1] نماز سے فراغت ہوئی تو ندا آئی کہ ''اے محمد ﷺ! دوزخ کا داروغہ حاضر ہے، سلام کرو۔'' آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو داروغہ دوزخ نے سلام کیا۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب معراج میں دجال بھی آپ ﷺ کو دکھایا گیا۔ [2]

---

[1] مسند احمد، سنن نسائی، کتاب الصلوة، باب فرض الصلوة: ٤٥١ اور سیرت ابن اسحاق (طبقات ابن سعد، ج ا، قسم ا، ص: ۱۴۴) کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیا نے آپ ﷺ کی اقتدا میں یہ نماز پڑھی تھی، صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں۔ صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں مگر قرینہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واپسی کا واقعہ ہے؛ (کتاب الایمان، باب ذکر المسیح ابن مریم: ٤٣٠) حافظ ابن کثیر نے اسی کو صحیح لکھا ہے (تفسیر سورۂ اسراء، ج ۳، ص: ۲۳) اور ہم نے اسی کی تقلید کی ہے، ترمذی (تفسیر سورۂ اسراء) اور مسند ابن حنبل میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں آتے جاتے سرے سے نماز ہی نہیں پڑھی، مگر صحیح مسلم کے مقابلہ میں اس کو کون تسلیم کرے گا؟

[2] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة: ۳۲۳۹۔

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ ﷺ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح کو بیدار ہوئے۔ [1]

کفار کی تکذیب

خانہ کعبہ کے آس پاس رؤسائے قریش کی نشست رہتی تھی، آپ ﷺ بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرماتے تھے، صبح کو آپ نے ان سے اس واقعہ کو بیان کیا تو ان کو سخت اچنبھا ہوا، جو زیادہ کور باطن تھے انہوں نے آپ کو (نعوذ باللہ) جھٹلایا بعضوں نے مختلف سوالات کیے ان میں اکثر شام کے تاجر تھے، اور انہوں نے بیت المقدس کو بارہا دیکھا تھا، اور انہیں معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس نہیں گئے ہیں، اس لئے آخر میں خاتمہ دلائل کے طور پر سب نے کہا کہ اے محمد! تم کہتے ہو کہ صرف ایک شب میں تم خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے اور واپس آئے، اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا ہیئت ہے؟ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا بہت بے قراری ہوئی کہ ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی وہ سوال کرتے جاتے تھے اور میں اس کو دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔''

اتنا واقعہ تو صحیحین میں مذکور ہے لیکن واقدی، ابن اسحاق، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، بیہقی اور حاکم میں جن کا مرتبہ کتب روایات میں بلند نہیں ہے اس واقعہ پر لوگوں نے عجیب وغریب حاشیے لگائے ہیں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے گھر والوں سے شب کا واقعہ بیان کر کے باہر جانا چاہا کہ اور لوگوں سے بیان کریں، تو میں نے دامن تھام لیا کہ اس کا قصد نہ کیجئے کفار صریح جھٹلائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کو جب آپ کے اعزہ نے آپ کو بستر پر نہ پایا تو ان کو قریش کا خوف ہوا کہ انہوں نے آپ کو گزند تو نہیں پہنچایا، اور پہاڑوں اور غاروں میں آپ کو ڈھونڈنے لگے، ایک روایت میں ہے کہ معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے جب لوگوں نے جھٹلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تمہارا قافلہ پرسوں تک آجائے گا اس سے پوچھ لینا۔'' چنانچہ وہ آیا اور اس نے تصدیق کی انہی روایتوں کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ کچھ کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ آج محمد ﷺ کعبہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا واقعی یہ آپ فرما رہے ہیں؟'' لوگوں نے کہا: ہاں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو میں آپ کو سچا جانتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔'' کفار نے کہا: تم کھلم کھلا ایسی خلاف عقل بات کیونکر صحیح سمجھتے ہو! جواب دیا: میں تو اس سے بھی زیادہ خلاف عقل بات پر یقین رکھتا ہوں میں تو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپ ﷺ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں۔'' اسی دن

[1] معراج کے یہ تمام واقعات صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، کتاب التوحید، کتاب الانبیاء، باب المعراج، کتاب بدء الخلق میں اور صحیح مسلم، کتاب الایمان باب المعراج اور اس کے بعد متفرق ابواب متعلقہ معراج میں حرفاً حرفاً مذکور ہیں، ہم نے ان واقعات کے لکھنے میں صرف ترتیب وترجمہ کا فرض ادا کیا ہے۔

سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ہو گیا۔

لیکن یہ تمام قصے سرتاپا لغو اور باطل ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن سعد نے تو سرے سے ان واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے ہیں ابن جریر طبری، بیہقی، ابن ابی حاتم، ابویعلیٰ، ابن عساکر اور حاکم نے ان کی سندیں ذکر کی ہیں، ان کے رواۃ ابوجعفر رازی، ابوہارون عبدی اور خالد ابن یزید بن ابی مالک ہیں، جن میں پہلے صاحب گو بجائے خود ثقہ ہیں، مگر بے سروپا حدیثوں کو بیان کرنے میں بے باک ہیں بقیہ دو مشہور دروغ گو، کاذب اور قصہ خواں ہیں ان ہی لغو قطعوں کا اختتامی جزو یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے اور مرتد ہو گئے فار تد کثیر ممن اسلم . [1]

یہ قصہ غالباً قرآن مجید کی اس آیت کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (۱۷/ الاسراء:۶۰)

''ہم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے اس کو لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے کیا ہے۔''

ابن سعد اور واقدی نے اس قصہ کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے۔ طبری، ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ کے معتمد ارکان وہی اصحاب ثلثہ ہیں جن کے اوصاف گرامی ابھی اوپر گزر چکے ہیں، ابن جریر نے اس آیت کے تحت میں جو روایتیں درج کی ہیں ان میں سے حسن، قتادہ اور ابن زید سے یہ واقعہ ارتداد مذکور ہے، لیکن ان کا سلسلہ ان سے آگے نہیں بڑھتا [2] اس واقعہ کے انکار کی سب سے پرزور دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے وہ گنے چنے لوگ تھے، جو ہم کو نام بہ نام معلوم ہیں، ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں، واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپ کے سخت مخالف نہ ہوں اور اگر آپ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں لیکن اس واقعہ معراج کے بعد سے انہوں نے بھی آپ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کا خیال اٹھا دیا ہو، قرآن مجید نے اس کو فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ''لوگوں کے لئے آزمائش کہا ہے'' فِتْنَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ''مومنوں اور مسلمانوں کے لئے آزمائش نہیں کہا ہے'' اور اگر ان کے لئے بھی آزمائش ہو تو اس آیت سے کہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے۔

کیا آپ ﷺ نے معراج میں خدا کو دیکھا

معراج کے مشاہدات میں شئون وصفات کی جلوہ انگیزی اور آیات اللہ کی نیرنگی تو آپ نے دیکھی، لیکن کیا ذات الٰہی بھی تجلہ حجاب سے باہر آ کر منصۂ حقیقت پر رونما ہوئی؟ یعنی دیدار الٰہی سے بھی آپ مشرف ہوئے؟ بعض روایتوں میں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے، صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شریک بن عبداللہ

---

[1] سیرت ابن هشام، ج ۱، ص: ۲٤۱ ومابعد میں یہ تمام واقعات موجود ہیں۔

[2] تفسیر ابن جریر، ج ۱۵، ص: ۷۱، ۷۲۔

نے جو معراج کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے:

((حتی جاء سدرة المنتهٰی ودنا الجبار رب العزة فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنی)) [1]

''آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو عزت والا جبار (خدا) یہاں تک قریب ہوا اور جھک آیا کہ اس کے اور آپ ﷺ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔''

محدثین نے شریک کی اس روایت کے اس حصہ پر سخت اعتراضات کئے اور سب سے پہلے امام مسلم نے اس کی نسبت بے احتیاطی کا الزام قائم کیا ہے۔ صحیح مسلم باب المعراج میں شریک کی اس سند کو اور کسی قدر متن کو لکھ کر تمام چھوڑ دیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے فقدم فیه واخر وزاد ونقص، [2] شریک نے اس روایت میں واقعات کو آگے پیچھے کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے۔ امام خطابی نے لکھا ہے کہ ''صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو بظاہر اس قدر قابل اعتراض ہو جس قدر یہ حدیث۔'' اس کے بعد اس حدیث کی تاویل بیان کر کے لکھا ہے:

فانه کثیر التفرد بمناکیر الالفاظ التی لایتابعه علیها سائر الرواة۔

''شریک ایسے منکر الفاظ خود تنہا بکثرت روایت کرتے ہیں جن کی تائید ان کے دیگر ہم درس راوی نہیں کرتے۔''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے واقعہ معراج کو اور بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے مگر شریک کے سوا کسی اور نے ان الفاظ کی روایت نہیں کی ہے۔ امام بیہقی نے بھی یہی کہا ہے اور یہی حافظ ابن کثیر کی بھی تحقیق ہے [3] علامہ ابن حزم نے بھی اس کے متعلق قریب قریب یہی رائے ظاہر کی ہے [4] بعض علمائے رجال نے بھی شریک کی نسبت اچھی آرائیں نہیں ظاہر کی ہیں۔ نسائی اور ابن جارود کا قول ہے کہ ''وہ قوی نہیں۔'' یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ ''اس سے حدیث نہ بیان کی جائے۔'' البتہ ابن سعید اور ابوداؤد نے ان کے وثوق کی شہادت دی ہے اسی لئے محدثین کا فیصلہ ان کے حق میں یہ ہے کہ جب وہ تنہا کسی بات کو بیان کریں تو ان کی وہ بات شاذ اور منکر قرار دی جائے گی۔'' [5] چنانچہ اس روایت میں یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے۔

اصل یہ ہے کہ شریک کی یہ روایت سورۃ والنجم کی ان آیتوں کی تعبیر پر مبنی ہے:

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۭ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۭ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب کلم اللہ موسی تکلیما: ۷۵۱۷۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴۱۴۔ [3] بیہقی اور ابن کثیر کا قول تفسیر ابن کثیر، سورۂ اسراء، ج۳، ص:۳ میں ہے۔ [4] امام خطابی اور ابن حزم کے اقوال ابن حجر نے فتح الباری، ج۳، ص: ۴۰۳ اور ۴۰۴ میں نقل کئے ہیں۔

[5] تہذیب التہذیب، ج۴، ص: ۳۳۳ وما بعدہ۔

عَلٰی مَا یَرٰی۝ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی۝ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی۝ عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی۝ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۝﴾

(۵۳/ النجم:۵ تا ۱۸)

''محمد (ﷺ) کو پُر زور اور طاقتور نے تعلیم دی وہ آسمان کے بلند تر افق پر تھا پھر قریب ہوا اور جھک آیا یہاں تک کہ دو تیر ناپ کے برابر یا اس سے بھی قریب تر ہو گیا پھر اس کے بندے کی طرف جو کچھ وحی کرنا تھی کی، دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا وہ جو کچھ دیکھتا ہے کیا تم لوگ اس سے اس کے متعلق آپس میں شک کرتے ہو، حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جس کے پاس جنت الماویٰ ہے، اس نے دوسری مرتبہ یقیناً اور بے شک اترتے ہوئے دیکھا جب کہ سدرۃ کو چھا لیا تھا، جس نے چھا لیا تھا نگاہ نہ جھپکی، نہ بہکی اور اس نے اپنے پروردگار کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں۔''

یہی آیتیں ہیں جن کی بنا پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ آپ کو خود خدا نظر آیا اور اکثر صحابہ یہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا۔ ترمذی (تفسیر سورۂ نجم) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ ایک مقام پر کعب احبار (نو مسلم یہودی عالم) سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے دیدار کی موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ میں تقسیم کر دی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو دفعہ شرف کلام حاصل ہوا اور آپ دو دفعہ خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے، مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک شاگرد نے یہ گفتگو ان سے جا کر نقل کی وہ نہایت برہم ہوئیں اور قرآن مجید کی آیتوں سے انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ خدا خود فرماتا ہے: ﴿لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ﴾ ''آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے اس آیت کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''ہاں سچ ہے مگر اس وقت جب خدا اپنے اصلی نور میں نمایاں ہو، آنحضرت ﷺ نے خدا کو دو دفعہ دیکھا تھا۔ [1]

صحیح مسلم و ترمذی میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے خدا کو بھی دیکھا ہے؟ فرمایا: ''وہ تو نور ہے میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں۔'' [2] دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے صرف ایک نور دیکھا۔'' [3]

اکابر صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا اور ان ہی نے آپ کی طرف وحی کی تھی،

[1] یہ تمام روایتیں ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ والنجم: ۳۲۷۸ تا ۳۲۸۰ میں ہیں اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ [2] مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴۴۳ و ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ نجم: ۳۲۸۲۔ [3] مسلم، کتاب الایمان: ۴۴۴۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔ [1] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ تمام صحابہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس مسئلہ پر سخت اصرار تھا، صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار پوچھا کہ مادر من! کیا آنحضرت ﷺ نے اپنے خدا کو دیکھا تھا؟ بولیں: ''یہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے، جس نے یہ روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا اس نے جھوٹ کہا ہے خدا خود کہتا ہے:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ (٦/ الانعام: ١٠٤)

''خدا کو نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔''

پھر فرماتا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ﴾ (٤٢/ الشوریٰ: ٥١)

''اور کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ اللہ سے کلام کرے لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کی آڑ سے۔''

ان آیتوں کو پڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو نہیں دیکھا البتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم نے لکھا ہے [2] کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول حجت نہیں ہوسکتا، کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے صرف عقلی استدلال کیا ہے آنحضرت ﷺ سے کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی ہے کہ ''آپ ﷺ نے خدا کو نہیں دیکھا تھا۔'' لیکن خود صحیح مسلم میں جس کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے اسی مقام پر حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا انہوں نے کہا: ''اے ابوعائشہ! تین باتیں ایسی ہیں جن میں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اس نے خدا پر بڑا بہتان باندھا۔'' میں نے پوچھا: وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا: ''جس شخص نے یہ کہا کہ محمد ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا اس نے خدا پر بڑی تہمت لگائی، میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا یہ سن کر سیدھا اٹھ بیٹھا اور کہا: اے ام المومنین! جلدی نہ کیجیے کیا خدا خود نہیں فرماتا:

﴿ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴾ (٨١/ التکویر: ٢٣)

''اور اس نے اس کو افق المبین پر دیکھا۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ: ٣٢٣٢؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ٤٣٤؛ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، تفسیر سورۃ والنجم: ٣٢٧٧۔

[2] شرح صحیح مسلم نووی نولکشور، ص: ٩٧۔

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴾ (۵۳/ النجم:۱۳)

''اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا۔''

بولیں: سب سے پہلے خود میں نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبرائیل علیہ السلام تھے میں نے ان دو مرتبوں کے سوا ان کو اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا۔'' [1] اس سے زیادہ مستند مرفوع روایت کیا ہو سکتی ہے برخلاف اس کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (جن سے روایتیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دیکھا) کبھی اپنی روایت میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے اس کو سنا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کا مخالف نہیں (تفسیر سورۂ اسراء، ج ۳، ص:۸) بلکہ اصل یہ ہے کہ بقول ابن حجر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خیال کی تشریح میں بعض راویوں سے غلط فہمی ہوئی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ منشا نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھا، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دل کی آنکھوں سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کیا، صحیح مسلم (متعلقات اسراء، ص:۸۴) اور جامع ترمذی (تفسیر والنجم) میں ان کے یہ الفاظ ہیں (رای بقلبه رای بفؤاده) دل کی آنکھوں سے دیکھا، چشم قلب سے مشاہدہ کیا۔ مردویہ نے اس سے بھی زیادہ ان کے تصریحی الفاظ نقل کئے ہیں:

لم یرہ رسول اللہ ﷺ بعینیه انما راہ بقلبه۔ [2]

''آنحضرت ﷺ نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے قلب سے دیکھا۔''

اس تشریح کے بعد اس باب میں کوئی نزاع باقی نہیں رہ جاتی، رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا ہے؟ تو اس رمز کو وہی سمجھے جس کے دل میں نور بصیرت اور جس کے دل میں مشاہدہ کی طاقت ہو۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی خواب تھا یا بیداری

ہمارے متکلمین اور شراح حدیث نے اس باب میں بے سود مباحث کا ایک انبار لگا دیا ہے، فیصلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ متکلمانہ اعتراضات، فلسفیانہ خدشات اور عقلی محالات اور نیز عامیانہ ظواہر پرستی اور جمہور کے خیالات کی بے جا حمایت کے وسوسوں سے خالی الذہن ہو کر صحیح روایتوں کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل: ۶۰)

''ہم نے جو رؤیا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا اس کو ہم نے لوگوں کے لئے صرف آزمائش بنایا ہے۔''

بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے، رؤیا عربی زبان میں

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۴۳۹۔ [2] فتح الباری، ج ۸، ص: ۴۶۸۔

''دکھاوا'' کو کہتے ہیں یعنی جو دیکھنے میں آئے اور عام طور سے اس کے معنی ''خواب'' کے ہیں اس لئے جو فریق معراج کو خواب بتاتا ہے وہ اس آیت کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں یہ ان کی تصریح ہے کہ اس آیت میں رؤیا کے معنی مشاہدۂ چشم کے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ واقعہ معراج خواب نہ تھا بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس فی قوله تعالی: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ٦٠) قال هی رؤیا عین اریها رسول الله ﷺ لما اسری به الی بیت المقدس۔ [1]

''ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہ ''ہم نے جو رؤیا تجھ کو دکھایا اس کو نہیں بنایا لیکن لوگوں کے لئے آزمائش'' کہتے ہیں کہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا جب آپ ﷺ کو رات کے وقت بیت المقدس میں لے جایا گیا۔''

اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رؤیا لغت میں ''آنکھ کے دیکھنے'' کو نہیں کہتے مگر ذرا غور کیجئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر لغت عرب کا واقف کار اور کون ہو سکتا ہے، جب وہ رؤیائے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے، علاوہ ازیں راعی اور متنبّی بعض عرب شعرا نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی ''رؤیا'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

راعی کہتا ہے: فکبر للرؤیا وهشّ فواده۔

متنبّی کا مصرع ہے: ورؤیاك احلی فی العیون من الغمض۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ صحیحین کی دو روایتوں کے سوا باقی روایتوں میں خواب کا مطلق ذکر نہیں ہے، چنانچہ بخاری ومسلم اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جو صحیح ترین روایت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعہ سے ہے خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے، اس لئے حسب محاورۂ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی ہے، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں جو شریک کے واسطہ سے ہے یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا، بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفة النبی ﷺ دو مقامات میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

((سمعت انس بن مالك يقول ليلة اسرى برسول الله ﷺ من مسجد الكعبة انه جاء ه ثلثة نفر قبل ان يوحىٰ اليه وهو نائم فى المسجد الحرام فقال اولهم

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب المعراج: ۳۸۸۸۔

ایهم هو فقال اوسطهم هو خيرهم فقال اخرهم خذوا خيرهم فكانت تلك الليلة فلم يرهم حتىٰ اتوه ليلة اخرىٰ فيما يرىٰ قلبه وتنام عينه ولاينام قلبه وكذالك الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم)) [1]

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ ﷺ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی بھیجی جائے آپ کے پاس تین شخص آئے اور آپ اس وقت مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے پہلے نے کہا: وہ کون ہے؟۔ بیچ والے نے کہا: ان (سونے والوں) میں جو سب سے بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا: ان میں جو سب سے بہتر ہے اس کو لے لو، یہ رات ہوگئی، پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ آئے۔ [2] اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔''

((سمعت انس بن مالك يحدثنا عن ليلة اسرى بالنبي ﷺ من مسجد الكعبة جاءه ثلثة نفر قبل ان يوحىٰ اليه وهو نائم في المسجد الحرام فقال اولهم ايهم هو فقال اوسطهم هو خير هم وقال اخرهم خذ وا خيرهم فكانت تلك فلم يرهم حتى جاء وا ليلة اخرىٰ فيمايرىٰ قلبه والنبي ﷺ نائمة عيناه ولاينام قلبه وكذالك الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم فتولاه جبريل ثم عرج به الى السماء)) [3]

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہم لوگوں سے آپ ﷺ کی شب معراج کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ پر وحی آئے آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے، آپ کے پاس تین آدمی آئے پہلے نے کہا: وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا: وہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا: جو ان میں سب سے بہتر ہو اس کو لے لو یہ تو ہو گیا، پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ایک اور رات کو آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا انبیا کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے پھر جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اپنے اہتمام میں لیا پھر وہ آپ کو لے کر

[1] صحيح بخاري، كتاب التوحيد، باب ماجاء في قوله: وكلم الله موسىٰ تكليما: ٧٥١٧۔ [2] (ان دونوں راتوں میں کم از کم بارہ برس کا فصل ہوگا کیونکہ پہلی رات آغاز وحی سے پہلے تھی اور دوسری رات جو شب معراج تھی نبوت کے بارہویں سال تھی)

[3] صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب كان النبي ﷺ تنام عينه...... : ٣٥٧٠۔

آسمان پر چڑھے۔''

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہاں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ روایت کیا ہے:

فاستيقظ وهو في المسجد الحرام۔ ❶

''پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔''

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے، سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ ''آپ ﷺ مسجد حرام میں سوتے تھے'' اس کو ختم کر دیا ہے اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ ''شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا کر اور آگے پیچھے کر دیا ہے۔'' اس لئے ائمہ نے جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء ❷ میں اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہام ہیں اور اسی لئے اس کو انہوں نے رد کر دیا ہے، دوسری روایت صحیحین میں وہ ہے جس میں حضرت مالک بن صعصعہ انصاری رضی اللہ عنہ خود آنحضرت ﷺ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے معراج کا واقعہ دہراتے ہوئے فرمایا:

((بينما انا عند البيت بين النائم واليقظان)) ❸

''میں کعبہ کے پاس خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔''

صحیح بخاری باب المعراج ❹ اور مسند ابن حنبل میں مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((بينما انا في الحطيم مضطجعًا))

''اس اثنا میں کہ میں (خانہ کعبہ کے مقام) حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔''

لیکن یہ شب معراج میں آغاز کی کیفیت کا بیان ہے، اس وقت آنحضرت ﷺ آرام فرما رہے تھے دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے جس میں حضرت ابوسعید خدری کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا ایک آنے والا (جبرائیل علیہ السلام) آیا اور اس نے آکر مجھے جگایا اور میں جاگا۔'' اس کے بعد واقعہ معراج کی تفصیل ہے اس میں سونے کے بعد جگائے جانے کی گو تصریح ہے، لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا اور دروغ گو اور ناقابل اعتبار ہے ❺ اور اس میں جو منکرات اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں وہ سرتاپا لغو ہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۷۵۱۷۔ ❷ شرح شفا شهاب خفاجی ج۲، ص: ۲٦٠۔

❸ صحیح بخاری، باب ذکر الملائکة: ۳۲۰۷ وصحیح مسلم، باب الاسراء: ٤١٦۔

❹ بخاری، کتاب مناقب الانصار: ۳۸۸۷۔ ❺ حافظ ابن کثیر نے تفسیر سورۃ اسراء، ج۳، ص: ۱۹ میں اس روایت کو نقل کیا ہے اس کے سلسلۂ سند میں دوسرا راوی وہی ابو ہارون العبدی ہے جس کو علمائے رجال نے بالاتفاق ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ هو اكذب من فرعون ''وہ فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔''

طبری نے تفسیر میں (سورۂ اسراء) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے کہ "میں سورہا تھا کہ جبرائیل، نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا" لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے آگے نہیں بڑھتا، سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور رؤیائے صادقہ کہتے تھے یہ روایتیں مع سند کے حسب ذیل ہیں:

عن محمد بن اسحاق قال حدثنی یعقوب بن عتبۃ بن المغیرۃ ان معاویۃ بن ابی سفیان کان اذاسئل عن مسری رسول اللہ ﷺ قال: کانت رؤیا من اللہ صادقۃ۔ [1]

"محمد بن اسحاق سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔"

لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ یعقوب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خود نہیں سنا ہے کیونکہ انہوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے، دوسری روایت ہے:

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمۃ عن محمد قال حدثنی بعض اٰل ابی بکر ان عائشۃ کانت تقول مافقد جسد رسول اللہ ﷺ ولکن اسری بروحہ۔ [2]

"ابن حمید نے ہم سے بیان کیا، ان سے سلمہ نے، سلمہ سے محمد بن اسحاق نے، انہوں نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کا جسم نہیں کھویا گیا بلکہ آپ کی روح شب کو لے جائی گئی۔"

اس روایت کے سلسلہ میں محمد بن اسحاق اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابوبکر صدیق کے ایک شخص کا نام ونشان مذکور نہیں ہے، اس لئے یہ بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے، تاہم ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج کو رؤیا یا روحانی کہنا قرن اول میں بعض لوگوں کا قول تھا، ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ "یہ رؤیا تھا تو وہ اس کی تردید نہیں کرتے تھے۔" [3] لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے:

اختلف الناس فی الاسراء برسول اللہ ﷺ فقیل انما کان جمیع ذلک فی

---

[1] ابن جریر، تفسیر سورۃ اسراء، ج۱۵، ص: ۱۳۰؛ سیرت ابن ہشام ذکر معراج، ج۱، ص: ۲۴۹۔

[2] حوالہ مذکور۔ [3] سیرت ابن ہشام، ج۱، ص: ۲۴۲۔

المنام والحق الذی علیه اکثر الناس ومعظم السلف وعامة المتاخرین من الفقهاء والمحدثین والمتکلمین انه اسریٰ بجسده ﷺ والآثار تدل علیه لمن طالعها وبحث عنها ولا یعدل عن ظاهرها الابدلیل والاستحالة فی حملها علیه فیحتاج الی تاویل. [1]

''رسول اللہ ﷺ کی معراج میں لوگوں کا اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا اور حق یہ ہے کہ جس پر اکثر لوگ اور سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عامہ متاخرین میں سے فقہا اور محدثین اور متکلمین سب متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور جو شخص تمام آثار واحادیث کا غائر مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہو جائے گا اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پر ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو۔''

مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لیکر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

① قرآن مجید میں ہے کہ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۱) ''پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج) میں لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو'' اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے ''بندہ'' کو لے گیا بندہ یا عبد کا اطلاق جسم یا روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

② واقعات معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے اور آپ نے دودھ کا پیالہ نوش فرمایا، سوار ہونا پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں، اس لئے یہ معراج جسمانی تھی۔

③ اگر واقعۂ معراج رؤیا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے؟ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے، محال سے محال چیز بھی اس کو عالم خواب میں واقعہ بن کر نظر آتی ہے۔

④ خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۶۰) ''کہ اس مشاہدۂ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے۔'' اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش کی کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔ [2]

معراج کے بحالتِ بیداری ہونے پر صحیح استدلال

میرے نزدیک معراج کے بحالت بیداری کے ثبوت کا صاف وصحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ

---

[1] شرح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، ج۱، ص:۹۱ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو۔

[2] تفسیر طبری، ج۱۵، ص:۱۳۔

یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کردے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا، قرآن پاک کے ان الفاظ میں ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا﴾ ''پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا۔'' میں کسی خواب کی تصریح نہیں، اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں، اس لئے بے شبہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی بجسم، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی تصریح نہیں، اس لئے زبان کے محاورۂ عام کی بنا پر اس کو بیداری کا واقعہ سمجھا جائے گا۔

مدعیانِ رؤیا کا مقصود بھی رؤیا سے عام خواب نہیں

جو لوگ اس کو ''رؤیا'' کہتے ہیں، اس سے ان کا مقصود بھی وہ عام خواب نہیں ہے جو ہر روز ہر شخص دیکھا کرتا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ لوگوں نے انبیا علیہم السلام کے رؤیا کی حقیقت پر غور نہیں کیا ہے، وہ غلطی سے انبیا علیہم السلام کے رؤیا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں، حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے اور نہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے، یہ وہ ''رؤیا'' ہے جس میں گو آنکھیں بند ہوتی ہیں، مگر دل بیدار ہوتا ہے، کیا یہی عام رؤیا کی حقیقت ہے؟ یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر دراصل ہشیاری بلکہ مافوق ہشیاری ہے، عام خواب اور اس رؤیا میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالم مادی اور کاروبار حواس ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تعطل ہے لیکن پہلے میں عالم روح اور کائنات ملکوت کو دخل نہیں اور دوسرے میں سراپا ہشیاری، بیداری، حقیقت بینی، اہم سفری ناموس، سیر سماوات، القائے ارواح، رؤیت حق سب کچھ ہے، اسی لئے جن لوگوں نے اس کو ''منام'' یا ''رؤیا'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے درحقیقت مجاز و استعارہ سے کام لیا ہے، ورنہ اصل مقصود یہی کیفیت روحانی اور یہی حالت ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادی قوانینِ طبعی کی رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں۔

رؤیائے صادقہ کی تاویل

بہرحال جو لوگ اس کو رؤیائے صادقہ کہتے ہیں۔ ان کو گو یہ مغالطہ بعض روایات حدیث سے پیش آیا ہے، جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور جن میں سب سے مستند شریک کی روایت ہے، جس کے الفاظ میں کمی بیشی پر اکثر محدثین نے اعتراض کیا ہے، اسی لئے اس کو انہوں نے رد کر دیا ہے، تاہم محدثین میں سے امام خطابی صاحب معالم السنن شریک کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> واما من اعتبر اول الحديث باخره فانه يزول عنه الاشكال فانه مصرّح فيهما بانه كان رؤيا لقوله فى اوله وهو نائم وفى اخره استيقظ وبعض الرؤيا مثل يضرب ليتاول على الوجه الذى يجب ان يصرف اليه معنى

التعبير في مثله وبعض الرؤيا لا يحتاج الى ذالك بل ياتي كالمشاهدة.[1]

''لیکن جو شخص اس حدیث کے ابتدائی الفاظ کو آخری الفاظ سے ملا کر دیکھے گا اس سے یہ اشکال اس لئے دور ہو جائے گا کہ ان میں یہ تصریح ہے کہ یہ رویا تھا، کیوں کہ اس روایت کے شروع میں ہے کہ ''آپ ﷺ سو رہے تھے۔'' اور آخر میں ہے، کہ آپ ﷺ جاگ پڑے، بعض رویا تمثیلی رنگ میں ہوتے ہیں، جن کی تاویل ضروری ہے کہ اسی طرح کی جائے، جس طرح اس قسم کے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض رویا اس کے محتاج نہیں ہوتے، بلکہ وہ مشاہدۂ عینی کی طرح پیش آتے ہیں۔''

رؤیا سے مقصود روحانی ہے

لیکن جو لوگ ان میں آشنائے راز ہیں، وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا، جو ہر انسان تقریباً ہر شب کو دیکھتا ہے، بلکہ وہ اس کیفیت پر رؤیا کا اطلاق محض مجازی اور انسانی طریقہ ادا کے قصور کے باعث کرتے ہیں، انسان روح اور جسم سے مرکب ہے، یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے، اس کا تعلق محض عارضی ہے اور یہی عارضی تعلق عالم نور سے اس کے حجاب کا باعث ہے، جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہو جائے گا۔ اسی نسبت سے وہ حجاب اُٹھتا جائے گا۔ انسان جب بیداری میں ہوتا ہے تو حواس ظاہری کی مصروفیت روح کو مشاہدۂ باطن سے باز رکھتی ہے، نیند کی حالت میں کسی قدر اس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے تو اس کو رنگا رنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں یہ حالت انسان کی باطنی و روحانی قویٰ کی ترقی و تنزل پر موقوف ہے ایک دن تو ہر انسان مر جاتا ہے یعنی اس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن انسانوں کی ایک صف ایسی بھی ہے جس کا طائر روح خدا کے فضل و موہبت بازوؤں سے پرزور ہو کر اپنے قفس عنصری کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر عالم ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے اور پھر اسی قفس عنصری کی طرف رجعت کر جاتا ہے یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی محدود زبان میں مجازاً ''رؤیائے صادقہ'' یا رؤیائے نبوت کہتے ہیں اور اسی عالم کو عالم رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ممکن ہے کہ اسی کو قرآن مجید کی آیت ﴿وما جعلنا الرؤيا التى اريناك﴾ میں رؤیا کہا گیا ہے یہی وہ دنیا ہے جس میں آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے اور اسی کی طرف وحی کی حدیثوں میں اشارہ ہے اور ابن ہشام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو روایت منسوب ہے کہ

ما فقد جسد رسول الله ﷺ ولكن اسرى بروحه۔[2]

''یعنی حضور انور ﷺ کو معراج روح کے ذریعہ ہوئی۔''

کا بھی یہی مطلب ہے۔

[1] فتح الباری، ج ۱۳، ص: ۴۰۲۔ [2] سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص: ۲۴۲۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد [1] میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

فصل: وقد نقل ابن اسحاق عن عائشة ومعاوية انهما قالا انما كان الاسراء بروحه ولم يفقد جسده ونقل عن الحسن البصرى نحو ذالك ولكن ينبغى ان يعلم الفرق بين ان يقال كان الاسراء منامًا وبين ان يقال كان بروحه دون جسده وبينهما فرق عظيم وعائشة ومعاوية لم يقولا كان منامًا وانما قالا اسرى بروحه ولم يفقد جسده وفرق بين الامرين فان مايراه النائم قد يكون امثالا مضروبة للمعلوم فى الصور المحسوسة فيرى كانه قد عرج به الى السماء اوذهب به الى مكة واقطار الارض وروحه لم تصعد ولم تذهب وانما ملك الرؤيا ضرب له المثال والذين قالوا عرج برسول الله ﷺ طائفتان طائفة قالت عرج بروحه وبدنه وطائفة قالت عرج بروحه ولم يفقد بدنه وهؤلاء لم يريدوا ان المعراج كان منامًا وانما ارادوا ان الروح ذاتها اسرى بها وعرج بها حقيقة وباشرت من جنس ماتباشر بعد المفارقة وكان حالها فى ذالك كحالها بعد المفارقة فى صعود ها الى السمٰوات سماءً حتى ينتهى بها الى السماء السابعة فتقف بين يدى الله عزوجل فيا مرفيها بما يشاء ثم تنزل الارض فالذى كان لرسول الله ﷺ ليلة الاسراء اكمل مما يحصل للروح عندالمفارقة ومعلوم ان هذا امر فوق ما يراه النائم لكن لماكان رسول الله ﷺ فى مقام خرق العوائد حتى شق بطنه وهو حى لايتالم بذالك عرج بذات روحه المقد سة فى غير اماتة ومن سواه لاينال بذات روحه الصعود الى السماء الا بعد الموت والمفارقة فالانبياء انما استقرت ارواحهم هناك بعد مفارقة الابدان و روح رسول الله ﷺ صعدت الى هناك فى حال الحياة ثم عادت وبعد وفاته استقرت فى الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق راى موسٰى قائمًا يصلى فى قبره وراه فى السماء السادسة ومعلوم انه لم يعرج بموسٰى من قبره ثم رد اليه وانما ذالك مقام روحه واستقرارها وقبره مقام

[1] جلد ۱، ص: ۳۰۴ مصر۔

بدنه واستقراره الى يوم معاد الارواح الى اجسادها فراه يصلى فى قبره وراه فى السماء السادسة كما انه ﷺ فى ارفع مكان فى الرفيق الاعلى مستقرًا هناك وبدنه فى ضريحه غير مفقود واذاسلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام ولم يفارق الملاء الاعلى ومن كثف ادراكه وغلظت طباعه عن ادراك هذا فلينظر الى الشمس فى علو محلها وتعلقها وتاثيرها فى الارض وحيات النبات والحيوان بها هذا وشان الارواح فوق هذا فلها شان وللبدن شان وهذه النار تكون فى محلها حرارتها تؤثر فى الجسم البعيد عنها مع ان الارتباط والتعلق الذى بين الروح والبدن اقوى واكمل من ذالك واتم فشان الروح اعلى من ذالك والطف۔

''فصل: ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ ﷺ کی روح لے جائی گئی اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ کہنا کہ معراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی جسم کے ساتھ نہ تھی، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ منام (خواب) تھا، انہوں نے یہی کہا ہے کہ معراج میں آپ کی روح کو لیجایا گیا اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا ان دونوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے کبھی محسوس صورتوں میں جو کچھ معلوم ہے اس کی تمثیلیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، پس وہ دیکھتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھایا گیا یا مکہ اس کو لے جایا گیا اور زمین کے گوشوں میں اس کو پھرایا گیا، حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی، نہ گئی، نہ پھری، صرف یہ ہوا کہ خواب کے فرشتے نے اس کے لئے ایک تمثیل اس کے سامنے کر دی اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح و بدن دونوں کے ساتھ ہوئی اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں کہ وہ خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہٖ روح کو معراج ہوئی اور وہی درحقیقت اوپر چڑھائی گئی اور اس نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے مفارقت کے بعد کرتی ہے اور اس میں اس کی حالت وہی تھی جو مفارقت جسم کے بعد آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنے میں ہوتی ہے، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور

اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے پھر وہ جو چاہتا ہے اس کی نسبت حکم دیتا ہے پھر زمین پر واپس آ جاتی ہے پس آنحضرت ﷺ کو شب معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے، یہاں تک کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوئی اسی طرح خود روح مبارک بذاتہٖ اوپر چڑھائی گئی بغیر اس کے کہ آپ پر موت طاری کی جائے آپ کے علاوہ اور کسی کی روح کو موت اور مفارقت تن کے بغیر یہ عروج نصیب نہ ہوا، انبیا علیہم السلام کی روحیں جو یہاں ٹھہری تھیں اور وہ مفارقت جسم کے بعد تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کی روح پاک زندگی کی حالت میں وہاں گئی اور واپس آئی اور مفارقت کے بعد انبیا کی روحوں کے ساتھ ''رفیق اعلیٰ'' میں جا کر ٹھہر گئی لیکن باوجود اس کے روح پاک کو اپنے جسم کے ساتھ ایک نوع کا تعلق اور رشتہ ہے کہ اگر آپ ﷺ پر کوئی سلام بھیجے تو آپ سلام کا جواب دیتے ہیں اسی تعلق سے آپ نے شب معراج میں دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں پھر آپ نے ان کو چھٹے آسمان میں دیکھا، حالانکہ معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں لے جایا گیا تھا اور نہ پھر واپس کیا گیا تھا، اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں آسمان پر جو موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے دیکھا تو وہ ان کی روح کا مقام و مستقر تھا اور قبر ان کے جسم کا، جہاں وہ قیامت میں روحوں کے لوٹانے کے وقت تک رہے گا، اس طرح آپ نے ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا جس طرح کہ (بعد وفات) آنحضرت ﷺ اس سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے، جب سلام کرنے والا آپ پر سلام کرتا ہے تو اللہ آپ کی روح کو واپس کرتا ہے، تا آنکہ آپ جواب دیتے ہیں، حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ سے آپ علیحدہ نہیں ہوئے جو شب معراج میں حاصل ہوا۔ وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوئی، اسی طرح روح مبارک بذاتہٖ اوپر ہے۔ جو موٹی سمجھ اور بھدی طبیعت کا آدمی اس معاملہ کو سمجھ نہ سکے اس کو

چاہیے کہ آفتاب کی طرف دیکھے کہ اس دوری اور بلندی کے باوجود اس کا تعلق اور رشتہ زمین سے قائم ہے اور اس کے اندر وہ اثر ڈالتا ہے اور نباتات وحیوانات کی زندگی میں اس کو دخل ہے پھر روح کا مرتبہ تو اس سے بدرجہا زیادہ ہے کیونکہ روح کا معاملہ اور ہے جسم کا معاملہ اور ہے اور دیکھو کہ آگ اپنی جگہ پر رہتی ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے اس لئے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے۔"

فقل للعيون الرمد اياك ان ترى
سنا الشمس فاستغشى ظلام اللياليا

"گرد آلود آنکھوں سے کہہ دو کہ وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکی کو اوڑھ لیں۔"

صوفیہ اور ارباب حال نے معراج کے واقعات کی تشریح اپنے مذاق اور رنگ میں کی ہے، علمائے اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال ہے اور محدث و متکلم بھی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ صاحب کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دیگر اہل باطن کی طرح عالم برزخ اور عالم مثال زمام اور عالم جسد اور عالم روح کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں جہاں جسم پر روح کے خواص طاری ہوتے ہیں اور روح اپنی خصوصیت اور مناسبت کے مطابق جسمانی شکل وصورت میں نمایاں ہوتی ہے، شاہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ معراج بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی لیکن یہ عالم برزخ کی سیر تھی جہاں آپ ﷺ کے جسم پر روحانی خواص طاری کیے گئے اور معانی و واقعات مختلف اشکال وصورت میں مشاہدہ کرائے گئے چونکہ ایک بیگانہ کے لئے اس نادیدہ شہرستان کی ہو بہو تشریح اپنی زبان میں مشکل ہے، اس لئے ہم اس ملک کے ایک سیاح کا بیان نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

واسرى به الى المسجد الاقصى ثم الى سدرة المنتهى والى ماشاء الله وكل ذالك لجسده ﷺ فى اليقظة ولكن ذالك فى موطن هو برزخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد احكام الروح وتمثل الروح والمعانى الروحية اجسادًا ولذلك بان لكل واقعة من تلك الوقائع تعبير وقد ظهر لحز قيل وموسى وغيرهما عليهم السلام نحو من تلك الوقائع وكذالك لاولياء الامة ليكون علو درجاتهم عندالله كحالهم فى

الرؤیا۔ واللہ اعلم۔ [1]

"آپ ﷺ کو معراج میں مسجد اقصیٰ میں لے جایا گیا اور پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے، اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی اور اسی طرح کے واقعات میں حضرت حزقیل اور موسیٰ علیہم السلام وغیرہ کے لئے ظاہر ہوئے تھے، جیسے اولیائے امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے درجے کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رؤیا میں ان کو معلوم ہوتی ہے، واللہ علم۔"

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے، خود احادیث صحیحہ اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالا اٹھالیا، اس پر فرشتہ نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی تمام امت گمراہ ہو جاتی۔" اس عالم تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا ہے۔

شاہ صاحب معراج کو عالم برزخ کا واقعہ بتا کر اسی طرح معراج کے تمام واقعات کی تشریح کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

اما شق الصدر وملؤه ايمانا فحقيقته غلبة انوار الملكية وانطفاء لهيب الطبيعة وخضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس واماركوبه على البراق فحقيقة استواء نفسه النطقية على نسمته التى هى الكمال الحيوانى فاستوىٰ راكبًا على البراق كما غلبت احكام نفسه النطقية على البهيمية وتسلطت عليها واما اسرآء ه الى المسجد الاقصىٰ فلانه محل ظهور شعائر الله ومتعلق همم الملاء الاعلى ومطمح انظار الانبياء عليهم السلام فكانه كوة الى الملكوت واما ملاقاته مع الانبياء صلوات الله عليهم ومفاخرته معهم فحقيقتها اجتماعهم من حيث ارتباطهم بحظيرة القدس وظهور ما اختص به من بينهم من وجوه الكمال واما رقيه الى السموات سماء بعد

[1] حجة الله البالغة، ج٢، ص:١٥٤.

سماء فحقيقة الانسلاخ الى مستوى الرحمان منزلة بعد منزلة ومعرفته حال الملائكة المؤكلة بها ومن لحق بهم من افاضل البشر والتدبير الذى اوحاه الله فيها والاختصام الذى يحصل فى ملئها واما بكاء موسىٰ فليس بجسد ولكنه مثال لفقده عموم الدعوة وبقاء كمال لم يحصله مما هو فى وجهه واما سدرة المنتهىٰ فشجرة الكون وترتب بعضها على بعض وانجماعها فى تدبير واحد كا نجماع الشجرة فى الغاذية والنامية ونحوهما ولم تتمثل حيوانا لان التدبير الجملى الاجمالى الشبيه بسياسة الكلى بافراده وانما اشبه الاشياء به الشجرة دون الحيوان، فان الحيوان فيها قوى تفصيلية والارادة فيه اصرح من سنن الطبيعة واما الانهار فى اصلها فرحمة فائضة فى الملكوت حذ والشهادة وحياة وانماء فلذالك تعين هنالك بعض الامور النافعة فى الشهادة كالنيل والفرات واما الانوار التى غشيتها فتدليات الهية وتدبيرات رحمانية تلعلعت فى الشهادة حيثما استعدت لها واما بيت المعمور فحقيقة التجلى الا لهى الذى يتوجه اليه سجدات البشر وتضرعاتها يتمثل بيتًا على حذوما عندهم من الكعبة وبيت المقدس ثم اتى باناء من لبن واناء من خمر فاختار اللبن فقال جبرائيل هديت للفطرة ولو اخذت الخمر لغوت امتك فكان هو ﷺ جامع امة ومنشأ ظهورهم وكان اللبن اختيارهم الفطرة والخمر اختيارهم لذات الدنيا وامر بخمس صلوات بلسان التجوز لانها خمسون باعتبار الثواب ثم اوضح الله مراده تدريجًا ليعلم ان الحرج مدفوع وان النعمة كاملة وتمثل هذا المعنىٰ مستندًا الى موسىٰ فانه اكثر الانبياء معالجة للامة ومعرفة بسياستها۔ [1]

”لیکن سینہ کا چیرنا اور اس کا ایمان سے بھرنا تو اس کی حقیقت ملکیت کے انوار کا غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا اور طبیعت کی فرمانبرداری اس فیضان کو قبول کرنے کے لئے جو حظیرۃ القدس سے خدا اس پر فائض کرتا ہے لیکن آپ کا براق پر سوار ہونا تو اس کی حقیقت آپ کے نفس ناطقہ (بشری) کا اپنے اس روح حیوانی پر استیلا حاصل کرنا ہے جو کمالِ حیوانی ہے تو

[1] حجة الله البالغة، باب الاسراء، ج ۲، ص: ۱۵٤۔

آپ ﷺ براق پر اسی طرح سوار ہو گئے، جس طرح آپ کی روح بشری کے احکام آپ کی روح حیوانی پر غالب آ گئے اور اس پر مسلط ہو گئے لیکن آپ کا رات کو مسجد اقصیٰ لے جانا تو وہ اس لئے کہ یہ مقام شعائر الٰہی کے ظہور کا مکان ہے اور ملائے اعلیٰ کے ارادوں کا تعلق گاہ ہے اور انبیا علیہم السلام کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہے، گویا وہ ملائے اعلیٰ کی طرف ایک روشندان ہے جہاں سے روشنی چھن چھن کر اس روشندان کے ذریعہ اس کرۂ انسانی پر فائض ہوتی ہے لیکن آپ کی انبیا علیہم السلام سے ملاقات اور مفاخرت (اور امامت) تو اس کی حقیقت تو ان کا اجتماع ہے، بحیثیت اس کے کہ وہ سب ایک ہی رشتہ میں حظیرۃ القدس سے مربوط ہیں اور آپ ﷺ کی ان حیثیاتِ کمال کا ظہور ہے جو ان تمام پیغمبروں میں آپ کی ذات سے مخصوص تھیں لیکن آپ کا آسمان پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنا (اور فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے ملاقات) تو اس کی حقیقت درجہ بدرجہ (تحت کی منزلوں سے) کھینچ کر عرش الٰہی تک پہنچنا ہے اور ہر آسمان پر جو فرشتے متعین ہیں اور کامل انسانوں میں سے جو جہاں جس جس درجہ تک پہنچ کر ان کے ساتھ مل کر گیا ہے، ان کے حالات سے اور اس تدبیر سے جو ہر آسمان میں خدا نے وحی کی اور اس مباحثہ سے جو اس آسمان کے فرشتوں کی جماعت میں ہوتا ہے آگاہی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا تو از راہ حسد نہ تھا بلکہ وہ اس بات کی تمثیل تھی کہ ان کو دعوت عامہ نہیں ملی تھی اور اس کمال کی بقا ان کو عنایت نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت سے حاصل ہوتی ہے لیکن سدرۃ المنتہیٰ تو وہ وجود کا درخت ہے اس کا ایک دوسرے پر مرتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر میں مجتمع ہونا ہے جس طرح درخت (اپنی شاخوں کے بے شمار افراد کے اختلاف کے باوجود) اپنی قوت غاذیہ اور اپنی قوت نامیہ کی تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے، سدرۃ المنتہیٰ حیوان کی شکل میں نمایاں نہیں ہوا، اس لئے کہ اجمالی اور مجموعی تدبیر اس طرح ہے جس طرح کلی اپنے افراد کی سیاست (اجمالی) کرتی ہے اور اس تدبیر اجمالی کی بہترین شبیہ درخت ہے نہ کہ حیوان، کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور خصوصاً اس میں ارادہ قوانین طبعی سے زیادہ مصرح صورت میں ہوتا ہے لیکن نہروں (کی جڑوں اور سوتوں کا وہاں نظر آنا) تو وہ رحمت و حیات ونشوونما کا منبع ہے جو عالمِ ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالم ظاہر میں اسی لئے وہاں بھی بعض وہ پرفیض امور نظر آئے جو یہاں اس عالم میں ہیں، جیسے دریائے نیل اور نہر فرات لیکن وہ انوار جو اس درخت کو ڈھانکتے تھے وہ تنزلات الٰہیہ اور تدبیرات رحمانیہ ہیں جو اس عالمِ ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں جہاں جہاں ان کے قبول کی استعداد ہوتی ہے لیکن بیت معمور تو اس کی حقیقت وہ تجلی

ہے جس کی طرف انسانوں کے تمام سجدے اور بندگیاں متوجہ ہوتی ہیں، وہ گھر کی صورت میں اس لئے نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں پھر آپ ﷺ کے سامنے ایک دودھ کا پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ لایا گیا، آپ نے دودھ پسند فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ فطرت کی طرف آپ نے ہدایت پائی اگر شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی آپ کے پسند و قبول کو امت کا پسند و قبول کہنا اس لئے تھا کہ آپ اپنی امت کے جامع و مرکز اور اس کے ظہور کے منشا و مولد تھے اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا فطرت کا پسند کرنا تھا اور شراب کا لینا دنیاوی لذتوں کو پسند کرنا تھا اور آپ کو بزبان مجاز پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد کو کہ "۵۰ وقتوں سے ۵ وقت مقصود ہیں" بدفعات اور بتدریج اس لئے ظاہر کیا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ (۵۰ وقت کو ۵ کر دینے میں) تنگی دور کر دی گئی ہے اور نعمت پوری ہوئی ہے اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمہ کی طرف منسوب ہو کر اس لئے ظاہر ہوئی کہ تمام پیغمبروں میں امت کا تجربہ اور امت کی سیاست کی آگاہی انہی کو سب سے زیادہ تھی۔"

ہم نے ارباب حال اور محدثین کے انکشافات و حقائق اور جسم و روح کے یہ گوناگوں احوال و مناظر خود انہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں، ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں، جو ابن اسحاق کی عبارت میں حسب ذیل ہے:

وكان في مسراه وما ذكر منه بلاء وتمحيص وامر من امر الله في قدرته وسلطانه، فيه عبرة لاولي الالباب وهدى ورحمة وثبات لمن امن بالله وصدق وكان من امر الله على يقين فاسرى به كيف شاء وكما شاء ليريه من آيات ربه ما اراد حتى عاين ما عاين من امره وسلطانه العظيم وقدرته التي يصنع بها ما يريد۔ [1]

"آپ ﷺ کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس میں آزمائش اور کافر و مومن کی تمیز ہے اور خدا کی قدرت اور سلطنت میں سے کوئی الٰہی شان ہے اور اس میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے اور جو اللہ پر ایمان لایا اور تصدیق کی اور خدا کے کاموں پر یقین رکھا اس کے لئے اس میں ہدایت رحمت و ثابت قدمی ہے پس اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو رات کے

[1] سیرت ابن ھشام، باب الاسراء، ج ۱۔

وقت لے گیا جس طرح چاہا، اور جیسے چاہا، تاکہ وہ اس کو اس کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے، جو کچھ دیکھے، اور اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔''

قرآن مجید اور معراج

معراج کے اسرار، اعلانات، احکام، بشارتیں اور انعامات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسراء (جس کو سورۂ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے، یعنی:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل:۱)

''پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکت نازل کی ہے، تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورہ معراج کے اسرار وحقائق، نتائج وعبر اور احکام واعلانات سے معمور ہے، سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے جلی عنوانات کیا ہیں۔

① یہ اعلان کہ آنحضرت ﷺ نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں۔

② یہود جواب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اُس کے نگہبان وکلید بردار بنائے گئے تھے، اُن کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسب وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے اور آلِ اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گزاری سپرد کی جاتی ہے۔

③ کفار قریش کو اعلان کہ تمہارے پند وموعظت کا عہد گزر گیا، فیصلۂ حق کے ثبوت کے لئے جس عذاب کو تم مانگتے تھے، اب وہ آتا ہے کہ رسول اب ہجرت کرتے ہیں۔

④ رسولوں کی سنت کے مطابق اب آنحضرت ﷺ کو ہجرت کا اذن دیا جائے گا جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا۔

⑤ معراج کے احکام وشرائع۔

⑥ نماز پنجگانہ کی فرضیت۔

⑦ نبوت، قرآن، قیامت اور معجزات پر اعتراضات کے جوابات۔

⑧ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات اور واقعات سے استشہاد۔

آنحضرت ﷺ کا نبی القبلتین ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا اور

اُن کو ارضِ مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے تھے لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی ان کو سنا دیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام دو بیٹے عطا ہوئے تھے اور ارضِ مقدس کو ان دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت اسحٰق علیہ السلام کو اور عرب کا ملک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ملا تھا، شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا، حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرائیل حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسمٰعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے ان میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور اسمٰعیل علیہ السلام کا کعبہ تھا گویا آنحضرت ﷺ سے پہلے جس قدر انبیا علیہم السلام عرب یا شام میں مبعوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف وخصوصیات کا جامع اور برزخ بنایا تھا، اسی طرح حضرت اسحاق و اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذات محمدی ﷺ ہی کو قرار دیا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وارثت جو صدیوں سے دو بیٹوں میں بٹتی چلی آتی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پھر ایک جگہ جمع ہوگئی اور گویا وہ ''حقیقتِ ابراہیمیہ'' جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہوگئی تھی ذات محمدی ﷺ میں پھر یکجا ہوگئی اور آپ ﷺ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا، یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لئے معراج میں آپ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیا علیہم السلام کی صف میں آپ کو امامت پر مامور کیا گیا، تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکار محمدی ﷺ کو عطا ہوتی ہے اور وہ نبی قبلتین نامزد ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں سورۂ اسراء کی ابتدا اور واقعہ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ﴾

(۱۷/ بنیٓ اسرآء یل:۱)

''پاک ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں بے شک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

بنی اسرائیل کی مدتِ تولیت کا قیام

بنو اسرائیل کو ارضِ مقدس کی تولیت کا شرف بہت سی شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے تو یہ منصب اُن سے چھین لیا جائے گا اور محکومی و غلامی کی زنجیر اُن کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے عہد میں اُن کو جو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی عدم ایفائے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنوخذ نذر) کے ہاتھوں اُن سے چھین لی گئی، ارض مقدس سے وہ جلاوطن کر دیے گئے، شہر یروشلم کھنڈر کر دیا گیا، بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کر دی گئی اور توراۃ کے پرزے پرزے اڑا دیے گئے۔ اُس پرغم سانحہ پر انبیائے بنی اسرائیل نے ماتم کیا، خدا کے سامنے دست تضرع دراز کیا بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی تو پھر اُن کو معاف کیا گیا اور ایرانیوں کے عہد میں ارض مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے، بتوں کو سجدے کیے، توراۃ کے احکام سے روگردانی کی تو ان پر یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کیا گیا، جنھوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہودیوں کا قتل عام کیا، قربان گاہ کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیے۔ اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوتی ہے اور بنو اسرائیل کو توبہ و انابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے اگر انہوں نے حق پسندی کو راہ دیا تو خدا ان پر رحم فرمائے گا ورنہ ہمیشہ کے لئے وہ اس منصب سے محروم کر دیے جائیں گے۔

چنانچہ آیات بالا کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝ ﴾ (۱۷/ بنی اسراءیل: ۲ تا ۸)

''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ ٹھہرایا کہ ہمارے سوا وہ کسی کو کارساز نہ بنائیں، اے ان لوگوں کی اولاد دو! جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا دیکھو کہ ان کا جنھوں نے اپنا کارساز دوسروں کو بنالیا تھا کیا حشر ہوا؟ تم

کو اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا کیونکہ تمہارا باپ نوح شکر گزار بندہ تھا اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی زیادتیاں کرو گے جب ان میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہوا پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور تم کو مال و اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھا دی اور کہہ دیا کہ اگر تم نے اچھے کام کئے تو اپنے ہی لئے اور برے کام کئے تو اپنے لئے، پھر جب تمہارے دوسرے فساد کا وقت آیا تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر وہ قابو پائیں اس کو توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لئے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے۔''

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے، اس لئے مکی سورتوں میں بنو اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ بنو اسرائیل کو مخاطب کیا جا رہا ہے کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اور آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے جہاں ان سے تعلقات کا آغاز ہوگا از سر نو خدا کے سامنے اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا اور خدا اُن پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے گا لیکن اگر انہوں نے قبول حق سے انکار کیا تو ان کے لئے پھر وہی سزا ہے جو ان کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حق کو قبول نہیں کیا حالانکہ خدا نے ان سے کہا:

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ ﴾ (۲/ البقرۃ: ۴۰)

''تم میرا عہد پورا کرو تو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔''

اس لئے خدا نے ان پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور ان کو تیسری دفعہ بھی وہی سزا ملی اور وہ مدینہ، اطراف مدینہ، باغات وغیرہ سے بے دخل کر دیے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کر دی گئی۔

کفار مکہ کے نام آخری اعلان

آج کفار مکہ کے نام آخری اعلان ہے، ان کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا مذہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے اُن کو یہ سنت الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب اس میں مبلغ الٰہی مبعوث نہیں ہو لیتا اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی،

اس وقت قوم کا دولت منداور مغرور طبقہ اس حق کی بیخ کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے، بہت سے دوسرے لوگ جن کو ان کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے ان کا ساتھ دیتے ہیں، مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور اور ضعیف ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے، ایک دنیا کے نفع عاجل کا طالب ہے اور دوسرا آخرت کے نفع جاوید کو ترجیح دیتا ہے، دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں، مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں ایمان وکفر کے وہ ذمہ دار نہیں، اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ ضامن ہے، اسی انکار وکفر کی بدولت قریش مکہ بھی تولیت کعبہ کے شرف سے معزول کئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَاۗءِ وَهٰٓؤُلَاۗءِ مِنْ عَطَاۗءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَاۗءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝﴾ (۱۷/ بنیٓ اسرآئیل: ۹ تا ۲۱)

''یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو آخرت پر ایمان نہیں ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے، انسان (کبھی) برائی (عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے جس طرح بھلائی کو، انسان بڑا ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے نشان شب کو ہم مٹا دیتے ہیں اور نشان روز کو روشن کر دیتے ہیں

کہ اس روشنی میں اپنے خدا کی مہربانی کو ڈھونڈ و اور ماہ و سال کا شمار اور حساب جانو ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی اور ہر انسان کے نیک و بد کو اسی کی گردن میں ڈال دیا ہے قیامت کے دن ہم اس کے اعمالنامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا (اور اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ) لو! (اپنا اعمال نامہ پڑھو)، آج تم ہی اپنا حساب آپ لے لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے، وہ خود اپنے لئے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے لئے، کوئی ایک دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک پیغمبر نہ بھیج لیں اور جب کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو ہم وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں (تو اس پر قانون الٰہی کے مطابق) سزا واجب ہو جاتی ہے تو ہم اس آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور یاد کرو نوح کے بعد سے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے جو (اس دنیا کا نفع) عاجل چاہتے ہیں تو ان میں سے جس کے لئے ہم چاہتے ہیں (اسی دنیا کا نفع) عاجل اس کو دے دیتے ہیں پھر دوزخ کو اس کا ٹھکانا بناتے ہیں جس میں وہ ہر طرح برا ٹھہر کر راندۂ درگاہ بن کر داخل ہوگا اور جو آخرت کو چاہے گا اور آخرت کے لئے کوشش کرے گا اور وہ مومن ہوگا تو اس کی کوشش خدا کے یہاں مشکور ہوگی ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پروردگار کے عطیہ سے دیتے ہیں تیرے پروردگار کا عطیہ محدود نہیں ہے دیکھ! ہم نے کیونکر دنیا میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے لیکن سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے۔''

معراج کے احکام ووصایا

یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لئے شہنشاہِ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے اور اس روحانی حکومت کے شرائط واحکام کا ایک نسخہ عطا کرتا ہے، جیسا کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا:

﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ

ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۖ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ ﴾

(۱۷/ بنیٓ اسرآئیل: ۲۲ تا ۳۹)

’’خدا کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بنانا ورنہ تو برا ٹھہرے گا اور بے یار و مددگار رہ جائے گا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، اگر ان میں ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی بات میں اونھ تک نہ کرنا اور ان کو نہ جھڑکنا ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو جھکا دینا اور ان کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ پروردگار میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر رحم کیا تھا، تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ تو توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر اور غریب و مسافر کا حق بھی دے اور فضول خرچی نہ کیا کر، فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے، اگر اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہے ان مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منہ موڑنا پڑے تو ان کو نرمی سے سمجھا دے اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ اتنا پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے تجھ کو لوگ ملامت کریں اور تو تہی دست ہو جائے، تیرا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے کم کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا و بینا ہے اور تم افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو

قتل نہ کرو، ہم ہیں جو اُن کو اور تم دونوں کو روزی دیتے ہیں ان کا قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے اور زنا کے پاس بھی نہ جا کہ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اس کے والی وارث کو قصاص کا حق ہم نے دیا ہے تو چاہیے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کی جیت ہے اور یتیم جب تک اپنی عقل وشعور اور جوانی کو نہ پہنچ جائے اس کے مال و جائداد کے قریب بھی نہ جانا لیکن اس طریقہ سے جا سکتے ہو جو ان کے حق میں بہتر ہو، عہد کو پورا کیا کرو کہ اس کی باز پرس ہوگی اور جب ناپ کرو تو پورا ناپ کرو اور تول کرو تو سیدھی ترازو سے تول کردو، یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے اور جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لے، کیونکہ کان آنکھ دل سب سے مؤاخذہ ہوگا اور زمین میں اکڑ اکڑ کر نہ چل کہ تو (اس چال سے) نہ زمین کو چیر ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا، ان تمام باتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندہ ہے یہ تمام احکام دانش مندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی اور دوسرا خدا نہ بنائے ورنہ تو ملامتی اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔''

ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں خدا فرماتا ہے:

﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ ﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل:۳۹)

''یہ تمام باتیں دانش مندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں۔''

معراج کے روحانی احوال کی تشریح کے ضمن میں خدا نے جو یہ فرمایا ہے:

﴿ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ ﴾ (۵۳/ النجم:۱۰)

''پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو کچھ کہ وحی کی۔''

اس اجمال اور ابہام کے اندر جس قدر احکام وشرائع کا حصہ تھا، شاید وہ یہی ہیں کہ جن کی اس مقام پر تفصیل کی گئی ہے۔

ان آیتوں میں جو احکام مذکور ہوئے وہ تعداد میں بارہ ہیں اور یہی احکام دوازدہ گانہ درحقیقت دنیا کے تمام خیر وشر کی بنیاد واساس ہیں، کوئی اخلاق کی تفصیل پر دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے، تاہم ان احکام دوازدہ گانہ کے حلقہ سے باہر نہ نکل سکے گا مختصر اور سادہ عبارت میں یہ احکام حسب ذیل ہیں:

① شرک نہ کرنا۔ ② ماں باپ کی عزت واطاعت کر۔

③ حق والوں کا حق ادا کر۔ ④ اسراف نہ کر اور افراط وتفریط کے بیچ میں

اعتدال اور میانہ روی کی راہ چل۔

⑤ اپنی اولاد کو قتل نہ کر۔ ⑥ زنا کے قریب نہ جانا۔
⑦ ناحق کسی کی جان نہ مارنا۔ ⑧ یتیم سے بہتر سلوک کر۔
⑨ اپنا عہد پورا کر کہ تجھ سے اس کی پوچھ ہوگی۔ ⑩ ناپ تول میں پیمانہ اور ترازو کو بھرپور رکھ۔
⑪ نامعلوم بات کی پیروی نہ کر۔ ⑫ زمین پر مغرور نہ بن۔

یہ انہی احکام عشرہ کا نقش ثانی اور تکملہ ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی معراج میں عطا ہوئے تھے (توراۃ سفر استثناء ۵۔۶)

① میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہو۔ ② تو خداوند اپنے خدا کا نام بے سبب نہ لے (یعنی جھوٹی قسم نہ کھا)۔
③ سبت کے دن کی یاد کر۔ ④ اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔
⑤ تو خون مت کر۔ ⑥ تو زنا نہ کر۔
⑦ تو چوری نہ کر۔ ⑧ تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے۔
⑨ تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ۔ ⑩ تو اپنے ہمسایہ کے کسی مال کا لالچ نہ کر۔

سورہ کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو یہ احکام عشرہ ملے تھے ان کی طرف اشارہ آئے گا۔

ہجرت اور عذاب

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم مادی میں کچھ طبعی وفطری قوانین مقرر کر دیے ہیں، جن میں عموماً تخلف نہیں ہوا کرتا، اسی طرح عالم روحانی میں بھی اس نے کچھ اصول وقوانین بنا دیے ہیں جن کے خلاف نہیں ہوا کرتا، منجملہ ان اصول وقوانین کے ایک یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو ہر طرح اس کو سمجھایا جاتا ہے، تبلیغ کا ہر فرض اس کے سامنے ادا کیا جاتا ہے، شریر قوم معجزات طلب کرتی ہے، بالآخر اس کے سامنے معجزے پیش کیے جاتے ہیں اور جب اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتی تو پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے اور اس کے بعد اس بدبخت قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے، چنانچہ انبیائے کرام کی سیرتیں اس اصول کی بہترین تشریح ہیں آج اسی قاعدہ کی تعمیل کا آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے، آپ کو معراج کی سب سے بڑی نشانی عطا کی گئی، مگر اس کو بھی وہ جھٹلاتے ہیں:

﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ

رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴾ (۱۷/ بنیٓ اسرآئیل:۵۸ تا ۶۰)

''(دنیا میں نافرمانوں کی) کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کرڈالیں یا اس پر سخت عذاب نہ نازل کریں یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور ہم کو (فرمائشی) معجزات کے بھیجنے سے سوا اس کے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ اگلوں نے بھی ان نشانیوں کی فرمائش کی اور جب ہم نے ان کو بھیجا تو انہوں نے جھٹلا دیا، ہم نے ثمود کو ناقہ کی سوجھانے والی نشانی دی، تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم ان نشانیوں کو تو ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں یاد کرو اے پیغمبر کہ یہ کفار تیری ایذا (بلکہ قتل کے درپے ہیں لیکن) ہم نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تیرا رب لوگوں سے تیری حفاظت کئے ہوئے ہے اور ہم نے (معراج کی جو) رویا تجھ کو دکھائی تو وہ لوگوں کے لئے آزمائش ہے اور اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ بھی لوگوں کے لئے آزمائش ہے اور ہم ان کو آئندہ عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن اس سے ان کی سرکشی میں اور ترقی ہوتی جاتی ہے۔''

اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کے قصہ سے اس واقعہ پر استدلال ہے، پھر ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴾ (۱۷/ بنیٓ اسرآئیل:۷۳ تا ۷۷)

''ہم نے تم پر جو وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے قریب تھا کہ لوگ تم کو اس سے آزمائش میں ڈال دیں کہ اس وحی کے علاوہ تم کوئی اور وحی بنا کر ہماری طرف جھوٹ منسوب کردو اور اس وقت وہ تم کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو کچھ ان کی طرف تم جھک چلے تھے، اگر تم ایسا کرتے تو ہم تم کو زندگی اور موت کے دوگونہ عذاب کا مزہ چکھا دیتے اور پھر تم کو میرے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور وہ تم کو اس سرزمین مکہ سے قریب ہے کہ دل برداشتہ کردیں، تاکہ تم کو یہاں سے نکال دیں اگر ایسا ہوا تو پھر وہ تمہارے چلے جانے کے بعد اطمینان سے بہت کم رہ سکیں گے تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں سب کے ساتھ یہی دستور رہا ہے اور تم ہمارے دستور میں ردوبدل نہ پاؤ گے۔''

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوگا کہ معراج ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا واقعہ ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے خدا کی وہ نشانی تھی جس کے نہ تسلیم کرنے پر عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت

اوپر گزر چکا ہے کہ نماز پنجگانہ اسی معراج میں فرض ہوئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ ﴾

(۱۷/ بنیٓ اسرآئیل: ۷۸، ۷۹)

''آفتاب کے ڈھلنے کے وقت (ظہر، عصر، مغرب) سے لے کر رات کے اندھیرے (عشاء) تک نمازیں پڑھا کرو اور صبح کی نماز میں حضور قلب خوب ہوتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لئے نفل ہے عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم کو مقام محمود میں پہنچا دے۔''

لفظ لدلوك الشمس (آفتاب کے ڈھلنے کے وقت) میں ظہر، عصر، مغرب، نماز کے تین اوقات اور ان اوقات کے تعین کی طرف لطیف اشارہ ہے، یہ معلوم ہے کہ دین محمدی ملت ابراہیمی کا نقش ثانی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی اور جس کی رسم کہن دنیا میں آج بھی قائم ہے، اس مذہب میں آفتاب کی پرستش کے وہ اوقات تھے جن میں اس کی روشنی کا ظہور یا کمال ہوتا ہے اور اسی لئے طلوع سے لے کر نصف النہار تک اس کی پرستش کی جاتی ہے امت ابراہیمی نے اس کے برخلاف اپنے لئے وہ اوقات متعین کئے جو آفتاب کے زوال کے ہیں یعنی سورج ڈھلنے سے لے کر آفتاب کے غروب تک کہ یہ تمام اوقات اس کے انحطاط نور اور زوال کے ہیں آفتاب کے انحطاط کی تین منزلیں ہیں، ایک وہ جب سمت راس (سر) سے وہ ڈھلتا ہے، یہ ظہر کا وقت ہے اور دوسری منزل وہ ہے، جب وہ برابر کی نگاہ سے نیچے اترتا ہے، یہ عصر کا وقت ہے اور تیسری منزل وہ ہے، جب سمت افق سے نیچے گر جاتا ہے اور یہ مغرب کا وقت ہے، چوتھی نماز کا وقت رات کی تاریکی کا مقرر کیا ہے جب آفتاب کے بقیہ وجود کی سرخ نشانی جس کو عرف عام میں شفق کہتے ہیں، وہ بھی مٹ جاتی ہے اور صبح کی نماز ادبار النجوم یعنی ستاروں کی روشنی کے ماند ہونے کے بعد ہے، غرض آیات بالا میں پنجگانہ نماز کی فرضیت نہایت لطیف اور خوبی سے ادا کی گئی ہے۔ [1]

---

[1] یہ نکتہ مخدومی مولانا حمید الدین صاحب مفسر تفسیر نظام القرآن کا افادہ ہے۔

ہجرت کی دعا

اس کے بعد ہجرت کے لئے دعا بتائی جاتی [1] اور اس کے بعد فتح مکہ کی فوراً بشارت بھی سنائی جاتی ہے کہ نماز کے ساتھ قبلہ کا فوراً خیال آتا ہے جہاں اس وقت تین سو ساٹھ بت پوجے جارہے تھے:

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝ ﴾

(۱۷/ بنیٓ اسرآئیل: ۸۰، ۸۱)

''اے پیغمبر! یہ دعا مانگو کہ خداوندا! مجھے اچھی جگہ پہنچا اور (مکہ) سے اچھی طرح نکال اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح ونصرت دے اور اے پیغمبر! اعلان کردے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل کو مٹ ہی جانا تھا۔''

یہ آخری الفاظ اسلام کے ایک نئے دور کی بشارت اور فتح مکہ کی نوید ہیں، اس لئے فتح مکہ کے دن جب خلیل بت شکن کا گھر بتوں سے پاک کیا جارہا تھا، آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر یہی آیت جاری تھی۔ [2]

نبوت، قرآن، قیامت، معراج اور معجزات پر اعتراض

کفار مکہ کو ان مسائل پر جو معاندانہ اعتراضات تھے اس موقع پر جب پیغمبر کی ہجرت اور ان کے لئے عذاب الٰہی کے نزول کا وقت قریب آرہا ہے، ان کے جوابات دیئے جارہے ہیں کہ اب بھی ان کی تشفی ہو جائے تو یہ بلائے آسمانی جو پیغمبر کے ہجرت کرتے ہی ان پر نازل ہونا شروع ہوجائے گی وہ رُک جائے گی:

﴿ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰي شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا۝ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۝ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا۝ۙ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۝ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۝ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا۝ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۝ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاۗءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

[1] مستدرك حاكم، كتاب الهجرة، ج٣، ص:٣؛ جامع ترمذی، ابواب التفسير: ٣١٣٩۔

[2] صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب وقل جاء الحق وزهق الباطل......: ٤٧٢٠؛ احمد، ١/ ٣٧٨۔

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ ﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل:۸۳ تا ۱۰۰)

’’(یہ کفار قریش اپنے مال اور دولت پر بھولے ہوئے ہیں) انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں تو الٹا ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلوتہی کرتا ہے جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آس توڑ بیٹھتا ہے، اے پیغمبر! ان سے کہہ دے کہ اپنے اپنے طور پر عمل کیے جاؤ، تمہارا پروردگار ان کو خوب جانتا ہے جو زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں وہ تم سے روح الامین [1] کی (جو قاصد وحی ہے) حقیقت دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ وہ میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم نہیں دیا گیا ہے لیکن بہت تھوڑا، اسی وحی کے معجزۂ صداقت کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ باوجود اُمّی ہونے کے وہ لفظ بہ لفظ تم کو یاد ہے اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تم پر وحی کی وہ سب تمہارے سینہ سے لے جائیں پھر تم کو اس کے لئے ہمارے مقابل کوئی حمایتی بھی نہ ملے لیکن یہ تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس کا لفظ لفظ تم کو محفوظ ہے) بے شک اس کی تم پر بڑی مہربانی ہے (ان شک کرنے والوں سے) کہہ دو کہ اگر تمام انس و جن بھی اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی اور کلام بنا لائیں تو یہ ناممکن ہے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی پشتی پر کیوں نہ ہوں باوجود یکہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے سبھی قسم کی مثالیں طرح طرح سے بدل کر بیان کی ہیں مگر اکثر لوگ انکار کیے بدوں نہ رہے اور یہ کفار مکہ

[1] یہاں مصنف نے روح سے روح امین یعنی جبرائیل علیہ السلام مراد لیا ہے، ورنہ تمام تر تفاسیر اور روایات میں اس سے مراد روح حیوانی ہی ہے جس کے متعلق یہود نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، بخاری، کتاب التفسیر: ۴۷۲۱۔

کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے کوئی چشمہ نہ بہادو یا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ تمہارے لئے ہو جائے اور تم اس میں نہریں بہادو یا یہ کہ جیسا تم کہتے ہو کہ ہم ایمان نہ لائیں گے تو ہم پر آسمان ٹوٹ پڑے گا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کھڑا کر دو یا یہ کہ تمہارے رہنے کے لئے ایک سونے کا گھر بن جائے یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کو بھی اس وقت تک باور نہیں کریں گے جب تک وہاں سے ہم پر کوئی ایسی کتاب اتار نہ لاؤ جس کو ہم پڑھیں، کہہ دو اے پیغمبر سبحان اللہ! میں خدا کا ایک قاصد بندہ ہوں ہدایت آ جانے کے بعد لوگوں کو اس کے قبول سے بجز اس کے کوئی امر مانع نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر کو اپنا قاصد بنایا ہے، کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو ان کے پاس قاصد بنا کر بھیجتے، کہہ دو کہ اب دلیلوں اور حجتوں کا وقت گزر گیا اب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے خدا بس ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا اور بینا ہے جس کو وہ راست دکھائے وہی راہ راست پر ہے اور جن کو وہ گمراہ کرے تو اس کے سوا ان کا کوئی یار و مددگار نہیں پھر ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے اور بہرے کر کے اٹھائیں گے کہ وہ اس دنیا میں حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے تھے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا جب وہ بجھنے کو ہوگی تو ہم پھر اس کو بھڑکا دیں گے؟ یہ ہماری نشانیوں کے انکار کا بدلہ ہوگا اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر از سر نو پیدا کر کے اٹھائیں جائیں گے کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ خدا جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا وہ بے شک اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی پھر پیدا کر دے اور اس نے ان کے لئے ایک معیاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ ظالم انکار کئے بدوں نہ رہے اے پیغمبر! یہ کفار مکہ اس حسد سے تم پر ایمان نہیں لائے کہ تم کو اور تمہارے خاندان کو یہ شرف کیوں عطا ہوا ہے ان سے کہہ دو کہ اگر میرے اور میرے پروردگار کی رحمت کا خزانہ تمہارے قبضہ میں ہوتا، بے شک تم اس کے خرچ ہو جانے کے ڈر سے اس کو روکے رہتے سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے۔''

ان آیتوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے آسمان پر تشریف لے جانے پر بھی یقین نہیں رکھتے، یعنی واقعہ معراج کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جائیں اور وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لا کر ہمارے ہاتھ میں نہ دے دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور حالات سے استشہاد

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے واقعات زندگی میں متعدد حیثیتوں سے مماثلت ہے اور خود قرآن نے اس مماثلت کو ظاہر کر دیا ہے:

﴿ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيۡكُمۡ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ؕ﴾

(۷۳/ المزمل:۱۵)

''(لوگو)! ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا، اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے۔''

اسی سبب سے قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو دہرایا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے اندر رہ کر زندگی بسر کی، یہی حال آنحضرت ﷺ کا تھا جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے اہل دربار کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے اور بالآخر حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرنا پڑی، اسی طرح صنادید قریش بھی آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور بالآخر آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر مکہ سے ہجرت فرمائی جس طرح ہجرت سے کچھ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خدا کی ہم کلامی نصیب ہوئی اور احکام عشرہ عطا ہوئے، اسی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی اور احکام دوازدہ گانہ عطا ہوئے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کے بعد فرعونیوں پر بحر احمر کی سطح پر عذاب نازل ہوا، اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد صنادید قریش پر بدر کے میدان میں عذاب آیا اور جس طرح اس کے بعد فرعون کی شامی مملکت پر بنی اسرائیل قابض ہو گئے، اسی طرح مکہ معظّمہ کی حکومت بھی ہجرت کے بعد آپ ﷺ کو عطا کی گئی۔

ان اُمور کو پیش نظر رکھ کر کفار قریش کو معلوم ہونا چاہیے کہ قانون الٰہی معراج کے بعد ہجرت کا حکم دے گا اور اس کے بعد ان پر عذاب الیم کا نزول ہو گا چنانچہ سورۂ اسراء کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى تِسۡعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ لَاَظُنُّكَ يٰمُوۡسٰى مَسۡحُوۡرًا ۝ قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰٓؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآٮِٕرَ ۚ وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّكَ يٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ۝ فَاَرَادَ اَنۡ يَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِيۡعًا ۙ ۝ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اسۡكُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِيۡفًا ؕ﴾ (۱۷/ بنیٓ اسرآئیل: ۱۰۱ تا ۱۰۴)

''اور ہم نے (کوہ طور) پر موسیٰ علیہ السلام کو [1] کھلے احکام دیے جس طرح محمد ﷺ کو معراج

[1] سبت کا حکم خاص یہود کے لئے تھا اس لئے شمار میں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہو گا۔

میں عطا کئے تو پوچھ لو بنی اسرائیل سے جب موسیٰ بنی اسرائیل کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے، تمہاری عقل کھو دی ہے موسیٰ نے کہا اے فرعون! تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان حکموں کو آسمان اور زمین کے مالک کے سوا کسی اور نے ان کو دانائی بنا کر نہیں اتارا ہے اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تم اب ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے، فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھیڑ دے تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو جب قیامت کا وعدہ پورا ہو گا تو سب کو سمیٹ کر ہم اپنے حضور میں لائیں گے۔''

ان آیتوں کے آغاز میں جن نو (۹) نشانیوں کے دیے جانے کا حکم ہے، بعض مفسرین نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو (۹) معجزات مراد لئے ہیں مگر بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے سامنے سے دو یہودی گزرے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں۔ دوسرے نے کہا پیغمبر نہ کہو سن لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوش ہو گا) اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ کو نو آیتیں کون سی دی گئیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ یہ ہیں، ① کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ ② زنا نہ کرو، ③ کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو، ④ چوری نہ کرو ⑤ جادو نہ کرو، ⑥ کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلی نہ کھاؤ ⑦ سود نہ کھاؤ، ⑧ کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ ⑨ اور میدان جہاد سے نہ بھاگو۔'' (اس نویں حکم میں راوی کو شک ہے'' اور خاص تمہارے لئے اے یہود! یہ دسواں حکم ہے کہ ''سبت کے دن زیادتی نہ کرو۔'' یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے ایک تفسیر بنی اسرائیل: ۳۱۴۴ میں اور دوسرے باب ماجاء فی قبلة الید والرجل: ۲۷۳۳۔ میں اور دونوں جگہ کہا ہے کہ ''حدیث حسن صحیح''

اس حدیث میں جن دس احکام کی تفصیل ہے اور موجودہ ترجمۂ توراۃ میں یہ احکام جن الفاظ میں مذکور ہے ان میں کسی قدر فرق ہے خصوصاً حدیث کا نواں حکم جس کے متعلق شعبہ راوی خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کو یہ نویں بات اچھی طرح یاد نہیں یہ نواں حکم دراصل ماں باپ کی اطاعت اور عزت ہے، باقی احکام وہی ہیں جو تورات میں مذکور ہیں صرف طریقہ ادا اور تعبیر کا فرق ہے تورات کے موجودہ تراجم لفظی تو ہیں نہیں، علاوہ ازیں اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ کا حافظہ اچھا نہ تھا، ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے بہر حال اس تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان احکام عشرہ اور آنحضرت ﷺ

کے احکام دوازدہ گانہ میں ایک وجہ مماثلت ہے، اس لئے ان دونوں کے منکروں کا ایک ہی حال ہوگا۔

معراج کے انعامات

ان احکامات بشارت اور نماز پنجگانہ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو دو اور خاص عطیے عنایت ہوئے، ایک یہ بشارت کہ امت محمدیہ میں سے جو شرک کا مرتکب نہ ہوگا دامن مغفرت کے سایہ میں اس کو پناہ مل سکے گی، دوسرے سورۂ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں فرمان خاص کے طور پر مرحمت ہوا، [1] اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل کے اصول اور عفو ومغفرت کے سبق انسانوں کو سکھائے گئے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہلے عطیہ کی بشارت بھی درحقیقت انہی آیات میں مذکور ہے:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۸۵، ۲۸۶)

’’پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اترا اور تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے، یہ سب کے سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سنا اور ان کی اطاعت کی، تو اے ہمارے پروردگار! مجھ پر بخشش فرما اور تیری ہی طرف آخر لوٹ کر جانا ہے، خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس نے اچھے کام کئے اور اپنے ہی لئے کئے اور برے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا، اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو اس کی باز پرس ہم سے نہ کر، اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈال جس طرح ہم سے پہلوں پر تو نے ڈالا، اے ہمارے پروردگار! اور اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا، اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، ہمارے قصوروں کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مددگار ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تیرے منکر ہیں ہماری مدد فرما۔‘‘

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتھی: ۴۳۱ اس روایت میں یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں مرحمت ہوئیں، یہ تفصیل نہیں کہ وہ کس قدر آیتیں ہیں لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں جن میں خواتیم سورۂ بقرہ کی فضیلت آئی ہے، وہ یہی ہیں۔

معراج کا پُر اسرار منظر

سورۂ اسراء کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان صرف دولفظوں میں ختم کر دیا ہے۔

﴿ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ ﴾ (۱۷/ الاسرآء: ۱) ''ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیر اس لئے کرائی کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں اس کو دکھائیں۔''

یہ ''نشانیاں کیا تھیں؟'' کیا ان کی تفصیل کے لئے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں؟ ہاں ہیں، مگر ناتمام، ہماری فہم، ہمارا علم، ہمارا خیال، ہمارا قیاس، غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے تعقلات سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور ہمارے ذخیرۂ لغت میں صرف انہی کے لئے کچھ الفاظ ہیں، اس بنا پر وہ معانی جو نہ عام محسوسات انسانی کی حدود میں داخل ہیں اور نہ تعقل و تصور کے احاطہ کے اندر ہیں وہ الفاظ و کلمات میں کیونکر سما سکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمال قدرت سے ان کو حروف و کلمات کا جامہ پہنا بھی دے تو دماغ انسانی ان کے فہم و تحمل کی قدرت کہاں سے لائے گا؟

﴿ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ (۱۷/ الاسرآء: ۸۵)

''اے انسانو! تم کو علم کا بہت تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہے۔''

اسی لئے سورۂ والنجم میں جہاں ان اسرار کے چہرہ سے کچھ پردہ ہٹایا گیا ہے، ایسی تفصیل ہے جو تمام تر اجمال ہے اور ایسی توضیح ہے جو سرتاپا ابہام ہے، دو دو لفظ کے فقرے ہیں، ضمیریں محذوف ہیں، فاعل کا ذکر ہے تو مفعول کا نہیں، مفعول کا بیان ہوا ہے تو فاعل نہیں، متعلقات فعل کی تشریح نہیں، ضمائر کے مرجعوں کی تعیین نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ اس مقام کا مقتضا یہی ہے۔

عبادت از سخنداں ہم نہ گنجد

﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ ﴾ (۵۳/ والنجم: ۱ تا ۱۸)

''قسم ہے ستارہ کی جب وہ گرے کہ تمہارا رفیق (محمد ﷺ) نہ تو بھٹکا ہے اور نہ بہکا ہے اور نہ وہ یہ باتیں اپنے دل سے بنا کر کہتا ہے، بلکہ وہ تو وحی ہے جو اس کو بتایا جاتا ہے، اس کو تو بڑی طاقتوں

والا اور بڑی عقل والا تعلیم دیتا ہے وہ آسمان کے اونچے کنارے میں سیدھا ہو کر نمودار ہوا پھر قریب آیا اور جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا اس سے بھی کم پھر اس کے بندہ سے جو باتیں کیں دل نے جو دیکھا اس نے جھوٹ نہیں بیان کیا، اے لوگو! کیا وہ جو دیکھتا ہے اس پر تم اس سے نزاع اور مناظرہ کرتے ہو، اس نے یقیناً دوبارہ اس کو اترتے دیکھا انتہا کے درخت کے پاس جس کے قریب (نیک بندوں کے) رہنے کی بہشت ہے جب بیری کے درخت پر چھارہا تھا، جو چھارہا تھا نظر بھی نہ اچٹی، اس لیے یقیناً اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

حضور ﷺ نے جب معراج کے روحانی مشاہدات ومناظر اور ملکوتی آیات ومظاہر کا قریش سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا یہ راہ حق سے دیدہ ودانستہ (غوایت) یا نادانستہ (ضلالت) بھٹک گیا ہے یا اپنے دل سے بنا کر یہ جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے یہ انہوں نے کیوں کہا؟ اس لئے کہا کہ روحانی جلوؤں کے دیکھنے کی ان کے پاس آنکھیں نہ تھیں، صوت سرمدی کے سننے کی اس کے کانوں میں طاقت نہ تھی، اسرار ملکوتی کے سمجھنے کے لئے ان کے سینوں میں دل نہ تھے، خدا نے کہا یہ جو کچھ تھا اور جو کچھ معلوم ہوا یہ ایک بڑی طاقت وقدرت اور علم وعقل والی ہستی کی جلوہ انگیزیاں تھیں، وہ کبھی اتنا دور تھا کہ آسمان کے کناروں میں نظر آیا اور کبھی اتنا قریب کہ دو کمانوں کے فاصلہ سے بھی قریب تر تھا کون جھکا؟ کون قریب آیا؟ کون دو کمانوں کے فاصلہ تک آکر رک گیا کیا خدا؟ نہیں کیا جلوہ خدا؟ شاید، کس نے باتیں کیں؟ معلوم نہیں، کیا باتیں کیں؟ بتائیں نہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ انسانی فہم وادارک کی اخیر سرحد پر ایک درخت! [1] کیا اس کو شئون وصفات الٰہی کی نیرنگی نے ڈھانک لیا؟ [2] کیا انسانی فہم وادراک کی اخیر سرحد کا درخت صرف شئون وصفات کی نیرنگی کا مظہر ہے؟ کیا یہاں پہنچ کر کون ومکان اور وجوب وامکان کا عقدۂ مشکل حل ہو گیا؟ کیا دل بھی دیکھتا ہے؟ حضور ﷺ نے دل کی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ دیدۂ چشم سے کیا نظر آیا؟ آپ ﷺ کو اس سفر میں آیات ربانی دکھائی گئیں مگر یہ مشاہدہ قلب تھا یا معائنہ چشم؟

راز ایں پردہ نہاں است ونہاں خواہد بود

---

[1] اکابر تابعین سے یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے۔ ج ۲۷، ص: ۲۹ وما قبل وما بعد۔

[2] بخاری شریف میں ہے فغشیھا من امر اللہ ما غشی یعنی جلوہ الٰہی اس پر چھا گیا۔ یہ الفاظ صحیح مسلم، باب الاسراء: ۴۱۱ میں ہیں، صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء: ۳۴۹ میں (فغشیھا الوان لا ادری ماھی) کے الفاظ ہیں۔

شرح صدر یا شقِ صدر

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ (٩٤/ الانشراح:١)

''کیا اے پیغمبر ﷺ! ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا''؟

منجملہ نبوت کے ان خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں شقِ صدر یا شرح صدر بھی ہے۔ چنانچہ یہ رتبہ خاص پیش گاہ الٰہی سے آنحضرت ﷺ کو مرحمت ہوا۔ شق صدر سے مراد یہ ہے کہ سینۂ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نور سے منور کیا گیا۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپ پر گزری تھی۔ ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں۔ چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ پر اس کیفیت کا گزرنا ظاہر ہوتا ہے، ایک جب آپ چار پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پرورش پا رہے تھے، دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرے جب آپ بیس برس کی عمر کو پہنچے، چوتھے جب حضرت جبریل علیہ السلام سب سے پہلی دفعہ وحی لے کر آئے، پانچویں معراج کے موقع پر۔

یہ مسئلہ کہ شق صدر واقع ہوا، تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ وقت کی تعیین اور بعض جزئیات کی تفصیل میں روایتیں مختلف ہیں۔ تیسری دفعہ کی روایت جس میں بیس برس کی عمر میں اس کیفیت کا گزرنا بیان کیا گیا ہے۔ محدثین [1] بلکہ خود ارباب سیر [2] کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے۔ باقی چار موقعوں کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تسلیم کیا ہے۔ امام سہیلی روض الانف میں صرف دو موقعوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ایک دفعہ صغر سنی میں اور دوسری دفعہ معراج میں اور اس کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ صغر سنی میں اس لئے یہ ہوا کہ بچپن ہی سے حضور ﷺ کے قلب مبارک سے ذمائم کے حصہ کو نکال دیا جائے اور معراج کے وقت تو ظاہر ہے، اس لئے تاکہ حضور ربانی کے موقع پر حکم صلوٰۃ کا جو طہارت محض ہے تحمل کیا جائے اور ملائکہ الٰہی کی امامت نماز میں فرما سکیں۔ (صفحہ ۱۰۱ مصر) لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینۂ مبارک کا آلودگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے۔ اور وہ ایک دفعہ پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر بعض محدثین جیسے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں۔ اور وہ صغر سنی میں جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ کے یہاں پرورش پا رہے تھے

---

[1] فتح الباری، ج ١، ص: ٣٨٩ مصر۔ [2] زرقانی بر مواهب، ج ١، ص: ١٨٠۔

اور معراج کے موقع پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں۔ [1] لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ شق صدر کی روایت جن طریقوں کے ساتھ آئی ہے۔ان میں سب سے صحیح، سب سے مستند اور معتبر طریقہ وہی ہے جس میں اس کا شب معراج میں ہونا بیان ہوا ہے۔اس لئے اس موقع کو راویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصول روایت سے صحیح نہیں۔

شق صدر کی ضعیف روایتیں

اصل یہ ہے کہ شق صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا مکرر اور بار بار پیش آنا صرف مختلف روایات کے پیش کر دینے سے نہیں ہوسکتا۔جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے اور قسطلانی اور زرقانی نے اس کی تقلید کی ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلہ سند پر بھی بحث اور راویوں کی قوت وضعف پر بھی تنقید کی جائے۔دس برس کے سن میں شق صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپ ﷺ پر نبوت کی یہ علامت طاری ہوئی حسب ذیل ہے:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں: ''میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے۔ایک نے کہا: یہ وہی ہیں؟ دوسرے نے کہا: ہاں، پھر دونوں نے پیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا اور میرے پیٹ کو پھاڑا، ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا رہا اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا۔پھر ایک نے کہا: سینہ کو چاک کر دو تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی۔پھر ایک نے کہا، کہ دل کو چاک کر دو تو اس نے دل کو چاک کیا۔پھر اس نے کہا: اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو۔تو اس میں سے جمے ہوئے خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی۔پھر کہا: اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو۔تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی۔پھر اس نے چند گھنڈیاں جو اس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینہ پر لگا دیں۔پھر میرے انگوٹھے کو کھونٹ کر مجھ سے کہا جاؤ، جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا۔یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی۔''

یہ روایت زوائد مسند احمد، ابن حبان، حاکم، ابن عساکر اور ابونعیم میں ہے۔لیکن ان تمام کتابوں میں

---

[1] فتح الباری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء، ج ۱، ص: ۳۸۹ و کتاب التوحید، ج ۱۳، ص: ۴۰۰ باب ما جاء فی قوله عزوجل ﴿وكلم الله موسى تكليما﴾ روض الانف سهيلی، ص: ۱۱۰ مصر، زرقانی برمواهب، ج ۱، ص: ۱۷۹، قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں:
وقد خلط فيه غيره لاسيما من رواية شريك بن ابی تمر فقد ذكر فی اوله مجيء الملك له وشق صدره وغسله بماء زمزم وهذا انما كان وهو صبی وقبل الوحی (نسيم الرياض شرح شفاء قاضی عياض ۲، ص: ۲۶۵۔)

مرکزی سلسلۂ سند ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ معاذ بن محمد اپنے باپ محمد بن معاذ اور وہ اپنے باپ معاذ بن محمد سے اور وہ اپنے دادا ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں۔ محدث ابن المدینی نے اپنی کتاب العلل میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے:

حديث مدني واسناده مجهول كله ولا نعرف محمدا ولا اباه ولا جده۔ [1]

''یہ مدنی حدیث ہے اس کی سند تمام تر مجہول ہے۔ ہم لوگ نہ محمد کو جانتے ہیں اور نہ اس کے باپ کو اور نہ اس کے دادا کو۔

حافظ ابونعیم نے دلائل میں جہاں یہ حدیث نقل کی ہے صاف لکھ دیا ہے:

وهذا الحديث تفرد به معاذ بن محمد وتفرد بذكر السن الذي شق فيه عن قلبه۔ [2]

''یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے اور وہی اس عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں۔ (یعنی اس روایت کی کسی اور نے تائید نہیں کی ہے)۔''

بیس برس کے سن کی روایت بھی بعینہٖ ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوائد احمد، صحیح ابن حبان، حاکم، بیہقی اور مختارۂ ضیاء میں ہے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۶) لیکن اس سلسلہ روایت کا حال آپ سن چکے کہ وہ معتبر نہیں۔

آغاز وحی کے موقع پر شق صدر کی روایتیں دلائل ابونعیم، دلائل بیہقی، مسند طیالسی اور مسند حارث میں ہیں۔ یہ روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغاز وحی والی حدیث، بخاری، مسلم اور ابن حنبل وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ مفصل، صحیح اور محفوظ ہے لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شق صدر کا مطلق ذکر نہیں۔ اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ بریں ابونعیم، بیہقی، طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابوعمران الجونی، یزید بن بانبوس عن عائشہ ہے، یزید بن بانبوس مجہول ہے اور اس سے صرف ابوعمران الجونی ہی نے روایت کی ہے کسی اور نے اس کو نہیں لیا ہے، طیالسی میں (صفحہ ۲۱۵ حیدر آباد) اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن سلمہ ابوعمران جونی سے اور وہ ایک شخص سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہے، معلوم نہیں یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابوعمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ہے، ابونعیم میں (صفحہ ۶۹ حیدر آباد) اس روایت کا جو سلسلۂ سند ہے اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بانبوس کے نام سے پر کی گئی ہے، جس کا حال ابھی اوپر گزر چکا علاوہ ازیں ابونعیم کی روایت میں اس کے نیچے داؤد بن المحبر ایک شخص آتا ہے جس کو اکثر محدثین ضعیف، بلکہ دروغ گو تک کہتے ہیں، اسی کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے

---

[1] تهذيب التهذيب، ج ١٠، ص: ١٩٤۔ [2] دلائل النبوة جز اول، فصل ١٧، ص: ٧١ حیدرآباد طبع اول: ١٣٢٠ھ۔

ساقط کرتی ہیں۔

ایک اور روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ''انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! جب آپ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا: ''اے ابوذر! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے، ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا ایک نے دوسرے سے کہا: یہی وہ ہیں پھر کہا ان کو تو لو، پہلے ایک سے پھر دس سے پھر سو سے پھر ہزار سے مجھ کو تولا لیکن میرا پلہ بھاری رہا تو کہا کہ یہ تمام امت سے بھاری ہیں، بعد ازیں میرا شکم چاک کیا (اس کے بعد شق صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے، اس کے بعد ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی۔'' اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بنو ہوازن میں قیام کے زمانہ سے بہت بعد کا واقعہ ہے، پھر اس میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو نبی بنانا چاہا گیا اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور امت کا ذکر ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے، یہ روایت مسند دارمی (صفحہ ۶) اور دلائل ابونعیم (صفحہ ۷۱) میں ہے، ان کے مشترک راوی بہ ترتیب ابوداؤد، جعفر بن عبداللہ بن عثمان القریشی، عثمان بن عروہ بن زبیر ہیں، جعفر بن عبداللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تنقید کی ہے کہ اس میں ''وہم'' تھا یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی اور اضطراب تھا۔ یعنی ایک ہی واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا، پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ''اس کی متابعت نہیں کی جاتی'' یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے [1] پھر بعینہ یہی واقعات شداد بن اوس کی روایت سے ابونعیم، [2] ابویعلیٰ اور ابن عساکر [3] نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی [4] اور ابن اسحاق [5] نے (مرسلاً) بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے ان کا باہمی تعارض واضح ہے۔

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے، یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور قوت سے تمامتر خالی ہیں اور ان میں بعض ایسی لغو باتیں شامل ہیں جو اس کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔

① اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم، عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ بن جعفر خود

---

[1] دیکھئے میزان الاعتدال ذھبی، ج ۱، ص: ۱۹۱ اور لسان المیزان ابن حجر، ج ۲، ص: ۱۱۶۔
[2] دلائل النبوۃ، ص: ۱۷۶۔ [3] تاریخ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۷۱، ۳۷۲۔
[4] کیف کان اول شان النبی ﷺ ص: ۶۔
[5] طبقات ابن سعد ذکر علامات النبوۃ:..... الجزء الاوّل، القسم الاول، ص: ۹۶۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں، اس طریقہ سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل ابی نعیم میں ہے، جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ثابت نہیں، اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے اس نے کہا کہ عبداللہ ابن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا۔ ابونعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہے بلکہ اس میں تصریحاً عبداللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں۔

② دوسرا طریقہ واقدی کا ہے، ابن سعد نے اس روایت کو اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے (جلد اصفحہ ۷۰) مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں اس کی تفصیلی سند تک اس میں مذکور نہیں اوپر کے راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے۔

③ ابونعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے، جو یہ ہے عبدالصمد بن محمد السعدی اپنے باپ سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں چرایا کرتا تھا بیان کرتے ہیں۔ [1] یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

④ بیہقی اور ابن عساکر [2] نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے، اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے۔

⑤ ابن عساکر [3] نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ صحابی کے واسطہ سے ایک نہایت طویل داستان نقل کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک پیر مرد نے خدمت نبوی ﷺ میں آ کر آپ سے آپ کے ابتدائی حالات دریافت کئے، آپ نے پورا پورا حال بیان کیا، منجملہ اس کے ایک واقعہ اپنے بچپن کے شق صدر کا بیان کیا، لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو غریب (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں اس کے سوا اس کے سلسلۂ سند کے بیچ میں ایک بے نام ونشان راوی ہے، اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی اس میں ابو یحییٰ ہے جو شداد بن اوس رضی اللہ عنہ صحابی سے اس قصہ کا سننا بیان کرتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ صغیر (ص ۱۴۳، الٰہ آباد) میں اس کی نسبت لکھا ہے: فی حدیثه نظر اس کی حدیث بحث طلب ہے، ابوحاتم کہتے ہیں: لیس حدیثه بالقائم یعنی اس کی حدیث ٹھیک نہیں۔ [4]

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مکحول شامی کے واسطہ سے ابویعلیٰ اور ابن عساکر [5] نے بعینہٖ اسی واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے، مگر اس میں یہ کمی ہے کہ مکحول اور شداد رضی اللہ عنہ صحابی کے بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا گیا ہے، یعنی روایت منقطع ہے، کیونکہ مکحول

[1] دلائل النبوہ، ص: ۱۱۵۔ [2] تاریخ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۷۶۔
[3] ایضًا، ص: ۳۷۱ تا ۳۷۶۔ [4] میزان الاعتدال، ج ۳، ص: ۳۷۰؛ تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص: ۱۶۵۔
[5] تاریخ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۷۴۔

نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے، مکحول تدلیس میں بدنام تھے یعنی ان کی عادت یہ تھی کہ بیچ میں اگر کوئی کمزور راوی آ جاتا تو وہ اس کا نام چھپا دیتے تھے یا بیچ سے اس کو حذف کر کے اگلے سے سلسلہ جوڑ دیتے تھے میرا خیال ہے کہ مکحول اور حضرت شداد رضی اللہ عنہ کے بیچ میں دراصل وہی ابوالعجفاء تھا، مکحول نے یہ دیکھ کر کہ وہ مجروح ہے اس کو بیچ سے نکال دیا ہے، اس لئے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے۔

⑥ عتبہ بن عبدالسلمی ایک کمسن صحابی ہیں، ان سے ایک ہی سلسلہ سند کے ذریعہ سے حاکم، دارمی، ابویعلیٰ، ابن عساکر اور ابن حنبل نے اس واقعہ کی یوں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا، کھانا ساتھ نہ تھا، میں نے اس کو ماں (دایہ) کے پاس کھانا لانے کے لئے بھیجا، وہ گیا تو دیکھا کہ گدھ کی طرح کے دو پرندے آئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے؟ دوسرے نے کہا: ہاں، پھر دونوں نے جھپٹ کر مجھے پکڑا اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف اور ٹھنڈے پانی سے دھویا، یہ حاکم کے الفاظ ہیں، [1] دارمی [2] وغیرہ میں اس کے بعد اتنا زیادہ ہے کہ ''دھونے کے بعد ایک نے کہا کہ سکینت یعنی تسکین قلبی لاؤ، اس کو لا کر میرے سینہ پر چھڑک دیا، پھر دونوں چھوڑ کر مجھے چلے گئے، میں ڈرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور حال کہا وہ ڈری کہ بچہ کی عقل ٹھیک نہیں رہی اس نے کہا: میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں اور پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائی، والدہ نے کہا: تم نے امانت پوری طرح ادا کی، دایہ نے میرا حال اور اپنا خوف بیان کیا، لیکن والدہ نے یہ واقعہ سن کر کوئی خوف یا تعجب نہیں کیا فرمایا: ''جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا تھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔'' حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ روایت کا پہلا مشترک راوی بقیہ بن ولید ہے، جس کو گو بذات خود بعضوں نے ثقہ کہا ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سخت بے احتیاط تھا، ابن مبارک کہتے ہیں: وہ راست گو ہے، مگر وہ آگے پیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں: ''بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو، ثواب (فضائل) کی روایتیں خیر لے لیا کرو۔'' امام ابن حنبل اور امام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے: ''اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر ورنہ مت کرو۔'' ابوحاتم کہتے ہیں کہ ''اس کی حدیث لکھی جائے مگر وہ دلیل میں نہ پیش کی جائے۔'' امام نسائی فرماتے ہیں: ''جب وہ اخبرنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عن کر کے بیان کرے تو نہ لو۔'' (یہ یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ بہ طریق عن عن ہی ہے) ابن عدی کا قول ہے: ''اس کی بعض روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں کے خلاف ہیں۔'' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص سے فرماتے ہیں کہ ''میں سمجھتا تھا کہ بقیہ مجہول الحال لوگوں سے سن کر حدیثیں نقل کرتا ہے لیکن دیکھا تو وہ مشہور لوگوں سے بھی اس قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے تم نے جانا کہ وہ

[1] مستدرك حاكم، كتاب التاريخ، ذكر شق صدره ...... ج ٢، ص: ٦١٦۔ برف اور پانی سے دھونے کا ذکر ''حاکم'' کے بجائے سنن دارمی میں ہے۔ [2] سنن دارمی، باب كيف كان اول شان النبی ﷺ: ١٣۔

کہاں سے یہ روایتیں لاتا ہے؟ مخاطب نے جواب دیا۔ ہاں تدلیس کے ذریعہ سے۔ (یعنی بیچ کے کمزور راوی کو حذف کر کے، آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا) ابوعبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ "اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ ایسی روایتیں کرتا ہے جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور اس کی صورت یہ کرتا ہے کہ بیچ کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے۔" خطیب کہتے ہیں کہ "اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں، گو وہ بذات خود راست گو تھا۔" ابن القطان کا قول ہے کہ "وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کر کے بیان کرتا ہے اور اس کو وہ جائز سمجھتا ہے، یہ الزام اگر اس پر سچ ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے۔" [1]

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم

بچپن میں شق صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلۂ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور ثابت، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم [2] مسند احمد [3] ابن سعد [4] اور دلائل ابونعیم [5] میں ایک ہی سلسلۂ سند سے مذکور ہے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت البنانی اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور قلب مبارک کو چاک کیا اور اس کو نکال کر اس میں سے ذرا سا جما ہوا خون نکالا اور کہا کہ یہ اتنا شیطان کا حصہ تم میں تھا، پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا، پھر شگاف کو جوڑ دیا پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، لڑکے دوڑے ہوئے آپ کی ماں (دایہ حلیمہ) کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ محمد (ﷺ) مار ڈالے گئے، لوگ آپ کے پاس پہنچے، دیکھا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہے، انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "کہ سینۂ مبارک میں زخم کے نشان یعنی ٹانکے مجھ کو نظر آتے تھے۔" مسند ابن حنبل میں یہی حدیث اسی سلسلہ سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں آخر واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے، یعنی یہ کہ "مجھ کو نظر آتے تھے۔" کی جگہ پر یہ ہے کہ "ہم کو زخم کے ٹانکے نظر آتے تھے۔"

اس سلسلۂ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شق صدر کی جس قدر روایتیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، ان کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے قتادہ، زہری، شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں، ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں، سلیمان بن خیرہ اور حماد بن سلمہ، حماد کے علاوہ اور جو طرق اوپر مذکور ہوئے، ان سب میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شق صدر کا ذکر ہے لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شق صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں اور شق صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں، حالانکہ نہ صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے کوئی بلکہ

---

[1] تهذيب التهذيب، ج١، ص: ٤٧٤ تا ٤٧٨۔ [2] كتاب الايمان، باب الاسراء...... ٤١٣۔
[3] ج٣، ص: ١٤٩۔ [4] ذكر علامات النبوة، ج١، ص: ٩٧۔ [5] ص: ١٧٦، ١٧٧

حماد کے دوسرے ہم درس طلبہ میں سے بھی کوئی ان کی تائید نہیں کرتا، غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث، حماد کے واسطہ سے نقل نہیں کی ہے حماد کی نسبت اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ''آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔'' [1] اسی سبب سے امام بخاری نے ان کی روایتیں نہیں لی ہیں۔ امام مسلم اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کر کے خرابی حافظہ سے پہلے کی جو ان کی روایتیں ہیں انہی کو چن کر اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ میرا میلان تحقیق یہ ہے کہ حماد کی یہ روایت اسی خرابی حافظہ کے زمانہ کی ہے کہ انہوں نے تمام معتبر راویوں کے خلاف شق صدر اور معراج کے مشترک واقعہ کو دو کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ امام مسلم بھی اپنی ترتیب بیان کے اشارات سے ایسا ہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شق صدر کو دو الگ الگ زمانوں کے واقعات قرار دینے میں حماد سے غلطی ہوئی ہے چنانچہ واقعات معراج کے ذکر میں امام مسلم یہ کرتے کہ پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت کے شاگرد حماد کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں معراج کے شق صدر کا ذکر نہیں پھر حماد کے ساتھی اور ثابت کے شاگرد سلیمان بن مغیرہ کی روایت ہے، جس میں شق صدر کے ساتھ معراج کا ذکر ہے، اس کے بعد حماد کی وہ روایت ہے جس میں تنہا بچپن کے شق صدر کا تذکرہ ہے، بعد ازیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگردوں کی روایتیں ہیں، جس میں شق صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا مذکور ہے۔

حماد کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی، مثلاً: یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کسی عمر میں بھی گزری ہو، مگر بہر حال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا، گزشتہ تمام مستند اور مجروح روایتوں میں حسد، بغض، حصہ شیطانی، سکینت، تسلی، رحمت، شفقت ایمان اور حکمت وغیرہ جن امور کا سینہ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں، بایں ہمہ حماد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو (جیسا کہ مسلم میں ہے) یا ہم کو (جیسا کہ مسند احمد میں ہے) نظر آتے تھے۔ اگر یہ جسمانی واقعہ بھی تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں یہ مذکور نہیں، علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی شکل شمائل کا ایک ایک حرف، جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کی ہے، مگر کسی نے سینہ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا، ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیونکر تسلیم ہو سکتی ہے۔

دو دفعہ شقِ صدر ہو تو اس کی تاویل

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کے قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصہ شیطانی، جو ہر انسان کے اندر ہے، اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے، ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی، مگر معراج

[1] تهذيب التهذيب، ج ٣، ص: ١٤۔

کی رات جب اس عقل وہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم وحکمت سے معمور کیا گیا، جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

شقِ صدر کی صحیح کیفیت

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، اورنسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب کو آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے، آنکھیں سوتی تھیں، مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبرائیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے، آپ کو اٹھا کر وہ چاہ زمزم کے پاس لے گئے یا آب زمزم لے کر کوئی آپ کے پاس آیا، سینہ مبارک کو چاک کیا پھر آب زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان وحکمت سے بھرا ہوا لایا گیا، پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینہ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا اس کے بعد فرشتے آپ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ [1]

شق صدر کی حقیقت

علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادھے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس ﷺ کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا، اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے، لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں، جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

> اماشق الصدر وملؤه ایمانا فحقیقة غلبة انوار الملکیة وانطفاء لهیب الطبیعة وخضوعها لما یفیض علیها من حظیرة القدس۔ [2]
>
> ''لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہو تو اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔''

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے، جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب کیف فرضت الصلوة فی الاسراء:٣٤٩؛ کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة: ٣٢٠٧؛ کتاب مناقب الانصار، باب المعراج:٣٨٨٧؛ کتاب التوحید، باب (کلم الله موسیٰ تکلیما): ٧٥١٧؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول الله إلی السمٰوٰت: ٤١٥، ٤١٧؛ نسائی، کتاب الصلوة، باب فرض الصلوة: ٤٤٩، ٤٥٣۔ [2] حجة الله البالغة، ج٢، ص: ٢٠٦۔

صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے ((فشرح صدری الی کذا و کذا)) ''میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا۔'' ❶ اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ❷

﴿ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝ ﴾

(۹۴/ الانشراح: ۱ تا ۳)

''کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔''

''شرح'' کے لغوی معنی عربی میں ''چیرنے پھاڑنے'' کے ہیں اسی سے طب کی اصطلاح ''علم تشریح'' اور ''تشریح اجسام'' نکلی ہے، چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے، اس لئے اس سے ''تشریح امر'' اور ''تشریح کلام'' ''شرح بیان'' اور ''شرح کتاب'' وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں، اسی سے ایک اور محاورہ ''شرح صدر'' کا پیدا ہوا ہے، جس کے معنی ''سینہ کھول دینے'' کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود ''بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا'' ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ ﷺ نے دعا مانگی

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ ﴾ (۲۰/ طٰہٰ: ۲۵ تا ۲۸)

''پروردگار میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔''

انبیا علیہم السلام کا علم و فہم انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک و مبرا ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعویٰ کے لئے گزشتہ تجربات اور منطق کے استقرا و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے، بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی، القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اس کا نام علم لدنی ہے ''لـــــدن'' کے معنی عربی زبان میں ''پاس اور نزدیک'' کے ہیں، چونکہ یہ علم ان کو کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے اس لئے عرف عام میں علم لدنی کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ ﴾ (۱۸/ الکھف: ۶۵)

''ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔''

آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

﴿ كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِن لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ ﴾

(۲۰/ طٰہٰ: ۹۹)

❶ مسلم: ۴۱۶۔ ❷ ترمذی، ابواب التفسیر: ۳۳۴۶۔

''اسی طرح ہم تجھ سے گزشتہ زمانہ کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم (ذکر) بخشا ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے آغاز میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوتا ہے:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ ۖ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝ ﴾ (۱۲/ یوسف:۳)

''ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعًا اس سے پہلے بے خبر تھا۔

سورۂ شوریٰ میں ہے:

﴿ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ ﴾ (۴۲/ الشوریٰ:۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے (اے محمد ﷺ) تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا۔ تو، تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا۔ لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔''

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے کہتے ہیں:

﴿ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَآءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ ﴾ (۱۹/ مریم:۴۳)

''اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔''

حضرت داوٗد و سلیمان علیہما السلام کے متعلق ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ ﴾ (۲۷/ النمل:۱۵)

''اور ہم نے داوٗد و سلیمان کو علم بخشا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے:

﴿ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ ﴾ (۱۲/ یوسف:۲۲) ''ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں:

﴿ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ ﴾ (۱۲/ یوسف:۳۷)

''یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔''

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے:

﴿ وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ﴾ (۲۱/ الانبیآء:۷۴)

''اور لوط کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام اور چند دیگر انبیا علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے:

﴿ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۷۹)

''ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی، اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔''

الغرض انبیا علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور و فکر، تجربہ و امتحان، تحصیل واکتساب اور جمع معلومات اور ترتیب مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آ جاتی ہیں صرف فہم و تمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی شعراء، مصنفین، موجدین اور دیگر عقلا کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی، لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے، اس منصب خاص کے سینکڑوں مدارج ہیں، جو انبیا علیہم السلام کو، اولیا کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں:

﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ ﴾ (۶/ الانعام:۱۲۶)

''جس کی راہنمائی خدا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔''

یعنی بلا حجت و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور بہ اصرار کہا کہ قرآن مجید کو اوراق و مصاحف میں لکھوا دیجئے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر اصرار اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انکار رہا، مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں بات آ گئی اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

(حتی شرح اللّٰه صدری لذالك) ''یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرے سینہ کو کھول دیا۔'' [1] مفسر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا: ''قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔'' پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا: ''حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق، اور اس فریب کدہ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔'' [2] یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینہ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور و حکمت کا بھرا جانا ہے۔

شرح صدر کے لئے مناسب موقع و مصلحت

جن آیتوں میں دیگر انبیا علیہم السلام کو عطیۂ علم کے دیے جانے کا ذکر ہے، ان میں اکثر ''علم'' کے ساتھ

[1] بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ٤٩٨٦۔ [2] تفسیر ابن جریر طبری، ج ٨، ص: ١٩، مطبوعہ مصر و حاکم فی المستدرك، ج ٤، ص: ٣١١ بسند فيه عدی بن الفضل۔

''حکم'' کا لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم وحکومت اور فیصلہ احکام کے لئے بے غور وفکر کے بدیہی، صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے، چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان ملا، جس کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا، علاوہ ازیں معراج کے حقائق ومناظر جو نفوس نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں ان کے احاطہ کے لئے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔

آیات ودلائل نبوی ﷺ قرآن مجید میں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے معجزے جس تفصیل اور تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، آنحضرت ﷺ کے معجزے اس تفصیل اور تکرار کے ساتھ اس میں مذکور نہیں، اس سے ایک طرف تو مخالفین اسلام نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات پاک اس عطیۂ الٰہی سے محروم تھی، دوسری طرف اسلام کے عقل پرست فرقہ کو اس سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ اسلام نے خوارق عادت کے ظہور سے انکار کیا ہے، کیونکہ جب اس کے نزدیک خاتم الانبیا ﷺ کی زندگی ان سے خالی تھی، تو گزشتہ انبیا کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے وہ بھی سمجھنے والوں کے لئے وہم کا قصور ہے۔

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام اور آنحضرت ﷺ کے معجزات اور آیات ودلائل میں جو یہ اختلاف منظر نمایاں ہے اس کے متعدد وجوہات اور اسباب ہیں، جن پر ان کوتاہ بینوں کی نظر نہیں پڑی، اس لئے وہ مختلف قسم کے شکوک وشبہات میں گرفتار ہو گئے۔

① اس اختلاف منظر کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس نے قرآن مجید کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے یا گزشتہ صفحات میں قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے معجزہ کی جو حقیقت واضح کی گئی ہے اس کو سمجھا ہے، وہ تسلیم کرے گا کہ اسلام نے نبوت کی تصدیق کے باب میں ظاہری اور مادی معجزات کو وہ اہمیت نہیں دی ہے جو خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اور اس کے مقدس صحیفہ میں نظر آتی ہے، بلکہ وہ انسانوں کو زیادہ تر غور وفکر، فہم وتدبر، سوچ اور سمجھ کی دعوت دیتا ہے اور نبوت کی اندرونی خصوصیات اور روحانی دلائل کو ایمان وتصدیق کی بنیاد قرار دیتا ہے، اس بنا پر اس کے لئے اپنے پیش کرنے والے کی سچائی کے ثبوت میں اس کے خوارق اور معجزات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ ہر جگہ پھیلانا اور دہرانا اس کے اصول کے خلاف تھا، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام ان گمراہیوں سے پاک رہا، جن کی تاریکیوں کے پردہ میں عیسوی مذہب کا نور چھپ کر رہ گیا۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیا علیہم السلام کو جو نشانیاں ملی تھیں وہ چند محدود گنی ہوئی اور متعین شکل میں تھیں اس لئے قرآن مجید کو جب کبھی ان پیغمبروں کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو خواہ مخواہ ان کے انہی چند

حیرت انگیز واقعات کو بار بار دہرانا پڑتا ہے، اور اس کی تفصیل اور تکرار سے کوتاہ بینوں کی نگاہوں میں ان پیغمبروں کی یہ نشانیاں اجاگر ہو کر نظر آتی ہیں، اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کو جو نشانیاں عطا ہوئیں، وہ اس قدر متنوع، مختلف اور غیر محدود تھیں کہ ان کے تذکرہ کے وقت ایک ہی نشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی، اس لئے یہ دلائل محمدی ﷺ قرآن مجید کے سینکڑوں صفحات کے مختلف گوشوں میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کی طرح وہ اجاگر اور نمایاں ہو کر کم سوادوں کو نظر نہیں آتے۔

③ تیسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ مباحث میں یہ پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے معجزات، خوارق اور نشانیاں پیغمبر کی قوت اور اختیار سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ و مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کی آیات و دلائل بھی ذات محمدی ﷺ کی طرف منسوب ہو کر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں، اس لئے عام لوگوں کا خیال ان کو دلائل محمدی ﷺ کے سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

④ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس ایک ہی مستند چیز یعنی ان کا صحیفہ ہے، جس میں ان کے ربانی احکام، ان کے پیغمبروں کے اقوال، حالات، سوانح، معجزات سب کچھ ملے جلے ہیں، لیکن اسلام کے قبضہ میں دو چیزیں ہیں، ایک صحیفۂ الٰہی جس میں صرف خدائی احکام و مطالب ہیں، دوسرے حدیث و سنت جس میں پیغمبر کے حالات، اقوال اور معجزات وغیرہ الگ اور مستقل حیثیت سے مذکور ہیں اور وہ بجائے خود روایتی استناد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلند تر ہے، اس لئے خدا نے پیغمبر ﷺ کے ان دلائل و معجزات کو عدم اہمیت کے باعث بہ تفصیل اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ اس کے لئے احادیث کے مستند ذخیرۂ روایات کی موجودگی کو کافی قرار دیا۔

قرآن مجید سے آپ ﷺ کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل

غرض یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر بعض کم سواد اس دعویٰ کی جرأت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتیں آپ ﷺ کو معجزات اور نشانیوں سے معرّا ظاہر کرتی ہیں، لیکن اس سلسلہ میں غور کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے آپ ﷺ کے متعلق آپ کے زمانہ کے کافروں کے جو اقوال تردید کی غرض سے نقل کیے ہیں، ان میں متعدد موقعوں پر آپ کو (نعوذ باللہ) ''کاہن'' اور ''ساحر'' کہا گیا ہے اور قرآن مجید پر سحر کا الزام لگایا گیا ہے، عرب میں کاہنوں کا کام پیشین گوئی کرنا اور غیب کا حال بتانا تھا اور ساحر کی نسبت تو عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزدیک عجائب و خوارق کا پیکر ہوتا ہے اب اگر آپ ﷺ امور غیب کی قبل از وقت اطلاع نہیں دیتے تھے اور معجزات اور خوارق کا صدور آپ ﷺ سے نہیں ہوا کرتا تھا تو کفار آپ کو کاہن اور ساحر کے خطاب سے کیوں یاد کرتے تھے؟ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر حسب ذیل آیتوں پر غور کی ایک نگاہ ڈالئے:

﴿ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ ﴾ (۵۲/ الطور:۲۹)

''اے محمد! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔''

﴿ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ﴾ (۶۹/ الحاقہ:۴۲)

''یہ (قرآن) کسی کاہن کا کلام نہیں۔''

آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے خدا کفار قریش کا حال بتاتا ہے:

﴿ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

(۳۷/ الصآفات:۱۴، ۱۵)

''جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کفار کو جو نشانیاں نظر آتی تھیں وہ ان کا ٹھٹھا اڑاتے تھے اور ان کو جادو کہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی خارق عادت نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آتی تھیں اور دوسری آیتوں میں بھی سحر کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کفار کی زبان سے کی گئی ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (۴۳/ الزخرف:۳۰، ۳۱)

''اور جب ان کے پاس سچی بات آئی تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔''

﴿ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (۴۶/ الاحقاف:۷)

''حق کے منکروں نے جب ان کے پاس حق آیا تو کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔''

﴿ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾ (۲۱/ الانبیآء:۳)

''یہ محمد ﷺ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہیں کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو۔''

﴿ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:۲)

''کافروں نے کہا یہ محمد (ﷺ) تو کھلا جادوگر ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی آمد کی جو بشارت دی تھی اس کے بعد ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (۶۱/ الصف:۶)

''پس جب وہ آنے والا پیغمبر کھلی آیتیں لے کر آیا تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔''

کفار کے ان اقوال سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے کچھ تو مافوق العادت باتیں ظاہر ہوتی تھیں جن کی تعبیر کہانت اور جادوگری کے الفاظ سے کر کے وہ اپنے نادان دل کو تسلی دیتے تھے اور اسی

سے آپ ﷺ کے صاحب معجزہ ہونے کا ناقابل تردید ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے دلائل و معجزات مذکور ہیں

اس اجمالی ثبوت کے بعد ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ان آیات و دلائل کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جو قرآن مجید کے اوراق میں منتشر ہیں، ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں منسلک کر دیں کہ وہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آ جائیں۔ تنوع کے لحاظ سے یہ آیات و دلائل تین قسم کے ہیں، ایک تو کفار کی ہدایت و دعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کے لئے معجزانہ نشانیاں، دوسری مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائیدات غیبی کا ظہور، اور تیسری وہ پیشین گوئیاں جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر صحیح اترا ہے، آئندہ اوراق میں اس اجمال کی تفصیل آئے گی۔

معجزۂ قرآن

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ﴾

(۱۷/ بنیٓ اسرآئیل:۸۸)

آنحضرت ﷺ کو پیش گاہ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے۔ چنانچہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا تو خدا نے فرمایا:

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ ﴾

(۲۹/ العنکبوت:۵۰، ۵۱)

''اور انھوں نے کہا کہ پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کی قدرت میں ہیں۔ میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں، کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اس پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

اور آنحضرت ﷺ نے بھی دیگر انبیا علیہم السلام کے معجزات کے مقابلہ میں اپنی اسی وحی آسمانی کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا۔ چنانچہ گویا اسی آیت پاک کی تفسیر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ما من الانبیاء نبی الا اعطی من الایات ما مثله اومن او امن علیه البشر وانما کان الذی اوتیت وحیًا اوحاه اللّٰه إلي فارجو انی اکثرهم تابعًا یوم القیامة)) [1]

''پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر معجزات عنایت کیے۔ جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے۔ لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''

اس حدیث سے متعدد نکتے حل ہوتے ہیں:

① ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا ہوا ہے۔

② دیگر انبیا علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے۔ ہوئے اور ہو کر مٹ گئے، لیکن آنحضرت ﷺ کا معجزہ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم اور باقی رہے گا۔

③ چونکہ وہ معجزے وقتی اور عارضی تھے۔ اس لیے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ بھی وقتی اور عارضی تھا، برخلاف

[1] بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ بعثت بجوامع الکلم:۷۲۷۴۔

اس کے قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے۔ اس لئے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

آنحضرت ﷺ کو جو ربانی نشانیاں خدا کی طرف سے عنایت ہوئیں۔ ان میں صرف یہی ایک معجزہ ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے اور پھر خود ہی اس کی پیشین گوئی بھی کر دی ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی:

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾ (۱۷/ بنیٓ اسرآءیل:۸۸)

”کہہ دے اے پیغمبر! اگر تمام جن وانس مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لا سکتے۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔“

سورۂ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (۱۱/ ھود:۱۳)

”کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنا لیا ہے، تو کہہ دے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس ہی سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لئے خدا کے سوا جس کو چاہیں بلا لیں اگر وہ سچے ہیں۔“

اس کے بعد کی آیتوں میں دس سورتوں سے گھٹا کر ایک ہی سورہ کا جواب لانے کی تحدی کی گئی ہے:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (۲/ البقرہ:۲۳)

”اور اگر تم کو اس میں بھی کچھ شک ہو تو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورہ لاؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو۔“

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ښ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ (۲/ البقرہ:۲۴)

”تو اگر تم ایسی سورہ بنا کر نہ لاسکو اور یقیناً نہ لاسکو گے تو اس آتش دوزخ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم پوجتے ہو) سب ہوں گے جو کافروں کے لئے تیار رکھی گئی ہے۔“

اسی کے ہم معنی دوسرے آیت سورۂ یونس میں ہے:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِیْنَ﴾ (۱۰/ یونس:۳۸)

''کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنالیا ہے، ان سے کہہ دے کہ اس جیسی ایک سورہ تم بھی لاؤ خدا کے سوا اور جس کو چاہو مدد کے لئے بلالو اگر تم سچے ہو۔''

پھر سورۂ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو:

﴿ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۚ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ۚ﴾

(۵۲/ الطور:۳۳، ۳۴)

''کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کو ایمان نہیں۔ اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی وہ پیش کریں۔''

اس امر پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کس حیثیت سے معجزہ ہے اور وجہ اعجاز کیا ہے؟

① بعض معتزلہ کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام (اسٹائل) معجزہ ہے۔ یعنی اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا۔ قرآن مجید نے ان کو چھوڑ کر ایک اور بدیع طرز اور عجیب اسلوب اختیار کیا جو عرب میں موجود نہ تھا۔ ان کے کلام کا تمام تر نمونہ شعر تھا۔ قرآن مجید نے نثر کا ایک اسلوب اختیار کیا، کاہنان عرب کا کلام بھی نثر ہوتا تھا۔ مگر اس میں تکلف اور آورد تھا۔ قرآن مجید نے نظم و نثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اسلوب اختیار کیا جو بلغائے عرب کے تخیل میں بھی نہ تھا۔ قرآن کے مطالعہ، مقاطع اور فواصل یعنی جس طرح قرآن کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ کرتا ہے، جس طرح ایک ایک آیت کو توڑتا جاتا ہے وہ حد اعجاز میں داخل ہے۔

② معتزلہ سے جاحظ اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے معجزہ قرار دیتے ہیں۔

③ نظام معتزلی اور ابن حزم ظاہری [1] یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور امام رازی بھی اس کو اقرب الی الصواب کہتے ہیں [2] کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام بلغائے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کر دیں اور اس لئے وہ اس کا جواب نہیں لا سکتے۔

④ بعض متکلمین کے نزدیک وجہ اعجاز قرآن مجید کا اظہار غیب اور پیشین گوئیاں ہیں جو انسان کے حیطہ امکان سے باہر ہیں۔

⑤ بعض علما کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دل کے چھپے ہوئے اسرار کو فاش کرتا تھا جو انسانی دسترس سے باہر ہے۔

[1] الفصل فی الملل والنحل ابن حزم ج سوم باب اعجاز القرآن، ص:۵۱۔

[2] تفسیر کبیر، ج۱، ص: ۲۳۵ تفسیر آیة ﴿وان کنتم فی ریب﴾۔

⑥ کسی نے وجہ اعجاز یہ بتائی ہے کہ اور انسانوں کے کلام بلند و پست، کامل و ناقص، صحیح و غلط غرض مختلف المراتب ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید شروع سے اخیر تک بلندی کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک ہی نوعیت کا ہے۔

⑦ ایک دو آدمیوں کی یہ رائے ہے کہ معجزہ یہ ہے کہ ایک اُمیؐ کی زبان سے ایسا کلام بلاغت نظام نکلا۔ [1]

⑧ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ اس کی خارق عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسخیر بھی قرار دی جا سکتی ہے۔

⑨ بعضوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا اصلی اعجاز اس کے احکامات، تعلیمات اور ارشادات ہیں۔ [2]

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اختلافات باہم متضاد نہیں ہیں جو ایک جگہ نہ مجتمع ہوسکیں اور نہ، ضروری ہے کہ وجہ اعجاز صرف ایک میں محدود ہو۔ قرآن مجید کے وجوہ اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہوسکتا، جس شخص کو اپنے مذاق کے مطابق جو بات نمایاں نظر آئی ہے اسی کو اس نے وجہ اعجاز قرار دے لیا ہے، کوئی حسین اور خوبصورت چیز جب نقادان فن کی نگاہوں کے سامنے آتی ہے تو کوئی اس کے رنگ و روغن کا مداح ہوتا ہے، کوئی اس کے اعتدال قامت کی تعریف کرتا ہے، کوئی اس کی وضع قطع کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے، کوئی اس کی زیبائش و آرائش کی مدح کرتا ہے، تو درحقیقت اس کی ذات ان تمام اوصاف کا مجموعہ ہوتی ہے اور ہر ناقد اپنی چشم اعتبار سے جو کچھ دیکھتا ہے اسی کو اس کے حسن کا معیار قرار دیے لیتا ہے۔ حافظ و سعدی کے کلام کا معترف کون نہیں؟ لیکن لوگوں سے ان کے حسن و خوبی کی تفصیل پوچھو تو کوئی ایک بات نہیں کہے گا۔ کسی کے نزدیک ان کے کلام کا حسن یہ ہے کہ وہ اپنی غزلوں کے لئے بحریں نہایت مطربانہ اور موسیقیانہ اختیار کرتے ہیں۔ کوئی طریقہ ادا اور اسلوب تعبیر کی تعریف کرے گا، بعض ناقدین سخن الفاظ کی شیرینی اور ترکیب کی ندرت پیش کریں گے۔ کوئی تشبیہ و استعارہ کی جدت پر زور دے گا، دوسرے اصحاب ان کی نازک خیالی کے معترف ہوں گے۔ بعضوں کے نزدیک ان کی معنی آفرینی عمیق فلسفہ و حکمت اور دل پذیر موعظت ان کے کلام کا تمغائے کمال ہے:

عبارا تناشتی وحسنك واحد   وكل الى ذاك الجمال يشير

''ہماری عبارتیں گو مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے، ہر شخص اپنی عبارت میں اسی ایک حسن کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔''

قرآن مجید کی ان آیتوں کا اگر استقصا کیا جائے جن میں اس کے وجوہِ اعجاز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے

[1] متکلمین کے یہ مذاہب شرح مواقف اعجاز قرآن باقلانی، الاتقان سیوطی، فصل فی الملل والنحل ابن حزم میں مذکور ہیں۔

[2] شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبیر مبحث اعجاز القرآن، ص: ٤٢ میں اور مولانا شبلی نے اپنے مضمون اعجاز القرآن مقالات شبلی، حصہ اوّل ص: ٣٥ میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

تو وہ ہم کو خود مختلف نظر آتی ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے وجوہِ اعجاز اس قدر متعدد اور کثیر الاطراف ہیں کہ ان کو کسی ایک میں محدود نہیں کیا جا سکتا، اس نے کہیں تو اپنی تعلیم وارشاد کی مدح کی ہے، کہیں اپنی تاثیر اور قوت جذب کی طرف اشارہ کیا ہے، کہیں اپنی یکسانی اور عدم اختلاف کو اپنے خدا کی طرف سے ہونے کی نشانی بتائی ہے، کہیں اس نے اپنی عربیت اور حسن کلام کو ظاہر کیا ہے، کہیں ایک امی کی زبان کا پیغام ہونا اپنا معجزہ بتایا ہے، ایک موقع پر اپنی ہدایت وراہنمائی کو مخصوص ترین وصف قرار دیا ہے، کہیں وہ خود کو نور، ھدیٰ، حکمۃ، بینۃ اور دیگر مختلف اوصاف معنوی کا پیکر کہتا ہے چنانچہ ذیل میں ہم ان آیتوں کو بہ ترتیب لکھ دیتے ہیں:

فصاحت وبلاغت

﴿لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ۝﴾ (۱۶/ النحل:۱۰۳)

”جس کی طرف یہ کفار نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ ایسی زبان ہے جو عربی ہے اور اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔“

﴿بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ۝﴾ (۲۶/ الشعرآء:۱۹۵)

”یہ قرآن ایک ایسی زبان میں ہے جو اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔“

﴿قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ﴾ (۳۹/ الزمر:۲۸)

”قرآن عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی کجی نہیں۔“

﴿وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ۝﴾ (۳۶/ یٰسٓ:۶۹)

”اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن۔“

﴿وَّقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ۝﴾ (۱۵/ الحجر:۱)

یکسانی اور عدم اختلاف

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا۝﴾

(۴/ النسآء:۸۲)

”کیا یہ کافر قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔“

قوتِ تاثیر

﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ۝ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۝﴾

(۵۴/ القمر:۴، ۵)

”ان کو (قرآن کے ذریعہ سے) اگلی امتوں کے اتنے حالات سنائے جا چکے ہیں جو اُن کی تنبیہ کو

کافی تھے، یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے لیکن ان کو ڈرانا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔''

کفار قرآن مجید کو سحر اور جادو کہتے تھے؟ یہ کیوں؟ اس کی اسی تاثیر اور قوت تسخیر کی بنا پر:

﴿ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾

(٤٦/ الاحقاف:٧)

''جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔''

کفار کہتے تھے کہ جب محمد ﷺ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانے لگیں تو شور کرو، تا کہ لوگ سن کر متاثر نہ ہوں:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴾

(٤١/ فصلت:٢٦)

''کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کرو شاید تم جیت جاؤ۔''

تعلیم وہدایت

﴿ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾ (٢/ البقرة:٢)

''یہی ہے وہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ پرہیز گاروں کے لئے سرتا پا ہدایت ہے۔''

﴿ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ﴾ (١٧/ بنیٓ اسرآء یل:٩)

''یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح اور سیدھی ہے۔''

﴿ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ ﴾ (٢٨/ القصص:٤٩)

''کہہ دے قرآن اور تورات سے بڑھ کر کوئی ہدایت والی کتاب لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں۔''

﴿ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴾ (٥/ المآئدة:١٥)

''تمہارے پاس روشنی اور مدعا کو ظاہر کرنے والی کتاب آ چکی۔''

﴿ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ﴾ (٢/ البقرة:٩٩)

''ہم نے تیری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاریں۔''

﴿ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ﴾

(٦/ الانعام:١٥٦ تا ١٥٨)

''یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ دو قوموں پر کتاب اتاری گئی اور ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ راہ راست پر ہوتے تو لو یہ تمہارے رب کی طرف سے دلیل و ہدایت و رحمت آئی ہے۔''

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (۱۷/ الاسرآء:۸۲)

''اور قرآن سے ہم وہ اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔''

﴿ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۴۱ تا ۴۴)

''یہ عزت والی کتاب ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا یہ حکمت اور تعریف والے خدا کی اتاری ہوئی ہے اے پیغمبر! تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا تیرا پروردگار بخشش والا بھی ہے اور عذاب والا بھی ہے، اگر ہم اس قرآن کی زبان عجمی کرتے تو وہ لوگ یہ کہتے کہ اس کے احکام کیوں نہیں کھول کر بیان کئے گئے ہم عرب ہیں اور کتاب عجمی، کہہ دو کہ یہ کتاب مومنوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:۵۷)

'' لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ چکی ہے اور وہ دلوں کے امراض کا علاج ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔''

﴿ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾ (۳۶/ یٰسٓ:۹) ''حکمت والا قرآن۔''

﴿ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ ﴾ (۳۸:صٓ:۱) ''نصیحت والا قرآن۔''

قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں

﴿ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ﴾ (۱۷/ الاسرآء:۸۸) ''جن و انس اس کا جواب نہیں لا سکتے۔''

﴿ وَلَنْ تَفْعَلُوْا ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۴) ''یہ کفار ہرگز اس کا جواب نہیں لا سکتے۔''

ایک امی کی زبان سے ادا ہو

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ

بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾

(۲۹/ العنکبوت:٤٨ تا ٥١)

’’قرآن سے پہلے اے پیغمبر ﷺ! نہ تو، تو کچھ پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ باطل پرست شک کرسکتے بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے اور ہماری آیتوں سے صرف گنہگار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نہیں اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں، میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے، اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔‘‘

حفظ و بقا کا وعدہ

﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (۱۵/ الحجر:۹)

’’اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔‘‘

﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (۷۵/ القیامۃ:۱۷)

’’ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا۔‘‘

﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ﴾ (٤١/ فصلت:٤٢)

’’اس قرآن کے پاس آگے اور نہ پیچھے سے باطل آسکتا ہے۔‘‘

قوت دلائل

﴿ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (٦/ الانعام:۱۵۷)

’’یقیناً تمہارے پاس تمہارے خدا کی دلیل آچکی۔‘‘

﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ﴾ (٦/ الانعام:۱٤۹)

’’کہہ دے کہ خدا ہی کے لئے وہ دلیل ہے جو دلوں تک اتر جاتی ہے۔‘‘

﴿ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (۷/ اعراف:۲۰۳)

’’یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے سمجھ بوجھ کی باتیں ہیں اور ہدایت و رحمت ہے مومنوں کے لئے۔‘‘

قرآن مجید کی یہ آیتیں صرف چند حیثیتوں کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں اگر کوئی استقصا کرے تو متعدد

وجوہ اور بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت و بلاغت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے معجزہ کامل ہے، اس کے معجزہ کامل ہونے پر مختصر ترین دلیل یہ ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرے کہ کوہ صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر ایک امی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اس کا جواب پیش کرے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان تیرہ صدیوں کا ایک ایک سال گزر گیا مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لئے بلند نہ ہوئی، اگر صرف فصاحت و بلاغت ہی کو معیار اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ عین اُس وقت جب ایک اُمی کی طرف سے جو ایک شعر تک موزوں نہیں پڑھ سکتا تھا یہ مدعیانہ اعلان عرب میں شائع ہوا اس عرب کے قبیلہ قبیلہ میں زبان آور شعرا، اور آتش بیان خطبا موجود تھے مگر اس ''صوت سرمدی'' کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں کفار عرب نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تکذیب کی کیا کیا کوششیں نہ کیں، انہوں نے اس راہ میں جان و مال قربان کیا، دین و کیش کو برباد کیا، اپنے عزیزوں اور فرزندوں کو نثار کیا، خود اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھیں، ان کے سپاہیوں نے میدان جنگ میں پرے جمائے، ان کے دولت مندوں نے اپنے خزانے کھول دیے، ان کے شاعروں اور خطیبوں نے اپنی آتش بیانیوں سے تمام ریگستان عرب کو تنور بنا دیا، یہ سب کچھ کیا مگر یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کی ایک سورہ کا جواب پیش کریں جو اسلام کے دعوائے حق و صداقت کے کنگرہ کو چشم زدن میں پست کر دیتا، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مثال لانے سے عاجز تھے اور جب وہ جو زبان کے اصل مالک اور محاورۂ عرب کے طبعی ماہر تھے اس کے مقابلہ سے عاجز تھے تو اس زمانہ کے بعد کے لوگوں کے لئے تو یہ عجز اور درماندگی اور زیادہ نمایاں ہے۔

حسان بن ثابت، عامر بن اکوع، طفیل بن عمرو، زید الخلیل، زبرقان، شماس، اسود بن سریع، کعب بن زہیر، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ عرب کے مشہور زبان آور اور شاعر تھے، مگر قرآن کے سامنے ان سب نے سر نیاز خم کیا، لبید رضی اللہ عنہ عرب کے شاعر تھے اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کے ایک رکن تھے، اسلام کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا: ''جب خدا نے مجھ کو بقرہ اور آل عمران سکھائی تو مجھے شعر کہنا زیبا نہیں۔'' [1]

انیس قبیلہ غفار کے شاعر تھے، انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کا چرچا سنا، تو چھپ کر مکہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے کلام ربانی کی کچھ آیتیں سن کر واپس آ گئے، انکے بھائی نے پوچھا کہ تم نے کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ قریش کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں، ساحر ہیں اور کاہن ہیں، ہم نے کاہنوں کا کلام سنا ہے یہ انکی بولی نہیں، ہم نے شعر کے ایک ایک وزن کو دیکھ لیا ہے وہ شعر بھی نہیں ہے، خدا کی قسم! محمد ﷺ سچے اور قریش جھوٹے ہیں۔ [2]

[1] استيعاب ابن عبدالبر ترجمة لبيد، ج١، ص: ٣٣٦۔

[2] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی ذر: ٦٣٥٩۔

ضماد ازدی رضی اللہ عنہ ایک صاحب تھے جو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے وہ یہ سن کر کہ محمد ﷺ (نعوذ باللہ) دیوانے ہو گئے ہیں آپ کے علاج کے لئے آئے، آپ نے مختصر سی حمد کلمہ شہادت پڑھا، وہ سن کر متحیر رہ گئے، تین دفعہ پڑھوا کر سنا، پھر کہا کہ خدا کی قسم! میں نے کاہنوں کی بولی اور جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے یہ تو سمندر تک میں اثر کر جائے گا۔ [1] جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل اور قریش کے دیگر اکابر جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ محمد ﷺ کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جاتی ہے کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا چاہیے جو جادو، کہانت اور شعر کہنا جانتا ہو، تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ کیا ہے؟ قریش کے مشہور سردار عتبہ بن ربیعہ نے کہا میں یہ سب کچھ جانتا ہوں، کہو تو میں جا کر دیکھوں، چنانچہ آستانہ نبوی ﷺ میں آ کر اس نے صلح کے کچھ شرائط پیش کیے، آنحضرت نے اس کے جواب میں سورۂ فصلت پڑھنی شروع کی، کچھ ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ اس نے آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ قرابت کا واسطہ بس کرو، واپس پھرا تو چند روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا، ابوجہل نے جا کر کہا: کیوں عتبہ! محمد ﷺ کے یہاں کھانا کھا کر پھسل گئے؟ عتبہ نے کہا: تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں، مجھ کو دولت کی طمع دامن گیر نہیں ہو سکتی لیکن محمد ﷺ نے میرے جواب میں جو کلام پیش کیا، وہ نہ شعر تھا، نہ کہانت تھی، نہ جادو، میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا، انہوں نے جو کلام پڑھا اس میں عذاب الٰہی کی دھمکی تھی، میں نے ان کو قرابت کا واسطہ دیا کہ چپ ہو جائیں میں ڈرا کہ تم پر عذاب نہ آ جائے، لوگوں نے کہا: محمد ﷺ نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا۔ [2]

ولید بن مغیرہ قریش میں بڑا دولت مند اور صاحب اثر تھا، وہ ایک دفعہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور فرمائش کی کہ کچھ پڑھ کر سنایئے، آپ نے چند آیتیں پڑھیں، اس نے مکرر پڑھوا کر سنیں، آخر بے خود ہو کر بولا: خدا کی قسم! اس میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے، اس نخل کی شاخوں میں پھل اور اس کا تنا بھاری ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ [3]

بنو ذہل بن شیبان کے سردار مفروق کے سامنے آپ ﷺ نے چند آیتیں پڑھیں تو گو وہ مسلمان نہ ہوا مگر کلام الٰہی سے متاثر ہوا۔ [4]

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جب سورۂ مریم کی تلاوت کی تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر کہا: ''خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔'' [5]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلوٰة والخطبة: ۲۰۰۸۔ [2] کتاب التفسیر ابن مردویه؛ مسند ابی یعلیٰ وسیرة ابن اسحاق، اخیر فقرہ صرف سیرة ابن اسحاق میں ہے۔ بحوالہ سیرت ابن هشام، ج۱، ص: ۱۸۰۔
[3] مستدرك حاكم، ج۲، ص: ۵۰٦ میں یہ اور اوپر کا واقعہ دونوں مل جل گئے ہیں۔ [4] روض الانف شرح سیرة ابن هشام، ج۱، ص: ۲٦٤ مطبوعہ مصر۔ [5] مسند احمد، ج۱، ص: ۲۰۲ ومستدرك حاكم، ج۲، ص: ۳۱۰۔

اس قسم کے اور بعض واقعات ابن اسحاق نے سیرت میں نقل کئے ہیں پہلی جلدوں میں پڑھ چکے ہیں کہ لوگ کیونکر قرآن مجید کی آیتیں سن کر متاثر ہو جاتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل ایک سورہ کی چند آیتیں پڑھ کر [1] اور سن کر [2] پتھر سے موم ہو گیا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اسیران بدر کو چھڑانے آئے تھے، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سورۂ طور کی ایک دو آیتیں سن لیں تو حلقۂ بگوش اسلام ہو گئے۔ [3] حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے چند آیتیں سن لیں تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ [4] حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے کانوں میں اتفاقیہ قرآن مجید کی چند آیتیں پہنچ گئیں تو مسلمان ہو گئے۔ [5] طائف کے سفر میں حضرت خالد العدوانی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو ﴿ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴾ (٨٦/ الطارق:١) پڑھتے سنا تو گو وہ اس وقت مسلمان نہ ہوئے مگر پوری سورہ ان کے دل میں گھر کر گئی، یعنی یاد ہو گئی۔ [6]

حبش سے بیس آدمیوں کی ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی، آپ ﷺ نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ [7] حضرت ابوعبیدہ، حضرت ابوسلمہ، حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہم یہ تینوں اصحاب اسی کی کشش مقناطیسی سے کھنچ کر حلقۂ اسلام میں آئے۔ [8] اور تو اور خود مہبط وحی اور حامل کلام ربانی کا کیا حال تھا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ قراءت شروع کی تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ [9] ایک اور موقع پر قرآن مجید کی چند آیتیں زبان مبارک سے ادا ہوئیں اور اس کے بعد آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ [10]

کلام کی یہ شیرینی، یہ نمکینی، یہ تاثیر، یہ تسخیر جو دوست و دشمن، موافق و مخالف، شاہ و گدا، عالم و جاہل، پیغمبر و امت سب کو یکساں فریفتہ کرتی ہے، اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ حکما، فلاسفہ، ادبا، اہل لغت، مفسرین، محدثین، فقہا، شعرا، متکلمین، غرض نوع انسانی کی وہ کون سی صنف ہے جس نے ایک امی کی زبان سے ادا ہونے والے پیغام کے عشق و محبت میں اپنا سرمایہ حیات قربان نہیں کر دیا اور جن کو اس کلام کی تشریح و تفصیل اور تحقیق و توضیح کے خدمات کی لذت میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ نظر آئیں، کیا یہ اعجاز نہیں؟ غور کیجئے کہ ایک اُمّی محض جو اُمیوں ہی کی گودوں میں پلا اور پل کر جوان ہوا، اس نے ہوش سنبھالا تو گردوپیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آیا، علوم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک، عاری شہر اور عاری خاندان

---

[1] ابن سعد، ج ۳، حصہ اول، ص: ۱۹۱۔ [2] مسند احمد، ج ۱، ص: ۱۷۔

[3] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، طور: ٤٨٥٤۔ [4] مسند احمد، ج ۱، ص: ۳۱۸۔

[5] استیعاب تذکرۃ طفیل بن عمرو دوسی، ج ۱، ص: ۲۱۸۔ [6] مسند احمد، ج ٤، ص: ۳۳۵۔

[7] سیرۃ ابن ہشام، ج ۱، ص: ۲۳۷۔ [8] اسد الغابۃ تذکرۃ ابوسلمۃ بن عبدالاسد، ج ۵، ص: ۲۱۸ (اس میں حضرت عثمان بن مظعون کا نام بھی ہے)۔ ''ض'' [9] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید﴾: ٤٥٨٢۔ [10] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبی ﷺ لامۃ: ٤٩٩۔

کے اندر نشو ونما پائی، جہاں اہل فکر اور ارباب علم کا وجود نہ تھا وہ خود اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت وخواند کے نقوش وحروف سے آشنا نہ تھا اور گزشتہ صحف انبیا اور افکار عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کبھی نہیں پڑا، علما اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی، اصول قانون، مبادی اخلاق، محاسن علم وعمل کی کوئی ظاہری تعلیم اس کو نہیں ملی، بلکہ مدرسہ علم وحکمت کے سایۂ دیوار تک کبھی اس کا گزر نہیں ہوا، اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس دورے پورے کرتا ہے کہ دفعتہً غار حرا کے ایک دہانے سے اُجالا ہوتا ہے، علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا سرچشمہ ابلتا ہے، ظاہری نوشت وخواند کے نقوش وحروف کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے، صحف انبیا اور افکار عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں، اس کے پرتو صحبت سے اُمی اور جاہل علمائے دہر اور دانشوران روزگار بن کر نکلنے لگتے ہیں، اصول قانون، مبادی اخلاق، اور محاسن علم وعمل کی تعلیم کا غلغلہ اس کی بزم فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے، کلام ربانی کے پردہ میں علم وحکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں، اس سے زیادہ قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

توراۃ قانون وشریعت ہے لیکن اخلاق اور موعظت نہیں، انجیل اخلاق وموعظت ہے، لیکن قانون اور شریعت نہیں، زبور مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے لیکن دیگر صفات سے خالی، مسیح علیہ السلام کے صحیفہ میں خطابت کی ہنگامہ آرائیاں ہیں، مگر استدلال اور فکر ونظر کی دعوت نہیں، صحف بنی اسرائیل پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں مگر دقائق حکمت اور اسرار ایمان وعمل سے خالی ہیں، دنیا میں ایک ہی کتاب الٰہی ہے جو قانون و شریعت بھی ہے اور اخلاق وموعظت بھی، مخاطبات قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے اور دیگر کتب الٰہیہ کی مجموعی صفتوں کی حامل بھی، خطابت بھی ہے اور استدلال وفکر بھی، اظہار غیب اور پیشین گوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائق حکمت واسرار ایمان وعمل سے معمور بھی اور ان سب کے ساتھ عین اس وقت جب اور کتب الٰہی تحریف وتغییر اور تراجم وتعبیر سے اپنی اصلی زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں، اس کی بقا اور حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کے ایک لفظ، ایک حرف، ایک نقطہ میں تغیر وتبدل نے راہ نہیں پائی، وہ اپنی زندگیٔ جاوید کے لئے کاغذ کے نقوش وحروف کی محتاج نہیں کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اس خزانہ کے صندوق ہیں اور وہ اسی زبان اور انہی الفاظ اور انہی حروف کے قالب میں اب تک جلوہ گر ہے، جس میں دست قدرت نے اس کو ڈھالا تھا اور جبریل امین نے اس کو اتارا تھا اور محمد عربی ﷺ نے اس کو امت کے ہاتھوں میں سونپا تھا، کیا یہ اعجاز نہیں؟

یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہوتا ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ ساتھ اپنے الفاظ، کلمات اور عبارت میں بھی معجزہ ہے اور اس کی فصاحت وبلاغت کے معجزانہ کمال کی دوسری آسمانی کتابیں حریف نہیں بن سکتیں، کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وحی ہیں،

چنانچہ نہ تو خود ان کتابوں کو اور نہ ان کے ماننے والوں کو اس کا دعویٰ ہے اور نہ کبھی انہوں نے اپنی کتابوں کو کلام وعبارت کے لحاظ سے معجزہ کہا ہے، چنانچہ اسی لئے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحی موسوی (تورات) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا، مدت ہوئی کہ دنیا ان سے محروم ہوگئی، تورات کی اصلی عبرانی زبان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلی تھی، وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہوگئی اور اس نے آرامی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کرلیا اور آخر صدہا سال کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا، انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طے نہیں ہوا کہ اس کی اصل زبان کیا تھی؟ اور انجیل پہلے پہل کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی زبان ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین کے ملک میں بولتے تھے ایسی حالت میں ان کتابوں کی فصاحت و بلاغت کا اعجاز اور اس کے الفاظ کے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جاسکتا ہے، برخلاف اس کے دنیا میں ''وحی محمدی ﷺ'' سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے، جس نے اس حیثیت سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے اور وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ادا ہوا اور وہ ہر قسم کی تحریف وتغییر سے پاک ہے اس لئے اس کے الفاظ، کلمات، اور عبارات تک معجزہ ہیں اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ [1]

[1] یہاں مسئلہ اعجاز القرآن پر بحث مقصود نہیں یہ مباحث مفصل آئندہ کسی جلد میں آئیں گے، یہاں صرف سلسلہ معجزات میں اس کا محض تذکرہ مقصود تھا۔

اُمّیت

یعنے

آنحضرت ﷺ کا ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک ہونا

﴿ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۵۷)

یہ واقعہ محتاج بیان نہیں کہ آنحضرت ﷺ ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک تھے۔ قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۵۷)

''یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پڑھ پیغمبر اور فرستادۂ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔''

اسی سورہ میں پھر اس کے بعد ہی ہے:

﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۵۸)

''تو لوگو! خدا پر اور اس کے ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ۔''

سورۂ جمعہ میں نہ صرف آپ ﷺ کے اُمّی بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے امی ہونے کا اظہار ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ (۶۲/ الجمعة: ۴۸)

''اسی خدا نے اُمیّوں کے درمیان انہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔''

دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝ ﴾ (۲۹/ العنکبوت: ۴۸)

''اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر! نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحت الٰہی کا ایک خاص منشا تھا۔ اسی لئے اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ (۲۹/ العنکبوت: ۵۰، ۵۱)

''اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں

اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں کیا ان معترضین کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر (جوامی ہے) کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔''

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں اس کا اظہار ہے کہ اے محمد ﷺ! تمہاری زبان سے آج گزشتہ پیغمبروں، اگلی امتوں اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں۔ ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ میں ہیں، ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو، دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے، تیسرا یہ کہ اوروں سے سنے۔ آنحضرت ﷺ اطلاع کے ان ذرائع سے ناآشنا تھے۔ اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ مفقود تھا قرآن مجید میں آدم علیہ السلام سے مولد محمدی ﷺ تک کے تمام واقعات بیان کئے گئے ہیں جو آپ کی پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے اور آپ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا۔ اسی لئے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً: حضرت مریم اور زکریا علیہما السلام کے قصہ میں کہا ہے:

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ؀ ﴾ (۳/ آل عمران: ٤٤)

''یہ گزشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف وحی کررہے ہیں۔ تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا پانسہ ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ؀ۙ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ؀ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾

(۲۸/ القصص: ٤٤:٤٦)

''جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا فیصلہ دیا تو تو اس وقت مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا۔ بلکہ ہم نے صدیاں اس پر گزار دیں، قومیں پیدا کیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پذیر ہو کر آیات الٰہی ان کو پڑھ کر سناتا تھا۔ بلکہ ہم آئندہ تم کو بھیجنے والے تھے اور نہ تو اس وقت گوشہ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی ہے بلکہ (اس قصہ کا علم تجھ کو جو حاصل ہو رہا ہے محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ﴾

(۱۲/ یوسف: ۱۰۲)

’’یہ اس گزشتہ زمانہ کے قصہ کا علم ہم تم کو اپنی وحی سے عطا کر رہے ہیں تو اس وقت ان میں موجود نہ تھا۔ جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے۔‘‘

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو۔قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ﴾ (۲۹/ العنکبوت:۴۸)

’’نہ تو، تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اس کو لکھ سکتا تھا۔‘‘

﴿ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ (۴۲/ الشوریٰ:۵۲)

’’تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔‘‘

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کر یہ علم حاصل کیا جائے، سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کی زندگی تمام تر مکہ معظمہ میں گزری۔ بجز اس کہ چند مہینے بصریٰ وغیرہ کے سفر تجارت میں گزرے ہوں اور خود مکہ معظمہ میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی۔ اس لئے یہ ذریعہ علم بھی ثابت نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا:

﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ ﴾

(۱۱/ ھود:۴۹)

’’یہ گزشتہ زمانہ کی باتیں ہیں جن کی بذریعہ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے ان سے آگاہ نہ تھی۔‘‘

آنحضرت ﷺ کی جو زندگی مکہ معظمہ میں گزری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا۔ اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا، جب آپ مکہ میں تھے تب بھی آپ قریش کے مجمع میں تھے۔ اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جھرمٹ میں رہے اس لئے آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ان سے مخفی نہ تھا۔ اگر آپ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی تو شاعر و مجنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد ﷺ کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے بآواز بلند کہا:

﴿ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:۱۶)

’’اگر خدا کو منظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سناتا اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا

اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔‘‘

قرآن مجید میں ان تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے، ان کو یہ شک تھا کہ محمد ﷺ کسی دوسرے سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اس اعتراض کو نقل کیا اور اس کا جواب دیا:

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (١٦/ النحل:١٠٣)

’’اور ہم کو بہ تحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے، اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔‘‘

سورۂ فرقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شبہ مذکور ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ۚ ﴾ (٢٥/ الفرقان:٤)

’’اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے۔ جس کو محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے اور اس افترا پردازی میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں۔ وہ یقیناً غلط اور جھوٹ کہتے ہیں۔‘‘

یہ سب شبہات کئے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ نہیں ظاہر کیا کہ محمد ﷺ نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی اُمیت پر ان کو یقین تھا۔ مدینہ آ کر یہودیوں سے معاملہ پڑا، روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود آپ ﷺ کے پاس آتے تھے اور آپ سے وہ سوالات کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں مذکور تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کے صحیح جوابات دیتے تھے اور وہ متحیر رہ جاتے تھے۔ اس واقعہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اُمیِ محض ہیں اور ہماری کتابوں کو نہ انہوں نے پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا، کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے۔

قریش کو جس شخص کی نسبت شبہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو سکھاتا ہے۔ اس کے متعلق امام طبری رحمہ اللہ نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں جن سے اس کی شخصیت اور نام کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظّمہ میں کوئی نصرانی غلام تھا۔ جو اپنی زبان میں کتب مقدسہ کبھی کبھی پڑھا کرتا تھا اور آپ ﷺ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی پر کفار نے کہا کہ محمد ﷺ کو یہی قرآن کی آیتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس غلام کی اور جو کتابیں وہ

پڑھا کرتا ہے ان کی زبان عربی نہیں اور نہ وہ عربی جانتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے اور خود قرآن کی زبان فصیح عربی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ غیر زبان کو سمجھ لیں اور وہ عجمی غلام قرآن جیسی فصیح زبان میں کلام کرے۔ [1]

آنحضرت ﷺ کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کے چچا ابوطالب اپنے ساتھ شام لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں بحیرا نام ایک راہب نے آپ کو دیکھا اور آثار سے پہچان لیا کہ آپ ﷺ ہی پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ چنانچہ اس نے ابوطالب کو مشورہ دیا کہ ان کو مکہ واپس بھیج دو۔ ورنہ یہود اگر دیکھ لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔ اگر چہ یہ واقعہ جیسا کہ سیرۃ نبوی جلد اول (شام کا سفر) میں بہ تفصیل لکھا جا چکا ہے۔ صحیح نہیں ہے، تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک وشبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لئے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اور کیا چاہیے کہ ایک ابجد ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق واسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک شریعت عظمیٰ کی تکمیل وتاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لئے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی۔ اگر آنحضرت ﷺ کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت وجلوت میں آپ کے ساتھ رہتا کہ وقت ضرورت (نعوذ باللہ) آپ اس سے قرآن بنواتے، احکام و مواعظہ سیکھتے، اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا۔ کیونکہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو وہ کیونکر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا اور پھر اس شہرت عام، ذکر جمیل، رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت ﷺ کو حاصل ہو رہی تھی، وہ خود پردہ کے پیچھے گمنامی پسند کرتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا۔ جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہ تھا۔ اگر حقیقت میں آپ ﷺ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپ کی تکذیب، تذلیل اور آپ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے ان کے لئے آسان تھا کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتہً درہم برہم ہو جاتا۔ علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینۂ نبوت سے فیضانِ الٰہی کا سرچشمہ کیونکر اُبلتا رہا۔ قرآن مجید، شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے۔ مکہ میں تو نسبتاً بہت کم سورتیں نازل ہوئی ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو یہود ونصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک

[1] تفسیر ابن جریر، جز ۱٤، ص: ۱۰۹ تا ۱۱۱۔

تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ آ کر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد مرتد ہو جائیں، تا کہ محمد ﷺ کی بدنامی ہو اور لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا:

﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (۳/ آل عمران:۷۲)

''اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ۔ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔''

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی۔ آنحضرت ﷺ نے کتابت وحی کی خدمت اس کے سپرد کی۔ چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد ﷺ کو جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی اور موت نے بہت جلد اس کی افترا پردازی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ [1] اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد ﷺ کے فیضان نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے۔

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہو رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عہد نامہ لکھ رہے تھے۔ عہد نامہ کی عبارت یہ تھی کہ ''یہ وہ شرائط ہیں جن کو خدا کے رسول محمد ﷺ نے منظور کیا۔'' قریش نے کہا: ''اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی۔ اس لفظ کو مٹا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے'، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''ان کی حسب خواہش ترمیم کر دو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''وہ الفاظ کہاں ہیں؟'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انگلی رکھ کر بتایا تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا اور محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ یہ واقعہ بخاری، مسلم، نسائی، مسند ابن حنبل اور تمام کتب سیر میں مذکور ہے۔ اسی کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح ہے کہ (ولیس یحسن یکتب) [2] اور مسند احمد میں بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہیں: (ولیس یحسن ان یکتب) [3] یعنی آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے تمام احادیث و سیر میں یہ ہے کہ ''آپ ﷺ نے محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھ دیے۔'' روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور آپ نے شاید اخیر زمانہ میں لکھنا سیکھ لیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطہ سے یہ روایت کی ہے کہ ''آپ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک آپ کو لکھنا پڑھنا نہ آ گیا۔'' اور ایک اور روایت (بواسطہ یونس بن میسرہ عن ابی کبشۃ السلول عن سہل بن

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، علامات النبوۃ فی الاسلام:۳۶۱۷۔

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء:۴۲۵۱۔ [3] مسند احمد، ج ۴، ص:۲۹۸۔

الحنظلیہ) نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عیینہ کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے؟ آپ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا: ''وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے۔'' [1]

اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو یہ آنحضرت ﷺ کا ایک اور معجزہ ہوگا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتیں تمام تر موضوع یا نہایت ضعیف ہیں۔ اس لئے آپ کی امیت کے متعلق جو متواتر روایتیں ہیں۔ ان سے ان کی تنسیخ نہیں ہوسکتی۔ یہ ممکن ہے کہ امی سے امی آدمی کے ہاں جب شب و روز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے، خصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور ان کو لکیر کھینچ کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ فاعل مجازی و حقیقی کی تفصیل میں راویوں سے مسامحت ہوئی ہے۔ عموماً سلاطین، امراو اکابر جو فرامین اور مراسلات لکھاتے ہیں، محاورہ عام میں ان کو لکھنا ہی کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ''عالمگیر نے یہ فرمان لکھ کر دیا۔'' شاہجہان نے جامع مسجد بنائی۔ فلاں بادشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا۔ حالانکہ لکھنے والے، بنانے والے اور تعمیر کرنے والے، کاتب اور معمار تھے۔ مگر چونکہ ان سلاطین کے حکم سے اور انہی کی طرف سے وہ لکھا یا بنایا گیا۔ اس لئے بولنے والے خود سلاطین اور امرا کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے سلاطین عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں۔ تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں: وكتب الى قيصر وكتب الى كسرىٰ۔ آپ ﷺ نے قیصر کو یہ خط لکھا، کسریٰ کو یہ لکھا مگر سب کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے دست خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے۔ مگر چونکہ آپ ﷺ ہی نے لکھوائے تھے۔ اس لئے ان کی نسبت آپ ہی کی طرف کی گئی۔

روزمرہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ادنیٰ طبقے جو نوشت وخواند سے عاری ہیں وہ اپنے اعزہ اور احباب کو خط لکھاتے ہیں مگر کہنے والے اس کو یوں ہی کہتے ہیں کہ ''اس نے خط میں لکھا ہے کہ میں آنے والا ہوں۔'' حالانکہ وہ خود لکھنے والا نہیں۔ اس نے دوسروں سے لکھایا ہے۔ مگر چونکہ لکھنے والے نے اپنا مدعا نہیں لکھا۔ بلکہ لکھانے والے کی زبان سے اس کا مدعا ظاہر کیا ہے۔ اس لئے اسی کی طرف فعل کی نسبت کر دی گئی۔

قرآن پاک نے آپ ﷺ کو بار بار اور برملا اُمی کہا ہے۔ اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہئے؟ لیکن آپ امی ہو کر، امیوں میں پل کر، کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے ناآشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے اور یہ آپ کا معجزہ تھا۔ کفار کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمد ﷺ کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ ناآشنائے تعلیم ہو کر بھی وہ کچھ جانتا ہے جس کی علمائے بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو خبر نہیں:

---

[1] فتح الباری، ج۷، ص:۳۸۶، ۳۸۷۔

﴿ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ ﴾

(۲۶/ الشعرآ:۱۹۶، ۱۹۷)

''یہ باتیں گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں۔ کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی نہیں کہ ان باتوں کو (جو ایک امی کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں) بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔''

ذاتِ نبوی ﷺ کی حفاظت

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ ﴾ (٥/ المآئدۃ: ٦٧)

انبیائے کرام علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ دنیا کی جہالت وظلمت، جور وستم، گناہ ومعصیت کے خلاف اپنا جہاد شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسان ان کے دشمن بلکہ ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اس تنہائی وبیکسی کے عالم میں جس سے ہر مصلح کو آغاز دعوت میں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صرف اُسی قادر وتوانا کا ہاتھ ہوتا ہے جو ان کی تسکین ونصرت کا سہارا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی بارگاہ میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام رومیوں اور یہودیوں کی عدالت میں ایک ہی گناہ کے مجرم تھے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغام کی بقا وقیام کا جس کے لئے وہ پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے اس بیکسی و بیچارگی کے عالم میں اس کی زندگی کا وہی محافظ اور نگہبان بن جاتا ہے کہ وہ بےخوف وخطر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو شروع ہی میں تسکین دے دی گئی تھی:

﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ﴾ (٥٢/ الطور: ٤٨)

''اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کئے بیٹھا رہ کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔''

سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہو گیا۔ آپ کو طرح طرح کے آزار پہنچائے گئے۔ آپ کے خلاف سینکڑوں منصوبے باندھے گئے۔ آپ کے قتل کی سازشیں ہوئیں۔ تلواریں زہر میں بجھا کر رکھی گئیں۔ سوتے میں آپ کے قتل کا ارادہ کیا گیا۔ میدان جنگ میں آپ پر نرغہ کیا گیا۔ کمین گاہوں سے آپ پر حملے کئے گئے۔ غفلت میں آپ کے سر پر پتھر گرانے کی تدبیر سوچی گئی۔ کھانے میں زہر دیا گیا مگر ہر موقع پر یہ ظاہر ہوا کہ

ع دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تراست

اور قرآن مجید کا یہ اعلان صحیح ثابت ہوا:

﴿ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۗ ﴾ (١٧/ الاسرآء: ٦٠)

''ترے پروردگار نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے کہ تجھ پر دسترس پا ئیں۔''

یہ خود ایک مستقل معجزہ ہے کہ ان ہنگاموں، فتنوں اور سازشوں کے عالم میں خصوصاً عرب کے ملک میں جہاں اقتدار حکومت یا نظام امن کا نام ونشان تک نہ تھا۔ کیونکر آپ ﷺ نے بحفاظت تمام اپنے فرض کو انجام تک پہنچایا۔

قریش کی مجلسیں اکثر خانہ کعبہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور اکثر وہیں ان کی نشست وبرخاست رہا کرتی

تھی، تاہم آنحضرت ﷺ نماز اور طواف کے لئے بے خوف وخطر وہیں تشریف لے جایا کرتے اور برملا ان کے دیوتاؤں اور بتوں کی برائیاں بیان کیا کرتے تھے۔ آخر قریش نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کا خاتمہ کر دیں۔ یہ خبر آپ تک پہنچتی ہے۔ مگر اس سے آپ کے ارادہ میں کسی قسم کا وہن یا ضعف نہیں پیدا ہوتا۔ ایک دن قریش نے یہ طے کیا کہ آج محمد ﷺ کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے۔ اتفاق سے کفار کی یہ تقریر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سن لیتی ہیں۔ وہ روتی ہوئی باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں۔ آپ تسلی دیتے ہیں اور وضو کر کے حرم کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں۔ دشمنوں کی نگاہیں آپ پر پڑتی ہیں تو وہی نگاہیں جواب تک خون آشامی کے لئے تیار تھیں۔ دفعتہً سرنگوں ہو جاتی ہیں حاکم میں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے چند کنکریاں اٹھا کر ماریں جن کو یہ کنکریاں جا کر لگیں وہ بدر میں مارے گئے۔ [1]

ایک دفعہ ابوجہل نے ارادہ کیا کہ اگر اب وہ آپ ﷺ کو سجدہ میں دیکھے گا تو آپ ﷺ کی پیشانی کو رگڑ دے گا۔ جب وہ اس ارادہ سے آگے بڑھا تو جھجک کر پیچھے لوٹ گیا۔ لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا: مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان آگ کی خندق حائل ہے اور چند پہرہ دار ہستیاں کھڑی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے اڑا دیتے۔'' [2]

معلوم ہے کہ جس شب کو آپ ﷺ نے ہجرت کا ارادہ کیا ہے۔ قریش کے تمام خاندانوں نے مل کر آپ کے قتل کا فیصلہ کر لیا تھا۔ قریش کے بہادر رات بھر خانہ اقدس کا پہرہ دے رہے تھے، تاہم آپ ﷺ ان کے سامنے سے نکلے، زبان مبارک پر یہ آیت پاک تھی:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾

(۳۶/ یٰسٓ:۹)

''اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر دیں (ان کی آنکھوں پر) پردہ ڈال دیا کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔''

پہرہ داروں کی آنکھوں پر قدرت نے مہر لگا دی اور آنحضرت ﷺ ان کے درمیان سے نکل کر چلے گئے۔ صبح ہوئی تو دشمن آپ ﷺ کے تعاقب میں اس غار تک پہنچ گئے۔ جہاں آپ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جا کر چھپے تھے۔ وہ اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئے اور اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو ان مقدس پناہ گزینوں پر ان کی نظر پڑ جاتی مگر خدا نے ان کی عقل اور دور اندیشی کے نور کو بجھا دیا کہ نیچے جھک کر دیکھنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں آیا۔

کفار نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو محمد (ﷺ) کو گرفتار کر لائے گا یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ

[1] مستدرك حاكم، ج ۱، ص: ۱۶۳ حیدرآباد، مسند احمد، ج ۱، ص: ۳٦٨۔

[2] صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب قوله: ﴿ان الانسان ليطغىٰ﴾: ٧٠٦٥۔

انعام میں ملیں گے۔ یہ سن کر سراقہ بن جعشم اپنے اسپ راہوار پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا اور دمبدم اس مختصر قافلہ کے قریب ہو رہا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بتقاضائے بشری اضطراب طاری تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی سکینت خاطر میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ نے دعا کی تین دفعہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس دھنس گئے۔ اس نے فال کے تیر نکال کر دیکھے تو ہر دفعہ نفی میں جواب آیا۔ بالآخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اور ہی راز ہے اور ذات محمدی (ﷺ) ہماری گرفت سے باہر ہے۔ اس نے اپنے ارادۂ فاسد سے توبہ کی اور آنحضرت ﷺ سے ایک خط امان لے کر واپس پھر گیا اور بعد کو مسلمان ہو گیا۔ [1]

شروع شروع میں جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم جان نثاری کی بنا پر راتوں کو آپ کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایک رات صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ ﴾ (٥/ المآئدة:٦٧)

''اور اللہ ان لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔''

آپ ﷺ نے اسی وقت خیمہ سے باہر سر نکالا اور پہرہ والوں کو خطاب کر کے فرمایا: ''لوگو! واپس جاؤ خدا نے میری حفاظت کا فرض خود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔'' [2] یہ وعدۂ حفاظت ہزار ہا مشکلات اور خطرات کے باوجود بھی پورا ہوتا رہا۔ غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چلے تھے اور ذات مبارک ﷺ دشمنوں کے نرغہ میں تھی۔ آپ پر تیغ و تبر و سنگ کی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن دو سپید پوش فرشتے آپ کے پاس کھڑے ہوئے آپ کی حفاظت کا فرض انجام دے رہے تھے۔ [3]

ایک دفعہ ایک شخص کو لوگ گرفتار کر لائے اور عرض کی کہ یہ حضور ﷺ کے قتل کی گھات میں تھا۔ فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو کہ اگر یہ مجھ کو قتل کرنا چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔'' [4] اسی طرح سے خیبر میں جب ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا کر پیش کیا تو آپ ﷺ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ فرمایا: ''یہ گوشت نہ کھاؤ کیونکہ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہے۔'' یہودیہ کو بلا کر جب واقعہ کی تحقیق کی اور اس نے اپنی نیت فاسد کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا تجھ کو اس پر قابو نہ دیتا۔'' [5]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ: ٣٩٠٦۔ [2] جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن تفسیر سورة المائدة: ٣٠٤٦۔ [3] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب اذهمت طائفتان: ٤٠٥٤ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب في قتال جبريل وميكائيل عن النبي ﷺ يوم أحد: ٦٠٠٥۔

[4] مسند احمد، ج٣، ص: ٤٧١۔ [5] صحیح مسلم، کتاب السلام، باب السم: ٥٧٠٥، مگر اس روایت سے واقعہ کی نوعیت سامنے نہیں آتی۔ عن انس ان امراة يهودية اتت رسول الله ﷺ بشاة مسمومة فاكل منها فجئ بها الى رسول الله ﷺ فسالها عن ذلك فقالت اردت لاقتلك قال ما كان الله يسلط على ذلك۔

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے پیش نظر اس سلسلے کی دوسری روایات بھی رہی ہیں چنانچہ تاریخ طبری میں ہے کہ آپ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ خود گوشت نے آپ سے کہا کہ اس میں زہر ملا ہے۔ (ج ٣، ص: ١٥٨٣)

لیلۃ الجن

جنوں کی انقلابِ آسمانی کی تلاش اور اُن کا مشرف باسلام ہونا

﴿ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ ﴾ (۷۲/ الجن:۱)

''مخلوقاتِ الٰہی کی تعداد اور اصناف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔''

﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ﴾ (۷۴/ المدثر:۳۱)

''اور تیرے رب کی فوجوں کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔''

مخلوقاتِ الٰہی کی ایک صنف کا نام جن ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عربی میں جن کا لفظ جنٌّ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ''چھپنے اور چھپانے'' کے ہیں۔ چونکہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً مستور رہتی ہے اس لئے اس کو جن کہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اسی معنی میں یا اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ فرنچ میں جنی (GENEE) اور انگریزی میں (GENEI) اسی مفہوم میں ہے جس میں عربی میں جنی (دیو، بھوت، پلیت) ہے، لاطینی میں جینیوس (GENIUS) اور جینی (GENII) وہ مفہوم رکھتا ہے جو ہمارے ہاں ہمزاد کا ہے اور روح نوعی کے معنی میں بھی یہ لفظ رومی اساطیر (میتھالوجی) میں مستعمل ہوا ہے۔ فارسی میں ''جان'' کے معنی مطلق ''روح'' کے ہیں بہرحال دنیا کی قوموں میں یہ اعتقاد کسی نہ کسی حیثیت سے موجود رہا ہے کہ انسانوں کے سوا اس سطح ارضی پر ایک اور غیر مرئی مخلوق بھی موجود ہے، یورپ کے موجودہ دورِ الحاد میں ارواح سے نامہ و پیام اور ان کے عمل و تسخیر کے کارنامے بڑے بڑے فلسفیوں اور مادہ پرستوں کو آئینہ حیرت بنائے ہوئے ہیں اور روز بروز ان کے انکار اور شک کی جرأت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسلام کے علاوہ دوسری مسلم مذہبی کتابوں میں بھی جن اور شیطان کے تذکرے موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات جو موجودہ انجیل میں مذکور ہیں، ان کی بڑی تعداد انسانوں اور حیوانوں کو ان کے پنجہ ظلم سے رہائی ہے۔

قرآن نے بتایا ہے کہ ان کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے اور آگ سے بنائے گئے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۲۶)

''اور ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا اور جنّوں کو اس سے پہلے لُو کی آگ سے پیدا کیا۔''

﴿ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ ﴾ (۵۵/ الرحمٰن:۱۵)

''اور اس نے جنوں کو آگ کی لَو سے پیدا کیا ہے۔''

اسلام سے پہلے عرب میں جنات کا بڑا تسلط تھا۔ان کی پوجا کی جاتی تھی، [1] ان کی دہائی مانگی جاتی تھی۔ بت خانوں میں جو عامل اور کاہن ہوتے تھے ان سے ان کی دوستی ہوتی تھی اور وہ ان کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے۔بچوں کے سرہانے استرے رکھے جاتے تھے کہ ان سے جنات بھاگ جاتے ہیں۔ یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے، یہ بھی خیال تھا کہ وہ صورتیں بدل بدل کر لوگوں میں پھرتے ہیں اور ان کو ستاتے ہیں، خدا کے کارخانۂ قدرت میں بھی ان کے استیلا اور تصرف کو دخل تھا۔وہ جنگلوں میں انسانوں کو مار ڈالتے تھے۔راستوں سے اٹھالے جاتے تھے۔لوگوں کو بیمار ڈال دیتے تھے۔ان کے ہوش وحواس کے خزانہ پر قبضہ کر لیتے تھے۔غرض جس طرح خدائی الوہیت میں عرب کے بہت سے دیوتا اور دیویاں شریک تھیں اسی طرح یہ جنات بھی شریک تھے:

﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ﴾ (٦/ الانعام:١٠٠)

''اوران مشرکوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے۔''

﴿ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ﴾ (٣٧/ الصآفات:١٥٨)

''اوران مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتے قائم کر رکھے ہیں۔''

﴿ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (٣٤/ سبا:٤١)

''(خدا قیامت میں ان سے کہے گا) بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے اوران میں اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے۔''

اسلام آیا تو اس نے ان اعتقادات باطلہ کے تار و پود کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اس نے دنیا میں صرف ایک ہی قوت کی تعلیم دی اور وہ خدا کی تھی۔اس نے بتایا کہ جنات بھی اس کے حضور میں ویسے ہی عاجز اور درماندہ ہیں جیسے انسان۔ وہ بھی اسی طرح اس کی مخلوق ہیں جیسی اس کی دوسری مخلوقات۔ ان میں لوگ اسی طرح اچھے اور برے، کافر اور مومن، سعید اور شقی ہوتے ہیں۔جس طرح انسانوں میں، وہ بھی توحید و رسالت اور احکام الٰہی کے ماننے کے ویسے ہی مکلّف ہیں جیسے عام انسان:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (٥١/ الذاريات:٥٦)

''میں نے جن اور انس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

قیامت میں دونوں سے سوال ہوگا:

﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾ (٦/ الانعام:١٣٠)

''اے جن اور انس (کی جماعت)! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر تمہارے پاس نہیں آئے

[1] صحيح مسلم، كتاب التفسير:٧٥٥٤، ٧٥٥٥۔

اور وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور اس دن کے آنے سے نہیں ڈراتے تھے۔"

قرآن کے تحدی کے جواب سے دونوں عاجز ہیں:

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ﴾

(۱۷/ الاسرآء:۸۸)

"کہہ دو کہ اگر انس و جن دونوں مل کر چاہیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تو ان کے لئے یہ ناممکن ہے۔"

خدا کی قدرت اور طاقت کے سامنے دونوں لاچار اور درماندہ ہیں:

﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴾ (۵۵/ الرحمان:۳۳)

"اے جن وانس! اگر آسمان و زمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہو۔ تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرت قاہرہ کے بغیر تم نکل نہیں سکتے۔"

کاہنوں اور عاملوں کو جو غیب کی بعض بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اپنے ملائے اعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ ملائے اعلیٰ والے اپنے نیچے کے فرشتوں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس طرح درجہ بدرجہ ہر آسمان کے فرشتوں کو علم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخری آسمان تک بات پہنچ جاتی ہے۔ جہاں سے نیچے دنیا کی حد شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جنات وشیاطین سن گن لینے کے لئے ادھر ادھر چھپے رہتے ہیں ایک دو لفظ انہوں نے سن لئے اور ان میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر کاہنوں اور عاملوں سے کہہ دیتے ہیں، وہ اس کو انسانوں میں مشتہر کرتے ہیں۔ [1] اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بے شمار ستاروں کے شعلے بھڑکا رکھے ہیں کہ ایک تو ان سے آسمان کی زیبائش و آرائش ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ جنات اور شیاطین اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں تو فوراً ایک چمکتا ہوا تارا (شہاب ثاقب) ٹوٹ کر ان پر گرتا ہے۔ مختلف سورتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۱۶ تا ۱۸)

"اور ہم نے اس کو آسمان میں برج بنایا ہے اور ان ستاروں کو دیکھنے والوں کے لئے زینت و آرائش بنایا ہے اور ہر راندۂ درگاہ شیطان سے اس کو محفوظ رکھا ہے۔ لیکن اتنا ہے کہ وہ چوری چھپے کچھ سن لے تو ایک چمکتا ستارہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔"

﴿ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الحجر: ۴۷۰۱ وتفسیر سورۃ سبا: ۴۸۰۰۔

الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝﴾ (۳۷/ الصآفات:٦ تا ١٠)

''ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کی آرائش سے مزین کیا ہے اور ان کو ہر سرکش شیطان کا نگہبان بنایا ہے، وہ ملائے اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے وہ ہر طرف سے پھینک کر مارے جاتے ہیں اور یہ ان کے لئے لازمی سزا ہے اس طرح وہ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے لیکن یہ کہ کوئی اچک کر سن لے تو ایک دہکتا ہوا ستارا اس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔''

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾

(٦٧/ الملك:٥)

''ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو شیطانوں کے لئے پھینک کر مارنے کی ایک چیز بنایا ہے۔''

﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝﴾

(٤١/ فصلت:١٢)

''اور ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو نگہبان بنایا ہے۔ یہ غالب ودانا خدا کی تقدیر ہے۔''

دنیا میں اس سلسلۂ نبوت کا جو آغاز آفرینش سے جاری تھا اور دین الٰہی کا ہزاروں منزلوں کے طے ہونے کے بعد تکمیل کی منزل میں پہنچ جانا اور نوع انسان کو خدا کی وہ آخری شریعت سپرد ہونا۔ جس کے بعد خاکدان عالم کو وحی ونبوت کے کسی اور حامل کی ضرورت نہ ہوگی۔ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے آب وخاک کے عالم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اس نے سطح زمین کے ہزاروں پیغمبروں کے دین وملت کو منسوخ کر دیا۔ ان کی آسمانی کتابوں کے احکام ورسوم کو بدل دیا۔ ملکوں کی شہنشاہیاں ہل گئیں۔ قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ گئے۔ صومعہ وکلیسا ویران ہو گئے۔ اسی طرح مملکت فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضروری تھا۔ آسمانی مخلوقات میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوا۔ مگر اس کو وہی دیکھ سکے جو دیکھ سکتے تھے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر بھی ایک نئے نورانی ستارہ کے ظہور کی خبر ہے، جس کو دیکھ کر دوسرے ملک کے لوگ ان کی تلاش میں بیت لحم پہنچے اور ان کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ مگر بنی اسرائیل کو آخر تک اس بینائی سے محرومی رہی۔

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے تو ستاروں کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوا۔ جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیے گئے۔ ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہو

گئی۔کاہنوں اور عاملوں کی خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور ان باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا، اس آسمانی انقلاب نے جنوں اور شیطانوں کی محفلوں میں حیرت پیدا کر دی۔سب نے کہا: یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔دنیا کی ہر سمت کو انہوں نے چھان ڈالا اس پر چند سال گزر گئے۔ آنحضرت ﷺ اسلام کی تبلیغ کے لئے قبائل میں دورے کر رہے تھے اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ میں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں رات کے وقت مقام نخلہ میں قیام ہوا۔صبح کے وقت آنحضرت ﷺ اپنے رفقا کے ساتھ نماز میں مصروف تھے اور قرآن مجید کی آیتیں جہر کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے کہ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا جو تفتیش حال کے لئے تہامہ کی طرف آئی تھی۔اس مقام پر گزر ہوا۔اس نے جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں تو یکبار پکار اٹھی کہ یہی وہ نور حق ہے جو درخشاں ستاروں میں ہمیں نظر آتا ہے۔ وہ لوٹ کر اپنی قوم میں گئی اور ان کو جا کر خاتم نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی: [1]

﴿ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًاۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًاۙ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًاۙ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًاۙ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًاۙ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًاۙ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًاۙ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًاۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًاۙ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًاۙ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًاۙ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًاۙ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًاۙ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا۝ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًاۙ ﴾ (۷۲/ الجن:۱ تا ۱۵)

”اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے کہہ دے کہ مجھ کو بذریعہ وحی خبر دی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب وغریب کتاب الٰہی سنی جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہم ہرگز خدا کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

[1] یہ پوری تفصیل صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الجھر بالقراۃ فی الصبح: ۱۰۰۶، ۱۰۰۷ میں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف ابواب میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ مثلاً تفسیر سورۃ جن: ۴۹۲۱ وباب الجھر بقراءۃ صلوٰۃ الفجر: ۷۷۳ ومسند احمد، ج ۱، ص: ۲۵۲ وجامع ترمذی ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ الجن: ۳۳۲۳۔

خداوند تعالیٰ کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی لڑکا ہے، ہم میں سے کچھ بیوقوف خدا پر بہت دوراز عقل الزام قائم کرتے تھے، ہم سمجھتے تھے کہ کوئی انسان یا جن خدا پر جھوٹا الزام نہیں قائم کرسکتا۔ انسانوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے تو انہی نے ان کو اور زیادہ گمراہ کردیا۔ انسان بھی ہماری ہی طرح یہ سمجھتے تھے کہ اب خدا کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا۔ ہم نے آسمان کو خوب ٹٹولا تو ہم نے پایا کہ وہ نگہبانوں سے اور ٹوٹنے والوں تاروں سے بھرا ہوا ہے۔ ہم پہلے اس آسمان کی بعض نشست گاہوں میں سننے کو بیٹھ جاتے تھے۔ اب جو کوئی سننے جاتا ہے تو اپنی تاک میں ٹوٹنے والے ستارہ کو پاتا ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس انقلاب سے زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا جارہا ہے یا ان کا پروردگار ان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے، ہم میں اچھے بھی ہیں اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں، ہم جدا جدا راستوں پر تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم خدا کو اس زمین میں عاجز نہیں کرسکتے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے نکل سکتے ہیں اور اب جب ہم نے اس ہدایت کی بات کو سن لیا تو اب ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آتا ہے تو پھر گھاٹے ٹوٹے کا اس کو ڈر نہیں رہتا، ہم میں کچھ اطاعت گزار ہیں، کچھ گناہگار ہیں، تو جو اطاعت گزار ہیں انہی نے حقیقت میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے اور جو گناہگار ہیں وہ جہنم کے ایندھن ہیں۔''

پھر سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْۤ اِلَی الْحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَاۤ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ ﴾ (۴۶/ الاحقاف:۲۹ تا ۳۱)

''ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رخ کو اے پیغمبر! تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن کو سنیں تو جب وہ آئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: چپ رہو۔ جب قرآن ختم ہوگیا تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں خبردار کریں۔ انہوں نے جا کر کہا: بھائیو! ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتاری گئی ہے اور اس کے پہلے جو کتاب الٰہی آئی ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور سچائی اور سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ اے بھائیو! خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ، تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے۔''

صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں نے دو دفعہ آنحضرت ﷺ کو کلام مجید پڑھتے سنا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ دونوں سورتیں الگ الگ واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہوں۔ پہلے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شریک نہ تھے [1] اور آنحضرت ﷺ نے اور نہ کسی صحابی نے ان جنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ [2] بلکہ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ایک درخت نے کی [3] اور تفصیلی کیفیت وحی آسمانی سے معلوم ہوئی۔ اسی واقعہ کو واقعہ لیلۃ الجن (جن کی رات) کہتے ہیں لیکن یہ دونوں واقعے مکہ معظمہ ہی میں گزرے ہیں۔ صحیح مسلم [4] ترمذی [5] اور مسند طیالسی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد خاص علقمہ نے پوچھا کہ آپ صاحبوں میں سے کوئی لیلۃ الجن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں لیکن ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شب کو ہم لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں پایا۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں ہر جگہ ڈھونڈا۔ مگر آپ نہیں ملے۔ ہم لوگوں کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ آپ کو کوئی اٹھا لے گیا، یا دھوکے سے کسی نے قتل کر دیا۔ سخت اضطراب اور قلق میں ہم نے یہ رات بسر کی، صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپ غار حرا کی طرف سے چلے آ رہے ہیں۔ ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے شب کو ہر جگہ آپ کو ڈھونڈا مگر آپ کہیں نہیں ملے۔ ہم نے سخت اضطراب اور قلق میں رات بسر کی۔ فرمایا: ''رات کو جنوں کا قاصد آیا تھا میں اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔'' اس کے بعد آپ ہم سب کو لے کر اس مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے قیام اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا: ''انہوں نے مجھ سے زادراہ کی خواہش کی میں نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور گوبر پر گزریں ان کے لئے وہ کھانا ہو جائے۔'' [6]

مسند ابن حنبل کے زیادات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی جنوں کی آمد کا ایک اور واقعہ مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مکہ میں رات کے وقت ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ یکایک آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلے۔ لیکن وہ نہ چلے جس کے دل میں ذرا سا بھی کھوٹ ہو۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پانی کا لوٹا لے کر آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ مجھے ساتھ لئے ہوئے مکہ کے آگے پہنچے۔ وہاں مجھ کو کچھ پرچھائیاں ایک جگہ اکٹھی نظر آئیں۔ آپ نے ایک خط کھینچ دیا۔ اور فرمایا: ''جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں کھڑے رہو۔'' یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ آگے بڑھ گئے۔ میں

[1] صحیح مسلم، باب الجهر بقراءة الصبح: ۱۰۱۰۔

[2] مسلم: ۱۰۰۷ ومسند احمد، ج ۱، ص: ۲۵۲۔ [3] صحیح مسلم: ۱۰۱۱۔

[4] صحیح مسلم: ۱۰۰۷۔ [5] ترمذی، تفسیر سورة احقاف: ۳۲۵۸۔

[6] صحیح مسلم، باب الجهر بالقراة فی الصبح: ۱۰۰۷؛ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ذکر الجن: ۳۸۵۹، ۳۸٦۰ وترمذی ابواب الطهارة، باب ما جاء فی کراهیة ما یستنجی به: ۱۸۔

نے دیکھا کہ وہ پرچھائیاں آپ کی طرف چلیں۔ آپ ان کے ساتھ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ جب فجر کا اجالا ہوا تو آپ میرے پاس آئے اور وضو کا پانی مانگا۔ میں نے دیکھا تو وہ پانی کے بجائے کھجور کا شربت (نبیذ) تھا آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں کیا حرج ہے۔ کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے۔'' یہ کہہ کر آپ نے اسی سے وضو کیا اس کے بعد نماز کو کھڑے ہوئے تو ان میں سے دو آدمی پاس آ کر کہنے لگے کہ یارسول اللہ! ہم بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا: ''یہ شہر نصیبین کے جن تھے۔ اپنے کچھ معاملات میرے پاس فیصلہ کے لئے لائے تھے۔ انہوں نے مجھ سے توشہ مانگا۔ تو میں نے دے دیا۔'' عرض کی، یارسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ کوئی توشہ کا سامان تھا؟ فرمایا: ''میں نے انہیں گوبر اور ہڈی کا توشہ دے دیا ہے۔ گوبر ان کے لئے جو، اور ہڈی پر گوشت ہو جائے گی۔'' اسی موقع پر آپ ﷺ نے گوبر اور ہڈی سے استنجا منع فرمایا۔ [1] زیادات مسند اور صحیح مسلم کی یہ دونوں روایتیں کیا ایک ہی واقعہ کی دو تفصیلیں ہیں؟ مگر ان دونوں روایتوں کے جزئیات میں اسی قدر فرق ہے کہ وہ یقیناً ایک نہیں ہو سکتیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادات مسند کی روایت بالکل لغو اور بے سروپا ہے۔ اس روایت کا سلسلہ سند یہ ہے: عن ابی فزارة عن ابی زید مولیٰ عمرو بن الحریث المخزومی عن عبداللہ بن مسعود۔ اس میں ابوزید مولیٰ عمرو بن حریث ایک مجہول راوی ہے، جس سے محدثین میں کوئی واقف نہیں۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

> ابوزید مولی عمرو بن حریث لا یعرف عن ابن مسعود وعنه ابو فزارة لا یصح حدیثه ذکره البخاری فی الضعفاء ومتن حدیثه ان نبی الله توضأ بالنبیذ وقال ابو محمد الحاکم رجل مجهول قلت: ما له سِویٰ حدیث واحد۔ (میزان الاعتدال، ج۳، ص: ۳۵۹)
>
> ''ابوزید غلام عمرو بن حریث اس کو کوئی جانتا نہیں۔ اس نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس سے ابوفزارہ نے اس کی حدیث صحیح نہیں۔ بخاری نے ضعفاء میں اس کو درج کیا ہے۔ اس کی حدیث کا متن یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبیذ سے وضو کیا، ابواحمد حاکم کہتے ہیں کہ یہ مجہول الحال آدمی ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کی یہی ایک حدیث ہے۔''

البتہ جامع ترمذی میں اسی قسم کا ایک واقعہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرشتوں کی آمد اور دیدار کے متعلق بروایت صحیحہ مروی ہے۔

---

[1] مسند احمد، ج۱، ص: ۴۵۸۔

شق قمر

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ﴾ (٥٤/ القمر:١)

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے۔آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے۔انجیل (متی ٢۔٢) میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو تین گھنٹہ کے لئے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔(متی ٢٧۔ ٤٥) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔یہ نشانی آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر پوری اتری اور قرآن نے کہا:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ ﴾

(٥٤/ القمر:١، ٢)

''قیامت نزدیک آ گئی اور چاند شق ہو گیا، اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے۔''

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا۔ بلکہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے۔لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا، دوسرے یہ کہ اگر یہ قیامت کا واقعہ ہوتا۔ تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ یہ'' کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے، جو ہوتا آیا ہے۔'' قیامت سامنے آ جانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جا سکتی ہے۔

اس شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی و دلائل ابونعیم میں تصریح تمام مذکور ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جبیر بن مطعم علی بن ابی طالب اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے [1] ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے۔ وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے اور اس معجزے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

انشق القمر ونحن مع النبی ﷺ بمنی فقال: ((اشهدوا)) وذهبت فرقة نحو الجبل۔ [2]

---

[1] زرقانی برمواهب، ج ٥، ص: ١٢٤۔

[2] بخاری، کتاب التفسیر، سورة اقتربت الساعة:٤٨٦٥؛ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر: ٧٠٧٢ تا ٧٠٧٣؛ ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة القمر: ٣٢٨٥۔

''ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''گواہ رہو۔''

صحیحین میں ان کی دوسری روایت یہ ہے:

انشق القمر علی عهد رسول الله ﷺ فرقتین فرقة فوق الجبل وفرقة دونه فقال رسول الله ﷺ: ((اشهدوا))۔ [1]

''آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا اس کے نیچے آپ ﷺ نے فرمایا: ''گواہ رہو۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے:

ان اهل مكة سألوا رسول الله ﷺ ان يريهم آية فاراهم القمر شقتين حتى رأوا حراء بينهما۔ [2]

''اہل مکہ نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں۔ آپ نے ان کو چاند کے ٹکڑے دکھائے ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا دوسرا اس طرف۔''

صحیح مسلم میں ہے:

ان اهل مكة سألوا النبي ﷺ ان يريهم اية فاراهم انشقاق القمر فرقتين۔ [3]

''اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ نے چاند کو دو ٹکڑے ہونے کو دکھایا۔''

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

سأل اهل مكة النبي ﷺ اية فانشق القمر بمكة فرقتين فنزلت: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾۔ [4]

''اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی۔ تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس پر یہ آیت اتری قیامت آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔''

جامع ترمذی (تفسیر سورۂ قمر) اور مسند ابن حنبل میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اس میں ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے۔ مسند ابوداؤد طیالسی [5] اور بیہقی میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ

---

[1] صحيح بخاري: ٤٨٦٤ ومسلم: ٧٠٧٣۔ [2] بخاري ايضًا: ٤٨٦٧، ٣٦٣٧؛ مسلم، ايضًا: ٧٠٧٦۔ رأوا حرا بينهما کے الفاظ نہیں ملے۔ [3] مسلم، ايضًا: ٧٠٧٦۔ اس میں "فرقتين" کی بجائے "مرتين" کا لفظ ہے۔

[4] ترمذی، تفسير سورة قمر: ٣٢٨٦۔ [5] مسند عبدالله بن مسعود، ص: ٣٨، حيدر آباد دكن۔

محمد (ﷺ) تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ جب ادھر ادھر سے مسافر آئے اور اُن سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔ بہر حال یہ معجزہ رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ واقع ہوا۔ عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانہ قدیم سے معرکۃ الآراء رہا ہے۔ علمائے متکلمین نے فلسفۂ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں۔ مثلاً: فلاسفہ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق و التیام اور شکست و ریخت محال ہے۔ اس لئے شق قمر بھی ناممکن ہے۔ متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرام فلکی میں خرق و التیام اور شکست و ریخت ممکن ہے۔ مگر اب کہ جدید طبعیات و ہیئت نے ہماری معلومات کے آسمان و زمین کو بدل دیا ہے۔ یہ مباحث بے سود اور بے کار ہیں۔ اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حادثے سنے جا رہے ہیں اور ہیئت جدید اور علم تکوین میں تو زمین سورج اور ستاروں کے آغاز آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض و جواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے اور ہمارے مسیحی مناظرین نے اس کو نئے آب و رنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ درحقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا۔ بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی اور اس کی روایتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں۔ لیکن بجز آنکہ کے دنیا کے اور ملکوں میں اس واقعہ کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم وہیئت و تاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا۔ تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہل تاریخ اس کا ذکر کرتے۔ حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو۔ صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے تمام معجزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام و مصر کے معاصر رومی مؤرخوں نے ایسے عجیب وغریب واقعات کا ایک حرف بھی قلمبند نہیں کیا۔ اس کے برخلاف ابھی اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عرب و شام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا۔

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل ہیئت جو اجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلمبند کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا جو لوگ بیدار بھی ہوں گے وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور جنہوں نے دیکھا بھی ہوگا ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری

صورت میں لانے پر قادر نہ تھے۔یعنی ناخواندہ تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو۔یا تذکرہ کیا ہو تو ان کی یادداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہوگئی ہو۔آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے۔لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم و وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادثات فلکی کا ذکر ہے۔لیکن علم ہیئت و فلک اس کے ذکر سے خاموش ہے لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟ جو تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ نبوت طلوع ہوا جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا، پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تو تمام دنیا دفعتہً تاریک ہوگئی۔لیکن کیا ہیئت و افلاک کی کتابوں میں ان انقلاب سماوی کا تذکرہ موجود ہے؟

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں۔ بلکہ بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے اور ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا ہے، ایک جگہ چاندنی ہے دوسری جگہ اندھیری ہوتی ہے، ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا۔اس لئے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل نہیں۔ چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شدومد سے بیان کیا ہے۔اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں۔لیکن کیا یہ خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہوسکتی ہے؟ علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے۔اس لئے ایک چیز ایک جگہ نظر آتی ہے دوسری جگہ نہیں آتی۔بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں لکھا ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

ان اهل مكة سألوا النبی ﷺ ان یریهم اٰیة فاراهم انشقاق القمر فرقتین ۔ [1]

''اہل مکہ نے آپ ﷺ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو ٹکڑے دکھایا۔''

ہم ان تمام پُر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الٰہی تھی۔یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی

[1] صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقين، باب انشقاق القمر: ۷۰۷٦۔ اس میں ''فرقتین'' کی بجائے ''مرتین'' کا لفظ ہے۔

تھی۔احادیث میں یہ ہے کہ ان کو چاند دوٹکڑے ہو کر نظر آیا۔خواہ دراصل چاند کے دوٹکڑے ہو گئے ہوں یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دوٹکڑے ہو کر نظر آیا۔جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے۔پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور انہی کے لئے یہ آئینہ ثبوت تھی اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق قمر مشاہدہ نہ ہوا تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں۔بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی مصلحت الٰہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جا سکتا کہ یہ آسمان کی طبعی انقلاب میں سے کوئی انقلاب تھا جیسا کہ اور سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔جیسا کہ فلکیات اور علم بدء خلق (کسموگریفی اور نیچرل ہسٹری) میں مذکور ہیں۔لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر میں تھے یا باہر قافلہ میں تھے صرف انہی کو نظر آیا،تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا۔وللہ الحمد۔

غلبہ روم کی پیشین گوئی

﴿ الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ ﴾ (۳۰/ الروم: ۱ تا ۳)

آنحضرت ﷺ نے اپنی الہامی زبان سے جن واقعات کی پیشین گوئی کی ہے، ان سب میں سب سے زیادہ شاندار، سب سے زیادہ صاف وصریح سب سے زیادہ معرکۃ الآراء غلبہ روم کی پیشین گوئی ہے۔

عرب کے چپ وراست دونوں پہلوؤں میں روم وفارس کی پرزور حکومتیں قائم تھیں۔ اس وقت ایران کا تاجدار خسرو اور روم کا فرماں روا ہرقل تھا۔ ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا۔ بعثت نبوی کے پانچویں سال یعنی ۶۱۳ء میں ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ اگرچہ ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم رومی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو اور اہل کتاب تھے اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے، اس لئے لازمی طور سے مسلمانوں کو رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی۔ اس لئے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا۔ جنگ کا نتیجہ جب ایسا خلاف امید ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو یقیناً رنج اور کفار کو مسرت حاصل ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوئے ہیں اسی طرح اگر تم ہم سے لڑتے تو ہم غالب ہوتے۔ اس وقت رومیوں کی جو افسوس ناک حالت تھی وہ آپ ﷺ سن چکے کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے۔ خزانہ خالی تھا فوج منتشر تھی۔ ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں۔ شہنشاہ روم ہرقل ہمہ تن عیاش، بے پرواست اور مبتلائے اوہام تھا۔ ایرانیوں کا فاتح سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچ کر رومیوں کے سامنے حسب ذیل شرائط پیش کرتا ہے۔ رومی باج ادا کریں۔ ایک ہزار ٹالنٹ سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، ایک ہزار حریر کے تھان، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالہ کریں۔

رومیوں کی کمزوری کی یہ حالت ہے کہ وہ ان شرمناک شرائط کو قبول کرتے ہیں۔ اس پر بھی جب رومی قاصد شہنشاہ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیام لے کر جاتا ہے تو مغرور خسرو جواب دیتا ہے۔ ''مجھ کو یہ نہیں، بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے اور اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکائے گا۔''

کارزار عالم کا نقشہ یہ تھا کہ معرکہ جنگ سے بہت دور ایک خشک اور بنجر زمین کی سنسان پہاڑی سے ایک شہزادۂ امن نمودار ہوا اور واقعات عالم کے بالکل خلاف سروش غیب سے نغمہ قدس میں گویا ہوا:

﴿ الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۝ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعْدَ ﴾ (۳۰/ الروم:۱ تا ٦)

''رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے لیکن وہ چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد پھر غالب ہوں گے۔ خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے سب اختیار ہے اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے۔ وہ جس کی چاہے مدد کرے وہ غالب رحم والا ہے۔ خدا کا وعدہ ہے خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔''

یہ پیشین گوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابل یقین تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی۔ اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار تھا۔ آخر چند سال کے بعد دنیا نے خلاف امید پلٹا کھایا۔ مؤرخ گبن کے الفاظ میں ''شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں مستی، عیاشی اور اوہام کا غلام اور رعایا کے مصائب کا نامرد تماشائی تھا، جس طرح صبح و شام کا کہرا آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے۔ دفعتہً (۶۲۱ء میں) محلوں کا ارکاڈیوس میدان جنگ کا سیزر بن گیا اور روم و ہرقل کی عزت نہایت شاندار طریقہ سے بچالی گئی۔ ❶

جس وقت ہرقل اپنی بقیہ فوج لے کر قسطنطنیہ سے چلا ہے لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ رومۃ العظمٰی کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے ❷ لیکن عرب کے نبی اُمی ﷺ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی۔ رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا۔ مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ وفرات کے سواحل کی طرف دھکیل دیا۔

اس عظیم الشان پیشین گوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ قریش کے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ ❸ واقعہ کے ساڑھے بارہ سو برس کے بعد تاریخ زوال روم کا مشہور مصنف گبن اس حیرتناک پیشین گوئی کی سچائی سے متحیر ہو کر کہتا ہے۔

''مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بغور مطالعہ کر رہا تھا اور عین اس وقت جب کہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں۔ اس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح وظفر رومی علم پر سایہ فگن ہوگی۔'' جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کوئی پیشین گوئی اس سے زیادہ دوراز قیاس نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ہرقل کی بارہ سال کی (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک) کی حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ

❶ تاریخ زوال روم مصنفہ گبن، ج۳، ص: ۳۰٤ مطبوعہ ۱۸۹۰ء۔

❷ ایضاً۔ ❸ ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ الروم: ۳۱۹٤۔

جلد بکھر جائے گا۔'' ❶

ہرقل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رو سے اس حیرتناک تغیر اور اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکہ سے دور ایک پیغمبرانہ ہاتھ رومیوں کی مدد کے لئے دراز تھا اور وہی اس انقلاب اور تغیر کا سب سے بڑا روحانی سبب تھا۔ مستدرک ❷ (علی شرط الصحیحین) اور جامع ترمذی ❸ میں ہے کہ ''روم و فارس کی جب جنگ شروع ہوئی تو مشرکین ایرانیوں کے طرف دار تھے۔ کیونکہ وہ بھی بت پرست تھے اور مسلمان رومیوں کے طرفدار تھے کہ وہ اہل کتاب تھے۔ اس وقت ایرانی روم کو دباتے جا رہے تھے۔ اس پر سورۂ روم کی پیشینگوئی نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چلا چلا کر تمام مشرکین کو یہ پیشین گوئی سنائی۔ مشرکین نے کہا کہ اس پیشین گوئی کے لئے کوئی سال مقرر کرو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پانچ سال کی شرط کی، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا لفظ ۳ سے ۹ تک بولا جاتا ہے، اس لئے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہیے تھی۔ چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوۂ بدر کے موقع پر پیشین گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب آئے۔'' غزوۂ بدر ہجرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں برس پیش آیا۔ اس سے ۹ برس پہلے بعثت کا پانچواں سال ہوگا۔ اس بنا پر پیشین گوئی کا زمانہ ۵ بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ ۱۴ء بعثت یا ۱ھ ہے۔ بعض لوگوں نے اس پیشینگوئی کے پورے ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ کا سال یعنی ۶ھ بیان کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں شاید لوگوں کو اس سے دھوکا ہوا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ قاصد نبوی ﷺ جب اسلام کا دعوت نامہ لے کر قیصر کے پاس گیا تو وہ اس وقت فتح کا شکریہ ادا کرنے کے لئے شام آیا ہوا تھا اور معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانہ میں روانہ ہوئے تھے۔ اس لئے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حصول فتح کی بھی یہی تاریخ ہے۔ مگر یہ مغالطہ ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ یہ فتح مکہ کی تاریخ نہیں۔ بلکہ فتح کے جشن کی تاریخ ہے۔ رومی تاریخ کی مطابقت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۶۰۹ء میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی ۶۱۰ء سے روم و فارس کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ ۶۱۳ء میں اعلان جنگ ہوا۔ ۶۱۴ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا۔ (۶۱۶ء میں رومی شکست تکمیل کو پہنچ گئی ۶۲۲ء سے پھر رومیوں نے حملہ شروع کیا۔ ۶۲۳ء سے ان کی کامیابی کا آغاز ہوا اور) ۶۲۵ء میں ان کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی اس ترتیب سے دیکھئے تو ظاہر ہوگا کہ اس پیشین گوئی کی خوبی یہ ہے کہ اگر آغاز شکست سے آغاز فتح تک جوڑ یئے تو بھی وہی ۹ برس ہوں گے اور اگر انجام شکست سے آغاز فتح تک جوڑ یئے تو بھی وہی نو برس ہوں گے۔ اس فتح کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر وہی سست و عیاش قیصر بن گیا۔ جو پہلے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دست قدرت نے صرف اس پیشین گوئی کے پورا کرنے کے لئے چند سال کے واسطے اس

❶ تاریخ زوال روم، ج۳، ص: ۳۰۲ و ۳۰۳ طبع مذکور۔ ❷ کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الروم، ج۲، ص: ۴۱۰۔ ❸ ابواب التفسیر، ومن سورۃ الروم: ۳۱۹۳، ۳۱۹۴۔

کے دل و دماغ کو بیدار اور دست و بازو کو ہشیار کر دیا تھا۔ پیشین گوئی کی تکمیل کے بعد پھر پہلے کی طرح تعیش اور کاہلی نے اس کو عیش و غفلت کے بستر پر تھپک تھپک کر سلا دیا۔

دیگر آیات و دلائل نبوی ﷺ قرآن مجید میں

طیراً ابابیل کی نشانی

آنحضرت ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی، جس میں ابرہۃ الاشرم نے ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن فضائے آسمانی کے ایک حقیر پرندہ نے کنکریوں کے ذریعہ سے اُن کو ہلاک کر دیا۔ یہ ایک عظیم الشان نشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کریں گے کہ مشرکین عرب کی تائید کے لئے نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ابرہۃ الاشرم ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کا مذہب بہر حال مشرکین سے بہتر تھا بلکہ یہ خود آنحضرت ﷺ کے ظہور کا نشان تھا جن کی ذات پاک حقیقی طور پر خانہ کعبہ کی حفاظت کی کفیل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس معجزہ کے ذکر میں خاص طور پر آپ ﷺ کی طرف روئے خطاب کیا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝ ﴾

(۱۰۵/ الفیل: ۱ تا ۵)

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ان کی چھپی گھاتوں کو بے راہ نہیں کر دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان کو پتھریلی کنکریوں سے مارتے تھے۔ تو خدا نے ان کو کھائی ہوئی بھس کے مانند کر دیا۔“

یہ سورۂ واقعہ کے تقریباً ۴۵ برس بعد اتری تھی اور غالباً اس وقت متعدد اشخاص اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہوں گے اور ایسے تو ہزاروں ہوں گے، جنہوں نے دیکھنے والوں سے براہ راست اور بلا واسطہ اس واقعہ کو سنا ہو گا۔ کفار جو ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے درپے رہتے تھے، اگر اس صورت واقعہ کے بیان میں کچھ بھی غلطی یا جھوٹ شامل ہوتا تو وہ اس کی علانیہ تردید کر دیتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس لئے اس کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

شہاب ثاقب کی کثرت

آنحضرت ﷺ کو جب نبوت عطا ہوئی تو نظم آسمانی میں ایک خاص انقلاب پیدا ہوا۔ جنات جو پہلے آسمان کے قریب تک جا سکتے تھے، ان کی آمد و رفت مسدود کر دی گئی اور ان پر ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہونے لگی۔ چنانچہ قرآن مجید اور خود جنات کی زبانی بیان ہے:

﴿ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا

مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ﴾ (۷۲/ الجن:۸، ۹)

''ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور ٹوٹنے والے تاروں سے بھر دیا گیا ہے اور ہم پہلے سننے کو وہاں ٹھکانوں پر بیٹھتے تھے لیکن اب جو کوئی سنے تو تارے کو اپنی تاک میں پائے۔''

شرح صدر

شرح صدر یعنی سینہ کا کھول دینا یا اس غرض سے چاک کر دینا کہ وہ نور الٰہی سے معمور کیا جائے، ایک دولت ربانی تھی، جو آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئی، ارشاد ہوا:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ (۹۴/ الانشراح:۱)

''اے محمد ﷺ! کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا (یا چاک نہیں کر دیا؟)''

احادیث میں گو شرح صدر کی پوری تفصیل مذکور ہے، مگر بہر حال قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خواہ یہ ظاہری طور سے یا باطنی رنگ میں علم و حکمت اور نور معرفت کی غیر معمولی اور مافوق بشری بخشش ہو۔ ہر صورت میں وہ ایک فہم سے بالاتر کیفیت تھی۔

مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر

آنحضرت ﷺ نے معجزانہ طریق پر ایک شب میں مکہ معظّمہ سے بیت المقدس تک جو پراسرار سفر کیا۔ قرآن نے ان الفاظ میں ان کی تصدیق کی ہے:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾

(۱۷/ الاسرآء:۱)

''پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کے وقت ایک شب میں لے گیا۔''

حالانکہ ان دونوں مقامات کے بیچ میں اس زمانہ میں مہینوں کا سفر تھا۔

قریش پر قحط سالی کا عذاب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے پہلے بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کی مخالفت کی تو آپ نے ان کو بددعا کی کہ ''خداوندا! ان کو سات سال تک قحط میں مبتلا رکھ جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال تک مستقل قحط کو قائم رکھا تھا، چنانچہ ان پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے مردار اور چمڑے کھائے۔ یہاں تک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو وہ ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا، یہ حالت دیکھ کر ابوسفیان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ

''اے محمد (ﷺ)! تم خدا کی اطاعت اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہو حالانکہ خود تمہاری قوم تباہ ہو رہی ہے۔ اس کے لئے خدا سے دعا کرو۔'' آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی جس نے قحط کی مصیبت کو دور کر دیا۔ اس کے بعد پھر قریش نے حسب دستور آپ ﷺ کی مخالفت شروع کی، تو قیام مکہ ہی کے زمانہ میں خدا نے آپ کی زبان سے یہ پیشین گوئی قریش کو سنائی کہ آیندہ اس کا انتقام ایک اور سخت گرفت سے لیا جائے گا، وہ گرفت بدر کی لڑائی تھی۔ چنانچہ سورۂ دخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر ہے: [1]

﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ ﴾ (٤٤/ الدخان: ١٠ تا ١٦)

''اس دن کا انتظار کرو، جب آسمان دھواں نمایاں کرے گا۔ جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ نہایت تکلیف دہ عذاب ہے، خداوندا! یہ عذاب ہمارے اوپر سے ہٹا لے، ہم مسلمان ہیں اور کہاں ان کے لئے ہے، نصیحت پکڑنا۔ حالانکہ ان کے پاس ایک رسول کھلم کھلا آیا۔ پھر ان لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور کہا یہ سکھایا ہوا پاگل ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے اس عذاب کو ہٹا لینے والے ہیں، تم لوگ اسی قدیم حالت کی طرف عود کر جاؤ گے ہم اس روز انتقام لیں گے جو سب سے بڑی پکڑ کا دن ہوگا۔''

متوقع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں

کفار نے دارالندوہ میں چھپ کر آپ ﷺ کے قتل وغیرہ کے مشورے کئے۔ کوئی مسلمان نہ ان میں شریک تھا اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا۔ مگر آنحضرت کو ہر چیز کی خبر اللہ تعالیٰ نے دے دی۔ تاریخ، وقت، سب سے آگاہی ہوگئی اور پھر یہ کہ جس شب کو آپ نے ہجرت کی سب کو معلوم ہے کہ اس رات کو آپ کے گھر کے چاروں طرف دشمنوں کا پہرا تھا، تاہم آپ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر انہی کے درمیان سے گزر کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہر سے نکل گئے۔ آپ مکہ کے قریب ہی غار ثور میں جا کر چھپے۔ عرب آثار قدم سے اشخاص کے مقام وگزرگاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشاق تھے، صبح کو وہ آپ کا پتہ لگاتے ہوئے غار مذکور کے دہانہ تک پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپ ان کے سامنے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اقتضائے بشری سے گھبرا اُٹھے۔ مگر آپ نے تسلی دی کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ ساتھ والے خدا نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے ان کی یہ سوجھ چھین لی کہ وہ جھک کر دیکھیں اور ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ

[1] صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين واحكامهم، باب الدخان: ٧٠٦٦، ٧٠٦٧۔

بے دیکھے واپس چلے گئے۔ سیر کی اکثر ضعیف روایتوں میں اور مسند ابن حنبل [1] کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے۔ مذکور ہے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالے تن دیے تھے۔ کفار نے کہا: اگر کوئی اس غار میں جا کر چھپتا تو ظاہر ہے کہ یہ جالے ٹوٹ جاتے اور یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔ اس غار سے نکل کر جب آپ ﷺ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے سوار آپ کے تعاقب میں نظر آئے۔ چنانچہ سراقہ اپنا گھوڑا دوڑاتا آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ دفعتہً گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ تین بار یہی واقعہ پیش آیا۔ سراقہ اس اعجاز کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور خط امان لے کر واپس چلا گیا۔

واقعہ ہجرت کے ان معجزانہ واقعات کا تفصیلی بیان احادیث میں ہے مگر قرآن مجید کا یہ اجمالی اعتراف ان کی تائیدی شہادت ہے:

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴾ (۸/ الانفال: ۳۰)

''اور یاد کرو (اے پیغمبر ﷺ!) جب کفار تمہارے ساتھ داؤ کر رہے تھے، تاکہ تم کو قید کریں یا قتل کریں یا گھر سے نکال دیں وہ بھی داؤ کر رہے تھے اور خدا بھی داؤ کر رہا تھا اور خدا سب داؤ کرنے والوں میں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔''

﴿ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾

(۹/ التوبۃ: ۴۰)

''اے لڑائی سے پیچھے رہنے والے لوگو! اگر تم اس پیغمبر کی مدد نہ کرو تو وہ تمہاری مدد سے بے نیاز ہے کہ خدا نے اس وقت اس کی مدد کی جب اس کو کافروں نے مکہ سے نکال دیا تھا، دو رفیقوں میں سے ایک نے جب وہ دونوں غار میں تھے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر خدا نے اس پر اپنی تسکین نازل کی اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کیا اور خدا ہی کی بات اونچی رہتی ہے اور خدا غالب اور تدبیر والا ہے۔''

خواب میں کفار کا کم دیکھنا

ہجرت کے بعد سب سے بڑا معرکہ غزوۂ بدر پیش آیا۔ جس میں ایک طرف تین سو تیرہ مسلمان تھے جو ہتھیاروں سے بھی پورے آراستہ نہ تھے، دوسری طرف ایک ہزار قریش کی لوہے میں غرق فوج تھی۔ دنیا قیاس

---

[1] مسند احمد، ج ۱، ص: ۳۴۸۔ [2] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ: ۳۹۰۶۔

کرسکتی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ کس کے حق میں ہوتا، لیکن چونکہ یہ اسلام کی ہمیشہ کے لئے موت وحیات کی ساعت تھی۔ اس لئے کارساز قدرت نے اپنی عجیب وغریب نشانیوں سے حق کو فتح اور باطل کو شکست دی۔

چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ کو اس معرکہ کا نقشہ عالم رؤیا میں دکھایا گیا تھا اور اس میں کفار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی تھی۔ جو ان کی ذلت اور شکست کی طرف اشارہ تھا۔ مسلمانوں نے جب یہ خواب سنا تو ان کی ہمت ہوئی اگر عالم رؤیا میں کفار کی کثرت دکھائی جاتی تو مسلمانوں کے حوصلے پہلے ہی پست ہو جاتے۔ چنانچہ خود قرآن نے اس کی تصریح کر دی:

﴿ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴾ (۸/ الانفال:۴۳)

"خدا کے احسان کو یاد کرو جب وہ تجھ کو تیری خواب میں ان کافروں کو تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اگر تم کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے اور لڑائی کے بارہ میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن خدا نے بچا لیا۔ بے شک خدا سینوں کے راز جانتا ہے۔"

مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھانا

اس معرکہ میں سن چکے ہو، کافروں کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کا بددل ہونا لازمی تھا۔ خدا نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ تماشا دکھایا کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر کر دیا کہ وہ مسلمانوں کو بہت تھوڑے معلوم ہونے لگے۔ ادھر کفار کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ رؤسائے کفار میدان سے بھاگ کر جانیں بچا کر نہ لے جانے پائیں۔ اس نے یہ تدبیر کی کہ مسلمان اپنی تعداد سے بھی ان کو کم نظر آنے لگے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی فتح کو یقینی سمجھ کر حصول نتیجہ کے لئے نہ تو سرفروشانہ کوشش کی اور نہ بھاگنے کی کوئی ضرورت سمجھی اور یہی بات مسلمانوں کے حق میں مفید ہوگئی:

﴿ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ ﴾ (۸/ الانفال:۴۴)

"خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم دشمنوں سے صف آرا ہوئے تو وہ تمہاری نگاہوں میں ان کو تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا تاکہ اس کام کو جس کا ہونا مقرر ہے طے کر دے۔"

پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا

پہلے تو خدا نے کافروں کی نگاہ میں مسلمانوں کو کم کر کے دکھایا، تاکہ کفار بے پروا ہو کر لڑ پڑیں۔ پھر جب دونوں صفیں گتھ گئیں تو خدا کے حکم سے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کی آنکھوں میں ان کی اپنی تعداد سے بھی دوگنی

نظر آنے لگی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے ڈر کر ہمت ہار دی:

﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴾

(۳/ آل عمران:۱۳)

''اے یہودیو! تمہارے لئے ان دونوں فوجوں میں جو صف آرا ہوئیں جن میں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری خدا کی منکر تھی۔ یقیناً ایک نشانی تھی، کافروں کا لشکر آنکھوں دیکھتے اپنی مقابل فوج کو اپنے سے دونا دیکھ رہا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو چشم بینا رکھتے ہیں بڑی عبرت ہے۔''

فرشتوں کی آمد

یہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کیونکر گئی؟ کیا آسمان سے فرشتے اُتر آئے؟ خدا فرماتا ہے:

﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

(۸/ الانفال:۹، ۱۰)

''یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں لگاتار ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے یہ نہیں کیا، لیکن خوش کرنے کے لئے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں ورنہ فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

﴿ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ﴾ (۸/ الانفال:۱۲)

''یاد کر جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کے دل مضبوط کئے رہو۔ کافروں کے دلوں میں میں عنقریب رعب ڈال دوں گا۔''

میدان جنگ میں پانی برسانا

بدر کے میدان جہاں مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کی تھیں وہ جگہ بلند تھی اور جہاں سے قریش کی فوج لڑ رہی تھی وہ جگہ نشیب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی شکست کا ایک ظاہری سبب یہ پیدا کر دیا کہ عین اس وقت میدان جنگ میں موسلادھار پانی برسایا جس نے ادھر تو مسلمانوں کی طرف گرد و غبار بٹھا کر اُن کے پاؤں جما دیے اور ادھر کافروں کی طرف پانی کا ریلا ہوا کہ ان کو زمین پر قدم رکھنا مشکل ہو گیا۔ خدا خود فرماتا ہے:

﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴾ (۸/ الانفال:۱۱)

''اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب وہ آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ تم کو اس پانی سے پاک کر دے اور ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے قدموں کو جما دے۔''

لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا

معرکہ جنگ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے بہادروں کی آنکھ سے نیند اڑ جاتی ہے۔ مگر مایۂ تسکین عالم ﷺ کا اعجاز یہ تھا کہ بدر واحد کے کارزاروں میں مسلمان سپاہیوں کی بے خطری اور بے خوفی کے لئے ان کی آنکھوں پر نیند کا غلبہ کر دیا گیا، تاکہ کسی خوف وخطر کا خیال کئے بغیر وہ اپنے فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ خدا احسان جتاتا ہے:

﴿ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ ﴾ (۸/ الانفال:۱۱)

''یاد کرو جب خدا اپنی طرف سے تمہاری بے خوفی کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا۔''

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۵٤)

''پھر خدا نے غم کے بعد بے خوفی کے لئے تم پر نیند اتاری جو ایک گروہ پر چھا رہی تھی اور دوسرا گروہ تھا جس کو اپنی جان کی فکر غم میں ڈالے تھی۔''

آپ ﷺ کا کنکری پھینکنا

یہ سب کچھ تھا لیکن عین اس دار وگیر کے معرکہ میں ایک مقدس وجود پر سکون دل اور سر بسجود پیشانی کے ساتھ ظاہری ہتھیاروں سے منزہ ہو کر دعاؤں میں مصروف تھا۔ اس نے سر اٹھایا اس حیرتناک منظر پر نگاہ ڈالی اور زمین سے ایک مٹھی کنکری اور خاک اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی دفعتۃً باطل کا طلسم چور چور تھا۔ قرآن گواہی دیتا ہے:

﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (۸/ الانفال:۱۷)

''تو تم نے (مسلمانو!) ان کو قتل نہیں کیا بلکہ خود خدا نے ان کو قتل کیا اور اے پیغمبر! تو نے نہیں پھینکا۔ جب تو نے پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا، تاکہ مسلمانوں کو اس سے فتح کی اچھی نعمت عطا کرے، خدا دعاؤں کا سننے والا اور بھیدوں کا جاننے والا ہے۔''

کوئی رمی کے معنی تیر پھینکنے کے نہ لے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر کیا، تمام عمر میں سخت سے سخت خطرہ میں کبھی تیغ وتبر اور تیر وخنجر سے دست مبارک کو آلودہ نہیں کیا۔

غزوۂ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ

پڑھ چکے ہیں کہ بدر کے معرکہ سے پہلے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال واسباب سے لدا ہوا شام سے مکہ جا رہا تھا اور ادھر سے قریش کی فوج بڑے سروسامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو نکلی تھی۔ مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس صورت واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک چیز تم کو ملے گی یا تو یہ قافلہ اور یا یہ قریش کی فوج شکست کھائے گی اور تم کو غنیمت کا مال ملے گا، چنانچہ یہ صورت واقعہ بھی درست نکلی اور وعدہ بھی پورا ہوا:

﴿ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ ﴾ (۸/ الانفال:۷)

''اور یاد کرو جب تم سے اللہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارا ہے۔''

غزوۂ احزاب کی خبر

غزوۂ احزاب جس میں دفعتہً متحدہ عرب قبائل کا سیلاب مدینہ کے چاروں طرف اُمڈ آیا تھا۔ واقعہ سے بہت پہلے آنحضرت ﷺ کو عالم رؤیا میں اس کی اطلاع دی جا چکی تھی اور آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبت کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا۔ چنانچہ جب یہ صورت حال نظروں کے سامنے آ گئی تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے ایمان میں اور زیادہ پختگی آ گئی اور ان کے دلوں میں آپ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا:

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۲۲)

''اور جب مسلمانوں نے ان متحدہ حملہ آور قبائل کو دیکھا تو کہا یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے خدا اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس واقعہ نے ان کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختہ کر دیا۔''

غزوۂ احزاب میں آندھی

اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل نے مل کر مسلمانوں پر متحدہ حملہ کیا تھا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور ڈیرے خیمے ڈال کر اس بات پر جم گئے تھے کہ ہم اسی محاصرہ کی حالت میں مسلمانوں کو مدینہ میں گھیر کر ان کا خاتمہ کر دیں گے۔ چنانچہ ۲۰ دن تک وہ محاصرہ کیے پڑے رہے آس پاس کے یہودی جو پہلے مسلمانوں سے عہد کر چکے تھے۔ دشمنوں سے جا کر مل گئے اور اس قدر زور کا حملہ کیا کہ مسلمان فریضۂ نماز بھی

وقت پرادا نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ میں فاقہ ہونے لگا۔ منافقین اور کچے دل کے لوگ گھبرا کر ساتھ چھوڑنے لگے کہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے باہر اس زور کی آندھی چلائی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے۔ طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں اور ایسی سخت سردی پڑی کہ دشمن ٹھٹھر کر رہ گئے اور ہمت ہار کر خود محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۹)

''مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر ہوا اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم کر رہے تھے خدا اس کو دیکھ رہا تھا۔''

غزوۂ حنین میں نصرت

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا گو اس میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی بھیڑ شامل تھی۔ لیکن اس میں کچھ نوجوان تھے جو لڑائی کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، کچھ مکہ کے نو مسلم تھے جو ابھی صبر و ضبط کے خوگر نہیں ہوئے تھے۔ فوج میں زرہ پوش بھی کم تھے اور مقابلہ قبیلۂ ہوازن سے پڑا جو قدر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ مسلمان جونہی آگے بڑھے حریف نے ان کو تیروں پر رکھ لیا پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، لیکن مرکز نبوت اپنی جگہ پر تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے مہاجرین وانصار کو آوازیں دیں، وہ پلٹے تو آپ سواری سے نیچے اترے اور زمین سے ایک مشت خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی۔ دفعتہً جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ ہوازن شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ یہ واقعہ صحیح مسلم اور دیگر معتبر روایتوں سے مذکور ہے اور قرآن اس کی صداقت کی گواہی دیتا ہے:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ ﴾

(۹/ التوبۃ: ۲۵، ۲۶)

''خدا نے تمہاری نصرت بہت سے مقامات میں کی اور نیز حنین کے دن جب تمہاری کثرت تعداد نے تم کو مغرور بنا دیا تھا۔ تو یہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی، پھر پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے پھر اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کفر کرنے والوں کو پوری سزا دی۔''

''نظر نہ آنے والی فوجوں'' کے الفاظ سے قرآن مجید نے ہمیشہ فوق الفہم اور غیر مادی ذرائع و وسائل

کی تعبیر کی ہے۔

غیب پر اطلاع

غیب کا ذاتی علم تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں مگر وہ جس کو چاہے اپنی اس بخشش سے سرفراز بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نگاہوں کے سامنے کبھی دور دراز مقامات کی خبریں، کبھی لوگوں کے دلوں کے حالات، کبھی مخفی واقعات آئینہ کر دیے جاتے تھے۔ مسلمان تو مسلمان، وہ بھی جو سچے دل سے آپ ﷺ کی صداقت کے قائل نہ تھے۔ اس سے ڈرتے تھے کہ وحی الٰہی جس کے متعلق انہیں تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ واقعات غیبی کی پردہ در ہے، کہیں ان کے مخفی جرائم اور دل کی کھوٹوں کو برملا ظاہر نہ کر دے:

﴿ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾

(٩/ التوبة:٦٤)

”منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورہ اترے جو ان کو ان باتوں سے آگاہ کر دے جو منافقوں کے دلوں میں ہیں۔“

بنو نضیر کی سازش کی اطلاع

ایک دفعہ ایک ضروری کام کے لئے آنحضرت ﷺ چند رفقائے خاص کے ساتھ بنو نضیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے۔ یہود بنی نضیر نے آنحضرت ﷺ اور دیگر اکابر اسلام کے خفیہ قتل کا اس کو بہترین موقع سمجھا۔ چنانچہ جس دیوار کے نیچے آپ کھڑے تھے۔ اس کی چھت پر ایک شخص چڑھ گیا کہ اوپر سے ایک بھاری پتھر آپ پر گرا دے کہ دب کر مر جائیں۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے پیغمبر کی حفاظت کا کفیل تھا۔ اس نے بروقت اطلاع دی اور آپ فوراً ان کے دام سے باہر نکل آئے اور ان کو اس ارادۂ فاسد کی اطلاع بھیج دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾

(٥/ المآئدة:١١)

”اے مسلمانو! خدا کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔“

مہاجرین حبش کو بشارت

قریش کے گوناگوں مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے ملک و وطن کو خیرباد کہہ کر حبش

چلی گئی۔اول تو غیر ملک اور بدلیس میں ان مسلمانوں کا جانا ہی فکر وتر دد کا باعث تھا اور معلوم نہ تھا کہ حبش کے عیسائی بادشاہ اور امرائے مذہب کے ان پیرووں کے ساتھ کیونکر پیش آئیں گے،اس سے زیادہ فکر کی یہ چیز تھی کہ رؤسائے قریش کے تجارتی تعلقات کے باعث حبش کے امراان سے شناسا تھے اور باہم ان کے درمیان دیرینہ روابط تھے۔اس کے بعد اس سے بھی زیادہ تر دد انگیز یہ واقعہ ہوا کہ رؤسائے قریش نے اپنے گزشتہ تعلقات کی بنا پر نجاشی کے دربار میں تحفہ تحائف دے کر اپنے سفراء اس غرض سے بھیجے،تا کہ ان بے وطن مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہ دے،یہ تمام اسباب ایسے تھے جن کی بنا پر مسلمانوں کو عموماً اور مہاجرین کو خصوصاً اپنے مستقبل کی نسبت سخت تشویش پیدا ہونا ضروری تھا،اس بنا پر سکینت الٰہی نے ان کو امن وامان کا پیام سنانا ضروری سمجھا۔چنانچہ اسی تشویش ناک اور تر دد انگیز عہد میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ﴾ (١٦/ النحل:٤١)

''اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر،مظلومی کی حالت میں ہجرت کی ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب سب سے بڑا ہے۔''

اگر چہ ہجرت کا لفظ عام ہے مگر اس دلیل سے کہ یہ سورہ قیام مکہ کے زمانہ کی ہے اور جن لوگوں نے اس عہد میں ہجرت کی تھی ان کا ذکر ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص مہاجرین حبش کے لئے بشارت ہے،سب کو معلوم ہے کہ خدا کا یہ وعدہ کتنا سچا ہوا۔نجاشی نے نہ صرف یہ کہ قریش کے سفراء کو خلاف توقع ناکام واپس کر دیا بلکہ مسلمانوں کو اس نے بڑی عزت سے جگہ دی اور خود اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا۔بعض مسلمان چودہ چودہ برس وہاں رہے اور اس اثنا میں کئی نجاشی سریر آرا ہوئے مگر کسی نے ان سے تعرض نہیں کیا۔

ہجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی

آنحضرت ﷺ نے جس بے سروسامانی کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس حالت کو دیکھ کر کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہ پیدا ہوسکتا تھا کہ یہ بے خانماں قافلہ ایک دن مدینہ سے اس قدر طاقتور ہوکر نکلے گا کہ جن لوگوں نے ابتدائے نبوت سے آغاز ہجرت تک اس کی جان لینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی،وہ ان کے ہاتھوں خود ہلاک و برباد ہو جائیں گے لیکن قرآن مجید دوسری پیشین گوئی کر رہا تھا چنانچہ ہجرت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت اتری:

﴿ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾

(١٧/ بنیٓ اسرآءیل:٧٦)

''اگر وہ تم کو سرزمین مکہ سے گھبرا چکے،تا کہ تم کو اس سے نکال دیں تو وہ تمہارے بعد بہت کم

مدت تک باقی رہیں گے۔“

چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری اتری اور ایک ہی سال کے بعد غزوۂ بدر نے صناد ید قریش کا خاتمہ کر دیا اور اہل عرب کی مخالفت کی جڑ کٹ گئی۔

مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہوگا

عجب نہیں کہ مدینہ آ کر مسلمانوں کو یہ اطمینان ہو گیا ہو کہ ان کی تمام تکلیفوں کا خاتمہ ہو گیا اور اس وقت کوئی ایسا قرینہ بھی نہ تھا جس سے یہ معلوم ہوتا، کہ قریش انتقام کے جوش میں نیام سے تلواریں کھینچ لیں گے اور تمام عرب اس مہم میں ان کا ہم آہنگ ہو جائے گا اور متصل آٹھ برس تک لڑائیوں کا سلسلہ قائم رہے گا۔ جس میں مسلمانوں کو تنگدستی، فاقہ، قتل وخونریزی ہر نوع کی مصیبتوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔ مگر عالم غیب کا پیغام محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی پہنچ چکا تھا:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ ﴾

(٢/ البقرة:١٥٥)

”اور ہم یقیناً تم کو کسی قدر خوف، فاقہ اور جانوں کی اور مال اور پھلوں کی کمی کی مصیبتوں سے آزمائیں گے۔“

دینی ودنیاوی شہنشاہی کا وعدہ

لیکن اس بے سروسامانی کے عالم میں اس بے خانماں گروہ کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے ایک وعدہ اور بھی کیا اور ان کو خلافت ارض یعنی دینی ودنیاوی شہنشاہی کی بشارت دی۔ یہ بشارت واقعات موجودہ کے کس قدر خلاف تھی؟ مگر چند ہی سال میں محال نے وقوع کی صورت اختیار کر لی:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ ﴾ (٢٤/ النور:٥٥)

”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا۔ خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے تم سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور جو دین ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔“

مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے یہ بشارت کس قدر عجیب وغریب تھی۔ مسلمانوں کا گروہ ایک مظلوم بے کس اور ضعیف گروہ تھا۔ جس کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر خانماں برباد کر دیا تھا اور اس نے مدینہ میں آ کر خدا کے چند نیک بندوں کے سایہ میں پناہ لی تھی۔ یہاں آ کر بھی اس کو اطمینان وراحت کی نیند

نصیب نہ ہوئی، کفار مکہ پہلے ہی سے جان کے دشمن تھے یہاں آ کر دشمنوں کی تعداد میں منافقین اور یہود کا اور بھی اضافہ ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ کفار کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا اور ذرا سے شور وغل پر مدینہ میں بدحواسی پھیل جاتی تھی۔ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ سوتے جاگتے مسلح رہتے تھے۔ چنانچہ اس مظلوم گروہ نے اس حالت سے تنگ آ کر ایک دن کہا کہ کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا، جب ہم کو اطمینان حاصل ہوگا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہوگا، اس پر ان کو قرآن مجید نے خلافت ارض کی بشارت دی [1] اور وہ پوری ہوئی۔ اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کیا ہوسکتی ہے۔

قبائل عرب کی شکست ہوگی

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو غزوات پیش آئے اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا کفار کو جو شکستیں ہوئیں۔ قرآن مجید نے ان کے متعلق پیشین گوئیاں کیں اور اس حالت میں کیں جب ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جب ہر طرف سے کفار کا ہجوم تھا اور اس ہجوم کو دیکھ کر ان کو یقین تھا کہ تمام عرب مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کردے گا۔ خدا نے یہ اعلان عام کردیا کہ عنقریب خود مسلمان تمام عرب قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کردیں گے:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ﴾

(٥٤/ القمر: ٤٤، ٤٥)

''کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب ایک اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ جتھا عنقریب توڑ دیا جائے گا اور وہ پشت پھیریں گے۔''

﴿ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ ﴾

(٤٨/ الفتح: ٢٢)

''اور اگر کفار تم سے لڑیں گے تو ان کو بھاگنا پڑے گا پھر وہ کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔''

﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ (٩/ التوبة: ١٤، ١٥)

''تم ان سے لڑو، خدا ان کو تمہارے ہاتھ سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر فتح دے گا اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا۔''

اور یہ تمام پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پوری ہوئیں اسلام نے عرب کے تمام قبائل کی

[1] مستدرك حاكم، ج ٢، ص: ٤٠١۔

مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیا اور انہوں نے ہر موقع پر شکستیں کھائیں۔

قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے

مصیبت زدہ اور بے سروسامان مسلمانوں کی تسکین کی خاطر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے قریش کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی فتح و کامیابی کے متعدد وعدے کئے گئے تھے۔ جن میں سے بعض آپ ﷺ کی زندگی میں اور بعض آپ کی وفات کے بعد پورے ہونے والے تھے:

﴿ فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۝ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ ۝ ﴾ (۴۳/ الزخرف: ۴۱، ۴۲)

''پس اگر ہم تجھ کو اٹھالیں تو بھی ان کافروں سے انتقام لیں گے اور اگر ہم تیری زندگی میں تجھ کو وہ دکھادیں۔ جس کی دھمکی ان کافروں کو ہم نے دی ہے۔ تو ہم ان پر یہ قدرت رکھتے ہیں۔''

﴿ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝ ﴾ (۴۰/ المؤمن: ۷۷)

''تو صبر کر، خدا کا وعدہ یقیناً سچا ہے۔ تو جس بات کی دھمکی ہم ان کافروں کو دیتے ہیں اس کو یا تیری زندگی میں دکھا دیں گے یا تجھ کو موت دیں گے تو وہ ہمارے ہی پاس لوٹائے جائیں گے؟''

﴿ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ ﴾

(۱۳/ الرعد: ۴۰، ۴۱)

''اور اگر تیری ہی زندگی میں بعض وہ وعدے جو ہم نے ان سے کئے ہیں دکھادیں یا تجھ کو موت دے دیں تو تیرا فرض صرف پیام پہنچادینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے، کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ (ہم اسلامی فتوحات کے ذریعہ سے) سرزمین (عرب) کے حدود میں (کافروں کے قبضہ کو) کم کرتے جاتے ہیں۔ خدا ہی اپنا حکم چلاتا ہے کوئی اس کے حکم کو ردوبدل نہیں کرسکتا۔''

فتح مکہ کی پیشین گوئیاں

جو چیز مسلمانوں کے دل سے لگی ہوئی تھی، وہ فتح مکہ تھی یعنی اس شہر پر قبضہ جہاں سے وہ نہایت بے کسی اور بے بسی کے عالم میں نکلے تھے اور جس کے حدود میں ان کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ گو اب مدینہ کے دارالسلطنت میں تھے، تاہم وطن کی یاد دلوں سے کم نہیں ہوتی تھی۔ ان کو فتح پر فتح ہوتی جاتی تھی۔ لیکن ان کے دل کی کلی اپنی شگفتگی کے لئے جس موسم بہار کا انتظار کر رہی تھی وہ ہنوز نگاہوں سے دور تھا۔ مگر بشارت الٰہی ہر

قدم پر ان کے لئے تسکین کا نیا پیام لا رہی تھی اور مژدہ فتح سے ان کو دلشاد کرتی جاتی تھی۔ سورۂ قصص میں یہ آیت اتری:

﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ﴾ (۲۸/ القصص:۸۵)

''جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ تجھ کو ٹھکانے کی طرف پھر لوٹا کر لے جانے والا ہے۔''

یعنی مکہ [1] پھر سورۂ صف میں خدا نے مسلمانوں کو آخرت میں جنت کی بشارت دینے کے ساتھ اس دنیا میں بھی ایک بشارت دی:

﴿ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾

(۶۱/ الصف:۱۳)

''اور دوسری نعمت جس کو تم دل سے چاہتے ہو وہ خدا کی طرف سے نصرت اور عنقریب فتح ہے اور مسلمانوں کو بشارت سنادے۔''

صلح حدیبیہ سے پہلے خواب میں آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کا داخلہ دکھایا گیا:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ ﴾ (۴۸/ الفتح:۲۷)

''خدا نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیا، تم لوگ یقیناً مسجد حرام میں اگر خدا نے چاہا تو بے خوف وخطر داخل ہو گے۔ بال منڈا کر یا ترشوا کر، کسی سے نہ ڈرو گے۔''

حدیبیہ سے آپ ﷺ واپس آ رہے تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی:

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۝ ﴾ (۴۸/ الفتح:۱) ''ہم نے کھلی فتح تم کو دی۔''

آپ ﷺ نے اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوا کر یہ خوش خبری سنائی، [2] اس کے دو برس کے بعد مکہ کی دولت مسلمانوں کو مل گئی۔

خیبر اور حنین کی فتح کی پیشین گوئی

۶ھ کی صلح حدیبیہ میں فتح مکہ کی پیشین گوئی کی جا چکی تھی۔ جو ۸ھ میں پوری ہوئی۔ لیکن حدیبیہ کی صلح میں مسلمانوں نے رسول کی اطاعت اور متابعت کا جو بہترین نمونہ پیش کیا تھا اور جس صبر اور تحمل سے صلح حدیبیہ کے شرائط کو مسلمانوں نے تسلیم کر لیا تھا اس کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسری فتوحات عظیمہ کا وعدہ مسلمانوں سے کیا۔ جن میں بے شمار مال غنیمت ان کو ہاتھ آنے والا تھا:

﴿ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰی

[1] صحیح بخاری، تفسیر آیت مذکور:۴۷۷۳۔ [2] بخاری: ۴۸۳۳۔

وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝﴾

(٤٨/ الفتح: ٢٧، ٢٨)

''تو خدا نے وہ جانا جو تم نے نہیں جانا اور اس (فتح مکہ) سے پہلے ایک عنقریب فتح تمہارے لئے بنائی اور اسی نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور خدا گواہ کافی ہے۔''

یہ خیبر کی فتح تھی جو صلح حدیبیہ کے ایک سال کے بعد اور فتح مکہ سے ایک سال پہلے حاصل ہوئی اور جس پر عرب میں یہودیوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور اسلام کو عرب کے تمام مذاہب پر غلبہ عام حاصل ہو گیا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ﴾

(٤٨/ الفتح: ١٨، ١٩)

''خدا مسلمانوں سے خوش ہو گیا۔ جب وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا (یعنی فتح مکہ کے لئے بے چینی) اس کو جان لیا تو اس نے ان پر تسکین نازل کی اور مکہ کے بدلہ میں سر دست ایک فتح ان کو دی اور بہت سا مال غنیمت جس پر وہ قبضہ کریں گے۔''

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (٤٨/ الفتح: ٢٠)

''خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جس کو تم لو گے۔ تو یہ ایک غنیمت تم کو جلد عطا کر دی اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک دیا اور تا کہ مسلمانوں کے لئے ایک نشانی ہو۔''

چنانچہ خیبر کی فتح میں مسلمانوں کو خیبر کی تمام سرسبز و شاداب زمینیں اور ہرے بھرے نخلستان مل گئے اور اس کے ایک سال بعد حنین کی فتح میں مال غنیمت کا بے شمار ذخیرہ (چھ ہزار اسیران جنگ، چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار اوقیہ چاندی) مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

یہود کو اعلان

عرب کے یہود اگر چہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے، تاہم یہ آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق بعض پیشین گوئیاں ایسی کیں کہ اگر وہ ہمت سے کام لیتے تو اسکا ابطال خود ان کے امکان میں تھا۔ مثلاً: یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ''وہ خدا کے چہیتے ہیں اور جنت ان کیلئے مخصوص ہے۔'' لیکن چونکہ جنت صرف مرنے کے بعد نصیب ہو سکتی ہے اور جن

لوگوں کو اس کے ملنے کا یقین کامل ہو اوہ اس کے لئے جان دینے سے دریغ نہیں کر سکتے۔ اس لئے قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق کہا کہ

﴿ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

(۲/ البقرہ: ۹۴: ۹۵)

''کہہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے لئے مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو۔ لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز یہ آرزو نہ کریں گے۔ خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

﴿ قُلْ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

(٦٢/ الجمعة: ٦، ٧)

''کہہ اے یہود! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ صرف تمہیں خدا کے دوست ہو تو اگر تم اس میں سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے خدا ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

لیکن باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور آرزوئے موت ان کے لئے ممکن نہ تھی، تاہم قرآن مجید کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور آج تک کسی یہودی نے لقائے الٰہی کی آرزو میں جان نہیں دی۔

یہود کی دائمی ناکامی

یہود سے دم بہ دم مقابلہ درپیش تھا اور پورے سات برس تک یہ مقابلہ درپیش رہا۔ یہود عرب میں بڑی طاقت رکھتے تھے۔ تمام مالی کاروباران کے قبضہ میں تھا۔ ان کے پاس بکثرت دولت تھی۔ عربوں سے تہذیب وتمدن اور علوم وفنون میں علانیہ فائق تھے۔ ہر طرح کے سامان جنگ رکھتے تھے اور فن جنگ سے بھی کماحقہٗ واقف تھے مدینہ سے لے کر حدود شام تک ان کے تجارتی قلعوں کی مسلسل قطاریں تھیں اور ادھر مسلمانوں کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ تھی بایں ہمہ قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی زبانی یہ اعلان عام کر دیا:

﴿ وَلَوْ اٰمَنَ أَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ إِلَّا أَذًى ۗ وَإِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْأَدْبَارَ ۖ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ

عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۗ﴾ (۳/ آل عمران:۱۱۰ تا ۱۱۲)

''اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے یہ بہتر ہوتا۔ ان میں بعض ایماندار اور اکثر فاسق ہیں۔ وہ تم کو سوا تھوڑی تکلیف دینے کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑیں تو پشت پھیر دیں۔ پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ ہوں پھینک ماری گئی ہے۔ لیکن خدا کے کسی وسیلہ سے یا لوگوں کی سفارش سے کبھی کبھی اس ذلت سے بچ جائیں۔ خدا کا غضب لے کر وہ لوٹیں گے اور بے چارگی ان پر چھا جائے گی۔''

اس وقت سے آج تک ان کی ایشیا، افریقہ اور یورپ ہر جگہ کی تاریخ اس صداقت سے معمور پیشین گوئی کی حرف بحرف تصدیق ہے۔

روم کی قوت ٹوٹ جائے گی

۸ ھ کے بعد مسلمانوں کا مقابلہ عرب کے مشرکین اور یہود سے زیادہ سخت اور طاقت ور دشمن رومی عیسائیوں سے آ پڑا، رومن ایمپائر کی وسعت، قوت سامان، نظام، فوج، خزانہ کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک پرکاہ کا کوہ سے مقابلہ ہے، تاہم اسلام کے پیغمبر کی زبان سے اسی وقت یقین وتسلی کے کلمات دنیا نے سن لئے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾

(۶۱/ الصف:۹)

''وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کرے۔''

دنیا کو اس پیشین گوئی کی تصدیق کے لئے صرف سال کا انتظار کرنا پڑا۔

خلفائے راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں

لیکن قرآن مجید کی پیشین گوئیاں صرف انہی غزوات کی ساتھ مخصوص نہ تھیں جو عہد نبوت میں پیش آئے۔ بلکہ اس کے بعد بھی خلفا کے زمانہ میں جو عظیم الشان لڑائیاں واقع ہوئیں۔ ان کے متعلق قرآن مجید نے پہلے سے پیشین گوئی کر دی تھی اور وہ آئندہ زمانہ میں پوری ہوئیں۔ مسلمانوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے جو جنگ کرنا پڑی وہ تاریخ اسلام کا ایک نمایاں واقعہ ہے۔ لیکن قرآن مجید نے اس کے نتائج کا پہلے ہی سے اعلان کر دیا تھا:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ﴾ (۴۸/ الفتح:۱۶)

’’جہاد میں جان چرانے والے بدوؤں سے کہہ دو کہ تم کو ایک سخت طاقتور قوم سے جنگ کرنے کے لئے بلایا جائے گا، تم لوگ ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے۔‘‘

چنانچہ یہ جنگ ہوئی اور وہی نتیجہ ہوا، جس کو قرآن مجید نے دو صورتوں یعنی قتل اور اسلام میں محدود کر دیا تھا۔

وفاتِ نبوی ﷺ کی پیشین گوئی

مکہ کی فتح کے بعد آپ ﷺ کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا اور اس عام اصول کی بنا پر کہ انبیا اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے بعد نہیں رہتے وہ وقت آیا کہ آپ ﷺ اپنے اصلی مرکز یعنی ملائے اعلیٰ سے جا ملیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس راز کو ایک مستقل پیشین گوئی کی صورت میں ظاہر کر دیا:

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴾ (۱۱۰/ النصر:۱ ، ۳)

’’جب خدا کی مدد اور فتح آ گئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں جھنڈ کے جھنڈ داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی تسبیح اور استغفار کر۔ وہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔‘‘

اس سورہ میں آپ ﷺ کے وصال کی پیشین گوئی اگرچہ نہایت مبہم الفاظ میں کی گئی ہے۔ لیکن اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مژدۂ فتح نہیں بلکہ مژدۂ وصال ہے۔ کیونکہ مژدۂ فتح کے ساتھ تسبیح واستغفار کو کوئی مناسبت نہیں۔ بلکہ اس کے لئے شکر موزوں ہے۔ تسبیح واستغفار کا اصلی وقت وہ ہے۔ جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو لوگ نکتہ دان شریعت تھے وہ اس راز کو سمجھ گئے تھے۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری ، تفسیر آیت مذکور: ۴۹۷۰۔

آیات و دلائل نبویہ ﷺ

بروایات صحیحہ

گزشتہ صفحات میں صرف وہی آیات و دلائل بیان کئے گئے ہیں، جو صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں یا کم از کم ان کے اشارات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں لیکن ذیل میں ان آیات و دلائل کا استقصا مقصود ہے، جو صحیح اور مستند روایتوں سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، اس قسم کے آیات و دلائل کا بڑا حصہ گو فرداً فرداً اخبار احاد سے ثابت ہے، مگر مجموعی حیثیت سے ان کا درجہ خبر مشہور تک پہنچ جاتا ہے، مثلاً: تھوڑی سی مقدار کا بڑھ کر زیادہ ہو جانا، ہاتھ سے پانی کے چشمہ کا ابلنا، امراض سے غیر معمولی طور پر شفایابی حاصل کرنا، دعاؤں کا غیر معمولی طریق سے قبول ہو جانا، ان میں سے ہر قسم کے معجزات کے جزئی جزئی واقعے گو صرف ایک ایک دو دو راویوں کی زبانی بیان ہوئے ہیں، مگر ان میں سے ہر قسم کے معجزہ کے متعلق تو برتو شہادتیں موجود ہیں، جن کی بنا پر ان میں سے ہر قسم کے معجزات خبر متواتر نہیں تو خبر مشہور تک ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ البتہ بعثت سے پہلے جو عجائبات آپ ﷺ سے صادر ہوئے یا جو غیر معمولی سوانح آپ ﷺ کو پیش آئے، ان کی صحت محدثانہ اصول سے بہت کم ثابت ہے، لیکن اس کی وجہ اس عہد میں اس قسم کے واقعات کا کم ہونا یا غلط ہونا نہیں ہے، بلکہ اس عہد کے واقعات کے راوی چونکہ عموماً ماں باپ اور خاندان کے بڑے بزرگ ہوا کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے عہد بعثت کے بعد بلکہ مدینہ کی پرامن زندگی کے شروع ہونے کے بعد جب اسلام کے سلسلہ روایات کا صحیح طریقہ سے آغاز ہوا، تو آپ ﷺ کے خاندان کے بزرگوں میں سے جنہوں نے آپ ﷺ کے بچپن اور نوجوانی کا عہد دیکھا تھا، کوئی موجود نہ تھا، والدین پہلے ہی وفات پا چکے تھے، دادا کا بھی انتقال ہو چکا تھا، چچاؤں میں ابولہب آپ ﷺ کا دشمن ہی تھا، ابوطالب آغاز اسلام ہی میں مر چکے تھے، حضرت حمزہ محسن تھے اور ۳ ھ ہی میں شہادت پا چکے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ صرف دو برس بڑے تھے، اس بنا پر محدثانہ اصول تنقید کے معیار پر اس زمانہ کے واقعات کا سلسلہ روایت بہت کم صحیح اترتا ہے اور اس لئے وہ غیر مستند ٹھہرتے ہیں۔

بہر حال تمام صحیح معجزات کے استقصا سے کچھ واقعات بعثت سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں کچھ مکہ کی زندگی کے اور زیادہ تر مدینہ کے عہد کے، جب اسلامی روایتوں کا سلسلہ راویوں کی کثرت کے باعث مستحکم ہو چکا تھا، ملتے ہیں بعثت کے بعد جو معجزات ظاہر ہوئے ہیں، وہ نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں، مثلاً: بعض واقعات اجسام کائنات میں تصرف اور تاثیر کے ہیں بعض تکثیر اشیاء کے ہیں، بعض استجابتِ دعا اور شفائے امراض وغیرہ کے ہیں، اس لئے ذیل میں ہر نوع کے معجزات کو ہم علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔

علاماتِ نبوت
قبل بعثت

ہر شخص اس کو تسلیم کرے گا کہ ممتاز افراد کے سوانح زندگی میں شروع ہی سے ایسے آثار پائے جاتے ہیں، جو ان کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہیں، جب یہ ان، عام ممتاز افراد انسانی کا یہ حال ہے، جو خاندانوں، قوموں اور ملکوں کے صرف ظاہری راہنما اور رہبر ہوتے ہیں، تو اس حیثیت سے ان برتر ہستیوں کی نسبت کیا شبہ ہو سکتا ہے، جو قوموں کے روحانی پیشوا اور انسانیت کے حقیقی رہبر اور راہنما ہوتے ہیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ابتدائی سوانح زندگی میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں کتب سیر و دلائل کے مصنفین نے آنحضرت ﷺ کی ولادت سے لے کر بعثت تک کے ان تمام واقعات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے، مگر جیسا کہ پہلے گزر چکا محدثانہ اصول کی سخت گیری نے ہمارے لئے ان کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے، صحیح روایتوں سے اس عہد کے جو واقعات علامات نبوت کے تحت میں آ سکتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت آمنہ کا خواب

متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اپنا حال بیان فرمائیے، فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں، میری ماں نے جب میں پیٹ میں تھا، خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا ہے، جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔'' [1] یہ خالد بن معدان تابعی کی روایت ہے، جو گو ابن سعد میں مرسل ہے، مگر مستدرک میں ہے کہ انہوں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے سنا، حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ صحابی کی روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ ''میں خدا کا بندہ اور خاتم الانبیاء اس وقت سے ہوں کہ میرا باپ (آدم) آب و گل میں تھا، میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں، میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں۔'' آنحضرت ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ ایک نور ہے، جس سے شام کے محل روشن ہو گئے [2] پھر یہ آیت پڑھی: [3]

﴿ يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ ﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

''اے پیغمبر! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے خدا کی

---

[1] ابن سعد، ج۱، ص: ۹۶؛ مستدرك حاكم، ج۲، ص: ۶۰۰۔

[2] مسند احمد، ج۴، ص: ۱۲۷؛ مستدرك حاكم، ج۲، ص: ۶۰۰ وابن سعد، ج۱، ص: ۹۶۔

[3] مستدرك حاكم (صحيح)، ج۲، ص: ۴۱۸۔

طرف پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔"

ولادتِ نبوی ﷺ کی پیشین گوئیاں یہود و نصاریٰ میں

احادیث، سیر اور دلائل کی کتابوں میں تو بر تو ایسی روایتیں ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور نبوی ﷺ کے عہد میں یہود و نصاریٰ خاص طور سے اس آنے والے پیغمبر کے منتظر تھے اور اس کے جلد ظہور اور بعثت کی مختلف پیشین گوئیاں کر رہے تھے، ان روایتوں میں سے گو ہر روایت بجائے خود ضعیف ہے، مگر ان کی مجموعی حیثیت سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتا ہے کہ یہ عہد ان لوگوں کے نزدیک آنے والے پیغمبر کے خاص انتظار کا تھا اور مدینہ کے لوگوں میں اور مکہ کے جویان حق اشخاص میں اس پیغمبر کے ظہور کا خاص ذکر اور چرچا تھا۔

بت خانوں سے غیبی آوازیں

اسی طرح ان کتابوں میں بکثرت روایتیں ایسی ہیں جن میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد لوگوں نے بت خانوں کے اندر سے غیبی آوازیں سنیں کہ "اب صنم خانوں کی بربادی کا زمانہ آ گیا، پیغمبر صادق کی ولادت ظہور میں آ چکی ہے۔" ان روایتوں کا اکثر حصہ سخت کمزور اور ناقابل اعتبار ہے، تاہم مجموعی شہادت سے اس قدر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس عہد میں اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور ہوا تھا، چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے اس قسم کی ایک روایت آگے آتی ہے۔

شق صدر

تمام ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کی بنا پر بچپن کے زمانہ میں جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پرورش پا رہے تھے، شق صدر کا واقعہ پیش آیا، ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو سب سے پہلا غیبی واقعہ کیا پیش آیا؟ اس کے جواب میں آپ نے دو فرشتوں کی آمد اور شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔ [1]

اس واقعہ کی سب سے مستند روایت وہ ہے جو حماد بن سلمہ اور ثابت البنانی کے واسطہ سے صحیح مسلم، مسند احمد اور ابن سعد [2] وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ ایک روز بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ کو پکڑ کر سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب اقدس سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور کہا کہ یہی حصہ تجھ میں شیطان کا تھا، پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر برابر کر دیا، لڑکے بھاگے ہوئے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے کہ محمد ﷺ کو کسی نے مار ڈالا، حلیمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو دیکھا کہ

---

[1] مستدرك حاكم، ج ٢، ص: ٦١٦؛ ابن سعد، ج ١، ص: ٩٦؛ سنن دارمی، باب كيف كان اول شأن النبی ﷺ: ١٣ وابن عساكر، ج ١، ص: ٣٧١۔ [2] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الاسراء: ٤١٣؛ ابن سعد، ج ١، ص: ٩٧؛ مسند احمد، ج ٣، ص: ١٢١۔

آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ میں اس زخم کے ٹانکے کے نشان ہم کو نظر آتے تھے، مستدرک میں بھی اسی قسم کی ایک اور روایت خالد بن معدان سے عتبہ بن عبد السلمی کے واسطہ سے مذکور ہے۔

ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کے مطابق میں نے اس واقعہ کو یہاں لکھ دیا ہے، مگر اس باب میں میری جو ذاتی تحقیق ہے، وہ اس سے پہلے (شرح صدر) حوالہ قلم کر چکا ہوں۔

مبارک قدم ہونا

روایتوں میں آپ ﷺ کے مبارک قدم ہونے کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مگر ان میں سے کوئی بطریق صحیح مروی نہیں، صرف ایک روایت صحیح طریقہ سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صحابی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں حج کرنے گئے تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور اس کی زبان پر شعر میں دعا ہے:

رُدَّ الی راکبی محمدًا ﷺ یارب رد واصطنع عندی یدا

''اے میرے پروردگار! میرے سوار محمد ﷺ کو واپس بھیج اور مجھ پر یہ ایک احسان کر۔''

وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبدالمطلب ہیں، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، انہوں نے اپنے پوتے کو اس کے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا ہے اور وہ اب تک لوٹ کر نہیں آیا ہے، ان کا یہ پوتا ایسا ہے کہ انہوں نے جس کسی کام کے لئے اس کو بھیجا ہے، ان کو کامیابی ہی ہوئی ہے، کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ اُونٹ لے کر واپس آتے نظر آئے، عبدالمطلب نے سینہ سے لگا لیا۔ [1]

بے ستری میں آپ ﷺ کا غش کھا کر گرنا

آپ ﷺ بچہ تھے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر درپیش ہوئی، تمام شرفائے مکہ اس مقدس گھر کے معمار اور مزدور بنے، بچے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، انہی بچوں کی صف میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تہبند کھول کر گردن پر رکھ لو، کہ پتھر کی رگڑ سے گردن پر خراش نہ آئے، آنحضرت ﷺ نے چچا کے حکم کی تعمیل کی، دفعتہً آپ غش کھا کر گر پڑے اور آنکھیں پھٹ کر آسمان سے لگ گئیں، جب ہوش آیا، تو آپ کی زبان پر یہ لفظ تھا ''میرا تہبند میرا تہبند'' لوگوں نے تہبند کمر سے باندھ دی، [2] یہ صحیحین کی روایت ہے حاکم اور ابونعیم میں ہے کہ ابوطالب نے اس کے بعد

---

[1] مستدرك حاكم، ج۲، ص: ۶۰۳، ذہبی نے حاکم کی اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے، علاوہ ازیں تاریخ بخاری، ابن سعد، ابویعلی، طبرانی، بیهقی، ابونعیم اور ابن مندہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ [2] صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب بنيان الكعبة: ۳۸۲۹؛ صحيح مسلم، كتاب الحيض: ۷۷۱، ۷۷۲۔

واقعہ دریافت کیا تو فرمایا کہ ''مجھے ایک سپید پوش مرد نظر آیا، جس نے کہا کہ ستر پوشی کر'' [1] بیہقی وابن سعد میں اور حاکم کی دوسری روایت میں ہے کہ ندا آئی کہ ''اے محمد ﷺ اپنے ستر کو چھپا'' ان روایتوں میں ہے کہ غیب کی یہ پہلی آواز تھی، جو آپ کو سنائی دی۔ [2]

نیند طاری ہونا

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بعثت سے پہلے صرف دو دفعہ میرے دل میں برا خیال آیا اور دونوں دفعہ میرے خدا نے مجھے بچالیا، ایک دفعہ رات کو میں نوجوان چرواہوں کے ساتھ مکہ کے باہر تھا، میرے دل میں آیا کہ شہر کے اندر جا کر لطف احباب اٹھاؤں، چلا تو سر راہ شادی کا ایک جلسہ نظر آیا، میں دیکھنے کھڑا ہوگیا، تو خدا نے مجھ پر نیند طاری کر دی، تو اس وقت تک میں نہ جاگا، جب تک سورج کی کرنوں نے آکر میرے شانے نہ ہلائے، دوسری دفعہ جب خیال آیا تو پھر یہی واقعہ گزرا، اس کے بعد میں نے جاہلیت کا کوئی ارادہ نہ کیا، یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو نبوت سے مشرف کیا۔ [3]

صدائے غیب

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بیٹھے تھے، سامنے سے ایک خوبصورت سا آدمی گزرا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوا کر حال پوچھا، اس نے کہا میں جاہلیت میں کاہن تھا، دریافت کیا کہ اس زمانہ میں عجیب ترین واقعہ تم نے کیا دیکھا، اس نے کہا میں بازار میں تھا کہ میرا موکل جن میرے پاس گھبرایا ہوا آیا، اور یہ شعر پڑھا:

الم تر الجن وابلا سها ویا سها من بعد انکاسها

ولحوقها بالقلاص واحلاسها

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے سچ کہا، خود مجھ پر اسی قسم کا ایک واقعہ گزرا، ایک دفعہ میں جاہلیت کے بتوں کے پاس سویا تھا کہ ایک آدمی بچھڑا لے کر آیا، اور اس کی قربانی کی، ناگاہ اس کے اندر سے بڑے زور سے چیخنے والے کی آواز آئی، جس سے زیادہ چیخ کی آواز میں نے کبھی نہیں سنی، آواز یہ تھی:

یا جلیح ، امر نجیح رجل فصیح ، یقول لا الہ الا اللّٰہ۔

''اے جلیح! کامیاب بات ایک فصیح آدمی کہتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر سب لوگ کود کود کر بھاگ نکلے، لیکن میں اپنی جگہ سے نہ ٹلا، اور دل میں کہا کہ اصل حقیقت دریافت کر کے ٹلوں گا، ناگاہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ وہی آواز آئی، اس

[1] دلائل النبوۃ، ج ۱، ص: ۶۰۔ [2] طبقات ابن سعد، جزء اوّل، ص: ۹۳۔

[3] اسحاق بن راھویہ، بزار، بیھقی، ابو نعیم، ابن عساکر، قال ابن حجر اسنادہ حسن متصل ورجالہ ثقات؛ خصائص کبریٰ سیوطی، ج ۱، ص: ۸۸، حیدر آباد؛ مستدرك حاکم، ج ٤، ص: ۲٤٥ علی شرط مسلم۔

واقعہ کو کچھ ہی دن گزرے تھے کہ مکہ میں یہ شہرہ ہوا کہ آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ [1]

پتھروں سے سلام کی آواز

آنحضرت ﷺ نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے: ''میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں، جو مجھ کو بعثت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔'' [2] یہ صحیح مسلم، مسند احمد اور مسند دارمی کی روایت ہے دوسری روایتوں میں ہے کہ ''میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں، جو میری بعثت کے زمانہ میں مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔'' [3]

خواب میں فرشتوں کی آمد

نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حالت خواب میں فرشتے نظر آیا کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے آغاز وحی سے پہلے رؤیا میں تین فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے احاطہ میں آرام فرما رہے تھے، ایک فرشتے نے پوچھا: ''ان میں وہ کون ہے؟'' بیچ والے نے جواب دیا: ''ان میں جو سب سے بہتر ہے۔'' پچھلے نے کہا: ''تو ان میں سے بہتر کو لے لو۔'' اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر: ۳۸۶۶۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ: ۵۹۳۹؛ مسند احمد، ج۵، ص: ۸۹ وسنن دارمی، باب ما اکرم اللّٰہ بہ نبیہ من ایمان الشجر: ۲۰۔

[3] جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی ﷺ: ۳۶۲۴۔

[4] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی ﷺ تنام عینہ ولا ینام قلبہ: ۳۵۷۰۔

اشیاء میں اثر

اشیا میں اثر سے مقصود یہ ہے کہ بحکم الٰہی کبھی کبھی آپ ﷺ کے فیض و برکت کی قوت اثر سے جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہوگیا، جس کی بنا پر اشیاء سے ان کی فطرت کے مافوق، یا ان کے معمول کے برخلاف افعال، حرکات اور اثرات رونما ہوئے، اس قسم کے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں زیادہ نمایاں ہیں، مثلاً: پانی کا خون ہوجانا، عصا کا سانپ بن جانا، ہتھیلی کا چمکنے لگنا، عصا کی ضرب سے دریا کا خشک ہوجانا، چٹان سے پانی بہنے لگنا، اوس کے اٹھانے سے دشمن کا شکست کھانا، آنحضرت ﷺ کو بھی یہ نشانیاں ملی تھیں جن میں سب سے مستند معجزہ شق القمر ہے جس کی تفصیل دلائل قرآنی کے ضمن میں پہلے گزر چکی، اس کے بعد ستون حنانہ، یعنی مسجد نبوی ﷺ کے ستون خرما سے گریہ وبکا کی آواز پیدا ہونے کا واقعہ ہے۔

ستون کا رونا

مسجد نبوی میں پہلے منبر نہ تھا، مسجد میں خرمے کے تنے کا ایک ستون تھا، آپ ﷺ اس سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، منبر تیار ہوا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو دفعۃً اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی، بعض روایتوں میں ہے، کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی، یہ حاضرین کے اختلاف مذاق کی بنا پر رونے کی مختلف تشبیہیں ہیں، راویوں کا مشترک مقصود یہ ہے کہ دردِ فراق سے اس سے جزع وفزع کی آواز سنائی دینے لگی، یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین کے لئے ہاتھ پھیرا اور اس کو سینہ سے لگایا، تو آواز بند ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کا رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنا کرتا تھا۔“ [1] یہ واقعہ حدیث وسیر کی کتابوں میں گیارہ مختلف صحابیوں سے منقول ہے۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ: ۳۵۸۴، ۳۵۸۵ ومسند احمد، ج۳، ص:۲۹۳ وترمذی ابواب المناقب: ۳۶۲۷ وابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، باب ماجاء بدء شان المنبر: ۱۴۱۴، ۱۴۱۵ ودارمی، ما اکرم اللہ النبی ﷺ بحنین المنبر: ۳۱ تا ۴۰ ونسائی، کتاب الجمعۃ، باب مقام الامام فی الخطبۃ: ۱۳۹۷۔

[2] (۱) جابر بن عبداللہ (بخاری: ۹۱۸؛ نسائی، امام احمد، بزار، ابو نعیم) (۲) سھیل بن سعد (ابن ابی شیبہ، ابن سعد علی شرط الصحیحین) (۳) عبداللہ بن عمر (بخاری، امام احمد: ۲/ ۱۰۹ ترمذی: ۵۰۵) (۴) انس بن مالک (ترمذی: ۳۶۲۷ امام احمد، ابو یعلیٰ، ابن ماجہ، بزار، ابونعیم) (۵) ابی بن کعب (امام احمد: ۵/ ۱۳۷ امام شافعی؛ ابن ماجہ: ۱۴۱۴؛ دارمی: ۳۶؛ ابو یعلیٰ (ابن سعد) (۶) عبداللہ بن عباس (امام احمد، ابن ماجہ، ابن سعد، بیھقی، دارمی: ۳۹) (۷) ابو سعید خدری (ابن ابی شیبہ، ابو یعلی: ۱۰۶۲؛ دارمی: ۳۷؛ عبد بن حمید: ۸۷۳؛ ابو نعیم علی شرط مسلم) (۸) بریدۃ (دارمی: ۳۲) (۹) مطلب بن دوانۃ (زبیر بن بکار فی اخبار المدینۃ) (۱۰) ام سلمۃ (مجمع الزوائد، ۲/ ۳۳۶ بیھقی) (۱۱) عائشۃ (طبرانی اوسط: ۲۲۵۰)۔

منبر کا ہلنے لگنا

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے جلال وکبریائی الٰہی کا بیان تھا، آپ ﷺ خود بہت متاثر تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ داہنے بائیں ہل رہے تھے، اور نیچے سے منبر اس زور سے ہل رہا ہے کہ مجھے ڈر ہوا کہ آپ کو لے کر گر نہ پڑے۔ ❶

چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا

غزوۂ خندق میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمنوں سے بچنے کے لئے خندق کھود رہے تھے، اتفاق سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل آئی، لوگوں نے ہر چند اس کو توڑنا چاہا، مگر وہ نہ ٹوٹی، کدالیاں اس پر پڑ پڑ کر اچٹ جاتی تھیں، آخر لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر صورت حال عرض کی، آپ ﷺ اٹھ کر خود تشریف لائے اور کدالی ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریگ ہو کر چور چور ہو گئی۔ ❷

درختوں اور پہاڑوں سے سلام کی آواز

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک دفعہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا ہے، اُس سے السلام یا رسول اللہ! کی آواز آتی ہے اور میں اُن کو سن رہا تھا۔ ❸

پہاڑ کا ہلنا

صحیح بخاری میں ہے ایک دن آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ❹ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے، ❺ ایک پہاڑ پر چڑھے، پہاڑ جنبش کرنے لگا، آپ ﷺ نے پہاڑ کو پائے مبارک سے ٹھوکر مار کر فرمایا "ٹھہر جا، کہ تیری پشت پر اس وقت پیغمبر ہے، یا صدیق ہے، یا شہید ہے۔" ❻

صحیح بخاری میں راوی کو شک ہے، یہ پہاڑ کوہ احد تھا، یا کوہِ حرا، مگر صحیح مسلم اور مسند احمد میں صرف کوہ حرا کا اور مسند ابو یعلیٰ اور بیہقی میں صرف کوہ اُحد کا نام ہے، بہر حال اگر یہ کوہ اُحد تھا تو مدینہ کا واقعہ ہے اور اگر کوہِ حرا

---

❶ صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب صفة القيامة: ٧٠٥٢؛ ابن ماجه، باب ذكر البعث: ٤٢٧٥۔

❷ صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الخندق: ٤١٠١ ونسائي، كتاب الجهاد، باب غزوة الترك والحبشة: ٣١٧٨۔ ❸ جامع ترمذي، كتاب المناقب: ٣٦٢٦۔

❹ صحيح بخاري، كتاب فضائل الصحابة: ٣٦٧٥۔ ❺ صحيح مسلم من فضائل طلحة والزبير: ٦٢٤٧، مسلم کی حدیث رقم: ۶۲۴۸ میں سعد بن ابی وقاص کا نام بھی ہے۔

❻ صحیحین کے علاوہ یہ واقعہ مسند ابن حنبل بروایت بریدہ اور ترمذی، نسائی اور دارقطنی بروایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابو یعلیٰ، اور بیہقی میں بروایت سہل بن سعد مذکور ہے۔

تھا تو مکہ کا ہے۔

آپ ﷺ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا

فتح سے پہلے خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا، جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کعبہ میں تشریف لے گئے، دست مبارک میں ایک چھڑی تھی اور زبان اقدس پر یہ آیت کریمہ جاری تھی:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ (۱۷/ بنی اسرآئیل: ۸۱)

''حق آیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی کے لئے آیا تھا۔''

آپ ﷺ چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ بے چھوئے دھم سے گر پڑتا تھا۔ [1]

یہ واقعہ کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے اور آپ ﷺ دست مبارک میں چھڑی لے کر ان بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے، آیت مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے، بخاری [2] و مسلم [3] باب فتح مکہ میں موجود ہے، مگر اس اشارے سے بے چھوئے بتوں کا خود بخود گرتے جانا، صحیحین میں مذکور نہیں، البتہ فاکہی میں بروایت عمر اور طبرانی، ابن اسحاق اور ابو نعیم میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما موجود ہے، فاکہی کی روایت کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے، صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح میں جو روایت ہے، اس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے اکھڑوا کر پھینکوا دیا، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس لما قدم رسول الله ﷺ ابى ان يدخل البيت فيه الآلهة فامر بها فاخرجت۔ [4]

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ (مکہ) آئے تو اس حالت میں کہ خانہ کعبہ کے اندر بت تھے، آپ نے اس کے اندر جانے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے باہر نکال دینے کا حکم دیا تو وہ باہر نکال دیئے گئے۔''

اگر فاکہی، طبرانی، ابن اسحاق اور ابو نعیم کی روایت بالا صحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں یہ تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے، وہ حول البیت یعنی خانہ کعبہ کے باہر چاروں طرف تھے، آپ ﷺ ان کی طرف اشارہ کر کے آیت مذکور کو پڑھتے اور وہ گر جاتے تھے اور خانہ کعبہ کے اندر جو بت تھے اپنے جانے سے پہلے آپ نے ان کو نکلوا کر پھینکوا دینے کا حکم دیا تھا، اسی طرح بخاری و مسلم کی فتح مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھڑی سے کونچے دینے کا ذکر ہے، وہ وہ ہیں جو باہر تھے یعنی حول البیت اور جن کے نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر تھے۔

---

[1] ابو نعیم، ذکر ما کان فی فتح مكة، ص: ۴۵۲، ۴۵۳۔

[2] بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی ﷺ: ۴۲۸۷۔

[3] مسلم، کتاب الجهاد، باب فتح مكة: ۴۶۲۵۔ [4] بخاری، ایضا: ۴۲۸۸۔

کھانوں سے تسبیح کی آواز

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تم لوگ معجزوں کو خوف کی چیز سمجھتے ہو اور ہم لوگ ان کو برکت سمجھتے تھے، ہم کھانوں سے جب وہ کھائے جاتے تھے تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ ❶

زمین کا ایک مرتد کو قبول نہ کرنا

ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اور سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھی، آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق کتابت وحی کی خدمت کی، چند دنوں کے بعد وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا اور عیسائی ہو گیا اور مشہور کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی دکھائی یعنی اس کو موت دے دی، اس کے دوستوں نے اُسے کو دفن کیا، تو صبح کے وقت لاش قبر سے باہر تھی، اس کے دوستوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ یہ محمد ﷺ اور اصحاب محمد کا کام ہے، چونکہ وہ ان سے علیحدہ ہو گیا، اس لئے قبر کھود کر اس کو باہر پھینک دیا، اس خیال سے ان لوگوں نے اب کے خوب گہری قبر کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کے وقت پھر مردہ قبر سے باہر تھا، اب ان کا یہ خیال پختہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ یہ مسلمانوں ہی کی حرکت ہے، پھر جس قدر وہ گہری قبر کھو سکتے تھے کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کو دیکھا تو پھر وہی منظر سامنے تھے اور اب ان کو یقین ہوا کہ یہ آدمی کا کام نہیں، چنانچہ اس کو اسی طرح زمین پر چھوڑ دیا۔ ❷

درختوں کا چلنا

ایک بار آپ ﷺ سفر میں قضائے حاجت کے لئے نکلے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ پانی لئے ہوئے ساتھ تھے، آپ نے میدان میں ادھر ادھر دیکھا، تو کوئی چیز آڑ کرنے کے لئے نہ ملی، میدان کے کنارے صرف دو درخت تھے، آپ ایک درخت کے پاس گئے اور اس کی ڈالی کو پکڑ کر کہا کہ ''خدا کے حکم سے میری اطاعت کر'' وہ فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ کے ساتھ ہو لیا، پھر دوسرے درخت کے نزدیک تشریف لے گئے اور وہ بھی اسی طرح آپ کے ساتھ چل پڑا، پھر آپ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا کہ ''خدا کے حکم سے جڑ جاؤ'' دونوں باہم مل گئے جب ان کی آڑ میں فراغت کر چکے تو پھر دونوں درخت الگ الگ اپنی جگہ پر آ گئے۔ ❸

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر اس کو بیان کیا ہے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں ❹ اور حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سفر میں ❺

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام: ٣٥٧٩۔

❷ ایضًا: ٣٦١٧۔ ❸ مسلم، کتاب الزهد حدیث جابر الطویل: ٧٥١٨ ودارمی، باب ما اکرم اللہ به نبیه من ایمان الشجر به والبهائم والجن: ١٧۔ ❹ مسند ابی یعلی وبیهقی وابو نعیم، الفصل الثالث والعشرون، ذکر ما روی فی تسلیم الاشجار واطاعتهن...... ص: ٣٣٣ حافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں اس روایت کی تحسین کی ہے۔

❺ امام احمد بروایت یعلیٰ بن مرہ و ابن شیبه برجال ثقات و حاکم بروایت صحیح، کتاب التاریخ، باب اجتماع الشجرتین بامر رسول اللہ ﷺ، ج ٢، ص: ٦١٧، ٦١٨۔

اپنا مشاہد بیان کیا ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ ایک روز اہل مکہ کی ایذا رسانی سے نہایت غمگین بیٹھے ہوئے تھے، اسی حالت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے دریافت کیا، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یا خود آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی (روایتیں مختلف ہیں) کہ ''مجھے ایک ایسی نشانی دکھا جو اس غم کو مجھ سے دور کر دے۔'' حکم ہوا کہ میدان کے کنارے جو ایک درخت ہے، آپ اس کو بلائیے، آپ نے بلایا تو وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا، پھر اس سے واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا، آپ نے فرمایا: ''اب مجھے کوئی غم نہیں۔'' [1]

خوشۂ خرما کا چلنا

آپ ﷺ کی خدمت میں ایک بدو آیا اور کہا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ پیغمبر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس خوشۂ خرما کو بلا لوں تو تم میری نبوت کی شہادت دو گے؟'' اس نے کہا ہاں۔ آپ نے خوشہ خرما کو بلایا اور وہ درخت سے اتر کر آپ کے پاس آیا اور پھر آپ کے حکم سے واپس گیا، بدو فوراً اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لایا۔ [2]

درخت کا چلنا اور اس سے آواز آنا

آپ ﷺ ایک سفر میں تھے کہ بدو آتا ہوا نظر آیا، جب وہ آپ کے قریب آ گیا تو آپ نے پوچھا: ''کہاں جاتے ہو؟'' اس نے جواب دیا، مکان کا ارادہ ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں نیکی کی حاجت ہے؟'' اس نے کہا، وہ نیکی کیا ہے؟ آپ نے کلمہ توحید کی تلقین کی، اس نے کہا، اس کی شہادت کون دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سامنے کا یہ درخت۔'' چنانچہ یہ کہہ کر آپ نے وادی کے کنارے سے اس درخت کو بلایا، وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے اس سے تین بار کلمہ توحید پڑھایا اور اس نے پڑھا، پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا اور بدو یہ کہہ کر اپنے مکان کو روانہ ہوا کہ اگر میرے اہل و عیال نے بھی اسلام قبول کر لیا، تو ان سب کو لے آؤں گا، ورنہ تنہا آپ کے ساتھ قیام کروں گا۔ [3]

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نوخیز چھوکرا تھا، عقبہ بن معیط ایک قریشی

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء: ٤٠٢٨ ومسند احمد، ٣/ ١١٣؛ ابو يعلى، ٦/ ٣٥٨۔

[2] ترمذی، ابواب المناقب: ٣٦٢٨ نے اس کو صحیح کہا ہے اور امام بخاری نے تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے، اور ابویعلیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی روایت کی ہے۔

[3] مسند دارمی، باب ما اكرم الله به نبيه...... : ١٦، بسند صحيح وبزار: ٢٤١١ وابونعيم ص: ٣٣٢ باختلاف يسير وابن سعد، ج ١، ص: ١٢١۔

کا فر ئیس کی بکریاں مکہ میں چرایا کرتا تھا، آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ [1]
آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''لڑکے تمہارے پاس دودھ ہے!، ہم کو پلاؤ گے؟'' میں نے کہا، میں امین ہوں میں تم کو نہیں پلاسکتا، آپ ﷺ نے پوچھا: ''اچھا کوئی بکری کا بچہ ہے؟'' میں نے کہا، ہاں۔ فرمایا: ''لے آؤ۔'' میں لے آیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بچہ پکڑا اور آنحضرت ﷺ نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی، ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک گہرا پتھر لے آئے اس میں دودھ دوہا گیا، پہلے آپ ﷺ نے خود پیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیا، اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر مجھے پلایا، دودھ پی کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے تھن! سمٹ جا۔'' وہ سمٹ کر خشک ہوگیا، اس کے بعد میں آپ کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھے کچھ سکھائیے، فرمایا: ''تم سیکھنے والے لڑکے ہو۔'' تو میں نے خود

---

[1] یہ روایت مسند احمد، ابوداؤد طیالسی، ابن سعد اور دلائل ابی نعیم میں ہے، طیالسی اور ابونعیم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر جب مشرکین سے بھاگے تھے، تب یہ واقعہ پیش آیا یعنی ہجرت کے ایام میں طیالسی کی اس روایت کا سلسلہ سند ہر طرح سے محفوظ ہے، ابوداؤد، حماد بن سلمہ سے اور وہ عاصم ابن بہدلہ سے اور عاصم زر بن حبیش سے اور وہ خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کرتے ہیں، یہ تمام اصحاب ثقہ اور معتبر ہیں، بایں ہمہ اس واقعہ کو زمانہ ہجرت میں قرار دینے سے متعدد خرابیاں نظر آتی ہیں، جن سے ثابت ہوا ہے کہ اس روایت میں کسی صاحب سے بھول ہوئی ہے، اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہجرت کے وقت نوخیز لڑکے تھے اور ابھی تک قرآن مجید سے ناواقف تھے بلکہ مسلمان بھی نہ تھے، حالانکہ وہ ہجرت سے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے، وہ چھٹے مسلمان تھے اور ہجرت کے وقت وہ حبش میں تھے، اور وہاں سے اس وقت لوٹے جب آنحضرت ﷺ مدینہ جا چکے تھے، جیسا کہ نماز میں سلام کرنے والی روایت سے جو حدیث کی تمام کتابوں میں ہے ثابت ہوتا ہے، اس لئے وہ اس وقت مکہ میں سرے سے موجود ہی نہ تھے، اس روایت کے ان الفاظ کے متعلق میں اپنے شکوک لکھ چکا تھا کہ رجال اور سیر کی مختلف کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حال الٹ پلٹ کر پڑھا، سب نے ان کے حال میں اس روایت کو نقل کیا ہے، مگر ان شبہات پر کسی کی نظر نہیں پڑی، اسی اثنا میں فتح الباری جلد ہجرت اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعینہٖ یہی اعتراضات حافظ ابن حجر کے ذہن میں بھی گزرے ہیں، لیکن انہوں نے حسب دستور مختلف روایات کی تطبیق کے متعلق جو ان کا عام اصول ہے، اس سے کام لے کر آگے بڑھ گئے ہیں یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ ہجرت کے علاوہ کسی اور زمانہ کا واقعہ ہو مگر مشکل یہ ہے کہ ہجرت کے علاوہ کوئی اور زمانہ ایسا نہیں۔ جس میں آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشرکین سے بھاگے ہوں، لیکن الحمدللہ کہ اثنائے تحقیق میں مجھے مسند احمد بن حنبل (جلد ا ص ۳۷۹) میں یہی روایت اسی قسم کی سند سے مل گئی ہے، جس میں ان قابل اعتراض الفاظ کے بجائے مطلق یہ الفاظ ہیں کہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا اس میں فرار اور ہجرت کا مطلق ذکر نہیں ہے، اس سے ثابت ہوا ہے کہ ہجرت سے بہت پہلے کا کوئی واقعہ ہے، پہلے الفاظ کے راوی عاصم سے ان کے شاگرد حماد بن سلمہ ہیں، اور دوسرے الفاظ کے راوی ان ہی کے شاگرد ابوبکر عیاش ہیں گو حافظہ کی خرابی اور اغلاط کی کثرت میں یہ دونوں برابر ہیں، تاہم ناقدانہ وجوہ ابوبکر بن عیاش کی تائید میں ہیں پہلی روایت میں ''فر'' (بھاگے) کا لفظ ہے اور دوسری میں ''مر'' یعنی گزرے کا لفظ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ راویوں میں فر اور مر کے الفاظ میں باہم تشابہ ہوگیا ہے، اور بعد کو پھر فر کی مناسبت سے عن المشرکین بڑھ گیا ہے، ابن سعد نے بسند حسن (جلد اول، ص: ۱۲۲) اس واقعہ کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے جس سے تمام مسئلہ صاف ہوجاتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں جانتا، میں گھر کی بکریاں چرا رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ تمہاری کسی بکری میں دودھ ہے، میں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے ایک بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا، فوراً دودھ اتر آیا، تو میں اپنے سے پہلے کسی مسلمان کا ہونا نہیں مانتا۔

آنحضرت ﷺ کے منہ سے ستر سورتیں سیکھیں، جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کر سکتا، ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام لانے میں اسی معجزہ کا دخل ہے۔ [1]

سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا

ابوطلحہ صحابی رضی اللہ عنہ کا گھوڑا نہایت سست رفتار اور مٹھا تھا، ایک دفعہ مدینہ میں شور وغل ہوا، آپ ﷺ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا، وہ آپ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز ہو گیا کہ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ ''یہ تو دریا ہے۔'' اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ [2]

اندھیرے میں روشنی ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رات کو دیر تک حاضر رہے، جب واپس ہوئے تو رات بہت اندھیری تھی، مگر خدا کی قدرت کہ ان کے سامنے دو چراغوں کی طرح آگے آگے کوئی چیز روشن ہوگئی، جب دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے تو ایک چراغ ایک کے ساتھ اور دوسرا دوسرے کے ساتھ ہو گیا، یہاں تک کہ دونوں گھر چلے گئے، [3] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ اس میں ان دونوں صحابیوں کے ناموں کی تصریح نہیں، لیکن حاکم، [4] ابن سعد، بیہقی اور ابونعیم [5] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے نام عباد بن بشر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بتائے ہیں اور ان میں یہ اضافہ ہے کہ یہ روشنی ان کی لکڑیوں کے سروں میں پیدا ہوگئی تھی، ابونعیم کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، عباد بن بشیر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کے بجائے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نام ہیں، روایت کی صحت کی صورت میں ممکن ہے کہ دوسرا واقعہ ہو، نیز حاکم بیہقی اور ابونعیم [6] میں اسی قسم کا واقعہ ابوعبس ابن جبر رضی اللہ عنہ صحابی جو ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے، ان کو بھی ایک دفعہ پیش آنا بیان کیا گیا ہے، تاریخ بخاری اور بیہقی میں ایک سفر میں اندھیری رات کو حضرت حمزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ کی انگلیوں کا روشن ہو جانا بھی مشہور ہے۔

جانور کا سجدہ کرنا

حدیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دفعہ ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہو گیا تھا، یا بگڑ گیا تھا، لوگوں نے جا کر آپ ﷺ کو خبر کی، آپ نے اس کے پاس جانا چاہا، تو سب نے روکا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ آدمی کو کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

---

[1] ابن سعد، ج۱، ص: ۱۲۲۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الركوب على الدابة الصعبة: ۲۸٦۲۔
[3] صحیح بخاری، کتاب المناقب: ۳٦۳۹، باب منقبة اسید بن حضیر، و عباد بن بشر: ۳۸۰۵۔
[4] مستدرك حاكم، کتاب معرفة الصحابة، ج۳، ص: ۲۸۸۔ [5] دلائل النبوة لابی نعیم، ص: ٤۹۳ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری، باب منقبة اسید بن حضیر وعباد بن بشر، ج ۷، ص: ۹٤، ۹۵۔
[6] دلائل النبوة لابی نعیم، ص: ٤۹۳۔

’’مجھے اس کا خوف نہیں۔‘‘ یہ کہہ آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ کے سامنے آ کر اپنی گردن ڈال دی، آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا، اور اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا پھر فرمایا: ’’ہر مخلوق جانتی ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں، لیکن گناہ گار انسان اور نافرمان جن۔‘‘ [1] صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ منظر دیکھ کر کہا، یارسول اللہ ﷺ! جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو انسان کو سب سے پہلے کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر کسی انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔‘‘ [2]

جانور کا آپ ﷺ کے مرتبہ کو پہچاننا

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں گئے ایک اونٹ کھڑا چلا رہا تھا، آپ کو دیکھ کر وہ بلبلانے لگا، اور اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، آپ نے قریب جا کر اس کے سر اور کنپٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا، آپ نے دریافت فرمایا: ’’یہ کس کا اونٹ ہے؟‘‘ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، وہ بلوائے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تم ان جانوروں پر جن کو خدا نے تمہارا محکوم بنایا ہے، رحم کیا کرو، اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو، اور اس کو تکلیف دیتے ہو۔‘‘ [3]

حافظہ بڑھ جانا

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں حالانکہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں صرف تین چار برس رہے تھے، لوگوں کو آج بھی اس پر تعجب ہے، وہ خود ان کے زمانہ میں بھی تھا لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو بیوپار میں لگے رہتے تھے، اور انصاری بھائی اپنے کھیتوں میں، اور میرا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے سوا اور کوئی کام نہ تھا، ایک دن خدمت میں حاضر تھا کہ زبان مبارک سے نکلا کہ ’’جو دامن پھیلا کر اس وقت میری باتیں سینہ میں سمیٹ لے گا وہ پھر کبھی نہ بھولے گا۔‘‘ میں نے دامن پھیلایا جب کلام مبارک ختم ہوا، سینہ میں سمیٹ لیا، اس وقت سے میں کوئی بات نہ بھولا۔ [4] صحیح بخاری میں یہی واقعہ ایک اور طرح سے بھی مذکور ہے، چنانچہ وہ آگے آئے گا۔

---

[1] دارمی: ۱۸۔ [2] امام احمد بن حنبل نے مسند میں متعدد صحابیوں کی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ کتاب مذکور میں حضرت جابر، حضرت ابن عباس، حضرت انس رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسند ج ۶، ص: ۷۶ دیکھو نیز سنن نسائی و ابن ابی شیبہ طبرانی اور بیہقی اہل دلائل نے اس ایک واقعہ کو ذرا ذرا سے لفظی اختلاف کے باعث متعدد واقعات بنا دیا ہے (البداية والنهاية، ج ٦، ص: ١٣٩)

[3] ابوداود، کتاب الجهاد: ٢٥٤٩ ومسند احمد بسند عبدالله بن جعفر ومسلم بسند مهدی بن میمون البداية ج ٦ ص ١٢٧ ابونعیم وغیرہ میں اسی واقعہ میں نامستند باتیں شامل ہیں۔

[4] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم: ١١٩ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابی هريرة: ٦٣٩٧۔

شفائے امراض

﴿ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴾ (۲۶/ الشعرآء:۸۰)

پیغمبر دنیا میں درحقیقت بیمار دلوں کے روحانی طبیب بن کر آتے ہیں، مگر کبھی کبھی ارواح وقلوب کے معالجہ میں ان کو جسمانی امراض اور عوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے، تمام انبیا علیہم السلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اس وصف میں سب سے ممتاز ہے، آنحضرت ﷺ کو بھی اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کا اچھا ہونا

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہم تین چشم دید گواہوں سے روایت ہے کہ غزوۂ خیبر میں جب آپ ﷺ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے، اور یہ آشوب جیسا مسند ابن حنبل میں ہے، ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے، آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا، وہ اسی وقت اچھی ہو گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔ [1]

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہو جانا

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ قلعہ میں داخل ہو کر جب ابورافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینہ سے گر پڑے، جس سے ان کی ایک ٹانگ میں سخت چوٹ آئی، پہلے پہل تو یہ چوٹ معلوم نہیں ہوئی لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ ان کے ہمراہی اٹھا کر ان کو لائے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا، آپ نے اس ٹانگ پر دست مبارک سے مسح کر دیا، اور وہ فوراً بالکل اچھی ہو گئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوٹ لگی ہی نہ تھی۔ [2]

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا

غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، آپ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا، پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہ ہوئی، صرف نشان رہ گیا تھا۔ [3]

غزوۂ حنین میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں زخم لگا، جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت ﷺ کو معلوم

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر: ۴۲۱۰ ومناقب علی: ۳۷۰۱ کتاب الجہاد: ۲۹۴۲ وصحیح مسلم، باب من فضائل علی: ۶۲۲۳ ومسند ابن حنبل، ج ۴، ص: ۵۲ سہیل بن سعد اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری ومسلم دونوں میں ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت صرف مسلم میں ہے۔

[2] بخاری، باب قتل ابی رافع: ۴۰۳۹ میں واقعہ دو طرح بیان ہوا ہے، یہاں ان دونوں میں تطبیق کر دی گئی ہے۔

[3] صحیح بخاری، باب غزوۃ خیبر: ۴۲۰۶؛ مسند احمد، ۴/ ۴۸۔

ہوا آپ ﷺ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے، دیکھا کہ کجاوہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی، اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا، زخم اچھا ہو گیا۔ [1]

اندھے کا اچھا ہونا

آپ ﷺ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو دعا کر دوں؟ اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے۔'' عرض کی دعا کیجئے فرمایا: ''اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے۔'' ترمذی [2] اور حاکم کی ایک روایت [3] میں اسی قدر ہے مگر ابن حنبل [4] اور حاکم [5] کی دوسری روایت میں اس کے بعد ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا، حاکم کی ایک اور روایت میں جو علی شرط البخاری ہے، یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں، مجھے سخت تکلیف ہے، فرمایا: ''وضو خانہ میں جا کر وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یہ دعا مانگو۔'' عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا بینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں۔ [6]

حبیب بن فدیک رضی اللہ عنہ ایک اور نابینا صحابی کے اچھے ہونے کا واقعہ ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم میں مذکور ہے، [7] مگر چونکہ اس کے سلسلۂ سند میں مجہول الاسم اشخاص ہیں، اس لئے اس کو قلم انداز کر دیا ہے۔

بلا دور ہونا

آپ ﷺ ایک سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک عورت بچہ کو لئے ہوئے سامنے آئی، اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے، آپ نے بچہ کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا، اور تین بار کہا کہ ''اے خدا کے دشمن نکل، میں خدا کا رسول ہوں۔'' پھر لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر دیا، سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دنبے لے کر حاضر ہوئی، اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا ہدیہ قبول فرمائیے، خدا کی قسم! پھر بچے کے پاس وہ بلا نہ آئی، آپ ﷺ نے ایک دنبہ قبول فرما لیا، اور دوسرے کو واپس کر دیا۔ [8]

---

[1] مسند احمد، ج ٤، ص: ٨٨ وعبدالرزاق وعبد بن حمید وابن عساکر۔ [2] ترمذی، کتاب الدعوات: ٣٥٧٨۔
[3] مستدرك، ج ١، ص: ٥١٩۔ [4] مسند، ج ٤، ص: ١٣٨۔ [5] مستدرك، ج ١، ص: ٥٢٦۔
[6] مستدرك، ج ١، ص: ٥٢٦۔ [7] دلائل ابی نعیم، ص: ١٦٠ واصابه ترجمة حبیب بن فدیك، ج ١، ص: ٣٠٨۔ [8] مسند ابن حنبل، جلد ۴، صفحہ: ۱۷۰، ۱۷۱ میں دو حسن روایتوں سے حضرت یعلیٰ بن مرہ سے یہ واقعہ مذکور ہے، علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اور حاکم میں بھی یہ منقول ہے، دارمی صفحہ ۷ میں یہ واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جس سلسلہ سند سے مذکور ہے وہ مستند نہیں، نیز دارمی اور ابو نعیم میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ (یعنی ایک جن کا ایک بچہ پر مسلط ہونا اور آپ ﷺ کے اثر سے ایک کتے کے پلہ کی شکل میں نکل کر بھاگنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بھی صحیح نہیں)

گونگے کا بولنا

حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ بولتا نہیں، آپ نے پانی منگایا، ہاتھ دھویا اور کلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا اور بولنے لگا۔ ❶

مرض نسیان کا دور ہونا

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آ کر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا اور فائدہ ہوا اور جا کر آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کرتا تھا اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں، پہلے بات بھول جاتا تھا اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے۔ ❷

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں سے آ کر بیان کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ نماز میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں، آپ نے پاس بلا کر ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور منہ میں دم کیا، پھر یہ حالت بالکل زائل ہو گئی۔ ❸

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''دامن پھیلاؤ۔'' انہوں نے پھیلایا، آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا، پھر فرمایا: ''اب اس کو سمیٹ لو۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، تب سے پھر میں کوئی بات نہ بھولا۔ ❹

بیمار کا تندرست ہونا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے، آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے، تو فرمایا: ''یہ دعا سات دفعہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کر دی اور اب میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں۔ ❺

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے، آپ ﷺ کا گزر ہوا تو ان کو اس پر تنبیہ کی اور دعا فرمائی، پھر ان کو اس مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ ❻

---

❶ سنن ابن ماجه، ابواب الطب، باب النشرة:٣٥٣٢ وابو نعيم، ص: ١٦٧ ابن ابی شيبه۔

❷ جامع ترمذی، ابواب الدعوات: ٣٥٧٠ ومستدرك حاكم، ج١، ص: ٣١٦ ذہبی نے جودت سند کے باوجود اس روایت میں کلام کیا ہے۔ ❸ سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب الفزع والارق:٣٥٤٨۔ ❹ صحيح بخاری، كتاب المناقب: ٣٦٤٨۔ ❺ جامع ترمذی، كتاب الطب، باب كيف يدفع الوجع عن نفسه:٢٠٨٠۔

❻ جامع ترمذی، ابواب الدعوات:٣٥٦٤، بروایت حسن وصحيح حاكم فی المستدرك۔

ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہونا

محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ جب بچے تھے، تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے، اور کچھ جل گئے، ان کی ماں ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان پر ملا، اور دعا پڑھ کر دم کیا، طیالسی اور ابن حنبل میں اسی قدر ہے، مگر امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند بیان کیا ہے کہ محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ کی ماں کہتی تھیں کہ بچے کو لے کر میں وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچہ کا زخم چنگا ہو گیا۔ [1]

جنون دور ہونا

ایک شخص نے آ کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا بھائی بیمار ہے، دعا کیجئے، پوچھا: ''کیا بیماری ہے؟'' عرض کی، اس پر جنون کا اثر ہے، فرمایا: ''اس کو لے آؤ۔'' وہ آیا تو آپ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا، وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا۔ [2]

---

[1] مسند ابو داود طیالسی، ص: ۱٦٥؛ مسند احمد، ج ٤، ص: ۲٥۹، تاریخ بخاری کی روایت ابن عبدالبر نے بہ سند استیعاب (ترجمہ محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ میں) اور سیوطی نے خصائص کبری، ج ۲، ص: ٦۹ میں نقل کی ہے۔

[2] سنن ابن ماجہ، کتاب الطب باب الفزع والارق: ۳٥٤۹، اس روایت کے سلسلۂ سند میں ابوخباب ایک راوی ہیں جن پر تدلیس کا الزام ہے، مگر اس روایت میں تو تدلیس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا، واللہ اعلم۔

استجابتِ دُعا

منجملہ دیگر علامتوں کے اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا قبول ہونا بھی ایک بڑی علامت ہے، جس سے نیک اور مقبول بندوں کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے، انبیائے الٰہی سے بڑھ کر خدا کے نیک اور مقبول بندے اور کون ہو سکتے ہیں؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرف اجابت بخشتا ہے اور ان کی نداؤں کو جو دل کے اندر سے نکلتی ہیں، سمع قبول سے سنتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اس نے ان کو معاف کر دیا، حضرت نوح علیہ السلام نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے نبوت اور برکت کی دعا کی تو قبول ہوئی، حضرت یونس علیہ السلام نے سمندر کی تہ میں سے خدا کو پکارا تو اس نے سنا، حضرت زکریا علیہ السلام نے خانوادۂ نبوت کے لئے ایک وارث مانگا تو دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی بارگاہ الٰہی میں دعائیں مانگیں، حاجتمندیوں میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے، تنہائیوں میں اس کی رفاقت چاہی، بے کسیوں میں اس کی نصرت مانگی، فقر و فاقہ میں اس کے خزانۂ غیب سے مدد طلب کی، حق کی اشاعت میں اس کی اعانت کی درخواست کی، نیک بندوں کے حق میں اپنے آپ کو اس کے سامنے شفیع بنایا، شریروں کے دفع شر کے لئے اس کی غیبی امداد کا سہارا ڈھونڈا، اور ان میں سے ہر موقع پر آپ ﷺ کے لئے قبول و اجابت کا دروازہ کھول دیا گیا۔

مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب کبھی کسی کے حق میں دعا فرماتے تھے تو وہ نہ صرف اسی کے بلکہ اس کی اولاد در اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی تھی [1] صحیح مسلم میں ہے کہ جب کسی کے متعلق آپ ﷺ "یرحمه الله" یعنی "خدا اس پر رحمت کرے" فرماتے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ جاتے تھے کہ اس کو شہادت نصیب ہوگی۔ [2] چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا، یہاں تک کہ وہ بھی جو آپ ﷺ کی دعوت حق کے سخت منکر تھے اور اس امر کا دل سے یقین رکھتے تھے کہ محمد ﷺ کی دعاؤں میں حیرتناک تاثیر ہے، مکہ میں جب قحط پڑا تو ابوسفیان نے بھی بحالت کفر اسی آستانہ پر حاضر ہو کر دعائے رحمت کی درخواست کی [3] ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش کے حق میں جو آپ ﷺ کی نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، جب آپ نے بددعا کی تو وہ خوف سے کانپ اٹھے [4] یہ واقعات بہ تفصیل پہلے گزر چکے ہیں، اس لئے یہاں موضوع سخن کی تقریب سے اختصار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

---

[1] مسند احمد بروایت حضرت حذیفة، ج ٥، ص: ٣٨٥۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة خیبر: ٤٦٦٨، ٤٦٦٩۔ [3] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الدخان: ٤٨٢٤۔
[4] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب اذا القی علی ظهر المصلی...... : ٢٤٠ ومسلم باب ما لقی النبی ﷺ من اذی المشرکین: ٤٦٤٩۔

قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا

قریش نے جب اسلام کی سخت مخالفت کی تو خدا نے ان پر قحط کا عذاب بھیجا، اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے، بالآخر سوا اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ اسی رحمت عالم ﷺ کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں، قریش کے بعض رئیسوں نے خدمت نبوی ﷺ میں جا کر عرض کی کہ اے محمد ﷺ! تمہاری قوم برباد ہوگئی، اللہ سے دعا کرو کہ وہ اس مصیبت سے اس کو نجات دے، رحمت عالم ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دعا قبول ہوئی، خوب پانی برسا اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔ [1]

رؤسائے قریش کے حق میں بددعا

آپ ﷺ ایک دفعہ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بعض رؤسائے قریش نے عین حالت نماز میں آپ کی گردن مبارک پر نجاست ڈال دی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آ کر جب یہ نجاست ہٹائی اور آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو نام بنام دعا مانگی کہ ''خداوندا! ان کو تو پکڑ۔'' سب کے سب بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

ایک طرف قریش کے سربرآوردہ اصحاب اور داعی اسلام کی عداوت اور دشمنی کی کوششوں میں مصروف تھے اور دوسری طرف داعی اسلام ﷺ ان کی ہدایت وراہنمائی کے پرمحبت ولولوں سے معمور تھا، ابوجہل وعمر کہ دونوں آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت اور مستقل تھے، ان ہی کی ہدایت کا پرشوق ارمان آپ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ تھا، جب تبلیغ ودعوت کے دوسرے حربے ان پر کامیاب نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سب سے کارگر حربہ کو ان کے مقابلہ میں استعمال کیا، جس کے وار کی کوئی روک نہیں ہو سکتی تھی، آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ ''خداوندا! ابوجہل وعمر میں جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو، اس سے اسلام کو معزز کر۔'' [3] ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تھا، [4] اس دعا کو ابھی چند روز بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے،

---

[1] صحیح بخاری، تفسیر سورة دخان: ٤٨٢٤ وصلوة الاستسقاء: ١٠٠٧ [2] صحیح بخاری، کتاب المغازی: ٣٩٦٠۔ [3] جامع ترمذی، ابواب المناقب: ٣٦٨٣ حدیث حسن غریب ترمذی کے اسی باب میں اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ اس دعا کے دوسرے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے، مگر اس روایت میں ایک راوی قابل اعتراض ہے، ترمذی کے علاوہ یہ روایت ابن سعد میں تین مختلف سلسلوں سے بہ سند حسن مذکور ہے، (جلد۳، حصہ اول، صفحہ:۱۹۱) حافظ ابن حجر نے اصابہ (ترجمہ عمر) میں لکھا ہے کہ یہ روایت مسند ابویعلیٰ اور عبد بن حمید وغیرہ میں بھی ہے، خصائص سیوطی میں ہے کہ یہ روایت حاکم، طبرانی، ابن ماجہ، احمد اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔

[4] ابن ماجه، کتاب السنة، باب، فضل عمر: ١٠٥؛ مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة، مناقب امير المؤمنين عمر، ج ٣، ص:٨٣۔

کارسازِ قدرت نے اس دعا کے قبول وتاثیر کا سامان کیونکر پیدا کیا؟ روایتوں میں اس کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے، استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ جس طرح لکھا ہے وہ حرف حرف الفاروق کی نقل ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے لے کر جو سورہ پڑھی اور جس سے متاثر ہوکر وہ مسلمان ہوئے، وہ ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ یعنی سورۂ حدید تھی، اس میں شک نہیں کہ بزار، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم میں یہ روایت بھی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے، علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام مکہ کا واقعہ ہے، اور سورۂ حدید مدنی ہے، اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیونکر اس وقت پڑھ سکتے تھے، استاذ مرحوم نے الفاروق میں یہ واقعہ کتب رجال وتاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، لیکن حدیث وسیر کی صحیح روایتوں میں یہ واقعہ دو صورتوں سے مذکور ہوا ہے، ایک تو وہی مشہور صورت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار کمر سے لگا کر آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راہ میں ایک مسلمان سے ملاقات ہوگئی، اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارادہ کا حال سن کر کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں اپنی بہن کے گھر گئے اور مار پیٹ کی، بالآخر انہوں نے قرآن کی ایک سورہ بہن سے لے کر پڑھی، اور وہ سورۂ طٰہٰ تھی، اور جب اس آیت پر پہنچے:

﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ (۲۰/ طٰه: ۱٤)

”میں ہوں خدا، کوئی خدا نہیں لیکن میں، تو مجھ کو پوجو، اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو۔“

تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی یہ روایت بہ سند [1] ابن سعد، ابویعلیٰ، دارقطنی، حاکم [2] اور بیہقی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لیکن حد درجہ کمزور ہے، یہ دو طریقوں سے مروی ہے، اور ان دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں، اور محدثین

---

[1] طبع اول میں ہم نے اس واقعہ کو لکھا تھا، کہ وہ ”بہ سند صحیح“ مذکور ہے، مگر تحقیق سے یہ واقعہ اس مرتبہ صحیح کا نہیں ثابت ہوا۔ دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں کتاب الطهارة، باب في نهي المحدث عن مس القرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم (جلد۴، صفحہ:۵۹) کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان بصری کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے لکھا ہے، کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا پورا قصہ بیان کیا ہے، وهي منكرة جدًا۔ اور وہ نہایت ہی منکر ہے کنزل العمال (فضائل عمر بن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم الحسینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں لیکن بایں ہمہ کہ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے، تاہم اس میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں، ان میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے، مثلاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بہن اور بہنوئی کو ان کے مسلمان ہو جانے پر آزار دینا (بخاري، باب اسلام سعيد بن زيد: ۳۸٦۲) اور آنحضرت ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے لئے دعائے خیر کرنا (ترمذي: ۳٦۸۳) اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا گو وہ سب ضعیف ہی کیوں نہ ہوں کچھ نہ کچھ اصلیت کا پتہ دیتا ہے، اس لئے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے۔

[2] مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة، ج ٤، ص: ٥٩۔

نے اس کی تصریح کی ہے۔

دوسری روایت مسند ابن حنبل میں [1] خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کے چھیڑنے کو نکلا، آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے، اور نماز شروع کر دی اس وقت آپ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی، میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم اور اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا خدا کی قسم! یہ شاعر ہے، جیسا قریش کہا کرتے ہیں، ابھی یہ خیال تھا ہی کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍۚ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَۙ۝ ﴾

(٦٩/ الحاقة: ٤٠، ٤١)

''یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔''

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا کہ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی:

﴿ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ ﴾

(٦٩/ الحاقة: ٤٢، ٤٣)

''یہ کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے۔''

آپ ﷺ نے یہ سورہ آخر تک پڑھی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔

ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کو بہت کچھ گھٹا بڑھا کر بغیر کسی سند کے اپنی سیرت میں لکھا ہے، اس لئے، وہ اس باب میں سند کے قابل نہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر چھوڑ دی ہیں [2] اور یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ان دونوں واقعوں میں سے مرجح کون ہے؟ اور اگر دونوں قابل قبول ہیں تو ان کی ترتیب کیا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح ہیں تو ان کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو نماز میں سورۃ الحاقہ پڑھتے سنا اور اس سے ان کو اسلام کی طرف میلان ہوا، جیسا کہ ان کے اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع یعنی ''اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا'' تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل اور پختہ کار تھے، اس لئے اپنے اسلام کا انہوں نے اعلان نہیں کیا، بلکہ اس اثر کو وہ شاید روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی تو پھر دل پر قابو نہ رہا اور جوش حق کا چشمہ ان کی زبان و دل سے بے اختیار اُبل پڑا اور فوراً درِ اقدس پر حاضری کی

[1] مسند ابن حنبل، ج ١، ص: ١٧، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن ابتدائی راوی کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اس لئے اس میں انقطاع ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارہ میں سب سے محفوظ روایت یہی ہے۔

[2] الاصابة، تذكرة عمر، ج ٢، ص: ٥١٩؛ تذكرة فاطمة بنت خطاب، ج ٨، ص: ١٦١۔

درخواست پیش کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ شوق ظاہر کیا، حضرت خباب رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن اور بہنوئی کو سورۂ مذکور کی تعلیم دے رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر گھر میں چھپ گئے تھے، [1] بے تامل نکل کر سامنے آ گئے اور بشارت دی کہ ''اے عمر! نوید مژدہ کہ جمعرات کی رات کو تمہارے حق میں آنحضرت ﷺ نے جو دعا کی تھی شاید اس کے پورے ہونے کا دن آ گیا، حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ''خداوندا! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) سے اسلام کو عزت دے۔''

غور کرو کہ یہ دعائے نبوی ﷺ کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی، نہ صرف یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، بلکہ ان کی ذات سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی جس کا ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا کو اعتراف ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ مَا زِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ۔ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے، ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہوگئی۔'' [2] اسلام کی اس عزت کو اگر سوانح فاروقی کے کارناموں میں تلاش کرو، تو دعائے نبوی ﷺ کے قبول و اجابت کا پر حیرت سماں نگاہوں کے سامنے گزر جائے گا۔

سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں کا دھنس جانا

جب آپ ﷺ ہجرت کی غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے، تو کفار کے جاسوسوں میں سراقہ نے آپ ﷺ کا پیچھا کیا اور آپ سے اس قدر قریب آ گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا کے بول اٹھے کہ ''ہم آ لئے گئے'' آپ نے ان کی دل دہی کی اور دعا فرمائی جس کے اثر سے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ تم دونوں نے مجھے بددعا دی، اب دعا کرو تو میں تمام لوگوں کو تمہارے تعاقب سے واپس لے جاؤں۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور اس نے مصیبت سے نجات پائی، وہاں سے واپس آیا تو تمام تعاقب کرنے والوں کو واپس لے گیا۔ [3]

مدینہ کی آب و ہوا کے لئے دُعا

مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی، وبا کا بھی اثر تھا، اکثر مہاجرین یہاں آ کر بیمار پڑ گئے، اس حالت میں لوگوں کو بار بار اپنا وطن مکہ یاد آنے لگا، [4] یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ ''الٰہی! مدینہ کو بھی ہمارے لئے ویسا ہی محبوب کر دے، جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہے، بلکہ اس سے زیادہ محبوب بنا دے، الٰہی!

---

[1] خباب کا ذکر حاکم اور دارقطنی کی روایتوں میں بھی ہے۔ لیکن بشارت کا ذکر ابن سعد کی روایت میں ہے۔ (طبقات جز ثالث فی البدریین، ص:۱۹۲)۔ [2] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر:۳۸۶۳۔

[3] بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ: ۳۹۰۶۔ [4] صحیح بخاری، باب مقدم النبی ﷺ: ۳۹۲۶ وصحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ: ۳۳۳۶۔

ہمارے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کو ہمارے لئے صحت بخش بنا دے اور یہاں کا بخار جحفہ میں منتقل کر دے۔" (1) یہ دعا حرف بہ حرف قبول ہوئی، مہاجرین کو اس شہر سے جو محبت ہوگئی وہ ان کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے، وہی ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہما جو چند روز میں یہاں سے گھبرا اٹھے تھے اس کے ایسے والہ وشیدا ہوئے کہ پھر مکہ کا نام بھی نہیں لیا، اور آنحضرت ﷺ کو یہاں سے وبا کا دور ہونا خواب میں دکھایا گیا۔ (2)

قحط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا

ہجرت سے پہلے مکہ میں جب قحط پڑا تھا، تو مسلمانوں نے نہیں کافروں نے جا کر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ دعا کیجئے، آپ نے دعا فرمائی تو پانی برسا، (3) حضرت ابوطالب عم رسول نے شاید اسی منظر کو دیکھ کر آپ کی مدح میں یہ شعر کہا تھا:

وابيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للارامل (4)

"محمد ﷺ گورے رنگ والا ہے، اس کے چہرے کے وسیلہ سے ابر باراں کی سیرابی مانگی جاتی ہے، یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کا بچاؤ ہے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جب پانی برسنے کی دعا مانگتے تو میں آپ کے چہرۂ مبارک کو تکتا رہتا، اور ابوطالب کا یہ شعر یاد آتا، آپ دعا مانگ کر منبر سے اترنے بھی نہیں پاتے تھے کہ مدینہ کا ہر پرنالہ زور وشور سے بہنے لگتا۔ (5) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے گزرے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی کہ "خداوندا! ہم اپنے پیغمبر ﷺ کی زندگی میں اس کو وسیلہ بنا کر تیرے سامنے پیش کرتے تھے تو تو ہم کو سیراب کرتا تھا۔" (6)

ایک دفعہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی، آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو لے کر نکلے، اور کھڑے ہوکر بارگاہ الٰہی میں دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی، پھر قبلہ رخ ہوکر چادر اُلٹی اور دو رکعت نماز پڑھی، ابر آیا، پانی برسا اور لوگ سیراب ہوئے۔ (7)

دعائے نبوی ﷺ سے پانی برسنے کا سب سے حیرت انگیز لیکن مستند تر واقعہ حسب ذیل ہے، جو متعدد طریقوں اور سلسلوں سے احادیث میں مذکور ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مدینہ اور اطراف مدینہ میں قحط پڑا،

---

(1) ایضاً۔ (2) صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب اذا رای انه اخرج شیئا من کوة: ۷۰۳۸۔

(3) صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء، باب دعا النبی ﷺ: ۱۰۰۷۔ (4) ایضاً: ۱۰۰۸، ۱۰۰۹۔

(5) صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا: ۱۰۱۰ وابن ماجه ابواب الاستسقاء: ۱۲۷۲۔ (6) صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء: ۱۰۱۰۔

(7) ایضاً: ۱۰۱۲؛ مسلم: ۲۰۷۳؛ ترمذی، ابواب الاستسقاء: ۵۵۶۔

آنحضرت ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! مویشی ہلاک ہو گئے، لوگ بھوکوں مر گئے، خدا سے دعا فرمایئے کہ ہم کو سیراب کرے، آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، یہ اثر ہوا کہ پہلے تو آسمان آئینہ کی طرح صاف تھا، اور اب ایک آندھی چلی، بادل امنڈ آئے اور آسمان کا دہانہ کھل گیا، لوگ مسجد سے نکلے تو پانی میں بھیگتے ہوئے مکان تک پہنچے، ایک ہفتہ تک مسلسل پانی برستا رہا، یہاں تک کہ لوگ گھبرا اٹھے اور دوسرے جمعہ کو اسی آدمی نے یا کسی اور نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! مکانات گر گئے، دعا کیجئے کہ خدا پانی کو روک لے، آنحضرت ﷺ مسکرائے اور دعا فرمائی، بادل پھٹ گئے اور مدینہ تاج کی طرح چمک اٹھا۔ [1]

ابن ماجہ باب الاستسقاء میں اس قسم کے دو واقعے اور لکھے ہیں، اگر وہ اس واقعہ سے الگ ہیں تو اس قسم کے دو واقعوں کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے برکت

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں، اور آپ کی خدمت میں بطور خادم کے پیش کیا اور ان کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ نے ترقی مال واولاد کی دعا دی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ”آج اس دعا کی برکت سے میرے پاس بہ کثرت دولت ہے اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ گئی ہے۔“ [2] اور اس دعا کا یہ اثر تھا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو بار پھل لاتا تھا اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی بو آتی تھی۔ [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں دعائے علم

ایک بار آپ ﷺ قضائے حاجت کے لئے گئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر کے رکھ دیا، آپ نے ان کو تفقہ فی الدین کی دعا دی، [4] چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ”حبر الامۃ“ کا خطاب پایا۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے حق میں دعائے شہادت

ایک روز آپ ﷺ ام حرام رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اور سر سے جوئیں نکالنے لگیں اور اسی حالت میں آپ کو نیند آ گئی، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، تو ام حرام رضی اللہ عنہا نے

---

[1] صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ: ٣٥٨٢ وصحیح مسلم، کتاب صلوۃ الاستسقاء: ٢٠٧٨۔

[2] مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل انس بن مالک: ٦٣٧٦۔ [3] ترمذی، ابواب المناقب: ٣٨٣٣۔

[4] مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عبداللہ بن عباس: ٦٣٦٨۔

ہنسی کی وجہ پوچھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو بغرض جہاد دریا میں اس طرح سوار ہو کر چلے گا جس طرح تخت پر بادشاہ۔'' ام حرام رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ خدا سے دعا فرمائیے کہ میں بھی انہی میں سے ہوں، چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو بحری جنگ کا شرف حاصل ہوا اور دریا سے نکل کر خشکی میں آئیں تو سواری سے گر کر درجہ شہادت حاصل کیا۔ [1]

ایک نوجوان کی ہدایت کے لئے دعا

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ صحابی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک دن اصحاب کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، ایک نوجوان نے آ کر کہا کہ یارسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سن کر چاروں طرف سے اس پر لوگوں نے ملامت شروع کی۔ آپ نے روکا پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور دل دہی سے پوچھا کہ ''تم اس فعل کو اپنی ماں کے لئے پسند کرو گے۔'' عرض کی، آپ پر قربان نہیں یارسول اللہ! فرمایا: ''تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے نہیں پسند کریں گے۔ تو کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ پسند کرو گے؟'' عرض کی نہیں یارسول اللہ! تو فرمایا: ''تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے اس کو نہ پسند کریں گے۔ تو کیا اپنی بیٹی کے لئے یہ پسند کرو گے؟'' عرض کی نہیں یارسول اللہ! فرمایا: ''تو اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے یہ پسند نہ کریں گے۔ تو کیا اپنی بہن کے لئے یہ پسند کرو گے۔'' گزارش کی نہیں یارسول اللہ! فرمایا: ''تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ پسند نہیں کریں گے۔'' پھر اس طرح خالہ اور پھوپھی کے متعلق آپ ﷺ نے پوچھا، اس نے وہی جواب دیا اور آپ بھی اسی طرح فرماتے گئے۔ اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھ کر دعا کی کہ ''خداوندا! اس کے گناہوں کو بخش اور اس کے دل کو پاک اور اس کو عصمت عطا کر۔'' ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ وہ کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ [2]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شفایابی کے لئے دعا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی ہم رکابی میں مکہ گیا اور وہاں جا کر ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ یہاں تک کہ وصیت کی تیاری کی۔ آپ عیادت کو تشریف لائے تو عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں اس سرزمین میں مرتا ہوں جس سے ہجرت کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں ان شاء اللہ'' [3] پھر تین دفعہ دعا کی کہ ''الٰہی سعد کو شفا دے۔ سعد کو شفا دے سعد کو شفا دے۔'' [4] چنانچہ

---

[1] بخاري، كتاب الجهاد، باب فضل من يصرع في سبيل الله: ٢٧٩٩، ٢٨٠٠۔ لیکن کھانا کھلانے اور سر سے جوئیں نکالنے کا ذکر حدیث نمبر ۲۷۸۸، ۲۷۸۹ میں ہے۔ [2] مسند احمد، ج ٥، ص: ٢٥٦ به سند صحيح وشعب الايمان بيهقي۔

[3] نسائي، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث: ٣٦٦٠۔

[4] صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب الوصية بالثلث: ٤٢١٥۔

ان کو شفا ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے بعد چودہ پندرہ برس تک زندہ رہے اور لشکر عراق کے امیر مقرر ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا

ان ہی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ''خداوندا! ان کو مستجاب الدعوات بنا۔'' [1] چنانچہ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جس کو دعا دیتے تھے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی۔ کوفہ کی امارت کے زمانہ میں بعض شریروں نے بارگاہ فاروقی میں ان کی غلط شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق حال کے لئے آدمی بھیجا وہ ایک ایک مسجد میں جا جا کر لوگوں سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق حالات دریافت کرتا پھرتا تھا۔ ایک محلّہ کی مسجد میں ایک شخص نے جھوٹی گواہی دی کہ وہ نماز بھی ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بے اختیار ہو گئے۔ فرمایا: ''خداوندا! اگر یہ جھوٹا ہو تو اس کو آزمائش میں ڈال۔'' اس شخص کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بوڑھے ہو کر اس کی پلکیں لٹک آئی تھیں۔ تاہم بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ سعد کی بددعا مجھے لگ گئی۔ [2] احادیث وسیر میں ان کی قبولیتِ دعا کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے برکت

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو ایک دینار دیا کہ اس کی ایک بکری خرید لائیں۔ انہوں نے اس سے دو بکریاں خریدیں۔ ایک کو ایک دینار پر فروخت کر ڈالا اور آپ کی خدمت میں دوسری بکری اور دینار کو پیش کیا، آپ ﷺ نے ان کو خرید وفروخت کے معاملات میں برکت کی دعا کی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تھے اس میں نفع ہوتا تھا۔ [3]

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے سلامتی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کہیں فوج بھیج رہے تھے۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے لئے دعا کیجئے کہ شہادت نصیب ہو۔ فرمایا: ''خداوندا! ان کو سالم وغانم واپس لا۔'' چنانچہ ہم صحیح وسلامت مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ پھر کہیں فوج جانے لگی۔ میں نے پھر وہی درخواست کی۔ آپ نے پھر وہی دعا دی اور پھر وہی ہوا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی موقع پیش آیا۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے دو دفعہ دعائے شہادت کے لئے درخواست پیش کی قبول نہ ہوئی۔ اب یہ تیسرا موقع ہے۔ آپ نے پھر وہی دعا دی اور وہی نتیجہ تھا۔ [4]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے حق میں برکت اولاد کی دعا

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نہایت ہوشمند اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر دل سے فدا تھیں۔ ایک

---

[1] ترمذی، مناقب سعد بن ابی وقاص: ۳۷۵۱۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءۃ الامام والماموم فی الصلوات کلھا: ۷۵۵۔ [3] بخاری، کتاب المناقب: ۳۶۴۲۔

[4] مسند احمد، ج ۵، ص: ۲۴۸ وابو یعلیٰ وبیہقی۔

دفعہ ان کا بچہ بیمار ہوا۔ حضرت طلحہ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچہ نے دم توڑ دیا۔ بیوی نے بچہ کو ایک گوشہ میں لٹا دیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جب گھر واپس آئے تو بیوی سے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے؟ نیک بخت نے جواب دیا کہ ''وہ آرام پا گیا'' ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سمجھے کہ وہ اچھا ہے، دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ صبح کو اٹھے غسل کر کے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کو جانے لگے تو بیوی نے اصل حقیقت ظاہر کی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آ کر آنحضرت ﷺ کو شب کا ماجرا سنایا۔ تو فرمایا: ''شاید کہ خدا نے آج شب کو برکت عطا کی ہو۔'' چنانچہ اس شب کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد پوری ہوئی [1] ایک انصاری کہتے ہیں کہ برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی نو (۹) اولادیں دیکھیں اور سب کی سب قرآن خواں تھیں۔ [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے حق میں دعائے ہدایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کافرہ تھیں اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کو دعوت اسلام دیتے تھے۔ لیکن وہ نہیں مانتی تھیں، ایک دن انہوں نے حسب دستور دعوت اسلام دی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو برا بھلا کہا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو سخت تکلیف ہوئی۔ وہ روتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے دعا کی ''کہ خداوندا! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر واپس آئے۔ دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ ماں نے پاؤں کی آہٹ سنی تو کہا کہ دروازے پر ٹھہرے رہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی۔ جب وہ غسل کر کے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمہ شہادت پڑھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خوشی کے مارے الٹے پاؤں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو مژدہ سنایا۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور دونوں کو دعا دی۔ [3]

اونٹ کا تیز ہو جانا

ایک غزوہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سواری کا اونٹ اس قدر تھک گیا یا بیمار ہو گیا تھا کہ تقریباً چل نہیں سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو دعا دی اور اب وہ اس قدر تیز ہو گیا کہ تمام اونٹوں کے آگے آگے رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے آ کر پھر دریافت فرمایا کہ ''اے جابر! اب کیا حال ہے۔'' عرض کی، آپ کی دعا کی برکت قبول ہوئی۔ [4]

---

[1] صحیح مسلم، باب من فضائل ابی طلحة: ٦٣٢٢۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من لم یظهر حزنه عند المصیبة: ١٣٠١۔

[3] صحیح مسلم، باب من فضائل ابی هریرة: ٦٣٩٦۔

[4] بخاری، کتاب الجهاد، باب استئذان الرجل الامام: ٢٩٦٧۔

بیمار کا اچھا ہونا

آپ ﷺ ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ جو ضعف سے چور ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم صحت کی حالت میں خدا سے کوئی دعا کرتے تھے؟'' انہوں نے کہا، ہاں میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! تم دنیا کے عذاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

(۲/ البقرۃ:۲۰۱)

''خداوندا! ہم کو دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے درگاہ خداوندی میں دعا کی اور خدا نے ان کو شفا عطا فرمائی۔ [1]

سواری میں قوت آ جانا

حضرت جریر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ جو گھوڑے کی پشت پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کو ذی الخلصہ کے بت خانے کے ڈھانے کے لئے بھیجنا چاہا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھنے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے انکے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ ''خداوندا! اس کو گھوڑے پر بیٹھنے کی قوت دے اور اس کو ہادی ومہدی بنا۔ چنانچہ وہ گئے اور اس میں آگ لگا کر آئے۔ [2]

ایک مغرور کا ہاتھ شل ہو جانا

آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: ''دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔'' اس نے غرور سے کہا، میں اس سے کھا نہیں سکتا۔ چونکہ اس نے غرور سے ایسا کہا تھا آپ نے فرمایا: ''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ دائیں ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔ [3]

قبیلہ دوس کا مسلمان ہونا

ایک بار حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ اپنے رفقا کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، یارسول اللہ ﷺ! دوس کے قبیلہ نے دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ آپ ﷺ اس پر بددعا فرمایئے۔ لیکن رحمت عالم ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء باب کراهة الدعاء بتعجیل العقوبة فی الدنیا:۶۸۳۵۔

[2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل جریر بن عبداللہ: ۶۳۶۶۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب آداب الطعام و الشراب واحکامهما: ۵۲۶۸۔

((اللّٰھم اھد دوساوات بھم)) [1] ''خداوندا! دوس کو ہدایت دے اور ان کو لا۔''

بالآخر یہ دعا قبول ہوئی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوا۔

رفع بے پردگی کے لئے دُعا

ایک حبشیہ عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے صرع کا دورہ ہوتا ہے۔ جس سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں۔ میرے لئے دعا فرمایئے۔ ارشاد ہوا: ''اگر صبر کرنا چاہو تو تمہیں جنت نصیب ہوگی اور اگر کہو تو میں دعا کروں کہ خدا تم کو صحت دے۔'' اس نے کہا، میں صبر کرتی ہوں لیکن ستر عورت کے لئے دعا فرمایئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی۔ [2]

سلطنت کسریٰ کی تباہی

پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے جب کسریٰ کے پاس خط بھیجا تو اس نے خط کو چاک کر کے پھینک دیا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کو بد دعا دی کہ اس کے بھی پرزے پرزے ہو جائیں [3] چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے۔

دعائے برکت کا اثر

آنحضرت ﷺ ہمیشہ فوج کو صبح تڑکے روانہ فرماتے تھے اور تمام امت کے لئے دعا کی تھی کہ ''خداوندا! میری امت کو صبح کے سویرے میں برکت دے۔'' ایک تجارت پیشہ صحابی نے اس پر عمل کیا اور اپنا سامان تجارت عموماً صبح سویرے روانہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس دعا کی برکت ظاہر ہوئی اور وہ اتنے دولت مند ہو گئے کہ ان کو اپنی دولت کے رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ [4]

طول عمر کی دعا

ام قیس رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں ان کا لڑکا مر گیا تو وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں کہ غسل جنازہ دینے والے سے کہا کہ میرے بچے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو ورنہ مر جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے اور ان کو طول عمر کی دعا دی۔ چنانچہ انہوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی۔ [5]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة دوس: ٤٣٩٢ ومسلم، باب من فضائل غفار واسلم و ...: ٦٤٥٠۔ [2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب ثواب المومن فیما یصیبه...: ٦٥٧١۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب دعوة الیهود والنصاری:٢٩٣٩۔

[4] ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی الابتکار فی السفر:٢٦٠٦؛ ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی التبکیر بالتجارة: ١٢١٢؛ ابن ماجه، باب مایرجی من البرکة فی البکور: ٢٢٣٦ ومسند احمد، ج٣، ص: ٤٣٠ عن صخر الغامدی۔ [5] نسائی، کتاب الجنائز، باب غسل المیت بالحمیم:١٨٨٣۔

ایک بچہ کی ہدایت کے لئے دُعا

رافع بن سنان نے اسلام قبول کرلیا۔لیکن بی بی نے جس کی گود میں ایک لڑکی تھی۔اس سعادت ابدی سے انکار کیا۔اب اختلاف مذہب کی بنا پر لڑکی کے بارے میں نزاع پیدا ہوئی۔بارگاہ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا۔آپ ﷺ نے دونوں کو الگ الگ بٹھایا اور کہا: ''لڑکی کو بلاتے جاؤ۔'' دونوں نے بلایا تو لڑکی ماں کی طرف بڑھی۔آپ ﷺ نے اس حالت کو دیکھ کر دعا فرمائی کہ ''خداوندا! اس کو ہدایت دے۔'' اس کا یہ اثر ہوا کہ لڑکی کا رخ فوراً باپ کی طرف پھر گیا۔ [1] یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

ابن سعد نے اسی قسم کا ایک واقعہ ابوسلمہ صحابی رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بچہ تھے۔ان کے دادا اور نانا میں سے ایک کافر اور ایک مسلمان تھا۔دونوں نے بچہ کی تولیت کا دعویٰ کیا آنحضرت ﷺ نے اس کا فیصلہ خود بچہ کے اختیار پر رکھ دیا۔پہلے تو بچہ اپنے کافر رشتہ دار کی طرف چلا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدایا! اس کو ہدایت دے۔'' فوراً بچہ مسلمان عزیز کی طرف چلا گیا اور فیصلہ اسی کے حق میں رہا۔ [2]

---

[1] ابو داود، کتاب الطلاق، باب اذا اسلم احد الابوین لمن یکون الولد: ۲۲٤٤۔

[2] ابن ماجه، کتاب الاحکام، باب تخییر الصبی بین ابویه: ۲۳۵۲ میں بھی یہ روایت ہے۔

اشیاء میں اضافہ

مسلمانوں کی ابتدا کی زندگی جس فقر وفاقہ میں گزری تھی، اس کا حال کتاب کے مختلف حصوں میں پڑھ چکے ہو۔کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ایسی حالت میں اگر برکت الٰہی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنالیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔لیکن آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور فیض روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعہ اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔

تھوڑے سے کھانے میں ستر آدمیوں کا سیر ہونا

ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں۔گھر میں آئے اور بی بی (ام سلیم رضی اللہ عنہا) سے کہا کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں۔تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجیں۔وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سامنے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''ابوطلحہ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟'' انہوں نے کہا، ہاں آنحضرت ﷺ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر کی تو انہوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس کھلانے کا کوئی سامان نہیں آنحضرت ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ۔انہوں نے وہی روٹیاں پیش کیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجی تھیں۔آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان کو چورا کیا گیا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا نے گھی کا برتن انڈیل دیا۔جس نے سالن کا کام دیا۔لیکن ان ہی روٹیوں میں یہ برکت ہوئی کہ آپ ﷺ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کر کھلاتے تھے اور وہ شکم سیر ہو ہو کر جاتے تھے۔یہاں تک کہ ستر، اسی آدمی آسودہ ہو گئے۔[1]

چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی قرضداروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے اور بجز کھجوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں۔صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہوسکتا۔آپ ﷺ میرے ساتھ نخلستان میں تشریف لے چلیے، تاکہ آپ کے

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ:۳۵۷۸۔

ادب سے قرض دار مجھ پر سختی نہ کریں۔ آپ ان کے ساتھ تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس کے گرد چکر لگا کر دعا کی اور اسی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے اپنے قرض میں لیتے جاؤ۔ آپ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی کھجوروں میں یہ برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جس قدر کھجوریں قرض داروں کو دی گئی تھیں۔ اتنی ہی بچ رہیں۔ [1]

کھانے میں حیرت انگیز برکت

چونکہ اصحاب صفہ بالکل محتاج تھے ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحاب صفہ میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔ چنانچہ اس اُصول کے موافق آنحضرت ﷺ کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حصے میں تین آدمی آئے۔ یہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں آئے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ ہی کے یہاں کھانا کھایا اور آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اس لئے کسی قدر رات گزر گئی۔ وہ گھر میں دیر سے آئے تو ان کی بیوی ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انہوں نے کہا، کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں، بغیر تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کیا۔ وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومان رضی اللہ عنہا کی طرف مسرت سے دیکھا اور غصہ میں اگر چہ نہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے۔ لیکن قسم توڑنے کے لئے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت ﷺ کے گھر بھیج دیا۔ وہ کھانا آپ ﷺ کے گھر میں صبح تک رہا۔ دوسرے روز آپ کی خدمت میں ۱۲ آدمی آئے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور وہ لوگ بھی سیر ہو گئے۔ [2]

گھی کی مقدار میں برکت

امّ مالک رضی اللہ عنہا کا دستور تھا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آنحضرت ﷺ کو گھی بھیجتی تھیں اٹھا لاتیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا۔ ایک دن انہوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا۔ پھر آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا۔'' [3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ: ۳۵۸۰۔ [2] ایضًا: ۳۵۸۱۔ [3] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ: ۵۹۴۵ و مسند احمد عن جابر، ج۳، ص: ۳۴۰۔

جو کی مقدار میں برکت

ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ سے غلہ مانگا۔ آپ نے تھوڑے سے جو دے دیئے۔ اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لئے، اپنی بیوی کے لئے، اپنے مہمان کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا۔'' [1]

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ

غزوۂ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سخت بھوکے ہیں وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو لینے کے لئے چلے۔ بی بی نے کہا کہ دیکھو آپ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ آئے اور چپکے سے آپ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ آپ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے۔ لیکن آپ ﷺ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ ''آؤ جابر نے دعوت عام کی ہے۔'' اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب تک میں نہ آلوں چولھے سے دیگچی نہ اتاری جائے اور روٹی نہ پکے۔ آنحضرت ﷺ تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ گھر میں آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا، میں کیا کروں تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی۔ آپ آئے تو بی بی نے آپ کے سامنے آٹا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی۔ پھر اسی طرح دیگچی میں بھی لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اس کے بعد آپ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا۔ کم و بیش ایک ہزار آدمی تھے۔ سب کھا کر واپس گئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ [2]

تھوڑی سی زادراہ میں غیر معمولی برکت

غزوۂ تبوک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھوک کی اتنی تکلیف ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے سواریوں تک کے ذبح کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی آپ بچا ہوا زادراہ سب سے طلب فرمائیں اور اس پر دُعائے برکت کریں۔ ممکن ہے کہ خدا اس میں ان کا بھلا کر دے۔ آپ نے ایک چادر بچھوائی اور تمام فوج کا زادراہ جمع

[1] صحیح مسلم، باب فی معجزات النبی ﷺ: ۵۹۴۶ ومسند احمد عن جابر، ج۳، ص: ۳۳۷۔

[2] بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر غزوۃ الخندق: ۴۱۰۲۔

کرادیا اوراس پر برکت کی دعا کی۔ پھر تمام لوگوں سے فرمایا: ''اپنے اپنے برتن بھر لیں۔'' لوگوں نے تمام برتن بھر لئے اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ یہاں تک کہ کھانے سے بچ گیا۔ [1]

تھوڑی سی زادراہ میں عظیم برکت

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے صحابہ رضی اللہ عنہم بھوک سے اس قدر بیتاب تھے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں۔لیکن آپ نے تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ایک چادر بچھائی گئی اوراس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا۔اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا۔جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد ۱۴ سو تھی۔لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔کھانے کے بعد آپ نے پانی طلب فرمایا۔ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے۔آپ نے اس کو پیالے میں انڈیل دیا اور ۱۴ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ [2]

آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے۔۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی۔آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا۔پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا۔آپ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا اور ہر شخص کو تقسیم کی۔گوشت تیار ہوا تو دو پیالوں میں بھرا گیا اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے اور بچ بھی گیا۔ [3]

تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو بلا لائیں وہ گئے تو آپ نے پوچھا کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے گھر میں آکر پوچھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ سے آکر کہا کہ وہ تو ذرا سی چیز ہے۔جس کو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے تیار کیا ہے۔آپ تشریف لائے اور وہ کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو لاؤ،اس طرح چالیس آدمی دس دس کر کے آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔ [4]

قلیل تعداد میں کثیر برکت

آنحضرت ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات......: ۱۳۹۔

[2] مسلم، کتاب اللقطة، باب استحباب خلط الازواد اذا قلت: ۴۵۱۸۔ [3] بخاری، کتاب الاطعمة، باب من اکل حتی شبع: ۵۳۸۲۔ [4] بخاری، کتاب الاطعمة، باب من ادخل الضیفان......: ۵۴۵۰۔

سلیم رضی اللہ عنہا نے تھوڑا سا حیس (ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے) تیار کیا اور ایک طشت میں کر کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کھانا لے کر آئے تو آپ نے بہت سے اصحاب کو مدعو کیا۔ تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی حلقہ باندھ کر بیٹھ جائیں اور اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں تمام لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے۔ لیکن اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ جس وقت میں نے طشت کو اٹھا کر رکھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا۔ [1]

ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دس دس آدمی صبح سے شام تک آنحضرت ﷺ کے پاس ایک پیالہ سے متصل کھاتے رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس میں اس قدر بڑھتی کیونکر ہوتی جاتی تھی؟ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ''وہاں'' سے۔ [2]

دودھ کے پیالہ میں برکت

ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن اس کا مقصد اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلانا تھا وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے۔ انہوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی لیکن انہوں نے بھی بے التفاتی کی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا، اور آپ نے ان کے چہرہ کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی اور ان کو پکارا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا اور ساتھ ہو لئے۔ آپ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا ایک پیالہ بھرا ہوا نظر آیا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ہدیۃً آیا ہے۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اصحاب صفہ کو بلا لائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ ناگوار گزرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا۔ لیکن آپ کی تعمیل ارشاد سے چارہ نہ تھا۔ مجبوراً اصحاب صفہ بلا لے گئے اور سب کے سب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپ کے حکم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سب کو پلانا شروع کیا۔ جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے پیالہ کو ہاتھ پر رکھا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں۔ آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو۔ آپ ان کو متصل پلاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خود پیالہ لیا اور جو کچھ بچ گیا تھا۔ بسم اللہ کر کے پی گئے۔ [3]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب زواج زینب: ٣٥٠٧۔ [2] ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی ﷺ: ٣٦٢٥۔ [3] بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ: ٦٤٥٢۔

بکری کے دست میں برکت

ایک صحابی نے آپ ﷺ کے لئے گوشت پکایا۔ چونکہ آپ ﷺ کو بکری کا دست نہایت مرغوب تھا۔ انہوں نے آپ کو دونوں دست دیئے۔ جب آپ ان کو تناول فرما چکے۔ تو پھر دست مانگا۔ انہوں نے کہا، یارسول اللہ! بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر دست مانگتا تم مجھے دیتے رہتے۔'' [1]

بکری کے تھنوں میں برکت

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ سخت عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا۔ لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی۔ بالآخر ہم سب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ہم کو گھر لے گئے۔ وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا دودھ دوھ کر پیا کرو۔'' چنانچہ ہم سب دودھ دوھ کر اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت ﷺ کا حصہ رکھ دیتے تھے۔ آپ ﷺ رات کو آتے تو پہلے نرم آواز میں سلام کرتے۔ پھر مسجد میں آ کر نماز پڑھتے اس کے بعد اپنا حصہ دودھ پیتے۔ ایک دن جب کہ میں اپنے حصہ کا دودھ پی چکا تھا۔ شیطان نے مجھ کو دھوکا دیا کہ آنحضرت ﷺ انصار کے یہاں سے آتے ہیں وہ آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں اور آپ ان کو تناول فرماتے ہیں۔ آپ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں۔ میں اس کے دھوکے میں آ گیا۔ اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا۔ جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہہ کر چلتا ہوا کہ کمبخت تو آنحضرت ﷺ کا حصہ پی گیا۔ جب آپ تشریف لائیں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجھ کو بددعا دیں گے اور تیرا دین و دنیا سب برباد ہو جائے گا۔ چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی آپ تشریف لائے۔ حسب معمول سلام کیا اور نماز پڑھی اس کے بعد دودھ کو کھولا تو آپ کا حصہ غائب تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور میں سمجھا کہ اب آپ مجھ پر بددعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ''خداوندا! جس شخص نے مجھ کو کھلایا اس کو کھلا اور جس نے مجھے پلایا اسے پلا۔'' اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا ہاتھ میں چھری لی کہ ان بکریوں میں جو سب سے زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے۔ اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اس قدر دودھ ہوگا کہ اس میں دوہا جائے گا۔ لیکن میں نے اس میں دودھ دوہا تو وہ بھر گیا اور اوپر جھین نظر آنے لگا۔ میں نے دودھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

[1] شمائل ترمذی، باب ما جاء فی ادام رسول اللہ ﷺ: ۱۶۸۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اپنا حصہ پی چکے۔'' میں نے کہا، آپ پی لیجئے۔ آپ ﷺ نے پی کر مجھے دودھ عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کی کہ آپ نوش جاں فرمایئے۔ آپ نے پی لیا اور مجھے عنایت فرمایا۔ چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ سیر ہو گئے اور آپ کی دعا کی برکت میں میں شامل ہو گیا تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا اور آپ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے۔ تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیتے۔'' میں نے کہا کہ جب میں نے آپ ﷺ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پروا نہیں کہ کسی اور نے پیا یا نہیں؟ [1]

ایک وسق جو کی برکت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو کچھ وسق (ایک پیمانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا تو میں نے اسی کو کھانا شروع کیا تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا تو ہم نے اس کو تولا تو پھر وہ ختم ہو گیا۔ یعنی اس کی وہ برکت جاتی رہی۔ [2]

توشہ دان ہمیشہ بھرا رہتا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں۔ پہلی آنحضرت ﷺ کی وفات، دوسری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا، لوگوں نے پوچھا کیوں کیسا توشہ دان؟ انھوں نے کہا، آپ ایک غزوہ میں تھے۔ رسد ختم ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ''ابوہریرہ! کچھ تمہارے پاس ہے؟'' میں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں ہیں۔ ارشاد ہوا: ''وہ لے آؤ۔'' میں لایا تو آپ نے ان کو دسترخوان پر پھیلا دیا۔ اکیس کھجوریں تھیں۔ آپ ایک ایک کھجور لے کر اور اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے۔ پھر آپ نے سب کو ملا دیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی آ کر شریک ہوں۔ چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے اور پوری فوج سیر ہو گئی اور کچھ کھجوریں بچ گئیں۔ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! ان پر میرے لئے برکت کی دعا فرمایئے، آپ نے دعا کی، میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں ڈال لیا ان کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا اس میں سے کھجوریں نکل آتی تھیں اور ۵۰ وسق تو میں نے اس میں سے راہ خدا میں خیرات کی۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ تک میں اس میں سے کھاتا رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ہنگامہ میں جہاں اور چیزیں گئیں۔ توشہ دان بھی جاتا رہا۔ [3]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب اکرام الضیف: ٥٣٦٢۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر: ٦٤٥١؛ مسلم، کتاب الزهد: ٧٤٥١۔ [3] مسند احمد، ج٢، ص:٣٥٢؛ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب ابی هريرة: ٣٨٣٩؛ ابن سعد، ابن حبان، بیهقی۔

تھوڑی کھجوروں میں برکت

حضرت دکین اور نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہما صحابی کہتے ہیں کہ ہم لوگ چار سو چودہ آدمی خدمت نبوی ﷺ میں ایک ساتھ حاضر ہوئے اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاؤ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو۔ ارشاد ہوا: ''جاؤ اور ان کو کھلا دو۔'' عرض کی جیسا حکم ہو تعمیل میں عذر نہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہم کو لے کر چلے اور ایک جگہ لا کر بٹھایا اور جو کچھ کھجوریں تھیں وہ سامنے لا کر رکھ دیں اور ان میں یہ برکت نظر آئی کہ ہم سب سیر ہو گئے۔ لیکن کھجوروں میں کمی نہیں آئی۔ [1]

[1] مسند احمد عن دکین، ج ٤، ص: ١٧٤ وابوداود، کتاب الادب: ٥٢٣٨؛ ابن حبان وابن سعد عن نعمان بن مقرن۔

پانی جاری ہونا

عرب کے خشک وریگستانی ملک میں سب سے کم یاب جنس پانی کا ایک چشمہ ہے۔ دنیا کے فاتحوں اور کشور کشاؤں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بنا پر ہمیشہ محفوظ رہا ہے۔ ان میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کم یابی بھی ہے۔ چنانچہ یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی ہمتیں اسی لئے اس صحرائے لق ودق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر رہیں، غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر نبوت کے برکات الٰہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ ساتھ نہ ہوتے تو اس مشکل کو وہ کبھی حل کر سکتا تھا؟ انبیائے عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے جن کے لئے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں۔ لیکن رسول عرب کے لئے مشکیزہ کا چمڑا، گوشت و پوست کی انگلیاں، خشک چشموں کے دہانے، سوکھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہان مبارک کی کلیاں متعدد دفعہ پانی کا خزانہ ثابت ہوئیں۔

مشکیزہ سے پانی اُبلنا

ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں تھے۔ صبح کو آنکھ کھلی اور آپ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے۔ آپ نے شریک جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جنابت کا عذر کیا۔ چونکہ پانی نہ تھا، اس لئے ان کو آپ نے تیمّم کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا۔ وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دو مشکیزوں میں پانی لاد کر لئے جا رہی تھی۔ ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا اس جگہ پانی نہیں ہے۔ پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے۔ اس نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت بتائی۔ وہ لوگ اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے مشکیزوں کو چھو دیا۔ آپ کے دست مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھر لئے۔ اس کے بعد آپ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کرا کے اس عورت کو دیے، وہ اپنے گھر لے آئی تو حیرت واستعجاب سے لبریز تھی اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے ساحر کو یا اس کے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا۔ آخر اسی خاتون کے اثر سے یہ پورا قبیلہ مع اس عورت کے مسلمان ہو گیا۔ [1]

انگلیوں سے پانی جاری ہونا

ایک دن آپ ﷺ مقام زوراء میں تھے۔ عصر کا وقت آ گیا۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانی کی جستجو شروع کی۔ لیکن صرف آنحضرت ﷺ کے لئے پانی ملا۔ جب آپ ﷺ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب باب علامات النبوة:۳۵۷۱۔

تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ ڈال دیا اور انگلیوں سے پانی کا فوارہ چھوٹنے لگا۔ یہاں تک کہ تقریباً تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ [1]

پانی کا بڑھ جانا

آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔ نماز کا وقت آیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانی تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا۔ ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے۔ پہلے آنحضرت ﷺ نے اس سے وضو کیا۔ پھر پیالے پر آپ نے انگلیاں پھیلا دیں۔ پانی کی مقدار میں اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ستر (۷۰) آدمی کے وضو کے لئے کافی ہوا۔ [2]

انگلیوں کی برکت

ایک بار نماز کا وقت آیا۔ تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا۔ وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لئے چلے گئے لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپ کی ہتھیلیاں اس کے اندر نہ پھیل سکیں۔ اس لئے آپ نے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً اسی (۸۰) آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔ [3]

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا

صلح حدیبیہ کے دن صحابہ رضی اللہ عنہم پیاس سے بے تاب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے صرف چمڑے کے ایک برتن میں پانی تھا۔ آپ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے۔ آپ نے اس بے تابی کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضروریات کے لئے صرف یہی پانی تھا۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔ چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے۔ سب نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو کر پانی پیا۔ [4]

کلی سے پانی بڑھ جانا

دوسری روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس دن اس کنوئیں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا اور اس کا تمام پانی اولچ لیا۔ یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے

[1] صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب علامات النبوة: ٣٥٧٢؛ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ: ٥٩٤٣۔ [2] صحيح بخاری، ايضًا: ٣٥٧٤ ومسلم ايضًا: ٥٩٤١۔

[3] صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب علامات النبوة: ٣٥٧٥۔ [4] ايضًا: ٣٥٧٦۔

بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اس میں کلی کر دی۔ تھوڑی دیر میں اس قدر ابلا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابہ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔ [1]

ہاتھ منہ دھونے کی برکت

غزوۂ تبوک کے سفر میں دو دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جا رہے تھے۔ ایک دن عشاء اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر فرمایا: ''کل تم لوگ دو پہر کے وقت تبوک کے پاس پہنچو گے لیکن جب تک میں نہ آلوں کوئی شخص اس کے پانی میں ہاتھ نہ لگائے۔'' لوگ پہنچے تو نہر تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اولیچنا شروع کیا۔ پانی ایک گڑھے میں جمع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں منہ ہاتھ دھوئے پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی سے ابل گئی۔ [2]

انگلیوں کی برکت

آپ ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وضو کا پانی طلب فرمایا۔ انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈھا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے پانی ٹھنڈا کر رکھتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا۔ لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے آپ کے ہاتھ پر پانی گرائیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈا۔ پھر تمام طشت بھر گیا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔ [3]

انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار عصر کا وقت آ گیا۔ صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی رہ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے اندر سے پانی جوش مارنے لگا۔ یہاں تک کہ ۱۴ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہوئے۔ [4]

تھوڑے پانی میں کثیر برکت

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند اشخاص سے جو ساتھ

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ: ۳۵۷۷۔ [2] مسلم، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ: ۵۹٤۷۔ [3] مسلم، کتاب الزھد، باب حدیث جابر الطویل: ۷۵۱۹۔
[4] بخاری، کتاب الاشربۃ، باب شرب البرکۃ والماء المبارک: ۵٦۳۹۔

تھے کہہ دیا کہ نماز کا خیال رکھنا لیکن سب کے سب سو گئے اور سب سے پہلے آنحضرت ﷺ بیدار ہوئے تو دن نکل چکا تھا اب سب کے سب گھبرا کے اٹھے تو آپ ﷺ نے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ دن چڑھا تو آپ ﷺ نے سواری سے اتر کر وضو کیا۔ تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا اس کی نسبت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس کو محفوظ رکھنا اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوگا۔'' جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپ قافلہ سے جا ملے لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! پیاس نے ہم کو مار ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے۔'' یہ کہہ کر آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔ ❶

انگلیوں سے پانی اُبلنا

حبان بن بح الصدائی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری قوم حالت کفر میں تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ان کے لئے فوجی تیاریاں فرما رہے ہیں۔ میں آیا اور آپ کو اطلاع دی کہ میری قوم مسلمان ہے پھر میں نے رات بھر آپ کے ساتھ سفر کیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اذان دی۔ آپ نے پانی کا ایک برتن مجھے عطا فرمایا۔ میں نے اس سے وضو کیا۔ پھر آپ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی ابلنے لگا۔ آپ نے حکم دیا کہ جو شخص چاہے اس سے وضو کرے۔ ❷

ایک اور واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ معجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ پانی کی کمی کی شکایت ہوئی تو آپ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا۔ وہ ایک برتن میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ ''وضو کر کے مبارک پانی کی طرف دوڑو خدا کی طرف سے برکت ہوگی۔'' میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان پانی ابل رہا تھا۔ ❸

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کئے گئے ہیں ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی واقعہ کی متعدد حکایتیں ہوں۔ لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیات میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا، اس لئے ان کو مستقل واقعات کی صورت دے دی گئی ہے۔

---

❶ مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ: ۱۵٦۲۔ ❷ مسند امام احمد بن حنبل، ج ٤، ص: ١٦٩۔
❸ صحیح بخاری، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ۳۵۷۹۔

اطلاعِ غیب

﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ (۷۲/ الجن:۲۶، ۲۷)

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے کہ ''غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں۔'' چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں اور ان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت سے خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جا سکتا:

﴿ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ ﴾ (۱۰/ یونس:۲۰)

''کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ) کہ غیب تو خدا ہی کے لئے ہے۔''

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ (۲۷/ النمل:۶۵)

''کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ) کہ خدا کے سوا آسمان و زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔''

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان و زمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیا کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا:

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ ﴾

(۵/ المآئدۃ:۱۰۹)

''جس دن خدا تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں غیب کی باتوں کا، پورا جاننے والا تو ہی ہے۔''

آنحضرت ﷺ جو اعلم الانبیاء تھے ان کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ (۶/ الانعام:۵۰)

''کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ) کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام خزانے میرے قبضہ میں ہیں اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا۔''

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

(۷/ الاعراف:۱۸۸)

''کہہ دے اے پیغمبر (ﷺ)! کہ میں اپنے آپ کے لئے کسی نفع وضرر پر قادر نہیں ہوں۔ لیکن یہ کہ خدا جو چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھا لیتا اور مجھ کو کبھی مصیبت نہ پیش آتی لیکن میں تو ایمان دار قوم کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔''

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا اور نہ تمام غیب کی باتیں

آپ ﷺ کو بتائی گئی تھیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا، آنحضرت ﷺ کو وقتاً فوقتاً اس سے مطلع فرماتا رہا۔ چنانچہ صاف ارشاد ہوا:

﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۵۵)

''وہ (یعنی مخلوقات الٰہی) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے۔''

سورۂ جن میں فرمایا:

﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ﴾ (۷۲/ الجن:۲۶، ۲۷)

''اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔''

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ ﴾

(۳/ آل عمران:۱۷۹)

''اور خدا غیب کی باتیں تم کو نہیں بتا سکتا لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے (اس کے لئے) چن لیتا ہے۔''

امور غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے:

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾ (۷/ الاعراف:۱۸۷)

''(اے پیغمبر ﷺ) لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز ہوگی۔ کہہ دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا وہ وقت آسمان و زمین پر بڑا بھاری ہوگا وہ دفعتہً آ جائیگا۔ تجھ سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا وہ تجھے معلوم ہے اور تو چھپاتا ہے کہہ دے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔''

صحاح میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اور جس میں انہوں نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوالات پوچھے ہیں اور آپ نے ان کے جوابات دیے ہیں۔ اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

((ماالمسئول عنھابا علم من السائل وساحد ثك عن اشراطھا)) [1]

''جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس باب میں زیادہ علم نہیں رکھتا۔ہاں اس کی علامتیں بتاؤں گا۔''

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے وہ جھوٹا ہے، [2] قرآن نے صاف کہہ دیا ہے:

﴿ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ﴾ (۳۱/ لقمان:۳٤)

''کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔''

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھی کچھ گا رہی تھیں، گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا:

وفینا نبی یعلم مافی غدٍ ''ہم میں سے ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا [3] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:''غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں۔''اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: [4]

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ ﴾ (۳۱/ لقمان:۳٤)

''خدا ہی کے پاس اس آنے والی گھڑی کا علم ہے۔وہی پانی برساتا ہے۔وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور نہ یہ کوئی جانتا ہے کہ کس سرزمین میں وہ کہاں مرے گا۔''

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی اور نہ خدا کے سوا یہ جانتا ہے کہ کل کیسا ہوگا اور خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب برسے گا اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے۔کہ وہ کہاں مرے گا۔ [5]

بہرحال ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے، اپنے غیب کی باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا۔آنحضرت ﷺ کو وقتاً فوقتاً ان کی اطلاع دیتا تھا۔سورۂ ہود میں بعض انبیا علیہم السلام کے حالات کے تذکرہ کے بعد خدا فرماتا ہے:

﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ ﴾ (۱۱/ ہود:٤۹)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ: ۵۰؛ مسلم، کتاب الایمان: ۹۳۔

[2] بخاری، کتاب التوحید: ۷۳۸۰۔

[3] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ: ۵۱٤۷۔ [4] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ لقمان: ٤۷۷۸۔ [5] صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۷۳۷۹۔

”یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں، نہ تو ان کو جانتا تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔“

خود آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوا:

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ (۸۱/ التکویر:۲۴)

”یعنی آپ (ﷺ) کو امور غیب میں سے جس کی تعلیم دی جاتی ہے، آپ اپنی امت کو اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔“

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد ایک نہایت بلیغ و موثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا:

((یا امة محمد واللّٰه لو تعلمون ما علمت لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا)) [1]

”اے گروہ محمد! خدا کی قسم! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔“

ایک دفعہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

((هل ترون قبلتی هھنا فواللّٰه ما یخفی علی خشوعکم و لا رکوعکم انی لاراکم من وراء ظهری)) [2]

”تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے لیکن خدا کی قسم! مجھ سے (نماز میں) نہ تمہارا خشوع اور نہ رکوع پوشیدہ رہتا ہے میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔“

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((انی لاراکم من ورائی کما اراکم)) [3]

”میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔“

احادیث میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے۔ بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کئے جن کو آپ نے پسند نہیں کیا۔ آپ کو جوش آ گیا۔ آپ نے فرمایا: ((سلونی عما شئتم)) ”جو چاہو مجھ سے دریافت کر لو۔“ ایک شخص نے اٹھ کر کہا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: ”حذافہ۔“ دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے فرمایا: ”سالم، غلام شیبہ۔“ اور بار بار آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے: ”پوچھو مجھ سے، پوچھو مجھ سے۔“ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور عرض کی، یارسول اللہ! ہم کو اللہ اپنا پروردگار، محمد ﷺ اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقة فی الکسوف:۱۰۴۴۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب عظة الامام الناس:۴۱۸۔ [3] صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب عظة الامام الناس:۴۱۹۔
[4] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الغضب فی الموعظة والتعلیم:۹۲۔

صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر عصر تک پھر تقریر کی، اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی، اس سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طویل خطبہ میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا۔ یعنی آغاز آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات، پیدائش عالم، علامات قیامت فتن حشر ونشر سب کچھ سمجھایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے۔ بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے، ان واقعات میں سے جب کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے پھر اس کو دیکھ کر یاد آ جاتی ہے۔ [1]

نجاشی شاہ حبش جس کے سایہ حکومت میں جا کر مسلمانوں نے پناہ لی تھی اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا، جس دن اس نے حبش میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سانحہ کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی۔'' اور اس کے بعد اس کے جنازہ کی نماز غائبانہ ادا فرمائی۔ [2]

۸ھ میں غزوۂ موتہ پیش آیا ہے تو آپ ﷺ نے فوج کا علم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عنایت کیا اور فرمایا: ''جب زید شہید ہوں تو یہ امانت جعفر رضی اللہ عنہ کے سپرد کی جائے۔ جب وہ بھی جاں بحق ہوں تو عبداللہ بن رواحہ اس خدمت کو انجام دیں اور جب وہ بھی کام آ جائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا سردار بنائیں۔'' یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان درحقیقت واقعہ کا اظہار تھا۔ میدان جنگ میں پہلے زید رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، ان کی جانشینی جعفر رضی اللہ عنہ نے کی، وہ بھی جب علم نبوت پر قربان ہو چکے، تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کی۔ جب وہ بھی نثار ہو گئے تو مسلمانوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا افسر بنایا۔ چونکہ اس جنگ میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا، اس لئے مسلمانوں کو بڑا اضطراب تھا۔ عین اس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شام کی سرحد پر یہ خونی مناظر درپیش تھے۔ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما تھے۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور فرما رہے تھے علم کو زید رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہوئے۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی جاں بحق ہوئے۔ تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا انہوں نے بھی شہادت پائی تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لیا اور ان کو فتح دی گئی۔ [3]

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: ''یہ جہنمی ہے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب ہوا اور ایک

[1] صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب اخبار النبی ﷺ، فیما یکون الی قیام الساعۃ: ۷۲۶۳ تا ۷۲۶۷۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الرجل ینعی الی اهل المیت بنفسه: ۱۲۴۵ وصحیح مسلم، باب فی التکبیر علی الجنازۃ: ۲۲۰۴۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ۱۲۴۶، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ۳۶۳۰ وغزوۃ موتۃ: ۴۲۶۲۔

صحابی اس کے پیچھے ہو لئے۔ ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خود کشی کر لی۔ وہ صحابی خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا واقعہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابھی حضور نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا، میں اس کے پیچھے ہولیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اس نے خودکشی کر لی۔ 1

ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا، وہ قتل ہوا، کسی نے آ کر خبر دی کہ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں شخص شہید ہو گیا۔ فرمایا کہ ''یہ ناممکن ہے، شہادت اس کے لئے کہاں؟ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے، کیونکہ مال غنیمت میں سے اس نے ایک عبا چرائی تھی۔'' 2

مسلمانوں نے ۸ ھ میں طائف کا محاصرہ کیا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں۔ اس لئے ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کل ان شاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر کوچ کریں گے۔'' لوگوں کو اتنی محنت وزحمت کے بعد حصول فتح کے بغیر واپسی شاق ہوئی اور انہوں نے کہا، ہم فتح حاصل کئے بغیر چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا کل پھر قسمت آزمائی کر لو۔'' چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑے تو ان کو زیادہ نقصانات ہوئے شام ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کل ان شاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔'' مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا اور آپ مسکرا دیے 3 یہ (گویا) اس بات کا اظہار تھا کہ تمہیں میری طرح حقیقت حال کا علم نہ تھا۔

عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عمیر مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو دھوکے سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔ عمیر یہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا۔ مدینہ پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ لیا وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''عمیر! یہاں کس ارادہ سے آئے ہو؟'' اس نے کہا، اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں فرمایا: ''کیوں نہیں؟ کیا تم نے اور صفوان نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟'' عمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور اس کو سخت تعجب ہوا، اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد ﷺ بے شک تم خدا کے پیغمبر ہو! خدا کی قسم! میرے اور صفوان کے سوا کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی۔ 4

---

1 صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب لایقول فلان شهید: ۲۸۹۸ وکتاب الرقاق، باب العمل بالخواتیم: ٦٤٩٣۔

2 جامع ترمذی، باب ماجاء فی الغلول: ۱۵۷٤۔ 3 صحیح بخاری: ٤٣٢٥ ومسلم غزوة الطائف: ٤٦٢٠۔

4 تاریخ طبری بروایت عروة بن زبیر، ج۳، ص: ۳۰٤، طبع یورپ۔

حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں آپ ﷺ نے فرمایا: ''وابصہ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟'' عرض کی، ارشاد ہو۔ فرمایا: ''تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو۔'' عرض کی، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا آپ نے سچ فرمایا۔ ارشاد ہوا: ''نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے۔ اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو۔'' [1]

ایک دفعہ ایک صحابیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ بکری ذبح کی اور آپ کو اور دیگر رفقا کو کھانا کھانے کے لئے بلایا۔ آپ تشریف لے گئے اور گوشت کا ایک لقمہ اٹھا کر ابھی چکھا ہی تھا کہ فرمایا: ''یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔'' صحابیہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! آل معاذ اور ہمارے خاندان میں پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ہماری چیز بے تکلف لیتے ہیں اور ہم ان کی چیز [2] دوسری روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی پڑوسن سے یہ بکری مانگی اس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دے دی۔

غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں بکری کا گوشت تھا۔ آپ نے چند رفقا کے ساتھ اس کو کھانا چاہا، ابھی پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ہاتھ روک لو اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے۔'' اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود کو جمع کیا جائے جب وہ جمع ہو چکے تو آپ نے دریافت کیا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا تم سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے ہاں کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟'' انہوں نے کچھ بتایا آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم جھوٹے ہو تمہارے باپ کا یہ نام ہے۔'' اس امتحان کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا؟'' انہوں نے کہا، ہاں۔ آپ ﷺ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا: ''بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔'' [3]

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ جو صہیب رومی کر کے مشہور ہیں جس شب کو آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ انہوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی، لیکن کفار نے ان کو روک دیا۔ وہ رات بھر کھڑے رہے اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا۔ کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضے نے خود ہی مجبور کر دیا ہے یہ

---

[1] مسند احمد، حديث وابصة الاسدى، ج ٤، ص: ٢٢٧ وابو يعلى وبيهقى وابو نعيم فى حلية الاولياء، ذكر وابصة بن معبد الجهنى، ج ٢، ص: ٢٤۔ [2] حاكم فى المستدرك عن جابر ٤/ ٢٣٤، ٢٣٥؛ مسند احمد، ج ٣، ص: ٣٥١۔ [3] سنن ابى داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما أو اطعمه فمات: ٤٥١٢ ودارمى باب ما اكرم النبى: ٦٩ وبيهقى۔

کہہ کر وہ چلے گئے۔ انہوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پا کر مدینہ کا راستہ لیا۔ کافروں نے ان کو پکڑ لیا۔ آخر کچھ زرونقد دے کر ان سے رہائی حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھنے کے ساتھ فرمایا: ''اے ابویحییٰ! تمہاری خرید وفروخت بڑے نفع کی رہی۔'' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ ﷺ کو خبر کرتا یہ یقیناً آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا۔ ❶

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی والدہ مکرمہ نے ایک دن اپنے بیٹے پر عتاب کیا کہ تم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اتنے دن ہوگئے کیوں نہ گئے۔ انہوں نے معذرت کی اور کہا کہ آج جا کر اپنی اور آپ کی مغفرت کی دعا کراؤں گا۔ چنانچہ وہ مغرب کی نماز میں جا کر حاضر ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو یہ بھی پیچھے چلے۔ آپ نے آواز پہچان کر فرمایا: ''کون؟ حذیفہ! خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے۔'' ❷ گویا درخواست سے پہلے ہی حذیفہ کی درخواست سمع اقدس تک پہنچ چکی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی اس قوت اطلاع کا اس قدر یقین تھا کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ایک ایک عمل کا خوف لگا رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ خدا آپ کو اس سے باخبر کر دے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی کھل کر ملتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن میں کچھ نازل ہو جائے، تو رسوائی ہو ❸ علاوہ ازیں منافقین کے تمام اندرونی حالات اور ناموں سے بھی آپ ﷺ کو ایک ایک کر کے واقفیت تھی۔ ❹

---

❶ مستدرك حاكم، ج ۳، ص: ٤٠٠ بروایت صحیحہ ذہبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ذکر مناقب صہیب۔

❷ جامع ترمذی، كتاب المناقب: ۳۷۸۱۔ ❸ صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب الوصاة بالنسآء: ٥١٨٧؛ مسند احمد، ج ۲، ص: ٦٢۔ ❹ صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب حديث كعب بن مالك: ٤٤١٨۔

اہل کتاب کے سوالات کا جواب دینا

یہ دوست دشمن اور موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ لکھے پڑھے نہ تھے۔ یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں سے آپ ﷺ کو تعلیمی واقفیت نہ تھی۔ تورات و انجیل اور علمائے یہود و نصاریٰ نے ان کی شرحوں میں یا اپنی دوسری مذہبی تصنیفات میں جو کچھ لکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا ایک صفحہ بھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا اور یہی آخری چیزیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ایمان و عقائد کا جزو ہو گئی تھیں اور عوام میں ان ہی کتابوں کو مقبولیت حاصل تھی بایں ہمہ آپ ﷺ کا ان کے سوالات کا صحیح جواب دینا، آپ کی روحانی تعلیم کی کھلی شہادت ہے۔ مکہ میں جب آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو کفار عرب کو عموماً آپ کے اس دعویٰ پر یقین نہیں آیا۔ اس لئے انہوں نے معجزات طلب کئے اور جب وہ دکھائے گئے تو ان کو سحر اور جادو کہنے لگے۔ پھر ان کو خیال آیا کہ یثرب خیبر اور شام میں جا کر یہودیوں سے ملیں اور ان سے پوچھ کر چند ایسے سوالات دریافت کریں۔ جن کے جوابات محمد ﷺ سے مانگے جائیں اور چونکہ وہ لکھے پڑھے نہیں ہیں اور مکہ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو ان کے جوابات بتا سکے گا اس لئے وہ ان کے جوابات نہ دے سکیں گے اور اس طرح اس مدعی نبوت کی قلعی کھل جائے گی اور اس کا کذب سب پر واضح ہو جائے گا اس خیال کی بنا پر وہ یہودیوں سے جا کر ملے۔ ان سے آپ کے حالات بیان کئے اور آپ سے پوچھنے کے لئے ان سے چند سوالات مانگے۔ چنانچہ انہوں نے چند سوالات دیے کہ یہ جا کر اس سے پوچھو اگر وہ پیغمبر نہ ہوگا تو ہرگز اس کا جواب نہ دے سکے گا۔

یہ تین تاریخی سوالات تھے۔ اصحاب کہف کا حال، حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات کا واقعہ اور ذوالقرنین کا قصہ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قصے وحی کے ذریعے سے آنحضرت ﷺ کو بتا دیے اور آپ نے ان کو پڑھ کر کفار کو سنایا۔ چنانچہ سورۂ کہف میں یہ تینوں قصے مذکور ہیں اور آخری قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِى ٱلْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا۟ عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ﴾

(۱۸/ الکہف:۸۳)

''اور کفار تجھ سے (اے پیغمبر ﷺ!) ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں کہ دے کہ میں اس کا تھوڑا ذکر تم کو سناتا ہوں۔''

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے۔ جو گویا یہودیوں ہی کا شہر تھا تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس مدعی نبوت علیہ السلام کے دعوائے نبوت کا امتحان انہی کتابی سوالات سے لیا جائے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ ہماری کتابوں سے واقف نہیں۔ اس لئے وہ ان کے صحیح جوابات نہ دے سکے گا اور اگر اس

نے یہ کہہ دیا کہ یہ سوالات یا جن کتابوں میں وہ سوالات مذکور ہیں وہ غیر معتبر ہیں تو ان سوالوں اور کتابوں کا اثر یہود میں اس قدر ہے کہ ان کی تکذیب سے خود محمد ﷺ کی جہالت اور کذب دعویٰ کا (نعوذ باللہ) پردہ فاش ہو جائے گا۔لیکن اتنے بڑے مجمع میں سب لوگ بدنیت ہی نہ تھے۔ بلکہ ان میں بعض لوگ نیک نیت بھی تھے اور وہ نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کتابوں میں جو مخفی اسرار لکھے ہوئے ہیں، ان کو پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ آئے، تو عبداللہ بن سلام مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم آپ سے ملنے آئے اور کہا کہ میں آپ سے تین سوال کروں گا، جن کا جواب پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ (نمبر۱) یہ بتائیے کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ (نمبر ۲) اور اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی؟ (نمبر۳) اور بچہ کبھی ماں سے اور کبھی باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے لے کر مغرب تک لے جائے گی اور اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر ہے اور ماں یا باپ سے بچہ کی مشابہت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب باپ کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو بچہ باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور جب ماں کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو ماں سے مشابہ ہوتا ہے۔'' عبداللہ بن سلام نے یہ جوابات سن کر کہا کہ میں آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ [1]

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم خدمت والا میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد (ﷺ!) میں تم سے چند سوالات کروں گا تم جواب دو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے جواب سے تم کو فائدہ ہوگا۔'' اس نے کہا، سنو! یہ بتاؤ کہ قیامت کے دن جس وقت آسمان اور زمین بدلے جائیں گے لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا: ''پل کے پیچھے تاریکی میں۔'' دوسرا سوال اس نے کیا کہ سب سے پہلے جنت میں جانے کی کس کو اجازت ملے گی؟ جواب دیا: ''ان غریبوں کو جو راہ حق میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں۔'' اس نے کہا، اب میں تم سے وہ بات پوچھتا ہوں جس کا جواب روئے زمین پر صرف پیغمبر یا پیغمبر کے علاوہ ایک ہی دو آدمی دے سکتے ہیں۔ بتاؤ کہ بچہ کبھی لڑکی اور کبھی لڑکا کیوں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مرد کا نطفہ سپید اور عورت کا زرد ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں تو اگر مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ خدا کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ لڑکی ہوتی ہے۔'' یہودی نے یہ جواب سن کر کہا کہ بے شک تم نبی ہو اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جوابات مجھ کو خدا نے القا کیے۔ مجھے پہلے سے معلوم نہ تھے۔'' [2]

مسند ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی خدمت اقدس میں آئے اور کہا کہ ہم آپ ﷺ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم و ذریتہ: ۳۳۲۹۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب بیان صفۃ منی الرجل والمرأۃ: ۷۱٦۔

سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو تم چاہو پوچھ سکتے ہو لیکن یہ وعدہ کرو کہ اگر میں نے ایسے جوابات دیے، جن کو تم نے صحیح سمجھا تو کیا اسلام قبول کر لو گے؟'' انہوں نے کہا، ہاں ہم کو یہ شرط منظور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا پوچھو کیا پوچھتے ہو۔'' انہوں نے کہا کہ چار سوالوں کے جواب دیجیے۔ پہلا یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات کے اترنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کا کیا واقعہ ہے؟ دوسرا یہ کہ ایک ہی نطفہ کبھی نر اور کبھی مادہ کیونکر ہو جاتا ہے؟ تیسرا یہ کہ توراۃ میں نبی امی کی کیا پہچان بتائی گئی ہے [1] اور چوتھا یہ کہ فرشتوں میں سے تمہارا دوست یا نگہبان کون ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم یہ جانتے ہو کہ ایک دفعہ یعقوب علیہ السلام سخت بیمار پڑے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ چھوڑ دوں گا۔ ان کو کھانے میں سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹ کا دودھ پسند تھا۔ چنانچہ صحت کے بعد انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔'' یہودیوں نے کہا، خدایا سچ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدایا گواہ رہو۔'' پھر فرمایا: ''میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل کی تم کو یہ معلوم ہے کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سپید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زرد ان میں جو جنس غالب ہوتی ہے وہ نطفہ بھی خدا کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے اور اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے کہا، خدایا درست ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدایا گواہ رہ۔'' پھر فرمایا: ''میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر تورات نازل کی تم کو یہ معلوم ہے کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہیں سوئے گا۔'' انہوں نے کہا، خدایا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدایا گواہ رہ۔'' یہودیوں نے کہا، اچھا یہ بتائیے کہ فرشتوں میں آپ کا رفیق کون ہے؟ اسی جواب کے معلوم کرنے کے بعد ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ سے الگ ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا رفیق جبرائیل ہے اور دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس کا وہ رفیق نہ ہو۔'' یہودیوں نے کہا، تو ہم پھر آپ ﷺ کے ساتھ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ [2]

صحیح بخاری باب التفسیر (بنی اسرائیل) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا کہ راہ میں چند یہودی ملے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد ﷺ سے کچھ پوچھنا چاہیے بعضوں نے کہا، اس کی ضرورت نہیں۔ شاید وہ کوئی ایسا جواب دیں جو تم کو ناگوار ہو۔ بالآخر انہوں نے طے کیا کہ بہرحال کچھ پوچھنا چاہیے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ محمد! بتاؤ روح کیا چیز ہے؟ آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سمجھ

---

[1] روایت کے الفاظ یہ ہیں کیف هذا النبی فی النوم یعنی حالت خواب میں نبی امی کی کیا پہچان ہے۔

[2] مسند ابی داود الطیالسی: ۲۸۵٤ بروایت شهر بن حوشب عن ابن عباس۔

گیا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾

(۱۷/ بنی اسرآئیل: ۸۵)

''وہ پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے؟ اے پیغمبر ﷺ! کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔'' [1]

جامع ترمذی (تفسیر بنی اسرائیل) مستدرک حاکم (جلد ا ص ۹) اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی راستہ میں جا رہے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ پوچھیں، دوسرے نے کہا کہ اس کو پیغمبر نہ کہو تم کو وہ اپنی نسبت پیغمبر کہتے سنے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ اس کے بعد وہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آ کر پوچھا کہ موسیٰ کو جو نو احکام ملے تھے وہ کیا تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ یہ تھے کہ (۱) شرک نہ کرو (۲) زنا نہ کرو (۳) ناحق قتل نہ کرو (۴) چوری نہ کرو (۵) جادو نہ کرو (۶) بے گناہ کی چغلی نہ کھاؤ (۷) سود نہ کھاؤ (۸) پاک دامن عورت پر بہتان نہ باندھو اور (۹) میدان جنگ سے فرار نہ کرو۔'' راوی کو اس نویں حکم میں شک ہے۔ پھر فرمایا: ''اور تمہارے لئے اے یہود! خاص حکم یہ ہے کہ (۱۰) سبت مناؤ۔'' ان دونوں نے یہ جواب سن کر آپ ﷺ کے دست و پائے مبارک کے بوسے دیے اور یہ کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟'' انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اس کی نسل میں ہمیشہ پیغمبر ہوا کرے گا اور اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہم ڈرتے ہیں کہ یہود ہم کو مار نہ ڈالیں۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول الله تعالی ﴿وما اوتیتم من العلم الا قلیلا﴾: ۱۲۵ وکتاب التفسیر: ۴۷۲۱۔ [2] جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن سورة بنی اسرائیل: ۳۱۴۴؛ مستدرک حاکم، ج ۱، ص: ۹؛ مسند ابی داود الطیالسی: ۱۲۶۰ میں بھی روایت موجود ہے۔

اخبارِ غیب یا پیشین گوئی

فطرت بشری کے عجز اور بیچارگی کا سب سے بڑا دردناک نظارہ مستقبل سے ناواقفیت اور جہالت ہے انسان کی مضطرب اور بے چین فطرت مستقبل کے بحر ظلمات میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور تھک کر اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کر لیتی ہے اور اسی لئے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ جو انسانیت سے مافوق کسی دعویٰ کا مدعی ہو اس کی آزمائش اور امتحان کے لئے اسی بحر بیکراں کی شناوری کو معیار اور سند قرار دیدے، چنانچہ یہی اخبار غیب اور پیشین گوئی کی قدرت نبوت اور رسالت بلکہ عام بزرگی اور ولایت کے ثبوت پر نوع انسانی کے عام افراد کے نزدیک ایک دلیل اور حجت قائمہ ہے، بنی اسرائیل کے نزدیک یہ وصف نبوت کا اس درجہ لازمہ تھا کہ ان کی زبان میں پیغمبر کا نام ہی ''پیشین گو'' ہے، عربی، عبرانی اور دوسری ساری زبانوں میں ''نبی'' یا ''نابی'' جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے، اس کے لغوی معنی مخبر اور پیشین گو کے ہیں اور نبوت کے معنی مخبری اور پیشین گوئی کے ہیں اور اسی لئے بنی اسرائیل کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی صرف اسی قدر حقیقت ہے کہ وہ غیب کا قاصد اور جہان نادیدہ کا مخبر ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عرب کاہنوں کے جال میں گرفتار تھا، عرب کے تمام مشرکانہ معابد کاہنوں کے دارالسلطنت تھے، جن میں بیٹھ کر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہے تھے، مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے وہ ایک خاص قسم کی مقفیٰ اور مسجع عبارتوں میں ان کو غیب اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے، آنحضرت ﷺ جب پیغمبر بنا کر عربوں کے درمیان بھیجے گئے، تو ان کے لئے ثبوت نبوت کی بڑی دلیل یہی اخبار غیب اور پیشین گوئی ہو سکتی تھی، آنحضرت ﷺ نے بیسیوں پیشین گوئیاں کیں اور مستقبل کے واقعات اور باتوں کو رای العین کی طرح پیش فرمایا اور سب کی سب بے کم و کاست پوری اتریں۔

آنحضرت ﷺ سے ان پیشین گوئیوں کا صدور مختلف حالتوں میں ہوا اور آپ کو ان کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی، مثلاً: کبھی قرآن مجید کی وحی کی صورت میں، کبھی عالم خواب میں اور کبھی زبان صداقت نشان کے عام الفاظ میں جس میں طریقہ اطلاع کا اظہار نہیں ہے، قرآن مجید کی پیشین گوئیوں کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، خواب کی پیشین گوئیوں کا تذکرہ کچھ عالم رؤیا کے بیان میں آچکا ہے، باقی پیشین گوئیاں سطور ذیل میں تحریر ہیں۔

فتوحاتِ عظیمہ کی اطلاع

اسلام کا آغاز جس بے اطمینانی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا، اس سے کس کو اس وقت خیال ہو سکتا تھا کہ چند نہتے، فاقہ کش، غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں یہ قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیں گے، لیکن پیغمبر صادق ﷺ نے اسی وقت بشارت سنائی کہ مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ فتح

کرو گے، مداین تمہارے ہاتھوں میں آئے گا قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے دست تصرف میں ہوں گے، مصر تمہاری حکومت میں داخل ہوگا، تم سے اور ترکوں سے جن کی چھوٹی آنکھیں اور چوڑے چہرے ہونگے (ترکستانی و منغولی ترک) جنگ ہوگی۔" [1] دنیا ان میں سے کس واقعہ کی تردید کر سکتی ہے؟

یہ پیشین گوئیاں الگ الگ بھی کی گئی ہیں۔ مگر مجموعی حیثیت سے اس وقت کی گئیں جب مسلمان مدینہ میں محصور ہو رہے تھے اور تمام عرب مدینہ کو گھیرنے کے لئے امنڈا چلا آ رہا تھا اور مسلمان ہر آن اپنی موت کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودتے ہوئے ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو توڑنے سے عاجز ہو چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے معجز نما ضرب خارا شگاف سے پتھر کے ٹکڑے کر دیے تھے، تو آپ ﷺ نے تین ضربیں ماری تھیں اور ہر ضرب کے بعد ایک چنگاری سی اڑتی تھی اور آپ ﷺ ہر بار نعرہ لگاتے تھے۔

﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

(٦/ الانعام:١١٥)

"اور تیرے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف سے پوری ہوئیں، اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا اور وہی سننے والے جاننے والا ہے۔"

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حقیقت دریافت کی، فرمایا: "جب میں نے پہلی ضرب ماری تو کسریٰ کے شہر اور ان کے اردگرد میرے سامنے کر دیے گئے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ان کو دیکھا۔" حاضرین نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! دعا کیجئے کہ وہ فتح ہوں آپ نے دعا فرمائی۔ پھر فرمایا: "دوسری ضرب میں قیصر کے شہر اور اس کے آس پاس کے مقامات دیکھے۔" حاضرین نے پھر عرض کی، یا رسول اللہ! ان کی فتح کی بھی دعا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے دعا کی پھر ارشاد ہوا: "تیسری ضرب میں حبشہ کے شہر اور گاؤں نگاہوں کے سامنے آئے۔" پھر فرمایا: "حبشہ والے جب تک تم سے تعرض نہ کریں، تم بھی تعرض نہ کرو اور ترکوں کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک وہ تمہیں چھوڑ دیں۔" [2]

یہ پیشین گوئی تو تمثیلی شکل میں تھی، آنحضرت ﷺ نے کھلے اور صریح الفاظ میں بھی بشارت سنادی تھی۔ فرمایا: "تم لوگ جزیرہ عرب میں لڑو گے اور خدا فتح دے گا۔ پھر فارس سے لڑو گے اور فتح ہوگی، پھر روم سے لڑو گے اور فتح ہوگی۔" [3]

قیصر و کسریٰ کی بربادی کی خبر

عین اس وقت جب کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں پورے جاہ و جلال سے دنیا پر حکمران تھیں اور بظاہر ان کی

---

[1] صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ٣٥٨٧ تا ٣٥٩٥ میں یہ حدیثیں ہیں۔

[2] سنن نسائی، کتاب الجهاد، باب غزوة الترك وحبشة: ٣١٧٨۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب مایکون من فتوحات المسلمین: ٧٢٨٤۔

بربادی کا کوئی سامان نہ تھا کہ مکہ کے منادی حق نے یہ پیشین گوئی کی ((اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده واذا هلك قيصر فلا قيصر بعده))۔ ''جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا۔'' [1]

نہ صرف تاریخ بلکہ آج بھی دنیا کا مشاہدہ اس آواز کی صداقت سے معمور ہے۔ ایرانی مجوسیوں کی شہنشاہی کی شکست کے بعد کیا پھر کسی ایرانی مجوسی شہنشاہ کا تاج خسروی کسی نے دیکھا؟ اور رومی شہنشاہی کی بربادی کے بعد رومی قوم کا وجود بھی اس سطح زمین پر کہیں نظر آیا؟

ساز و سامان کی بشارت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ عرض کی، ہمارے پاس قالین کہاں؟ ارشاد فرمایا کہ ''ہاں عنقریب تم قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھو گے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دن آیا جب ہم قالینوں پر بیٹھے اب اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ قالین ہٹا لے جاؤ تو وہ کہتی ہے، یہ تو آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے۔ [2]

امن و امان کی بشارت

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے، ایک نے بھوک کی، دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے عدی رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''کیوں عدی! تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟'' انہوں نے کہا، دیکھا تو نہیں ہے۔ لیکن اس کو جانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا گیا۔ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی کو خیرات کر دے لیکن دولت کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔'' عدی رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ آخر قبیلہ طے کے وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے۔ جنہوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے۔ لیکن خود عدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت تنہا چل کر آتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی ہے اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ ان کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا۔ ان میں میں بھی تھا۔ صرف تیسری پیشین گوئی میرے سامنے پوری ہونے سے رہ گئی ہے۔ جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اس کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ [3] چنانچہ راویوں کا بیان ہے کہ بنی امیہ کی سلطنت کے زمانہ

[1] صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ: ۳۶۱۸، ۳۶۱۹ و صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لاتقوم الساعۃ حتی...... : ۷۳۲۷۔ [2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ: ۳۶۳۱۔ [3] ایضًا: ۳۵۹۵۔

میں یہ واقعہ بھی بعینہٖ گزرا۔

ابوصفوان کے قتل کی خبر

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کا دارالامان مل گیا اور اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا تو یہ دیکھ کر قریش کے سردار مدینہ پر حملہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ اسی اثنا میں انصار کے ایک رئیس سعد رضی اللہ عنہ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے اور ابوصفوان (امیہ) کے گھر جا کر مہمان ہوئے۔ ابوصفوان ایک دفعہ موقع پا کر ان کو طواف کرانے لایا۔ وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل نکل آیا۔ اس نے کہا، تم مکہ آ کر بے خوف و خطر کعبہ کا طواف کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور سمجھتے ہو کہ خدا اور سول کی تم نصرت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! اگر ابوصفوان کے ساتھ تم نہ ہوتے تو یہاں سے سلامت گھر نہ جا سکتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم کو طواف نہ کرنے دو گے تو ہم تمہارا قافلہ تجارت مدینہ کے راستہ سے گزرنے نہ دیں گے۔ ابوصفوان نے کہا کہ اے سعد! ان سے سخت لہجہ میں گفتگو نہ کرو یہ اس وادی کے سردار ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، اے صفوان! اپنی طرف داری رہنے دو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ ابوصفوان نے کہا، کیا وہ یہاں آ کر مجھے ماریں گے؟ انہوں نے جواب دیا، یہ مجھے نہیں معلوم۔ یہ سن کر ابوصفوان کے بدن پر رعشہ پڑ گیا وہ گو کافر تھا لیکن اس کو معلوم تھا کہ دہن رسالت ﷺ سے آج تک کوئی غلط بات نہیں نکلی۔ چنانچہ اس کے بعد بدر کی لڑائی کا موقع پیش آیا۔ تو اس کی بیوی نے جانے سے روکا اور سعد رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی یاد دلائی۔ ابوصفوان نے بھی ڈر کر اس فوج میں شرکت سے انکار کر دیا، لیکن ابوجہل اس کو سمجھا بجھا کر لے گیا۔ بالآخر اسی کا رزار بدر میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ [1]

نام بنام مقتولین بدر کی خبر

بدر کا معرکہ جب پیش آنے والا تھا۔ آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر میدان میں گئے اور بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے۔ یہ ابوجہل کا مقتل ہے۔ یہاں قریش کا وہ بڑا سردار مارا جائے گا۔ یہ عجیب و غریب پیشین گوئی تھی۔ تین سو، ساڑھے تین سو نیم مسلح بے سروسامان سپاہیوں کا افسر ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی غرق آہن باساز وسامان فوج کی شکست اور افسروں کے قتل و موت کا اعلان کر رہا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہر سردار قریش کے لئے آپ نے جو جگہ مقرر فرمادی تھی، وہیں اس کی لاش خاک و خون میں لتھڑی پائی گئی۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر: ۳۹۵۰۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة بدر: ٤٦٢١۔

فاتح خیبر کی تعیین

خیبر میں یہودیوں کے متعدد مستحکم اور مضبوط قلعے تھے۔ ہر روز مسلمان افسر علم وفوج لے کر جاتے تھے اور زور آزمائی کرتے تھے اور شام کو ناکام واپس آتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا: ''کل علم میں اس کے ہاتھوں میں دوں گا، جس کو خدا اور اس کا رسول پیار کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ پر کل فتح ہوگی۔'' اسلام کی صف میں ہر حوصلہ مند شمشیرزن نے کل کی توقع پر بے قراری میں رات بسر کی، کو کبہ صبح جب طلوع ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پردۂ غبار سے نمودار ہوئے۔ حضرت ممدوح کو آشوب چشم تھا۔ اس لئے وہ ساتھ نہ آسکے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں علم دیا اور خیبر کا میدان اسی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہوا۔ [1]

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کی اطلاع

آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور ان کے کان میں کوئی بات کہی کہ وہ رونے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ان سے ایک اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر نہیں کرسکتی۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ ان سے دریافت کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، ہاں اب میں بتاسکتی ہوں۔ حضور ﷺ نے پہلے مجھ سے یہ فرمایا: ''میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا۔'' اور پھر فرمایا: ''اے فاطمہ! میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم آکر مجھ سے ملوگی۔'' [2] یہ دونوں باتیں صحیح ہوئیں۔ آپ ﷺ نے اسی مرض میں وفات پائی اور آپ کی وفات کے تقریباً چھ ہی مہینوں کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا بھی اس دنیا سے چل بسیں۔

خود اپنی وفات کی اطلاع

آنحضرت ﷺ نے جس سال وفات پائی ہے۔ آپ نے اسی سال اس دنیا سے اپنی تشریف بری کا عام اعلان کردیا تھا۔ حجۃ الوداع سے پہلے معاذ رضی اللہ عنہ کو داعی اسلام بنا کر یمن بھیجا تھا۔ ان کو رخصت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ! اب اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے۔ واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔'' یہ سن کر وہ رونے لگے۔ [3] حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہزاروں مسلمانوں کے روبرو آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید کہ آئندہ سال تم مجھے نہ پاسکو گے۔'' مرض الموت سے کچھ دن پیشتر فرمایا: ''خدا نے اپنے بندہ کو دنیا اور آخرت کی زندگی کا اختیار دیا، تو اس نے آخرت کی زندگی پسند کی۔'' [4]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر: ٤٢٠٩۔ [2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ: ٦٣١٢، ٦٣١٤ وصحیح بخاری، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ٣٦٢٣، ٣٦٢٥۔ [3] مسند احمد، ج ٥، ص: ٢٣٥۔

[4] صحیح بخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ سدوا الابواب الا باب ابی بکر: ٣٦٥٤؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی بکر: ٦١٧٠۔

فتح یمن کی خبر

یمن ۸ ہجری میں فتح ہوا، مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی فتح اور وہاں کے مسلمانوں کی دور دراز ملکوں میں ہجرت کی خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''یمن فتح کیا جائے گا، تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اہل وعیال اور جوان کا کہا مانیں گے ان کو لے کر آئیں گے۔ حالانکہ مدینہ ہی کا قیام ان کے لئے بہتر ہوتا، اگر وہ جانتے۔'' [1] آخر یمن خود آپ کی زندگی میں فتح ہوا اور آپ کے بعد جب وہاں بغاوت ہوئی تو عہد صدیقی میں دوبارہ فتح ہوا اور وہاں سے لوگ نکل نکل کر ایک طرف مشرق میں خراسان اور ترکستان تک اور دوسری طرف مغرب میں افریقہ اور اسپین تک پھیل گئے اور پھر ان تمام ملکوں میں یمنی اور حجازی قبائل کی باہمی خانہ جنگی کے باعث تباہی تاریخ کے مشہور ومعروف واقعات ہیں۔

فتح شام کی خبر

پھر فرمایا: ''اور شام مفتوح ہوگا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اپنے اہل وعیال اور ہمراہیوں کو لے کر آئیں گے اور مدینہ ان کے لئے بہتر ہوتا، اگر وہ جانتے۔'' [2] امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب تم لوگ شام کی طرف ہجرت کرو گے تو وہ تمہارے لئے فتح کر دیا جائے گا۔'' [3] معلوم ہے کہ شام فتح ہونے کے ساتھ وہ عربوں کا مسکن بن گیا اور آج بھی ان کی آبادی وہاں سب سے زیادہ ہے۔

فتح عراق کی خبر

پھر ارشاد ہوا: ''عراق مفتوح ہوگا اور لوگ وہاں بھی اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اہل وعیال کو لے کر آئیں گے۔ حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر تھا، اگر وہ سمجھتے۔'' [4] فتح عراق کی بشارت کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔

خوزستان اور کرمان کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت سے پہلے تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے۔'' [5] دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، جب تک تم خوز و کرمان کے عجمیوں سے نہ لڑو گے، جن کے چہرے سرخ، ناکیں چپٹی، آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔ ان کے چہرے ہتھوڑوں سے پٹی ہوئی ڈھالوں کے مانند ہوں گے (یعنی چوڑے چپٹے) اور ان کے جوتے بال کے ہوں گے۔'' [6] اور روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: ''اس وقت تک قیامت نہ آئے گی، جب تک مسلمان ترکوں سے نہ لڑیں، جن کے چہرے چپٹے ہوں گے، جن کے لباس

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ترغیب الناس فی المدینة عند فتح الامصار: ۳۳٦٤، ۳۳٦٥ ومؤطا مالك: ١٦٤٢ وعبدالرزاق وابن خزیمة وابن حبان۔ [2] مسلم، ایضًا: ۳۳٦٤، ۳۳٦٥۔

[3] مسند احمد، ج٥، ص: ٢٤١ روایت معاذ۔ [4] صحیح مسلم، کتاب الحج: ۳۳٦٤، ۳۳٦٥ ومؤطا امام مالك: ١٦٤٢۔ [5] صحیح بخاری، باب علامات النبوة فی الاسلام: ۳٥٩١۔ [6] ایضًا: ۳٥٩٠۔

بال کے ہوں گے اور بال ہی کے (موزے یا جوتے) پہن کر وہ چلتے ہوں گے۔'' [1] یہ تمام پیشین گوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہو گئیں۔

فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم عنقریب مصر فتح کرو گے جہاں کا قیراط مشہور ہے۔ جب اس کو فتح کرو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا۔ کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان تعلق اور رشتہ ہے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی بیوی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں ہاجرہ مصری تھیں اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کے لئے دو آدمی لڑتے ہوں تو وہاں سے نکل جانا۔ خود ابوذر رضی اللہ عنہ نے بعینہٖ ایسا ہی دیکھا اور وہ وہاں سے واپس چلے آئے۔ [2]

غزوۂ ہند کی خبر

ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے دو گروہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ آتش دوزخ سے بچائے گا۔ ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہوگا۔'' دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے (مسلمانوں سے) ہندوستان کے غزوہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ تو اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دوں گا، تو اگر میں اس میں شہید ہوا تو بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر زندہ لوٹا تو میں آتش دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔ [3] یہ پیشین گوئیاں امام نسائی المتوفی ۳۰۲ ھجری کی سنن میں ہیں۔ جو سلطان محمود کے حملہ ہندوستان ۳۹۲ھ سے تقریباً سو برس پہلے لکھی گئی ہے۔

بحر روم کی لڑائیاں

بحر روم جس کو بحر اخضر اور بحر متوسط (میڈیٹیرین سی) بھی کہتے ہیں۔ یورپ اور ایشیا کی اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاصل ہے اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کا جولان گاہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ خواب راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا: ''اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے۔ یہ بحر اخضر میں (جہاد کے لئے) اپنے جہاز ڈالیں گے۔'' [4] یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور

---

[1] ایضاً: ۳۵۸۷۔ [2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب الوصية النبی ﷺ باھل مصر: ۶۴۹۳، ۶۴۹۴؛ احمد، ۵/ ۱۷۴۔ [3] یہ دونوں روایتیں سنن نسائی، کتاب الجهاد، باب غزوة الهند: ۳۱۷۵، ۳۱۷۶ میں ہیں۔ [4] صحیح بخاری، باب الرؤیا فی النهار: ۷۰۰۲؛ مسلم، کتاب الامارة، باب غزوة البحر: ۴۹۳۴، ۴۹۳۵ وابوداود، کتاب الجهاد، باب فضل الغزو فی البحر: ۲۴۹۰۔

دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔

بیت المقدس کی فتح

بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے اور اس کی تولیت امت محمدیہ کا حق تھا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس تولیت کی بشارت دے دی تھی اور فرما دیا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا۔ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت سے پہلے چند واقعے گن رکھو۔ (اول) میری موت، پھر بیت المقدس کی فتح۔'' [1] اس کے بعد آپ ﷺ نے چار اور باتیں بیان فرمائیں۔ یہ بشارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۱۶ھ میں پوری ہوئی۔

فتح قسطنطنیہ کی بشارت

فتح قسطنطنیہ کی متعدد بشارتیں ہیں، ایک دفعہ فرمایا: ''تم لوگ یقیناً آئندہ قیصر کے خزانوں پر متصرف ہو گے۔'' [2] اور فرمایا: ''میری امت کی ایک جماعت بحر اخضر (بحر روم جس کے ساحل پر قسطنطنیہ) میں سوار ہو گی۔'' [3] مسلمانوں کی پہلی جماعت اسی قسطنطنیہ کی فتح کے لئے اس دریا میں سوار ہوئی۔ آثار قیامت کے سلسلہ میں فرمایا: ''یہ ہوگا یہ ہوگا پھر تم قسطنطنیہ فتح کرو گے۔'' [4] ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ بے شبہ قسطنطنیہ فتح کرو گے تو اس کا حاکم (مسلمان) کتنا اچھا حاکم ہوگا اور وہ (فتح کرنے والی) فوج کیسی اچھی فوج ہوگی۔'' [5] مسلمان خلفا اور سلاطین میں سے ہر باہمت نے اس کو پورا کرنے کے لئے قسمت آزمائی کی۔ مگر ازل سے یہ سعادت سلطان محمد فاتح کی قسمت میں آ چکی تھی۔

فتح روم کا اشارہ

جس طرح قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ رومیہ (روم) مغربی رومی سلطنت کا دارالحکومت تھا اور جواب اٹلی کا پایہ تخت ہے۔ یہ مغربی عیسائیوں کا مقدس شہر ہے۔ گو صاف اور صریح الفاظ میں نہیں، لیکن اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی فتح کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ اسپین اور مغرب کے مسلمانوں نے اس کے مناروں کے اوپر بھی اسلام کا علم ایک دفعہ بلند کر دیا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجزیة، باب مایحذر من الغدر: ۳۱۷۶۔ [2] صحیح بخاری، باب علامات النبوة: ۳۶۱۸، ۳۶۱۹ وصحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة: ۷۳۲۷۔

[3] صحیح بخاری، باب رکوب البحر: ۲۸۹٤ وباب الرؤیا فی النهار: ۷۰۰۲۔

[4] صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب فی فتح القسطنطنية: ۷۲۷۸۔

[5] مسند احمد، ج٤، ص: ۳۳۵، وحاکم وابن ابی شیبه۔

تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا یا رومیہ؟ انہوں نے اپنی یادداشت کے کاغذوں کو دیکھ کر جواب دیا کہ ہم لوگ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے اردگرد حاضر تھے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا یا رومیہ؟ فرمایا: ''نہیں پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا۔'' [1] آنحضرت ﷺ نے رومیہ کے متعلق جو زیادہ وضاحت نہیں فرمائی اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ مسلمانوں کی حکومت کا وہاں فتح کے بعد قسمت الٰہی میں باقی رہنا منظور نہ تھا۔

فاتح عجم کا اشارہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ کی ہمرکابی میں مکہ معظّمہ گئے تھے۔ وہاں جا کر وہ اس قدر سخت بیمار پڑے کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ تو ان کا اضطراب دیکھ کر ان کو تسلی دی اور ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا: ''تم اگر خدا نے چاہا تو ابھی نہیں مرو گے۔ تم اگر خلوص سے کام کرو گے تو درجہ عظیم ملے گا۔ بہتیرے لوگوں کو تم سے فائدہ اور بہتوں کو تم سے نقصان پہنچے گا۔'' [2] یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے عجمی فتوحات کی بشارت تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سپہ سالار اسلام بن کر بڑا درجہ پایا اور چند سال میں کسریٰ کا تاج و تخت چھین لیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کو ان کی ذات سے فائدہ عظیم اور مجوسیوں کو نقصان عظیم پہنچا۔

مرتدین کی اطلاع

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عرب کے متعدد اطراف میں دعویداران کاذب پیدا ہو گئے اور بہت سے لوگ جو اسلام کا کلمہ پڑھ چکے تھے ان کے ساتھ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کی پہلے ہی اطلاع دے دی تھی۔ فرمایا: ''حوض کوثر پر بہت سے لوگ آئیں گے میں کہوں گا کہ یہ میرے ساتھی ہیں لیکن فرشتے ان کو دھکے دے کر نکال دیں گے اور کہیں گے کہ یارسول اللہ! آپ کو معلوم نہیں کہ یہ آپ کے بعد بدل گئے تھے۔'' [3]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کی اطلاع

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اطلاع دی تھی: ''تم میں سب سے پہلے مجھ سے آ کر وہ ملے گی، جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔'' ازواج مطہرات کو آنحضرت ﷺ سے جو محبت تھی، اس کا ایک نتیجہ

---

[1] مسند احمد، ج ۲، ص: ۱۷۶۔ [2] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار: ۳۹۳۶ ومسلم، کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ بالثلث: ۴۲۰۹ وابوداود، کتاب الوصایا: ۲۸۶۴۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ماجاء فی قول اللّٰہ: ﴿واتقوا فتنۃ......﴾ ۷۰۵۰، ۷۰۵۱؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا: ۵۹۷۴۔

یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے مطابق وہ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم میں سے سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضور ﷺ کا کیا مقصد تھا۔ (ہاتھ کا لمبا ہونا عربی میں کشادہ دستی اور فیاضی سے کنایہ ہے) زینب رضی اللہ عنہا ہم سب سے زیادہ کشادہ دست تھیں۔ [1]

اُم ورقہ رضی اللہ عنہا کو شہادت کی خوشخبری

ام ورقہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب بدر کا ارادہ کیا تو انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! مجھ کو بھی اس میں شرکت کی اجازت دیجئے۔ شاید کہ خدا مجھے شہادت نصیب کرے۔ فرمایا: ''تم اپنے گھر ہی میں رہو۔ تمہیں شہادت نصیب ہوگی۔'' چنانچہ وہ زندگی ہی میں اس پیشین گوئی کے مطابق شہیدہ کہلاتی تھیں۔ ان کے پاس ایک غلام اور ایک لونڈی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان دونوں نے مل کر ایک رات ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس طرح اطلاع نبوی ﷺ کے مطابق انہوں نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی۔ [2]

خلفا کی بشارت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انبیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی مرتا تھا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفا ہوں گے اور بہت ہوں گے۔'' [3]

بارہ خلفا

آپ ﷺ کے بعد بارہ خلفا کے ہونے کی بشارتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں آئی ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: ''اس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے۔ [4] یہ حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی۔ جب تک اس پر بارہ حکمران نہ ہولیں۔ بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا۔ میرے بعد قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے۔ پھر چھوٹے لوگ ہونگے۔'' ابوداود (کتاب المھدی) میں یہ الفاظ ہیں: ''یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ اس میں بارہ خلیفہ گزر جائیں۔ ان سب پر تمام امت مجتمع ہوگی۔'' علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفا میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابوداود کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنوامیہ میں سے ان بارہ خلفا کو گناتے

---

[1] صحیح مسلم، باب من فضائل زینب: ٦٣١٦۔ [2] سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب امامة النسآء: ٥٩١ وابن راھویہ۔ [3] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة: ٤٧٧٣۔

[4] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش: ٤٧٠٨، ٤٧١٠۔

ہیں جن کی خلافت میں تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ہشام۔ [1] شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کر دے گا۔

خلافت راشدہ کی مدت

فرمایا: ''خلافت (یعنی خلافت راشدہ) میرے بعد تیس برس ہوگی [2] پھر بادشاہی ہو جائے گی۔'' یہ تیس سال کی مدت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے۔

خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت	خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ	۱۱ھ۔ ۱۳ھ	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	۲۳ھ۔ ۳۵ھ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ	۱۳ھ۔ ۲۳ھ	حضرت علی رضی اللہ عنہ	۳۵ھ۔ ۴۰ھ

شیخین کی خلافت کی پیشین گوئی

آنحضرت ﷺ نے گو صریح اور صاف الفاظ میں اپنے جانشینوں کی تعیین نہیں فرمادی تھی۔ مگر آپ کو یہ علم بخشا جاچکا تھا کہ حالات اس طرح رونما ہوں گے۔ ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ ''میں سویا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں کی جگت پر دیکھا۔ جس پر ڈول پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس میں سے اتنے ڈول پانی نکالے جتنے خدا نے چاہے۔ پھر اس ڈول کو ابوقحافہ کے بیٹے ابوبکر نے لیا۔ انہوں نے بھی اس سے ایک دو ڈول پانی کھینچا۔ مگر ان کے کھینچنے میں کسی قدر ضعف تھا۔ خدا ان کو معاف کرے۔ پھر یہ ڈول ایک بڑا سا ڈول بن گیا۔ تو خطاب کے بیٹے عمر نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس طرح کھینچا کہ کسی طاقتور آدمی کو میں نے ان کے برابر کھینچتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ حوض لبالب بھر گیا اور پینے والوں کا چاروں طرف سے ہجوم ہوگیا۔'' [3]

یہ خلافت صدیقی و فاروقی کی تمثیلی پیشین گوئی ہے۔ جس کی آئندہ واقعات نے حرف حرف تصدیق کی۔

مسلمانوں کو دولت کی کثرت اور فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جن فتنوں کا آغاز ہوا، اور مسلمانوں میں جو خانہ جنگیاں پیش

---

[1] مقدمہ تاریخ الخلفاء سیوطی، ص:۹۔ [2] جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی الخلافة: ۲۲۲۶؛ سنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی الخلفاء: ٤٦٤٦، ٤٦٤٧؛ مسند احمد، ٥/ ٢٢٠۔

[3] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر: ٣٦٨٢ کتاب التعبیر، باب نزع الذنوب: ٧٠٢٠؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر: ٦١٩٢ آخری فقرے حتی ضرب الناس بعطن کا مرادی ترجمہ ہے لفظی نہیں دیکھو فتح الباری، ج ١٢، ص: ٣٦٤۔

آ ئیں۔ان کا پورا پورا علم آپ ﷺ کو عطا ہوا تھا اور اسی لئے آپ نے بار بار مسلمانوں کو اس سے متنبہ کر دیا تھا۔ایک دفعہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شہر کے باہر تھے۔آپ نے ہمراہیوں سے پوچھا: ''مجھ کو جو نظر آ رہا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو؟'' سب نے عرض کی نہیں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں پر بارش کی طرح فتنے برس رہے ہیں۔'' 1 دوسری دفعہ فرمایا: ''خدا کی قسم! مجھ کو تم پر فقر و فاقہ کا خوف نہیں۔ بلکہ دولت کا خوف ہے کہ جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا پھیلا دی گئی تھی۔تم پر بھی نہ پھیلا دی جائے۔تو تم اس میں آپس میں رشک وحسد کرنے لگو گے۔اور جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو غافل کر دیا،تم کو بھی غافل کر دے۔'' 2 ایک اور موقع پر ارشاد ہوا: ''دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا'' ایک دفعہ ارشاد ہوا: ''ایک زمانہ آئے گا کہ تمہارے سامنے دن کو ایک کھانے کا پیالہ اور رات کو دوسرے کھانے کا پیالہ آئے گا اور کعبہ کے پردوں کی طرح (بیش قیمت اور عمدہ) تمہارے لباس ہوں گے۔'' حاضرین نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! ہم اس حالت میں اچھے ہیں یا اس حالت میں اچھے رہیں گے۔فرمایا: ''نہیں تم اس حالت میں اچھے ہو کہ تم سب باہم ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے ہو اور اس وقت تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے۔'' 3 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ مجلس میں رونق افروز تھے،فرمایا: ''میرے بعد اختلاف اور فتنہ ہوگا'' لوگوں نے عرض کی، یارسول اللہ! تو اس وقت ہم کو کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''امیر اور اس کے رفقا کا ساتھ دینا۔'' 4 ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب میرے بعد کچھ فتنے پیدا ہوں گے۔جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔'' 5

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور ہوگا

خلافت راشدہ کے عہد میں جو فتنے برپا ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی دے دی تھی اور آپ نے ان کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتا دیا تھا۔ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے فتنہ کی نسبت جو فرمایا تھا وہ کس کو زیادہ یاد ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے یاد ہے۔ انسان کو اہل وعیال اور دولت و مال میں جو فتنہ پیش آتا ہے وہ نماز، صدقہ، اچھی باتوں کے کہنے اور بری باتوں کے روکنے سے دور ہو جاتا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، میں اس کی نسبت نہیں پوچھتا میں اس فتنہ کو پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح لہریں لے گا۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اے

---

1 صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ویل للعرب من شر قد اقترب: ۷۰۶۰ وکتاب فضائل المدینة، باب اطام المدینة: ۱۸۷۸۔ 2 صحیح بخاری، کتاب الجزیة والموادعة: ۳۱۵۸ ومسلم، کتاب الزهد: ۷۴۲۵۔
3 مسند احمد حدیث طلحة (النضری) ومستدرك حاکم۔ 4 مستدرك حاکم، ج ۳، ص: ۹۹ ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ 5 صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب تکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم: ۷۰۸۱۔

امیر المومنین! اس فتنہ سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کہ اس کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ دریافت فرمایا کہ کیا یہ دروازہ کھول دیا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا توڑ دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، تو یہ دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں ایسا ہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں بے شک ان کو اس کا اسی طرح علم تھا جس طرح اس بات کا علم ہے کہ آج کے بعد کل آئے گا۔ راوی کہتا ہے، میں لحاظ سے نہ پوچھ سکا کہ وہ دروازہ کون تھا۔ اس لئے مسروق (تابعی) سے کہا کہ وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کو دریافت کریں۔ مسروق نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود تھا [1] یہ دروازہ جب سے ٹوٹا کس کو معلوم نہیں کہ اسلام پر فتنوں کا سیلاب امنڈ آیا۔

فتنے مشرق کی جانب سے اُٹھیں گے

مستند اور معتبر حدیثوں میں پوری تصریح کے ساتھ بروایت کثیرہ مذکور ہے کہ اسلام میں فتنوں کا آغاز مشرق کی طرف سے ہوگا۔ آپ ﷺ نے انگلی سے اشارہ کرکے بار بار فرمایا: ''ادھر سے جدھر شیطان کی سینگیں یعنی سورج کی کرنیں نکلتی ہیں۔'' [2] یہ اشارہ عرب سے مشرق کی جانب تھا۔ یعنی عراق کی طرف، دیکھو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل عجمی تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کا فتنہ عراق ہی سے اٹھ کر مصر تک پھیلا۔ جنگ جمل اسی سرزمین پر ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہیں شہید ہوئے۔ امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی جنگ صفین یہیں پیش آئی۔ خوارج اسلام کا پہلا گمراہ کن فرقہ یہیں سے نکلا۔ جبریہ اور قدریہ وغیرہ اسلام کے دیگر فرقوں کی یہ بدعتیں جنہوں نے اسلامی عقائد کی سادگی کو پارہ پارہ کردیا، یہیں پیدا ہوئے۔ جگر گوشہ رسول اور خانوادۂ نبوت کا قافلہ یہیں فرات کے کنارہ لٹا۔ مختار نے ادعائے کاذب کا فتنہ یہیں پیدا کیا۔ شیعیت جس نے اسلام کو دو حصوں میں منقسم کیا، یہیں کی پیداوار ہے۔ حجاج کی سفاکیاں اسی سرزمین پر ہوئیں۔ ترک وتاتار کی غارتگریوں کے نتائج جنہوں نے اسلام کی رہی سہی طاقت اور عرب وخلافت عربی کا تار تار الگ کردیا، یہیں رونما ہوئے۔ حتیٰ کہ اس جنگ عظیم میں بھی واحد اسلامی طاقت کے ساتھ غداری کے نتائج بھی اولاً یہیں ظاہر ہوئے اور اس کے اثرات بعد کو اور اطراف میں بھی رونما ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنہ کی اطلاع

آنحضرت ﷺ مدینہ کے ایک باغ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دروازہ کھلوا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب الفتنة التی تموج کموج البحر: ۷۰۹۶۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: الفتنة من قبل المشرق: ۷۰۹۲، ۷۰۹۳؛ مسلم، کتاب الفتن: ۷۲۹۳ وغیرہ۔

کر آئے تو آپ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی، اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ نے ان کو جنت کا مژدہ سنایا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ فتنہ وامتحان سے دوچار ہونے کی بھی اطلاع دی۔ [1] چنانچہ ان کو اپنے زمانہ خلافت میں یہ فتنہ وامتحان پیش آیا اور شہادت نصیب ہوئی۔ حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں۔

حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما شہید ہوں گے

ایک دفعہ مکہ معظمہ میں کوہ ثبیر یا کوہ احد پر آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کی رفاقت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ دفعتہً پہاڑ کو جنبش ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ثبیر! ٹھہر جا کہ تیری پشت پر ایک پیغمبر ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔'' [2] پیغمبر اور صدیق کو تو سب جانتے تھے لیکن حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دو شہید کون تھے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مشکلات اور شہادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم سے میری اُمت میرے بعد بے وفائی کرے گی۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اے علی! خبردار کہ تم کو میرے بعد مصیبت پیش آئے گی۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا، کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ پیش آئے گی؟ فرمایا: ''ہاں تمہاری سلامتی دین کے ساتھ۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایک سفر میں ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ آپ نے فرمایا: ''میں بتاؤں کہ دو سب سے بدبخت انسان کون ہیں؟'' لوگوں نے عرض کی کہ ہاں یارسول اللہ ﷺ! بتایئے فرمایا: ''ایک ثمود کا سرخ رنگ بدبخت جس نے ناقہ ثمود کو قتل کیا دوسرا وہ جو اے علی! تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔'' [3]

جنگ جمل کی خبر

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے درمیان جو اتفاقی لڑائی بصرہ میں پیش آ گئی تھی۔ اس کو جنگ جمل کہتے ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات کے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔'' (حواب عراق میں ایک تالاب کا نام ہے)

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل عثمان: ٦٢١٤؛ بخاری: ٣٦٧٤۔

[2] صحیح بخاری مناقب ابی بکر: ٣٦٧٥ وسنن ترمذی: ٣٧٠٣؛ نسائی: ٣٦٣٨؛ ابو داود: ٤٦٤٨۔

[3] یہ تینوں روایتیں مستدرک حاکم میں ہیں، امام ذہبی نے پہلی روایات کو مطلق صحیح دوسری کو بشرط بخاری ومسلم صحیح اور تیسری کو بشرط مسلم صحیح کہا ہے، ج ٣، ص: ١٤٠ و ١٤١۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اصحاب جمل کے ساتھ روانہ ہوئیں اور حواب کے تالاب پر پہنچیں اور کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو ان کو آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی یاد آئی۔ [1]

حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک دو ایسے گروہ باہم جنگ آزمانہ ہوں گے جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔'' [2] علما کا بیان ہے کہ یہ پیشین گوئی حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائیوں پر صادق آتی ہے۔ [3]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے

آپ ﷺ نے غزوۂ خندق میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا: ''افسوس تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' [4] یہ پیشین گوئی متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت

ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کو گود میں لے کر منبر پر چڑھے پھر فرمایا کہ ''میرے اس فرزند کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا۔'' [5] چنانچہ یہ پیشینگوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چھ مہینے بعد پوری ہوئی اور طرف داران علی رضی اللہ عنہ اور حامیان معاویہ رضی اللہ عنہ میں بعض شرائط پر صلح ہوگئی۔

نوخیز حکمرانان قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی

آنحضرت ﷺ نے جن مخصوص اصحاب کو اسلام کے مستقبل سے باخبر کر دیا تھا۔ ان میں ایک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کی بربادی قریش کے چند نوخیزوں کے ہاتھ سے ہوگی۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو سب کو نام بنام گنا دوں [6] یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کا سیاسی طوفان، ان کی شہادت، پھر جمل کی لڑائی۔ یہ سب چند نوخیز قریشی رئیس زادوں کی بے جا امنگوں کے نتائج تھے۔ جیسا کہ عام تاریخوں میں مسطور ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ راوی کہتا ہے کہ ہم نے شام جا کر بنی مروان کو دیکھا تو ان کو اسی طرح نوخیز نوجوان پایا۔ [7]

---

[1] مسند احمد، ج ٦، ص: ٩٧۔ [2] صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب اذا تواجه المسلمان بسیفیهما: ٧٢٥٦۔ [3] دیکھو شرح صحیح مسلم للنووی، ج ٢، ص: ٣٩٠۔ [4] صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل ...: ٧٣٢٠۔ [5] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام: ٣٦٢٩ وترمذی، ابواب المناقب: ٣٧٧٣ وحاکم، ج ٣، ص: ١٧٥۔

[6] صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ هلاك امتی علی یدی اغیلمة سفهاء: ٧٠٥٨۔ [7] ایضًا۔

یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کی بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار ونکبت کی اولین شب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد روایتیں ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا: ''۶۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو اور دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ اس پر ایسے ویسے لوگ حکمران نہ ہولیں۔'' [1] حاکم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عربوں پر افسوس اس مصیبت سے جو ۶۰ھ کے آغاز پر قریب آئے گی۔ امانت لوٹ کا مال اور صدقہ وخیرات جرمانہ اور تاوان سمجھا جائے گا اور گواہی پہچان سے دی جائے گی اور فیصلے ہوا وہوس سے ہوا کریں گے۔'' بیہقی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار میں یہ کہتے جاتے تھے: ''کہ خداوندا! میں ۶۰ھ اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ نہ پاؤں۔'' خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ۵۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ [2]

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی متعدد پیشین گوئیاں حاکم، بیہقی، ابن راہویہ اور ابونعیم وغیرہ میں مذکور ہیں۔ مگر اصولاً ان روایات کا درجہ بلند نہیں، تاہم اتنی بات مجملاً ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ضرور عطا کیا گیا تھا اور آپ نے اہل بیت کو اس کے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی، اس باب میں بہترین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو اس نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ ''میں نے یحییٰ (پیغمبر) کا بدلہ ستر ہزار سے لیا تھا اور میں تیرے نواسے کا بدلہ ستر اور ستر ہزار سے لوں گا۔'' حافظ ذہبی نے اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے [3] لیکن یہ روایت خود اس کا اشارہ کرتی ہے کہ اس سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع دی جا چکی تھی، یہ اطلاع الٰہی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلین حسین سے اسی قدر انتقام لیا گیا۔

خوارج کی اطلاع

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ قبیلہ بنو تمیم کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! انصاف سے مال تقسیم فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نہ انصاف کروں گا تو کون کرے گا؟'' اس کی گستاخی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور

---

[1] مسند احمد، ج ۲، ص: ۳۲۶۔

[2] یہ روایتیں خصائص کبری سیوطی، ج ۲، ص: ۱۲۹ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں۔

[3] مستدرک حاکم، ج ۳، ص: ۱۷۸۔

آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو اس کی گردن اڑا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جانے دو۔ اس کے ایسے رفقا ہوں گے جن کے نماز، روزے کے مقابل تم کو اپنے نماز روزے حقیر معلوم ہوں گے۔ وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ مذہب کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ کے پار نکل جاتا ہے۔ اس گروہ کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ فام شخص پیدا ہوگا۔ جس کے دونوں بازوؤں میں عورت کے سینہ کی طرح گوشت لٹکتا ہوگا۔" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس گروہ سے جنگ کی اور میں ان کے ساتھ موجود تھا۔ اس سیاہ فام کی تلاش کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے جو علامات بتائی تھیں وہ ان کے ساتھ متصف نکلا۔ [1]

مختار اور حجاج کی اطلاع

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: "کہ قبیلہ ثقیف میں دو شخص پیدا ہوں گے۔ جن میں ایک کذاب، دوسرا مبیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا۔" چنانچہ جب حجاج ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو پھانسی دی اور ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بلایا تو انہوں نے جانے سے انکار کیا۔ بار بار کے انکار کے بعد حجاج خود ان کے پاس آیا بہت سے سوال و جواب کے بعد انہوں نے کہا، قبیلہ ثقیف کے دو شخصوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی۔ ان میں کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور مبیر کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو۔ یہ سن کر حجاج چپ چاپ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ [2]

حجاز میں ایک آگ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی، جب تک حجاز میں ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن نہ کر دے۔" [3] یہ روایت صحیح مسلم اور حاکم میں ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ آگ ہمارے زمانہ میں ۶۵۴ھ میں مدینہ میں ظاہر ہوئی اور آگ اس قدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی پہلو سے لے کر پہاڑی تک پھیلی تھی۔ اس کا حال شام اور تمام شہروں میں بتواتر معلوم ہوا اور ہم سے اس شخص نے بیان کیا جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا [4] ابوشامہ ایک اور معاصر مصنف کا بیان ہے کہ ہمارے پاس مدینہ سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ چہار شنبہ کی رات کو جمادی الثانیہ کی تیسری تاریخ کو مدینہ میں ایک سخت دھماکا ہوا۔ پھر بڑا زلزلہ آیا جو ساعت بساعت بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ پانچویں کو بہت بڑی آگ پہاڑی میں قریظہ کے محلّہ کے قریب نمودار ہوئی۔ جس کو

---

[1] بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ۳۶۱۰۔ [2] مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ذکر کذاب ثقیف ومبیرھا: ٦٤٩٦۔ [3] مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعۃ حتی تخرج نار......: ۷۲۸۹۔
[4] شرح مسلم نووی، ج ۲، ص: ۳۹۳۔

ہم مدینہ کے اندر اپنے گھروں سے اس طرح دیکھتے تھے کہ گویا وہ ہمارے قریب ہی ہے اور ترائیاں بہہ نکلیں اور ہم اس کو دیکھنے کو چڑھے تو دیکھا کہ پہاڑ آگ بن کر بہہ رہے ہیں اور ادھر ادھر شعلہ بن کر جا رہے ہیں۔ آگ کے شعلے پہاڑ معلوم ہوتے تھے۔ محلوں کے برابر برابر چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ یہ آگ مکہ معظمہ اور صحراسے بھی نظر آتی تھی۔ لوگ گھبرا کر روضہ نبوی ﷺ میں دعا و استغفار کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ یہ حالت ایک مہینہ سے زیادہ رہی [1] علامہ ذہبی اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسی سال ۶۵۴ھ میں مدینہ میں آگ نکلی۔ جو ان بڑی نشانیوں میں سے تھی۔ جن کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی۔ اس آگ میں اس شدت اور روشنی کے باوجود گرمی نہ تھی اور چند روز رہی، اہل مدینہ کا خیال تھا کہ قیامت آ گئی تو انہوں نے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کیا۔ [2] اس آگ کا حال بتواتر معلوم ہے۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ متعدد لوگوں سے جو بصریٰ میں اس وقت موجود تھے، یہ شہادت منقول ہے کہ انہوں نے رات کو اس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دیکھیں۔ [3]

ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اخیر زندگی میں آنحضرت ﷺ نے نماز عشاء کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: ''آج اس شب میں مَیں تم کو بتاؤں کہ اس سے سو برس بعد آج کے لوگوں میں سے کوئی بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔'' راوی کہتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود ایک دور (قرن) کا ختم ہو جانا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہو، اس کا علم تو خدا کو ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ آج روئے زمین پر کوئی سانس لینے والی جان نہیں جو سو برس بعد زندہ رہے گی۔'' [4] اس سے مقصود صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر و برکت کے دور کا اختتام تھا۔ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ صحابی سب کے اخیر میں مرے ہیں۔ ان کا بیان تھا کہ اب میرے سوا کوئی باقی نہیں جس نے جمال محمدی ﷺ سے آنکھیں روشن کیں۔ یہ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ پوری صدی کے اختتام پر رحلت گزین ہوئے۔

چار دوروں کے بعد پورا انقلاب

متعدد راویوں نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے علی الاعلان فرمایا: ''بہترین دور (قرن) وہ ہے جس میں میں ہوں [5] پھر اس دور کے لوگ جو میرے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جوان

[1] تاریخ الخلفاء بحواله ابو شامة واقعات ٦٥٤، ص: ٤٧٧۔ [2] مختصر تاریخ الاسلام ذهبی، ج ٢، ص: ١٢١ حیدر آباد۔ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی واقعات: ٦٥٤ھ، ص: ٤٧٨۔ [4] یہ تمام حدیثیں صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب بیان معنی قوله علی رأس مائة سنة لا یبقی نفس......: ٦٤٧٩ تا ٦٤٨٦ میں ہیں، اور پہلی روایت ابوداود، کتاب الملاحم، باب قیام الساعة: ٤٣٤٨ میں بھی مذکور ہے۔ [5] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونهم: ٦٤٧٠ و مسند احمد حدیث بریدة، ج ٥، ص: ٣٥٧۔

کے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں، پھر ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی کے لئے بلائے نہیں جائیں گے، خود جا کر گواہی دیں گے۔ خیانت کار ہوں گے۔ امین نہ ہوں گے۔ نذر مانیں گے، لیکن ایفا نہ کریں گے۔" پہلا دور عہد نبوی ﷺ ہے، دوسرا دور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، تیسرا تابعین کا، چوتھا تبع تابعین کا۔ یہ چار عہد اسلام کے روحانی، دینی اور اخلاقی مناقب و مکارم کا اور صلحائے امت، ائمہ دین اور علمائے خیر کے پے در پے ظہور اور وجود کا اور خالص مذہبی علوم کی نشو و نما، ترتیب و تدوین اور نشر و اشاعت کا ہے۔ اس کے بعد ہی بدعات کا سیلاب امنڈتا ہے۔ علمائے سوء اور امرائے جور بیدار ہوتے ہیں۔ فرق باطلہ کا ظہور ہوتا ہے۔ فقہا میں جمود آتا ہے۔ علما میں ہوا و ہوس راہ پاتی ہے۔ ہند، فارس اور یونان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں رائج ہوتے ہیں۔ اسلام کے اعتقادی و عملی قویٰ سست ہو جاتے ہیں اور تمام نظام ابتر ہو جاتا ہے۔

مدعیانِ کاذب

صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "قیامت سے پہلے تیس کاذب دجال پیدا ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔" [1] ایسے مدعیان کاذب کی تعداد اگر مسیلمہ کے وقت سے لے کر آج تک کی تاریخوں سے چن کر الگ کی جائے تو قریب قریب تیس کے پہنچ جائے گی۔ جن میں سے دو جو ہندوستان اور ایران میں ابھی ابھی گزرے ہیں وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

منکرین حدیث

ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے (یعنی غرور کی شان سے) بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا، یا جس سے منع کیا، وہ اس سے بیان کیا جائے تو کہے ہم نہیں جانتے، جو ہم نے قرآن میں پایا اسی کو مانتے ہیں۔" [2] بیہقی میں اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں دور اول میں اگر یہ پیشین گوئی معتزلہ پر صادق آ سکتی تھی تو اب آج کل مصر و ہند کے ان اشخاص پر پوری طرح صادق آتی ہے جو خود کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت

قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت سے پہلے خصوصیت کا سلام ہوگا اور تجارت کی کثرت ہوگی۔ [3] یہاں تک کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ بٹایا کرے گی۔" کیا اس موجودہ دور تمدن سے بڑھ کر اس پیشین گوئی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفتن: ۷۳۴۲ وابوداود (کتاب الملاحم: ۴۳۳۳) کے علاوہ مسند احمد، ج ۲، ص: ۲۳۷، ۳۱۳ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ابویعلیٰ، بزار اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے اسی قسم کی روایت ہے۔

[2] سنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة: ۴۶۰۴۔ [3] مسند احمد، ج ۱، ص: ۴۱۹، ۴۲۰ وادب المفرد، امام بخاری باب من کره تسلیم الخاصة: ۱۰۴۹ ومستدرك حاکم وبزار وطبرانی۔

کی صداقت کا کوئی اور زمانہ ہوگا؟ آج سے زیادہ کبھی تجارت کی گرم بازاری تھی اور عورتیں کبھی اس سے پہلے اس بیبا کی سے مردوں کے دوش بدوش ہو کر اس پیشہ میں درآئی تھیں؟

اہل یورپ کی کثرت

آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ''قیامت جب آئے گی تو روم سب سے زیادہ ہوں گے۔'' [1] عربوں کے محاورہ میں روم سے مقصود اہل فرنگ یعنی اہل یورپ ہیں۔ آج اہل یورپ کی یہ کثرت ہے کہ اس وقت ان کے وجود سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں اور ان کی قوت وطاقت کا دنیا کی کوئی قوم مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہ پیشینگوئی آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی گئی تھی اور آج اس کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے۔

سود کی کثرت

پہلے وہی لوگ سود کھاتے تھے اور کھا سکتے تھے جو براہ راست اس کا کاروبار کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی کہ ''ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو سود نہ کھائے گا اگر وہ براہ راست نہیں کھائے گا تو اس کا غبار یا دھواں بھی اڑ کر اس تک ضرور پہنچے گا۔'' [2] کیا آج وہی زمانہ بعینہ نہیں ہے آج کی تجارت اور سوداگری تمام تر سود پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک کی ہر چیز جو بازار سے خریدی جاتی ہے وہ بیسیوں سودی معاملوں سے گزر کر ہم تک پہنچتی ہے تمام وہ لوگ جن کی معیشت سرکاری نوکری ہے اور اکثر غیر سرکاری نوکر بھی بینک کے جمع شدہ روپوں سے معاوضہ حاصل کرتے ہیں اور امراء اور اہل دولت بھی اپنا سرمایہ امانتی منافع سے وصول کرتے ہیں۔ غرض آج دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں کہی جاسکتی ہے جو تمام تر سود سے پاک اور مبرا ہو اور یہ یورپ کے تمدن کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عالمگیر اثر ہے۔ یہ عظیم الشان پیشین گوئی کتنی بڑی صداقت پر مبنی ہے اور جس کو کبھی کوئی انسان صرف قیاس سے اس بلند آہنگی کے ساتھ دنیا کو نہیں سنا سکتا ہے۔

یہودیوں سے جنگ

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ ''مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک عظیم الشان جنگ ہوگی۔ یہودی شکست کھا کر چٹانوں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملے گی اور ان میں سے آواز آئے گی کہ اے مسلمان دیکھ! یہ یہودی چھپا ہے۔'' [3] اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلے دل میں خطرہ گزرتا تھا کہ الٰہی یہودیوں میں نہ تو قوت ہے، نہ کوئی ان کی سلطنت ہے، نہ مسلمانوں

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفتن: ۷۲۷۹۔ [2] ابوداود، کتاب البیوع، باب اجتناب الشبہات: ۳۳۳۱؛ نسائی، کتاب البیوع: ۴۴۶۰ وابن ماجہ: ۲۲۷۸ ومسند احمد، ج ۲، ص: ۴۹۴۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الفتن: ۷۳۳۷۔

کے درمیان کہیں ان کی بڑی آبادی ہے۔ یہ لڑائی کیونکر پیش آئے گی۔ مگر پچھلی جنگ نے اپنے نتیجہ کے طور پر فلسطین میں جو صورت نمایاں کر دی ہے اور عہد نامہ بالفور نے فلسطین کو یہودی کا قومی وطن بنانے اور صیہونی تحریک نے فلسطین کو خالص یہودی ملک بنانے اور بالآخر وہاں یہودی سلطنت قائم کرنے کا جو تہیہ کیا ہے، اس نے مُخبر صادق علیہ السلام کی پیشین گوئی کی صداقت کے منظر کو آنکھوں کے سامنے کر دیا۔

حجاز کا انقطاع مصر، شام اور عراق سے

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''عراق نے اپنا نقرئی سکہ (درہم) اور غلہ کا پیمانہ (قفیز) روک دیا۔ شام نے اپنے غلہ کا پیمانہ (مد) اور اپنا طلائی سکہ (دینار) روک دیا اور مصر نے اپنے غلہ کا پیمانہ (اروب) اور اپنی اشرفی روک دی اور تم وہیں لوٹ گئے۔ جہاں سے چلے تھے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اس حدیث کے ارشاد نبوی ﷺ ہونے پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے۔ [1]

اس حدیث میں درحقیقت دو پیشین گوئیاں ہیں: ایک یہ کہ مسلمان ان ممالک کو فتح کریں گے اور حجاز کے تعلقات وہاں سے قائم ہوں گے اور اس خشک اور بنجر خطہ کی پرورش انہی ہمسایہ علاقوں سے ہوگی اور پھر وہ زمانہ آئے گا، جب یہ علاقے الگ ہو جائیں گے اور حجاز پھر ویسا ہی ہو جائے گا جیسا اسلام سے پہلے یا اسلام کے آغاز میں تھا۔ پہلی پیشین گوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور اس وقت سے لے کر تیرہ سو برس تک برابر یہ حالت قائم رہی، حجاز کے لئے ہر قسم کا سامان انہی ممالک کی پیداوار سے آتا تھا۔ مصر و شام سے برابر غلہ قانوناً بھیجا جاتا تھا۔ سالانہ نذرانے تقسیم ہوتے تھے۔ بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں۔ لیکن ہمارے خیال میں اس دوسری پیشین گوئی کا محل اس زمانہ سے بہتر نہیں ہو سکتا، تیرہ سو برس کے اندر کبھی ایسا زمانہ پیش نہیں آیا۔ جب حجاز عراق و شام اور مصر سے دفعتہً منقطع ہو گیا ہو۔ آج حجاز کی وہی حالت نہیں جو اسلام سے پہلے یا آغاز اسلام میں تھی؟ جب عراق پر ایرانی اور شام و مصر پر رومی حکمران تھے اور خود عرب کے صوبے پراگندہ اور بے نظام تھے اور ہر قطعہ پر ایک حاکم فرمانروا تھا۔ آج عراق و مصر و فلسطین و بحرین وغیرہ پر انگریز اور شام پر فرانسیسی حکمران ہیں۔ عرب کے تمام صوبے پراگندہ اور بے نظام ہیں اور ہر خطہ پر ایک مستقل فرمانروا ہے اور باہمی آتش جنگ و جدل برپا ہے، ایک کو دوسرے کی ماتحتی سے عار ہے، عراق کا غلہ اور نذرانہ بند ہے۔ شام کی موقوفہ جائدادیں فرانسیسیوں نے ضبط کر لیں اور آپ نے گزشتہ سال سن لیا کہ مصر نے حجاز کے غلہ اور اشرفیوں کا وہ نذرانہ بند کر دیا جو عہد فاروق رضی اللہ عنہ سے اب تک کبھی بند نہیں ہوا تھا۔

[1] صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يحسر الفرات: ٧٢٧٧۔

اہل یورپ سے شام میں جنگ

صحیح مسلم وغیرہ میں فتن اور آثار قیامت کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں ایسی ہیں، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صاف وصریح الفاظ میں اپنی امت کو یہ اطلاع دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کے ظہور اور نزول مسیح سے پہلے ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان عظیم الشان خونی معرکے پیش آئیں گے، گو اس ملک میں ان دونوں کے درمیان صلیبی جنگوں نے اس قسم کے سینکڑوں خونی معرکے پیش کیے ہیں، مگر جنگ عظیم نے شام کی جو صورت حال پیدا کردی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات آنے والے خونی معرکوں کی تقریب وتمہید ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں اٹھ کھڑی ہوں گی

ابوداؤد [1] اور بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گی) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ پر گرتے ہیں۔'' حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ اس لئے کہ اس زمانے میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی؟ فرمایا: ''نہیں، تمہاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہوگی، لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس وخاشاک ہوتا ہے کہ (سیلاب ان کو بہائے لئے جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کر دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔'' کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا: ''دنیا (فوائد دنیا) کی محبت اور موت سے کراہت۔'' موجودہ دنیائے اسلام کے پیش نظر تاریخ میں کیا حرف حرف اس کی تصدیق نہیں؟

[1] ابو داود، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام: ٤٢٩٧۔

معجزاتِ نبوی ﷺ کے متعلق غیر مستند روایات

آنحضرت ﷺ کے معجزات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سروپا روایتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں ضرورت نہ تھی کہ اس کتاب میں ان کو کسی حیثیت سے جگہ دی جائے، مگر چونکہ عام ناظرین کے دلوں میں ان کو اس کتاب میں نہ پاکر مختلف قسم کے شبہے پیدا ہوں گے۔ اس لئے صرف ان کی تسکین اور کشف حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے بھی اس کتاب میں تعرض کرنا ضروری پڑا۔ یہ روایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں ہیں۔ یعنی ان کتابوں میں ہیں، جن کو لوگوں نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کر کے صرف آنحضرت ﷺ کے معجزات کے ذکر و تفصیل میں لکھا ہے۔ یہی کتابیں ہیں جنہوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور انہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے۔ خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرف قبول بخشا کہ ان کے پردہ میں آپ ﷺ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے اور حق و باطل کی تمیز مشکل ہو گئی۔ حالانکہ اس تمام ذخیرہ سے کتب صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم یکسر خالی ہیں۔ لیکن تیسری اور چوتھی صدی میں اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں، وہ اس درجہ بے احتیاطی کے ساتھ لکھی گئیں کہ محدثین ثقات نے ان کو بیشتر ناقابل اعتبار قرار دیا۔ کتب دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں، بلکہ کثرت سے عجیب و حیرت انگیز واقعات کا مواد فراہم کرنا تھا، تاکہ خاتم المرسلین کے فضائل و مناقب کے ابواب میں معتدبہ اضافہ ہو سکے۔ بعد کو جو احتیاط پسند محدثین آئے۔ مثلاً: زرقانی وغیرہ وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے۔ لیکن جو چیز اس وسعت کے ساتھ پھیل گئی ہو، جو اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن گئی ہو۔ جو اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو، اس کے لئے صرف اس قدر کافی نہیں بلکہ وہ مزید تنقید کی محتاج ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں وہ تمام تر ان ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔

اس تنقید کے تین حصے ہو سکتے ہیں۔ اصول روایت کی بنا پر ان کتابوں کا اور محدثین میں ان کے مصنفوں کا درجہ کیا ہے؟ ان کتابوں میں جو غلط موضوع اور ضعیف معجزات مذکور ہیں، ان کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ ان کتابوں کے خاص خاص مشہور اور زبان زد معجزات کی روایتی حیثیت کیا ہے؟

کتب دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ

علمائے اسلام نے روایات کی تنقید اور اُن کے اصول کے منضبط کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں، ان کی پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ضمناً آ گئی ہے کہ ان روایات کی جانچ اور تنقید میں جن کا تعلق احکام فقہی سے ہے۔ محدثین نے جو سختی اور شدت اختیار کی ہے، وہ مناقب اور فضائل کے باب میں نہیں کی ہے۔ چنانچہ علم حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے

اعلانیہ اس کا اعتراف کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آیاتِ قرآنی کے الگ الگ فضائل، نام بنام تمام خلفا کے مناقب، مقامات اور شہروں کے محامد، اعمال انسانی کے مبالغہ آمیز ثواب وعقاب کے بیانات، آنحضرت ﷺ کے متعلق کاہنین عرب کی پیشین گوئیاں اور اشعار اور عجیب وغریب غیر صحیح فضائل، معجزات اور برکات وغیرہ کا یہ بے پایاں دفتر روایات میں موجود اور کتابوں میں مدون ہے۔

یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ تیسرے درجہ میں بقول شاہ ولی اللہ صاحب یہ کتابیں ہیں۔ [1]

مسند ابو یعلیٰ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی تصنیفات، ان میں سچی جھوٹی اچھی بری قوی ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پہلو بہ پہلو درج ہیں اور چوتھے درجہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین صدیوں کے بعد پیدا ہوئے۔ انہوں نے چاہا کہ اول اور دوم درجوں میں جو روایتیں داخل نہیں کی گئی تھیں، ان کو ایک جگہ جمع کر دیں۔ یہ روایتیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کی روایتوں کو حدیث کے اماموں نے قلمبند کرنا پسند نہیں کیا تھا اور قصہ گو واعظین محض ان سے رونق محفل کا کام لیتے تھے۔ اسرائیلیات، اقوال حکما، اشارات حدیث، قصص وحکایات اور روایات نامعتبر کو انہوں نے حدیث کا درجہ دے کر کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا۔ کتاب الضعفاء لابن حبان، کامل لابن عدی اور خطیب، ابونعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی تصنیفات کا اسی طبقہ میں شمار ہے۔ اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں: صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں پر یعنی صحاح ستہ پر محدثین کا اعتماد ہے اور انہی پر ان کا مدار ہے، تیسرے طبقہ کی کتابوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو فن کے ناقد اور جوہری ہیں اور جن کو اسماء الرجال پر عبور اور علل حدیث سے واقفیت ہے۔ غرض جو صحیح اور غلط اور خطا وصواب میں امتیاز کامل رکھتے ہیں۔ چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع اور تدوین کرنا اور ان کو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بے فائدہ کاوش فکر ہے۔ آنحضرت ﷺ کے آیات ودلائل پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں۔ متاخرین نے عام طور سے سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ طبری، طبرانی، بیہقی دیلمی، بزار اور ابونعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں۔ حافظ قسطلانی نے انہی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا اور معین فراہی نے ان کو معارج النبوۃ میں فارسی زبان میں اس آب ورنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے اس شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے۔

مواہب لدنیہ اور معارج النبوۃ وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں، کتاب

[1] حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث، ج ١، ص: ١٠٧۔

الطبقات لابن سعد، سیرۃ ابن اسحٰق، دلائل النبوۃ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ، دلائل النبوۃ ابواسحٰق حربی المتوفی ۲۵۵ھ، شرف المصطفٰی ابوسعید عبدالرحمٰن بن حسن اصفہانی المتوفی ۳۰۷ھ، تاریخ وتفسیر ابوجعفر بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ مولہ یحییٰ بن عائذ، دلائل النبوۃ جعفر بن محمد مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ، دلائل النبوۃ ابوالقاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ، تاریخ دمشق ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لیکن متاخرین میں ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ یہ دو کتابیں ہیں: کتاب الدلائل ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اور کتاب الدلائل امام بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ۔

ان بزرگوں کے بذات خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کم کلام ہے۔ جو کچھ کلام ہے، وہ اس میں ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا اور عام لوگوں نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا۔ حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور ان کے سلسلہ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں۔ جن کو محدثین کے دربار میں صف نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔ ان مصنفین نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ ہر قسم کا سلسلہ روایت لکھ دیا گیا ہے اور لوگ اس سلسلہ روایت کو دیکھ کر صحیح اور غلط، سچی اور جھوٹی روایت کا خود فیصلہ کر لیں گے۔ ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر رکھیں یا یوں کہو کہ عشق نبوی ﷺ نے فضائل ومناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا۔ حالانکہ خود اسی جذبہ عشق اور اسی ولولہ شوق نے ثقات محدثین اور علم حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد اور بحث میں اس قدر سخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ میں بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے اور ((من کذب علی متعمدا)) کی دارو گیر سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے۔ محدث ابن مندہ نے کتاب الدلائل کے مصنف حافظ ابونعیم اصفہانی کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان دونوں معاصرین کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا اعلم لهما ذنبًا اكثر من روايتهما الموضوعات ساكتين عنها۔ [1]

''مجھے ان دونوں کا اس سے زیادہ کوئی گناہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع روایتوں کو خاموشی کے ساتھ روایت کر جاتے ہیں۔''

لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ ہے؟ یہی ان کی خاموشی خدا انہیں معاف کرے، آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے۔ اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے علمائے رجال نے زیادہ تر ان راویوں کی بحث وتدقیق کی ہے، جو پہلی تین صدیوں میں تھے، اس لئے چوتھی اور پانچویں صدی کے رواۃ اور رجال کے نام ونشان ہماری موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں،

[1] ترجمہ ابونعیم، ج ۱، ص: ۵۲۔

اگر تراجم اور انساب میں ان کے کچھ حالات مل جاتے ہیں تو محدثانہ حیثیت سے ان پر نقد و تبصرہ نہیں ملتا، اس لئے ان بزرگوں کے شیوخ اور راویوں میں مجہول الحال اشخاص کی بھی کمی نہیں، اس بنا پر ان کتابوں کی روایتوں کی تنقید کرنا نہایت مشکل ہے۔

اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چھٹی صدی سے ہوا ہے [1] تتبع سے یہ ثابت ہوا کہ ان روایتوں کا بڑا حصہ انہی کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے، جو ان مجالس کی غرض سے وقتاً فوقتاً لکھی گئیں اور جن کے بکثرت حوالے مواہب لدنیہ میں جابجا آتے ہیں۔

علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے، معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط ہے اور جامع تالیف ہے، علامہ ممدوح نے صحاح ستہ کے علاوہ احمد سعید، ابن منصور، طیالسی، ابن ابی شیبہ، حاکم، ابویعلیٰ، بلکہ ان سے بھی فروتر بیہقی، ابونعیم، بزار، ابن سعد، طبرانی، دارمی، بلکہ غیر محتاط مصنفوں مثلاً: ابن ابی الدنیا، ابن شاہین، ابن ابی النجار، ابن مندہ، ابن مردویہ، ابن عساکر، دیلمی، خرائطی، خطیب وغیرہ کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا، قوی اور ضعیف اور صحیح وغلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا اور مختلف دفتروں میں جو کچھ پھیلا تھا، ان کو خصائص کی دو جلدوں میں یکجا کر دیا، تاہم مصنف کو یہ فخر ہے جیسا کہ دیباچہ میں تصریح کی ہے، اس تالیف میں موضوع اور بے سند روایتوں سے اگرچہ احتراز کیا گیا ہے، لیکن ضعیف روایتیں جن کی سندیں ہیں وہ داخل کر لی گئی ہیں۔

غور کے قابل امر یہ ہے کہ بلا امتیاز بھلی بری کسی سند کا موجود ہونا، روایت کی معتبری کی حجت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ یہ ہے کہ کتاب میں صحیح وغلط، قوی اور ضعیف مشہور و منکر ہر قسم کی روایتوں کو ان کے درجہ اور مرتبہ کے ذکر کے بغیر پہلو بہ پہلو وہ لکھتے چلے گئے ہیں، اس لئے عام ناظرین کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس انبار خانہ میں جہاں جواہرات کا خزانہ ہے وہیں خزف ریزوں کا بھی ڈھیر لگا ہے، پوری کتاب میں شاید دس بیس مقام سے زیادہ نہیں، جہاں مصنف نے اپنی روایتوں کے درجہ استناد کا پتہ دیا ہو، اس سے زیادہ یہ کہ بعض واقعات کے متعلق باوجود ان کی شدید روایت پرستی کے، ان کو بہ تحقیق معلوم تھا کہ یہ صحیح نہیں، تاہم چونکہ وہ پہلی کتابوں میں مندرج تھے، ان کی نقل سے احتراز نہیں کیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے موقع پر عام کتب میلاد میں جو عجیب وغریب واقعات مذکور ہیں، ان کو تمامہا دلائل ابونعیم سے نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

هذا الاثر والاثر ان قبله فيها نكارة شديدة ولم اورد فى كتابى هذا اشد نكارة منها ولم تكن نفسى تطيب با يرادها لكن تبعت الحافظ ابانعيم فى

---

[1] الملك المظفر شاه اربل مولود ۵۴۹ھ متوفی ۶۳۳ھ نے جیسا کہ ابن خلکان (ج ۲، ص: ۱۹۵) نے اس کے حال میں لکھا ہے، مولد شریف بڑی دھوم دھام اور تزک واحتشام سے منایا کرتا تھا، یہ جنگ صلیبی کا زمانہ تھا، اس کے لئے ابن دحیہ المتوفی ۶۳۳ھ نے ۶۰۴ھ میں کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر تصنیف کی۔

ذالك۔ ❶

''اس روایت اور اس سے پہلے دو روایتوں میں سخت نامعتبر (منکر) باتیں ہیں اور میں نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ ناقابل اعتبار روایتیں نہیں لکھیں۔ میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن حافظ ابونعیم کی پیروی کر کے لکھ دیں۔''

ایک اور جگہ خطیب کی ایک کتاب سے وفد نجران کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس روایت کو بے اعتبار سمجھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

واخرج الخطيب في المتفق والمفترق بسند فيه مجاهيل۔ ❷

''خطیب نے المتفق والمفترق میں ایسی سند سے جس میں مجہول الحال راوی ہیں بیان کیا ہے۔''

ایک اور مقام پر ایک گدھے کا واقعہ نقل کرتے ہیں جو گدھے کی صورت میں ایک جن تھا اور آپ ﷺ کی سواری میں آنے کا مشتاق تھا یہ لوگوں کے گھروں میں جا کر اشارہ سے ان کو بلاتا تھا یہ عجیب جانور آپ ﷺ کو خیبر میں ملا تھا اس نے آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کے مظالم کی داستان سنائی اور جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو فرط غم سے اپنے آپ کو کنوئیں میں گرا کر جان دیدی۔ حافظ سیوطی نے ابن عساکر سے یہ واقعہ خصائص میں نقل کیا ہے اور اس پر بے تعرض کئے گزر گئے ہیں حالانکہ بعینہ اسی واقعہ کے متعلق ابن حبان کے حوالہ سے اپنی دوسری تصنیف اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة میں لکھتے ہیں کہ ''یہ سرتاپا موضوع ہے۔'' ❸

محدث صابونی نے معجزہ کی ایک روایت لکھ کر پھر خود ہی اس پر یہ جرح کی ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں غریب ہیں۔ باایں ہمہ وہ اس کے متعلق آخری رائے ظاہر کرتے ہیں کہ

هو في المعجزات حسن۔ ❹ ''معجزات میں وہ حسن (اچھی) ہے۔''

اس پر علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں:

لان عادة المحدثين التساهل في غير الاحكام والعقائد۔ ❺

''یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ دیگر روایتوں میں وہ نرمی برتتے ہیں۔''

لیکن کیا یہ اصول صحیح ہے؟ اور ((من كذب علي متعمدا)) کی تہدید سے خالی ہے؟ معجزات ہوں یا فضائل، ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی طرف جس چیز کی نسبت بھی کی جائے وہ شک وشبہ سے پاک ہو۔ جیسا کہ امام نووی، حافظ عسقلانی، ابن جماعۃ، طیبی، بلقینی اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی

❶ خصائص، ج ۱، ص: ۴۹۔ ❷ ج ۲، ص: ۲۵۔ ❸ کتاب المناقب، ص: ۱٦٤۔
❹ زرقانی، ج ۱، ص: ۱۷۲ وخصائص سیوطی، ج ۱، ص: ۵۳۔ ❺ ج ۱، ص: ۱۷۲۔

تصریح کی ہے۔ [1]

معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب

① ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیت عام کی بنا پر یہ کام واعظوں اور میلاد خوانوں کے حصہ میں آیا۔ چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور ادھر گرمی محفل اور شوراحسنت کے لئے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے لامحالہ ان کو اپنی قوت اختراع پر زور دینا پڑا۔ ان میں جو کسی قدر محتاط تھے۔ انہوں نے ان کو لطائف صوفیانہ اور مضامین شاعرانہ میں ادا کیا، سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دے دی، یا بعد کو انہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جو نڈر اور بے احتیاط تھے۔ انہوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دے دیا۔ حافظ سیوطی، علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

احدهما القصاص ومعظم البلاء منهم يجري لا نهم يريدون احاديث تتفق وترقق والصحاح يقل فيه هذا ثم ان الحفظ يشق عليهم ويتفق عدم الدين وهم يحضر هم جهال۔ [2]

”جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہے اور سب سے بڑی مصیبت انہی سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام اور مؤثر ہو سکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ان میں دین داری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے۔“

چنانچہ فضائل و مناقب، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ، وقائع میلاد اور معجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر انہی جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ تاویل مختلف الحدیث میں جواب مصر میں چھپ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ احادیث و روایات میں فساد تین راستوں سے آیا۔ منجملہ ان کے ایک راستہ واعظین ہیں۔

والقصاص فانهم كانوا يميلون وجوه العوام اليهم ويستدرون ما عندهم بالمناكير والغرائب والاكاذيب من الاحاديث ومن شان العوام القعود عند القاص ما كان حديثه عجيبًا خارجًا عن فطر العقول اوكان رقيقاً يحزن القلوب ويستفزر العيون۔ [3]

---

[1] دیکھو موضوعات ملاعلی قاری، ص: ۹ مطبوعہ مجتبائی دھلی۔

[2] آخر کتاب اللآلی المصنوعة، ص: ۲۴۹۔ [3] ص: ۳۵۶۔

"اور واعظین کیونکہ وہ عوام کا رخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو لغو، منکر اور عجیب وغریب باتیں بیان کر کے وہ وصول کرتے ہیں اور عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی وقت تک ان واعظین کے پاس بیٹھتے ہیں۔ جب تک وہ خارج از عقل باتیں یا ایسی مؤثر باتیں بیان کیا کرتے ہیں، جو ان کے دلوں میں اثر پیدا کریں اور ان کو رلائیں۔"

آپ ﷺ کی برتری اور جامعیت کا تخیل

② ان روایات کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ افضل الانبیاء ہیں۔ آپ کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ تمام محاسن کے جامع ہیں۔ یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے، لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت دے دی ہے اور انبیائے سابقین کے تمام معجزات کو آنحضرت ﷺ کی ذات میں جمع کر دیا اور وہ اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔ بیہقی اور ابونعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں اعلانیہ دوسرے انبیا علیہم السلام کے معجزات کے مقابل میں انہی کے مثل آپ ﷺ کے معجزات بھی ڈھونڈ کر نکالے ہیں اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپ کی تعلیم تمام انبیا کی تعلیمات کا اثر، خلاصہ اور مجموعہ ہے۔ اسی طرح آپ کے معجزات بھی تمام دیگر انبیا کے معجزات کا مجموعہ ہیں اور جو کچھ عام انبیا سے متفرق طور پر صادر ہوا، وہ تمام کا تمام مجموعاً آپ ﷺ سے صادر ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلہ کے لئے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے لوگوں نے ان ہی ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی، کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا، مثلاً: حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے تمام اسماء کی تعلیم کی، دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق قرآن میں ہے کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بلندی اس سے بھی آگے قاب قوسین تک ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طوفان کی دعا اگر قبول ہوئی، تو آپ ﷺ کی قحط کی دعا قبول ہوئی، حضرت صالح علیہ السلام کے لئے اونٹنی معجزہ تھی تو آنحضرت ﷺ سے اونٹ نے باتیں کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں نہ جلے، آپ سے بھی آتشیں معجزے صادر ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر اگر چھری رکھی گئی، تو آپ کا سینہ بھی چاک کیا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھیڑیئے نے گفتگو کی، روایت کی گئی ہے کہ آپ سے بھی بھیڑیا ہم کلام ہوا۔ ابونعیم میں حکایت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا، لیکن آنحضرت ﷺ کو پورا حصہ دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے پتھر سے نہریں جاری ہوئیں، تو آپ کی انگلیوں سے بھی پانی بہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی معجزہ دکھاتی تھی، تو آپ ﷺ کے فراق میں بھی چھوہارے کا درخت رویا اور چھوہارے کی خشک ٹہنی تلوار بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بحر احمر شق ہوا تو آپ ﷺ کے لئے معراج میں آسمان و

زمین کے درمیان کا دریائے فضا بیچ سے پھٹ گیا۔ یوشع علیہ السلام کے لئے آفتاب ٹھہرا دیا گیا، تو آپ ﷺ کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں کلام کیا تھا۔ یہ روایت واضع کی گئی کہ آپ ﷺ نے بھی گہوارے میں کلام کیا اور آپ کی زبان سے پہلے تکبیر و تسبیح کی صدا بلند ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کا زندہ کرنا ہے اور صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی طرف بھی یہ معجزہ منسوب کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ جب تک آپ میری لڑکی کو زندہ نہ کر دیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی اور وہ زندہ نکل کر باہر آئی اور پھر چلی گئی۔ اسی طرح یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ آپ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں اور آپ پر ایمان لائیں۔

غیبی آوازوں اور پیشین گوئیوں سے نبوت کی تصدیق کا شوق

③ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیا علیہم السلام کے گزشتہ صحیفوں میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشین گوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا، اس واقعہ کو دروغ گو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا۔ چنانچہ ولادت نبوی ﷺ سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا۔ بلکہ پرانے گھرانوں اور ویرانوں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں، جن میں آپ ﷺ کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھتے تھے۔ بلکہ بعض دیروں میں تو آپ ﷺ کی تصویر تک موجود تھی۔ توراۃ و انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بعض پیشین گوئیاں حقیقت میں موجود تھیں۔ اور وہ آج بھی ہیں، وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں، ان کو ضعیف و موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ ﷺ کے نام و مقام کی تخصیص و تعیین کے ساتھ پھیلایا گیا۔

عرب میں بت خانوں کے مجاور اور کاہن تھے۔ جو فال کھولتے تھے اور پیشین گوئیاں کرتے تھے، ان کا ذریعہ علم جنات اور شیاطین تھے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کے قرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں سے اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ کاہن مقفی اور مسجع فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ خبریں سنایا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی پیدائش کا زمانہ قریب آ گیا۔ یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپ ﷺ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا۔ ملوک یمن میں شاہان فارس اور قریش کے اکابر نے آپ کو خواب میں دیکھا، پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا۔ قریش کا مورث اعلیٰ کعب بن لؤی ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو یکجا کر کے ان کے سامنے خطبہ دیتا تھا۔ جس میں مسجع فقروں اور شعروں میں آپ ﷺ کے ظہور کی خوشخبری ہوتی تھی۔ مکہ کے لوگ احبار اور راہبوں کی زبان سے محمد آپ ﷺ کا

نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے۔ مدینہ کے لوگوں کو انہی یہودیوں کی زبانی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شہر یثرب آپ ﷺ کا دارالہجرت ہوگا۔ اس لئے وہ آپ کے ورود کے منتظر تھے۔ سطیح کاہن کا آپ ﷺ کی پیشین گوئی میں ایک طویل افسانہ ہے، لیکن اس دفتر کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور ان میں جو ایک آدھ صحیح ہے۔ وہ پہلے گزر چکا ہے۔

شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لینا

④ آنحضرت ﷺ کی پیدائش عالم کی رحمت کا باعث تھی، اس لئے کائنات کا فخر و ناز اس پر بجا ہو سکتا ہے۔ اگلے واعظوں اور میلاد خانوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا کاشانہ نور سے معمور ہو گیا۔ جانور خوشی سے بولنے لگے، پرندے تہنیت کے گیت گانے لگے۔ مغرب کے چرندوں اور پرندوں نے مشرق کے چرندوں اور پرندوں کو مبارک باد دی۔ مکہ کے سوکھے درختوں میں بہار آ گئی۔ ستارے زمین پر جھک گئے۔ آسمانوں کے دروازے کھل گئے۔ فرشتوں نے ترانہ مسرت بلند کیا۔ انبیا نے روئے روشن کی زیارت کی۔ فرشتوں نے بچہ کو زمین و آسمان کی سیر کرائی۔ شیطانوں کی فوج پابہ زنجیر کی گئی۔ پہاڑ غرور سے اونچے ہو گئے۔ دریا کی موجیں خوشی سے اچھلنے لگیں۔ درختوں نے سرسبزی کے نئے جوڑے پہنے، بہشت و جنت کے ایوان نئے سروسامان سے سجائے گئے، وغیرہ بعد کے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایت تیار ہو گئی۔

آئندہ کے واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا

⑤ آنحضرت ﷺ کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے، ان کا وقوع آنحضرت ﷺ کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان کو بحیثیت معجزہ کے آئندہ واقعات کا پیش خیمہ بنا لیا گیا ہے۔ مثلاً: آپ ﷺ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہو گیا۔ کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں فنا ہو گئیں۔ ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہو گیا۔ شام کا ملک فتح ہوا۔ ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، قصر کسریٰ کے کنگرے ہل گئے۔ آتش کدۂ فارس بجھ کر رہ گیا۔ نہر ساوہ خشک ہو گئی۔ ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے۔

معجزات کی تعداد بڑھانے کا شوق

⑥ بعض واقعات ایسے ہیں جن کو کسی حیثیت سے معجزہ نہیں کہا جا سکتا، لیکن تکثیر معجزات کے شوق میں ذرا سا بھی کسی بات میں عجوبہ پن ان کو نظر آیا تو اس کو مستقل معجزہ بنا لیا۔ مثلاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت ہے [1] اور وہ مسند امام احمد بن حنبل [2] میں بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے گھر میں کوئی پالتو جانور تھا جب آپ اندر تشریف لاتے تو وہ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا رہتا تھا اور جب آپ باہر چلے جاتے تو وہ ادھر اُدھر دوڑنے لگتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی آپ ﷺ کی جلالت قدر اور حفظ مراتب کا پاس تھا اور وہ آپ کی عظمت وشان سے واقف تھے۔ لیکن درحقیقت یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ عام لوگوں سے بھی بعض جانور اسی طرح ہل مل جاتے ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم [3] میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سخت بیمار تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو گئے تو وہ بے ہوش تھے۔ آنحضرت ﷺ نے وضو کر کے ان کے منہ پر پانی چھڑکا تو ان کو ہوش آ گیا۔ یہ ایک معمولی واقعہ ہے۔ مگر کتب دلائل کے مصنفین نے اس کو بھی معجزہ قرار دیا ہے۔ [4]

اسی طرح یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے۔ یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہے، مگر ان میں سے کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے۔ [5] اس پر علامہ ذہبی نے تنقید کی ہے کہ تواتر تو کجا صحیح طریقہ سے ثابت بھی نہیں۔ [6] اور بقول علامہ ابن قیم [7] اگر یہ ثابت بھی ہو تو آنحضرت ﷺ کی کوئی فضیلت نہیں ہے، کیونکہ ایسے بچے اکثر پیدا ہوئے ہیں۔

روایات صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے یا سجدہ میں جاتے تھے تو آپ ﷺ کی بغل کی سپیدی نظر آتی تھی۔ [8] یہ ایک معمولی بات ہے مگر محبّ طبری، قرطبی اور سیوطی [9] وغیرہ نے اس کو بھی معجزہ اور آپ ﷺ کا خاصہ قرار دے دیا ہے۔ معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں اگر مختلف سلسلہ سند کے راویوں میں باہم موقع یا مقام یا کسی اور بات میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعہ قرار دے دیا۔ مثلاً: ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک اونٹ جو دیوانہ ہو گیا تھا یا بگڑ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ جب اس کے پاس گئے تو اس نے مطیعانہ سر ڈال دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، یارسول اللہ! جب جانور آپ کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم کو انسان ہو کر تو ضرور آپ کے سامنے سربسجود ہونا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو

---

[1] الخصائص الكبرى، ذكر معجزاته في ضروب الحيوانات، باب قصة الوحش، ج۲، ص:٦٣۔

[2] مسند أحمد، ج٦، ص: ١١٢، ١١٣۔ [3] صحيح بخاري، كتاب التفسير، باب قوله (يوصيكم الله في اولادكم......): ٤٥٧٧؛ صحيح مسلم، كتاب الفرائض، باب ميراث الكلالة: ٤١٤٦۔

[4] خصائص كبرىٰ سيوطى، ج ٢، ص:٧١ حيدر آباد دكن۔ [5] مستدرك حاكم، ج٢، ص:٦٠٢؛ خصائص كبرىٰ، ج١، ص: ٥٣ باب الاية في ولادة مختونا مقطوع السر ودلائل النبوة، ص: ١١٠، ١١١۔

[6] مستدرك حاكم، ج٢، ص:٦٠٢۔ [7] زاد المعاد، ج١، ص:١٩۔ [8] صحيح مسلم، كتاب صلوة الاستسقاء، باب رفع اليدين......: ٢٠٧٤، ٢٠٧٦؛ مسند احمد، ج ٤، ص: ١٩٣۔

[9] الخصائص الكبرى، ذكر المعجزات والخصائص في خلقه الشريف، ج١، ص:٦٣۔

بیوی کو کہتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔'' ❶ یہ ایک ہی واقعہ ہے جو ذرا ذرا سے اختلاف بیان کی بنا پر چودہ پندرہ واقعات بن گئے ہیں۔

الفاظ کی نقل میں بے احتیاطی

⑦ ان کتابوں میں بعض معجزات ایسے مذکور ہیں جن کی اصل صحاح میں مذکور ہے اور اس طرح مذکور ہے کہ وہ کوئی معجزہ نہیں، بلکہ معمولی واقعہ ہے۔لیکن نیچے درجہ کی روایتوں میں بے احتیاط راویوں نے الفاظ کے ذرا الٹ پھیر سے اس کو معجزہ قرار دے دیا۔ صحاح ❷ کی متعدد روایتوں میں ہے کہ شانہ مبارک پر ابھرا ہوا گوشت تھا۔ جس کو''خاتم نبوت'' کہتے تھے اور آپ کی انگشت مبارک میں جو نقرئی خاتم (چاندی کی انگوٹھی) تھی۔ اس پر ''محمد رسول اللہ ﷺ'' منقوش تھا۔ ❸ بے احتیاط راویوں نے ان دونوں واقعوں کو ملا دیا اور اس طرح واقعہ کی صورت حاکم کی تاریخ نیشاپور، ابن عساکر کی تاریخ دمشق اور ابونعیم کی دلائل میں جا کر یوں ہو جاتی ہے کہ پشت مبارک کے گوشت کی خاتم نبوت پر کلمہ وغیرہ کی عبارتیں لکھی تھیں۔ ❹

مشہور عام دلائل ومعجزات کی روایتی حیثیت

دلائل ومعجزات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے لیکن یہاں اس کا موقع نہیں۔ اس لئے ہم صرف ان روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں۔ جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں اور میلاد کی محفلوں میں ان کو بصد شوق وذوق پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

① اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ روایت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح وقلم، عرش وکرسی، جن وانس غرض سب سے پہلے نور محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ پھر لوح وقلم، عرش وکرسی، آسمان وزمین ارواح وملائکہ سب چیزیں اسی نور سے پیدا ہوئیں۔ اس کے متعلق ((اول ما خلق اللہ نوری)) ❺ یعنی ''سب سے پہلے خدا نے میرا نور پیدا کیا۔'' کی روایت عام طور سے زبانوں پر جاری ہے۔ مگر اس روایت کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں

❶ الخصائص، ذکر معجزاته فی ضروب الحیوانات، باب قصة الجمل والناقة، ج ۲، ص:۵۷؛ دلائل النبوة، ص:۳۲۷۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب من ذهب بالصبی المریض لیدعی له:۵۶۷۰؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة:۶۰۸۴، ۶۰۸۵؛ جامع ترمذی، کتاب ابواب المناقب، باب ما جاء فی خاتم النبوة:۳۶۴۳، ۳۶۴۴؛ مسند احمد، ج ۳، ص: ۶۹، ج ۵، ص: ۸۲، ۸۳، ۹۸۔

❸ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب خاتم الفضة: ۵۸۶۶؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب لبس النبی ﷺ خاتما من ورق نقشه محمد......:۵۴۷۶۔ ❹ الخصائص الکبریٰ، باب ماجاء فی خاتم النبوة، ج ۱، ص: ۶۰۔ ❺ بعض ارباب سیر نے اس بنا پر کہ فضائل میں ہر قسم کی روایات قبول کر لی جاتی ہیں، اور خصوصاً وہ جن کی تائید ان کے خیال میں دوسرے طریقوں سے ہوتی ہے، اس روایت کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، زرقانی علی المواهب، ج ۱، ص: ۴۳ مگر جو علما ہر قسم کی روایت میں صحت کے پہلو کا خیال ضروری سمجھتے ہیں، ان کو اس میں کلام ہے، البتہ حضور انور ﷺ کا تمام انبیا میں اول مخلوق ہونا ثابت ہے۔

ملا۔البتہ ایک روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے ((یا جابر! اول ما خلق اللّٰہ نور نبیك من نورہ)) ''اے جابر! سب سے پہلے خدا نے تیرے پیغمبر ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔'' اس کے بعد ذکر ہے کہ اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہی سے لوح و قلم، عرش و کرسی، آسمان و زمین اور جن وانس کی پیدائش ہوئی۔ زرقانی [1] وغیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی سند نہیں لکھی۔ ہندوستان میں مصنف عبدالرزاق کی گو دوسری جلد ملتی ہے، مگر پہلی نہیں ملتی۔ [2] دوسری جلد دیکھ لی گئی، اس میں یہ حدیث مذکور نہیں۔ اس لئے اس روایت کی تنقید نہ ہوسکی اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور فضائل ومناقب میں اس کی روایتوں کا اعتبار کم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں مجھے پس وپیش ہے۔ اس تردد کو قوت اس سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے ''قلم تقدیر'' کی پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ ((اول ما خلق اللّٰہ القلم)) [3]

② روایتوں [4] میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا، پھر حضرت آدم علیہ السلام کے تیرہ وتار جسم کا چراغ بنا، پھر آدم علیہ السلام نے مرتے وقت شیث علیہ السلام کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا۔ اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا رہا اور حضرت عبداللہ کو سپرد ہوا اور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا۔ نور کا سجدہ میں پڑے رہنا اور اس کا موجود ہونا بالکل موضوع ہے اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہوتے رہنا بے سروپا ہے۔ طبقات ابن سعد اور طبرانی، ابونعیم [5] اور بزار میں اس آیت پاک:

﴿ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ ﴾ (۲۶/ الشعراء: ۲۱۸، ۲۱۹)

''وہ خدا جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو (تہجد کی نماز) میں کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے الٹ پھیر کو بھی دیکھتا ہے۔''

کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت [6] نقل کی گئی ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیغمبروں کی پشت بہ پشت منتقل ہونا خدا دیکھ رہا تھا۔ لیکن اول تو پوری آیت الفاظ اور سیاق وسباق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں۔

③ روایت ہے کہ یہ نور جب (بلوغ کے وقت) عبدالمطلب کو سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے

---

[1] ج ۱، ص: ۳۳۔ [2] ۱۹۷۲ء میں بیروت سے مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کے تحشیہ وتعلیق کے ساتھ یہ مکمل کتاب ۱۱ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے مگر اس میں یہ روایت نہیں ملی۔ ڈاکٹر رضوان علی ندوی کا ایک مفصل مقالہ ''حدیث جابر اور نور محمدی ﷺ'' پر شائع ہوا ہے جس میں صراحتاً لکھا ہے ''یہ حدیث مصنف عبدالرزاق میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ (معارف جولائی، ۱۹۹۷ء)'' ''ض''

[3] جامع ترمذی، ابواب القدر، باب اعظام أمر الایمان بالقدر: ۲۱۵۵ ان علمانے جنہوں نے ((اول ما خلق اللّٰہ نوری)) کو قبول کرلیا ہے، نور محمدی اور قلم کی اولیت پیدائش میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔ [4] بحوالہ خصائص، باب اختصاصہ بطھارۃ نسبہ، ج ۱، ص: ۳۹۔ [5] دلائل النبوۃ، ذکر فضیلۃ بطیب مولودہ، ص: ۲۵۔

[6] خصائص، ج ۱، ص: ۳۸؛ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۴۶۔

ہوئے تھے۔ سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ آخر کار ان کے باپ ان کو قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے، اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے۔ اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو اس نور کے وسیلہ سے وہ دعا مانگتے تھے، تو قبول ہوتی تھی۔ یہ روایت ابوسعد نیشاپوری المتوفی ۴۰۷ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں ابوبکر ابن ابی مریم کے واسطہ سے کعب احبار (نومسلم یہودی) تابعی سے نقل کی ہے۔ اول تو یہ سلسلہ ایک تابعی تک موقوف ہے، آگے کی سند نہیں، علاوہ ازیں کعب احبار گو نومسلم اسرائیلیوں میں سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں، تاہم امام بخاری ان کے کذب کا تجربہ بیان کرتے ہیں [1] اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب وغریب حوادث کی روایات کے سرچشمہ یہی ہیں۔ بیچ کا راوی ابوبکر بن ابی مریم باتفاق محدثین ضعیف ہے۔ [2] اس کا دماغ ایک حادثہ کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا۔

④ ابونعیم، حاکم، بیہقی اور طبرانی میں ایک روایت ہے [3] کہ عبدالمطلب یمن گئے تھے۔ وہاں ایک کاہن ان کے پاس آیا اور ان کی اجازت سے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھ کر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت ہے، تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کرو۔ ان مصنفوں کا مشترک راوی عبدالعزیز بن عمران الزہری ہے۔ اس کی نسبت میزان [4] میں ہے کہ امام بخاری نے کہا: ''اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔'' نسائی نے کہا: ''متروک ہے'' یحیٰی نے کہا: ''یہ شعر و شاعری کا آدمی ہے۔ ثقہ نہ تھا۔'' عبدالعزیز کے بعد کا راوی اس میں یعقوب بن زہری ہے۔ جس کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ ''اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر لکھو۔'' ابوزرعہ نے کہا: ''وہ کچھ نہیں، وہ واقدی کے برابر ہے۔'' امام احمد نے کہا: ''وہ کچھ نہیں اس کی حدیث لاشے کے برابر ہے۔'' ساجی نے کہا: ''وہ منکر الحدیث ہے۔'' [5] علاوہ ازیں اس روایت میں بعض اور مجہول بھی ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے [6] لیکن امام ذہبی نے نقد مستدرک میں یعقوب اور عبدالعزیز دونوں کو ضعیف کہا ہے۔

⑤ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جب یہ نور چمکا تو ایک عورت جو کاہنہ تھی، اس نے نور کو پہچانا اور چاہا کہ وہ خود عبداللہ سے ہم بستر ہو کر اس نور کی امین بن جائے۔ مگر یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی۔ اس وقت عبداللہ نے عذر کیا اور گھر چلے گئے۔ وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی۔ عبداللہ نے واپس آ کر اس کاہنہ سے اب خود درخواست کی تو اس نے رد کر دی کہ ''اب وہ نور تمہاری پیشانی سے منتقل ہو چکا۔'' [7]

---

[1] تہذیب التہذیب، ج۸، ص:۴۳۹۔ [2] ایضا، ج۱۲، ص:۲۹، ۳۰۔
[3] دلائل النبوۃ، ص۸۹؛ خصائص، ج۱، ص:۴۰ باب ما وقع فی حملہ من الایات۔
[4] میزان الاعتدال، ۲، ص:۱۳۸۔ [5] ایضا، ج۳، ص:۲۲۵۔ [6] مستدرک، کتاب التاریخ، اخبار سید المرسلین، ج۲، ص:۶۰۱۔ [7] طبقات ابن سعد، جزاول، ص:۵۸، ۵۹؛ دلائل النبوۃ، ص:۸۹؛ خصائص، ج۱، ص:۴۰ باب ما وقع فی حملہ۔

یہ روایت الفاظ اور جزئیات کے اختلاف کے ساتھ ابن سعد، خرائطی، ابن عساکر [1] بیہقی اور ابونعیم میں مذکور ہے۔ ابن سعد میں تین طریقوں سے اس کی روایت ہے، ایک طریقہ میں پہلا راوی واقدی ہے، دوسرے میں کلبی ہے، یہ دونوں مشہور دروغ گو ہیں۔ تیسرا طریقہ ابویزید مدنی تابعی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ ابویزید مدنی کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق کی ہے، مگر مدینہ کے شیخ الکل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں اس کو نہیں جانتا۔'' ابوزرعہ نے کہا: ''مجھے نہیں معلوم۔'' [2] ابونعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے، لیکن کوئی ان میں قابل وثوق نہیں۔ ایک طریقہ میں نضر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبدالعزیز بن عمرو الزہری ہیں اور یہ تینوں نامعتبر ہیں۔ تیسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں۔ جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں [3] اور معتد مجاہیل ہیں۔ چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے اور ان کا حال بھی نہیں معلوم بیہقی کا سلسلہ وہی تیسرا ہے۔ خرائطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں۔

⑥ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دو سو عورتیں گنی گئیں۔ جنہوں نے اس غم میں کہ عبداللہ سے ان کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی وہ مر گئیں۔ لیکن انہوں نے شادی نہ کی۔ (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو۔ یہی حکایت ہے جس کا غلط ترجمہ اردو مؤلفین میلاد نے یہ کیا ہے کہ ''اس رات دو سو عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں۔'' یہ روایت سند کے بغیر زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں بصیغہ رُوِیَ یعنی بیان کیا گیا ہے مذکور ہے [4] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کی صحت میں کلام ہے یہ درحقیقت بالکل بے سند اور بے اصل روایت ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتا نہیں۔

⑦ روایت ہے کہ اس رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور ساوہ کی نہر (واقع فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (واقع شام) خشک ہو گئی اور فارس کا آتش کدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا بجھ گیا اور کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی۔ یہ قصہ بیہقی، خرائطی، ابن عساکر اور ابونعیم میں سند اور سلسلہ روایت کے ساتھ مذکور ہے۔ [5] ان سب کا مرکزی راوی مخزوم بن ہانی ہے۔ جو اپنے باپ ہانی مخزومی (قریش) سے جس کی ڈیڑھ سو برس کی عمر تھی بیان کرتا ہے۔ ہانی کے نام کا کوئی صحابی جو مخزومی قریشی ہو اور جو ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتا ہو معلوم نہیں۔ اصابہ وغیرہ میں اسی روایت کے سلسلہ میں ان کا نام مشکوک طریقہ سے آیا ہے، ان کے صاحبزادہ مخزوم بن ہانی سے محدثین میں بھی کوئی شناسا نہیں۔ نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے۔ یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف روایتوں کے

---

[1] ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳٤٦۔ [2] تهذيب التهذيب، ج ۱۲، ص: ۲۸۰۔

[3] تهذيب التهذيب، ج ۱۰، ص: ۱۲۹، ۱۳۰۔ [4] زرقانی، ج ۱، ص: ۱۲۲ ذکر تزوج عبدالله آمنة۔

[5] دلائل النبوة، ص: ٩٦۔

سرپرست بھی اس روایت کو غریب کہنے کی جرأت کرتے ہیں اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جیسے کمزور روایتوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسل ماننے کو تیار ہیں۔ ابونعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن اعین مشہور وضاع ہے۔

⑧ روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے [1] تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ماں شفاء بنت اوس ولادت کے وقت زچہ خانہ میں موجود تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے ایک آواز آئی، پھر مشرق و مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہوگئی۔ یہاں تک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے۔ میں نے آپ ﷺ کو کپڑا پہنا کر لٹایا ہی تھا کہ اندھیرا چھا گیا اور میں ڈر کر کانپنے لگی۔ پھر داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی تو آواز سنی کہ کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا، کہ ''مغرب کی سمت'' ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی، میں ڈر کر کانپی اور آواز آئی کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا کہ ''مشرق کی سمت۔'' یہ حکایت ابونعیم میں ہے۔ [2] اس کے بیچ کا راوی احمد بن محمد بن عبدالعزیز زہری نامعتبر ہے اور اس کے دوسرے رواۃ مجہول الحال ہیں۔

⑨ روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے اے آمنہ! تیرا بچہ تمام جہان کا سردار ہوگا۔ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام احمد اور محمد رکھنا اور یہ تعویذ اس کے گلے میں ڈالنا۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو سونے کے پتر پر یہ اشعار لکھے ملے۔ (اس کے بعد اشعار ہیں) یہ قصہ ابونعیم میں ہے [3] جس کا راوی ابوغزیہ محمد بن موسیٰ انصاری ہے، جس کی روایتوں کو امام بخاری منکر کہتے ہیں۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ دوسروں کی حدیثیں چرایا کرتا تھا اور ثقات سے موضوع روایتیں بنا کر بیان کیا کرتا تھا۔ [4] متاخرین میں حافظ عراقی نے اس روایت کو بے اصل اور شامی نے بہت ہی ضعیف کہا ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کہا ہے۔ ابن سعد میں یہ روایت واقدی کے حوالہ سے ہے جس کی دروغ گوئی محتاج بیان نہیں۔

⑩ روایت: عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ صحابی کی ماں ولادت کے وقت موجود تھیں [5] وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کو دردزہ ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھکے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں ڈری کہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں اور جب پیدا ہوئے تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر روشنی سے معمور تھا۔ یہ قصہ ابونعیم طبرانی اور بیہقی میں مذکور ہے۔ اس کے رواۃ میں یعقوب بن محمد زہری پایہ اعتبار سے ساقط ہے [6] اور عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف ایک محض داستان گو اور جھوٹا تھا۔

⑪ روایت: حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ ''مجھے ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، وہ بھی نہ ہوئی بجز اس کے کہ معمول میں فرق آ گیا تھا۔'' [7]

---

[1] خصائص، ج۱، ص:۴۶، ۴۷۔ [2] دلائل النبوۃ، ص:۹۳، ۹۴۔ [3] دلائل النبوۃ، ص:۹۴؛ مواہب شرح الزرقانی، ج۱۱، ص: ۱۲۶۔ [4] میزان الاعتدال، ج۳، ص: ۱۴۰۔

[5] الخصائص، ج۱، ص:۴۵؛ دلائل النبوۃ، ص:۹۳۔ [6] تہذیب، ج۱۱، ص: ۳۹۶، ۳۹۷۔

[7] الخصائص، ج۱، ص:۴۲؛ طبقات، ابن سعد، جزء اوّل قسم اول۔

قسطلانی نے مواہب لدنیہ [1] میں اس قصہ کو ابن اسحاق اور ابونعیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے لیکن ابن اسحاق کا جو نسخہ ابن ہشام کے نام سے مشہور اور چھپا ہوا ہے اور نیز دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں۔ قسطلانی کی پیروی میں دوسرے بے احتیاط متاخرین مثلاً: صاحب سیرت حلبیہ اور مصنف خمیس [2] نے بھی ابن اسحاق اور ابونعیم ہی کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے لیکن ابن سید الناس نے عیون الاثر میں بجا طور سے اس روایت کے لئے واقدی کا حوالہ دیا ہے۔ [3] دراصل یہ قصہ ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اس کی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک کا سر سلسلہ واقدی ہے اور اس کی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں۔ پہلا سلسلہ عبداللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے۔ جو اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم یہ سنا کرتے تھے۔ دوسرے سلسلہ کو واقدی زہری پر جا کر ختم کر دیتا ہے۔

⑫ ایک روایت اس کے بالکل برخلاف ابن سعد [4] میں یہ ہے کہ غالباً آنحضرت ﷺ کی جلالت و عظمت کے باعث حضرت آمنہ کو سخت گرانی اور بار محسوس ہوتا تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں کئی بچے رہے۔ مگر اس بچہ سے زیادہ بھاری اور گراں مجھے کوئی نہیں معلوم ہوا، اول تو یہ روایت معروف اور مسلم واقعہ کے خلاف ہے، حضرت آمنہ کے ایک کے سوا نہ کوئی اور بچہ ہوا اور نہ حمل رہا دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ ناتمام ہے۔ اسی معنی کی ایک اور روایت شداد بن اوس صحابی رضی اللہ عنہ کی زبانی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے والدین کا پہلوٹا ہوں۔ جب میں شکم میں تھا تو میری ماں عام عورتوں سے بہت زیادہ گرانی محسوس کرتی تھیں۔'' [5] معافی بن زکریا القاضی نے اس روایت پر اتنی ہی جرح کی ہے کہ ''یہ منقطع ہے۔'' یعنی شداد بن اوس اور ان کے بعد کے راوی مکحول میں ملاقات نہیں۔ اس لئے بیچ میں ایک راوی کم ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن صبیح کذاب، وضاع اور متروک تھا۔ [6]

⑬ روایت: جب ولادت کا وقت آیا خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور بہشتوں کے دروازے کھول دو، فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے۔ سورج نے نور کا نیا جوڑا پہنا۔ اس سال دنیا کی تمام عورتوں کو یہ رعایت ملی کہ سب فرزند نرینہ جنیں، درختوں میں پھل آ گئے۔ آسمان میں زبرجد و یاقوت کے ستون کھڑے کئے گئے۔ نہر کوثر کے کنارے مشک خالص کے درخت اگائے گئے۔ مکہ کے بت اوندھے ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ حکایت مواہب لدنیہ [7] اور خصائص کبریٰ [8] میں ابونعیم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے، لیکن ابونعیم کی دلائل النبوۃ کے مطبوعہ نسخہ میں جہاں اس کا موقع ہو سکتا تھا۔ وہاں یہ روایت مجھ کو نہیں ملی۔ ممکن ہے کہ ابونعیم

---

[1] مواهب لدنية، ج١، ص:١٢٥۔ [2] سيرة حلبية، ج١، ص:٥١ باب ذكر حمل امه، تاريخ الخميس، ج١، ص:١٨٦۔ [3] ج١، ص: ٢٥ مكتبه القدسي۔ [4] طبقات، ج١، ص:٦١۔ [5] كنز العمال، كتاب الفضائل من قسم الافعال جامع الدلائل واعلام النبوة، ج٦، ص:٣٠٥۔ [6] تهذيب، ج٧، ص:٤٦٣۔ [7] ج١، ص: ١٣٤۔ [8] ج١، ص: ٤٧۔

نے اپنی کسی اور کتاب میں یہ روایت لکھی ہو یا یہ مطبوعہ نسخہ نامکمل ہو، بہر حال اس روایت کی بنا صرف اس قدر ہے کہ ابونعیم چوتھی صدی کے ایک راوی عمرو بن قتیبہ راوی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد قتیبہ جو بڑے فاضل تھے، یہ بیان کرتے تھے۔ قسطلانی نے مواہب میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ مطعون ہے۔ [1] حافظ سیوطی نے خصائص میں اس کو منکر کہا ہے [2] اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام تر بے سند اور موضوع ہے۔

⑭ روایت: آنحضرت ﷺ کے حمل میں ہونے کی جو نشانیاں تھیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس رات کو قریش کے سب جانور بولنے لگے اور کہنے لگے کہ کعبہ کے خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ شکم مادر میں آ گئے وہ دنیا جہاں کی امان اور اہل دنیا کے چراغ ہیں۔ قریش اور دیگر قبائل کی کاہنہ عورتوں میں کوئی عورت ایسی نہ تھی کہ اس کا جن اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا ہو اور ان سے کہانت کا علم چھین لیا گیا اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو گئے اور سلاطین اس دن گونگے ہو گئے۔ مشرق کے وحشی جانوروں نے مغرب کے وحشی جانوروں کو جا کر بشارت دی۔ اسی طرح ایک دریا نے دوسرے دریا کو خوشخبری سنائی، پورے ایام حمل میں ہر ماہ آسمان وزمین سے یہ ندا سنی جانے لگی کہ ''بشارت ہو کہ حضرت ابوالقاسم ﷺ کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا۔'' [3] حضرت ﷺ کی والدہ فرماتی تھیں: ''جب میرے حمل کے چھ مہینے گزرے تو خواب میں کسی نے مجھ کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر کہا کہ اے آمنہ! تمام جہان کا سردار تیرے پیٹ میں ہے۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا اور اپنی حالت کو چھپائے رکھنا۔'' کہتی ہیں کہ جب ولادت کا زمانہ آیا، تو عورتوں کو جو پیش آتا ہے وہ مجھ کو بھی پیش آیا اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی، میں گھر میں تنہا تھی۔ عبدالمطلب خانہ کعبہ کے طواف کو گئے تھے تو میں نے ایک زور کی آواز سنی جس سے میں ڈر گئی، میں نے دیکھا کہ ایک سپید مرغ ہے جو اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے، اس سے میری تمام دہشت دور ہو گئی اور درد کی تکلیف بھی جاتی رہی۔ پھر ایک طرف دیکھا کہ سپید شربت ہے۔ پیاسی تھی، دودھ سمجھ کر اس کو پی گئی، اس کے پینے سے ایک نور مجھ سے نکل کر بلند ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ چند عورتیں جن کے قد لمبے لمبے ہیں۔ گویا عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں، میں تعجب کر رہی ہوں کہ ان کو کیسے میرا حال معلوم ہوا (ایک اور روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے کہا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم اور یہ حوریں ہیں) میرا درد بڑھ گیا اور ہر گھڑی آواز اور زیادہ بلند تھی اور خوفناک ہوتی جاتی تھی، اتنے میں ایک سپید دیبا کی چادر آسمان وزمین کے درمیان پھیلی نظر آئی اور آواز آئی کہ اس کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لو۔ میں نے دیکھا کہ چند مرد ہوا میں معلق ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں اور میرے بدن سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ جس میں مشک خالص سے بہتر خوشبو تھی اور میں دل میں کہہ رہی تھی کہ کاش! عبدالمطلب اس وقت

[1] ج ۱، ص: ۱۳۴۔ [2] ج ۱، ص: ۴۹۔ [3] خصائص الکبریٰ، ج ۱، ص: ۴۷۔

پاس ہوتے۔ پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو نہیں معلوم کدھر سے آئے وہ میرے کمرے میں گھس آئے۔ ان کی منقاریں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے۔ میری آنکھوں سے اس وقت پردے اٹھا دیے گئے تو اس وقت مشرق ومغرب سب میری نگاہوں کے سامنے تھے۔ تین جھنڈے نظر آئے۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کی چھت پر۔ اب درد زیادہ بڑھ گیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کچھ عورتیں ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور اتنی عورتیں بھر گئیں کہ مجھے گھر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اسی اثنا میں بچہ پیدا ہوا میں نے پھر کر دیکھا تو وہ سجدہ میں پڑا تھا اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف دعا کی طرح اٹھائے تھا۔ پھر ایک سیاہ بادل نظر آیا۔ جو آسمان سے اتر کر نیچے آیا اور بچہ پر چھا گیا اور بچہ میری نگاہ سے چھپ گیا۔ اتنے میں ایک منادی سنی کہ محمد ﷺ کو زمین کے پورب اور پچھم گھما دو اور سمندروں کے اندر لے جاؤ کہ سب ان کے نام نامی اور شکل و صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ یہ مٹانے والے ہیں۔ یہ اپنے زمانہ میں شرک کا نام ونشان مٹا دیں گے۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں بادل ہٹ گیا اور آپ ﷺ دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں لپٹے نظر آئے۔ جس کے نیچے سبز ریشم تھا۔ ہاتھوں میں سفید موتیوں کی تین کنجیاں تھیں اور ایک آواز آئی کہ محمد کو فتح، نصرت اور نبوت کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ [1]

میں نے دل پر جبر کر کے یہ پوری حکایت نقل کی ہے یہ اس لئے کہ میلاد کے عام جلسوں کی رونق انہی روایتوں سے ہے۔ یہ روایت ابونعیم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے [2] اور سند کا سلسلہ بھی ہر طرح درست ہے۔ مگر اگر کسی کو اسماء الرجال سے آگاہی نہ بھی ہو اور وہ صرف ادب عربی کا صحیح ذوق رکھتا ہو تو وہ فقط روایت کے الفاظ اور عبارت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دے گا کہ یہ تیسری چوتھی صدی کی بنائی ہوئی ہے۔ اس روایت میں یحییٰ بن عبداللہ البابلی اور ابوبکر بن ابی مریم ہیں۔ پہلا شخص بالکل ضعیف ہے [3] اور دوسرا نا قابل حجت ہے [4] ان کے آگے کے راوی سعید بن عمرو الانصاری اور ان کے باپ عمرو الانصاری کا کوئی پتہ نہیں۔

⑮ اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی جاتی ہے، وہ کہتے ہیں: میرے چھوٹے بھائی عبداللہ جب پیدا ہوئے تو ان کے چہرہ پر سورج کی سی روشنی تھی اور والد نے ایک دفعہ خواب دیکھا۔ بنو مخزوم کی ایک کاہنہ نے یہ خواب سن کر پیشین گوئی کی کہ اس لڑکے کی پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمام دنیا پر حکومت کرے گا۔ جب آمنہ کے شکم سے بچہ پیدا ہوا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ولادت کے اثنا میں تم کو کیا کیا نظر آیا۔ انہوں نے کہا کہ جب مجھے درد ہونے لگا تو میں نے بڑے زور کی آواز سنی، جو انسانوں کی آواز کی طرح نہ تھی اور سبز ریشم کا پھریرا یاقوت کے جھنڈے میں لگا ہوا آسمان وزمین کے بیچ میں گڑا نظر آیا اور میں نے دیکھا

---

[1] مواهب لدنية، ج ۱، ص: ۱۳٤ تا ۱۳٦ والخصائص، ج ۱، ص: ٤٧، ٤٨۔

[2] الخائص، ج ۱، ص: ٤٧، ٤٨ میں بھی یہ روایت ہے مگر کسی قدر فرق کے ساتھ۔

[3] تهذيب التهذيب، ج ۱۱، ص: ۱٤۰، ۲٤۱۔ [4] ایضا، ج ۱۲، ص: ۲۹۔

کہ بچہ کے سر سے روشنی کی کرنیں نکل نکل کر آسمان تک جاتی ہیں۔ شام کے تمام محل آگ کا شعلہ معلوم ہوتے تھے اور اپنے پاس مرغابیوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا۔ جس نے بچہ کو سجدہ کیا پھر اپنے پروں کو کھول دیا اور سعیرہ اسدیہ کو دیکھا کہ وہ کہتی ہوئی گزری کہ تیرے اس بچہ نے بتوں اور کاہنوں کو بڑا صدمہ پہنچایا۔ ہائے سعیرہ ہلاک ہوگئی۔ پھر ایک بلند و بالا سپید رنگ جوان نظر آیا۔ جس نے بچہ کو میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن لگایا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کا ایک طشت تھا۔ بچہ کے پیٹ کو پھاڑا۔ پھر اس کے دل کو نکالا اس میں سے ایک سیاہ داغ نکال کر پھینک دیا۔ پھر سبز حریر کی ایک تھیلی کھولی، اس میں سے ایک انگوٹھی نکال کر مونڈھے کے برابر مہر کی اور اس کو ایک کرتہ پہنا دیا۔ اے عباس! یہ میں نے دیکھا۔ [1]

اس روایت کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے کہ ناقلین نے اس کے ضعف کو خود تسلیم کیا ہے اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس روایت اور اس کے پہلے کی دو روایتوں (۱۳۔۱۴) میں سخت نکارت ہے اور میں نے اپنی اس کتاب (خصائص) میں ان تینوں سے زیادہ منکر کوئی روایت نقل نہیں کی اور میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا۔ لیکن میں نے محض ابونعیم کی تقلید میں لکھ دیا ہے۔ [2] جن روایتوں کو حافظ سیوطی لکھنے کے قابل نہ سمجھیں آپ ان کے ضعف کے درجہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ سیوطی اس روایت کا ماخذ ابونعیم کو بتاتے ہیں، مگر یہ روایت دلائل ابی نعیم کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملی۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے ایک ہی دو سال بڑے تھے۔ جب آمنہ نے وفات پائی تو وہ سات آٹھ برس کے بچہ ہوں گے۔

⑯ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آمنہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کا قصہ بیان کر رہی تھیں کہ ''میں حیرت میں تھی کہ تین آدمی دکھائی دیے۔ جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے تھے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا، جس سے مشک کی سی خوشبو آ رہی تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا۔ جس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ میں سپید موتی رکھا تھا اور ایک آواز آئی۔ اے حبیب اللہ! یہ پوری دنیا، پورب، پچھم، خشکی و تری سب مجسم ہو کر آئی ہے۔ اس کے جس گوشہ کو چاہے مٹھی میں لے لیجئے۔ آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے گھوم کر دیکھا کہ بچہ کہاں ہاتھ رکھتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس نے بیچ میں ہاتھ رکھا تو کہنے والے کی آواز سنی کہ ''محمد نے کعبہ کے خدا کی قسم! کعبہ پر قبضہ کیا ہے۔ ہاں یہ کعبہ اس کا قبلہ اور اس کا مسکن بنے گا۔'' تیسرے کے ہاتھ میں سپید حریر لپٹا تھا۔ اس نے اس کو کھولا تو اس میں ایک انگوٹھی نکلی۔ جس کو دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت کرتی تھیں۔ پھر وہ میرے پاس آیا تو طشت والے نے اس انگوٹھی کو لے کر اس آفتابہ سے سات بار اس کو دھویا اور بچہ کے مونڈھے پر مہر کر دی اور حریر میں اس کو لپیٹ کر مشک خالص کے تاگے سے اس کو باندھ دیا اور تھوڑی دیر تک اپنے بازوؤں میں لپٹائے رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ

[1] خصائص، ج ۱، ص: ۴۸، ۴۹۔ [2] خصائص، ج ۱، ص: ۴۹۔

رضوان جنت تھا۔ پھر بچہ کے کان میں کچھ کہا جس کو آمنہ کہتی ہیں کہ میں سمجھ نہ سکی اور پھر اس نے کہا: اے محمد ﷺ! بشارت ہو کہ کسی نبی کو کوئی ایسا علم عطا نہیں کیا گیا جو تم کو نہیں بتایا گیا۔ تم سب پیغمبروں سے زیادہ شجاع بنائے گئے تم کو فتح و نصرت کی کنجی دی گئی اور رعب و داب بخشا گیا جو تمہارا نام سنے گا اس نے تم کو کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو وہ کانپ جائے گا۔ اے خدا کے خلیفہ!

اس روایت کا ماخذ یہ ہے کہ یحییٰ بن عائذ المتوفی ۳۷۸ھ نے اپنی کتاب میلاد میں اس کا ذکر کیا ہے ابن دحیہ محدث نے بڑی جرأت کر کے اس خبر کو غریب کہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو غریب کہنا بھی اس کی توثیق ہے یہ تمام تر بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ [1]

⑰ روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت ہوئی تو ایک بہت بڑا ابر کا ٹکڑا نظر آیا جس میں سے گھوڑے کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ ابر کا ٹکڑا بچہ کے اوپر آ کر چھا گیا اور بچہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ البتہ منادی کی آواز سنائی دی کہ محمد ﷺ کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام و نشان کو پہچان لے اور جن و انس، چرند و پرند ملائکہ بلکہ ہر ذی روح کے سامنے ان کو لے جاؤ ان کو آدم علیہ السلام کا خلق، شیث کی معرفت، نوح علیہ السلام کی شجاعت ابراہیم علیہ السلام کی دوستی، اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان، اسحاق علیہ السلام کی رضا، صالح علیہ السلام کی فصاحت، لوط علیہ السلام کی حکمت، موسیٰ علیہ السلام کی سختی، ایوب علیہ السلام کا صبر، یونس علیہ السلام کی اطاعت، یوشع علیہ السلام کا جہاد، داؤد علیہ السلام کی آواز، دانیال علیہ السلام کی محبت، الیاس علیہ السلام کا وقار، یحییٰ علیہ السلام کی پاکدامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو۔ آمنہ کہتی ہیں، پھر یہ منظر ہٹ گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ سبز حریر میں لپٹے ہیں اور اس کے اندر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ آواز آئی، ہاں محمد ﷺ نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے حلقۂ اطاعت میں نہ آ گئی ہو۔ کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور مشک خالص کی سی خوشبو آپ سے نکل رہی ہے۔ دفعۃً تین آدمی نظر آئے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے، اس نے سپید ریشم کو کھول کر اس میں سے انگوٹھی جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، نکالی پہلے اس نے انگوٹھی کو سات دفعہ اس آفتابہ کے پانی سے دھویا۔ پھر مونڈھے پر مہر کر کے بچہ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے بازوؤں میں لپیٹ دیا اور پھر مجھے واپس کر دیا۔ [2]

اس حکایت کی بنیاد یہ ہے کہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں "السعادۃ و البشریٰ" نامی ایک میلاد کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے اور السعادۃ و البشریٰ کا مصنف کہتا ہے کہ اس نے خطیب سے اس کو لیا ہے۔ [3] روایات

[1] خصائص، ج ۱، ص: ۴۹۔ [2] مواہب، ج ۱، ص: ۱۳۶ تا ۱۳۹۔ [3] مواہب، ج ۱، ص: ۱۳۶۔

کے لحاظ سے خطیب کی تاریخ کا جو درجہ ہے وہ کس کو معلوم نہیں۔ قسطلانی نے اس روایت کو ابونعیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ مگر دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس کا پتہ نہیں۔ غنیمت ہے کہ حافظ قسطلانی نے خود تصریح کر دی ہے کہ اس میں سخت نکارت ہے۔

⑱ روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو ایک روشنی چمکی جس سے تمام مشرق و مغرب روشن ہو گیا اور آپ ﷺ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین پر گر پڑے (شاید مقصود یہ کہنا ہے کہ آپ سجدہ میں گئے) پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی (اہل میلا داس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ آپ نے روئے زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔

یہ حکایت ابن سعد میں متعدد طریقوں سے مذکور ہے [1] مگر ان میں سے کوئی قوی نہیں اسی کے قریب قریب ابونعیم اور طبرانی میں روایتیں ہیں۔ ان کا بھی یہی حال ہے۔

⑲ روایت: جس شب کو آپ ﷺ پیدا ہوئے قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ ایک یہودی نے جو مکہ میں سوداگری کرتا تھا۔ ان سے آ کر دریافت کیا کہ ''آج تمہارے یہاں کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟'' سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اس نے کہا، اللہ اکبر! تم کو نہیں معلوم تو خیر میں جو کہتا ہوں اس کو سن رکھو۔ آج شب کو اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہو گیا۔ اس کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک نشانی ہے۔ اس میں گھوڑے کی ایال کی طرح کچھ اوپر تلے بال ہیں وہ دو دن تک دودھ نہ پئے گا۔ کیونکہ ایک جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے۔ جس سے وہ دودھ نہیں پی سکتا۔ جب جلسہ چھٹ گیا اور لوگ گھروں کو لوٹے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے لوگ اس یہودی کو آمنہ کے گھر لائے۔ اس نے بچہ کی پیٹھ پر تل دیکھا تو غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا، لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے کہا، خدا کی قسم! اسرائیل کے گھرانے سے نبوت رخصت ہو گئی۔ اے قریش! تم اس کی پیدائش سے خوش ہو۔ ہشیار! خدا کی قسم! یہ تم پر ایک دن ایسا حملہ کرے گا جس کی خبر چہار دانگ عالم میں پھیلے گی۔'' یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح کہنا ہمیشہ تنقید کا محتاج رہتا ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک [2] میں حاکم کی تردید کی ہے۔ اس کا سلسلہ روایت یہ ہے کہ یعقوب بن سفیان فسوی ابوغسان محمد یحییٰ کنانی سے اور یہ اپنے باپ (یحییٰ بن علی کنانی) سے اور وہ محمد بن اسحاق (مصنف سیرت) سے روایت کرتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن اسحاق نے خود اپنی سیرت سے یہ روایت نہیں لی ہے۔ ابوغسان محمد بن یحییٰ کو گو بعض محدثین نے اچھا کہا ہے۔ مگر محدث سلیمانی نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے۔ ابن حزم نے ان کو مجہول کہا ہے۔ [3] بہر حال ان تک غنیمت ہے مگر ان کے باپ یحییٰ بن علی کا کہیں کوئی ذکر نہیں کہ یہ کون تھے؟ اور کب تھے؟ اسی قسم

[1] طبقات ابن سعد، ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ج ۱، ص:۶۳؛ مواهب، ج ۱، ص:۱۳۹۔ [2] ج ۲، ص:۶۰۲۔
[3] تهذيب التهذيب، ج ۹، ص: ۵۱۸۔

کی ایک اور روایت عیص راہب کے متعلق ابوجعفر بن ابی شیبہ سے ہے اور ابونعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے تاریخ [1] میں اس کو ذکر کیا ہے۔ لیکن زرقانی نے لکھ دیا ہے کہ ابوجعفر بن ابی شیبہ نامعتبر ہے۔

⑳ روایت: حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے ذکر کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مجھ کو جس نشانی نے آپ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا، وہ یہ ہے کہ جب آپ گہوارہ میں تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ چاند سے اور چاند آپ سے باتیں کرتا تھا اور انگلی سے آپ اس کو جدھر اشارہ کرتے تھے، ادھر جھک جاتا تھا۔ فرمایا، ہاں میں اس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور رونے سے بہلاتا تھا اور عرش کے نیچے جا کر جب وہ تسبیح کرتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔ یہ حکایت دلائل بیہقی کتاب المائتین صابونی، تاریخ خطیب اور تاریخ ابن عساکر میں ہے۔ مگر خود بیہقی نے تصریح کر دی ہے کہ ''یہ صرف احمد بن ابراہیم جبلی کی روایت ہے اور وہ مجہول ہے۔'' صابونی نے روایت لکھ کر کہا ہے کہ ''یہ سند اور متن دونوں لحاظ سے غریب ہے۔'' علاوہ ازیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے شاید ایک یا دو سال بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی شیر خوارگی کے عالم میں وہ خود شیر خوار ہوں گے۔

㉑ حافظ ابن حجر نے فتح الباری [2] میں واقدی کی سیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے گہوارہ میں کلام کیا۔ ابن سبع المتوفی کی خصائص میں ہے کہ فرشتے آپ ﷺ کا گہوارہ ہلاتے تھے اور (پیدائش کے بعد) سب سے پہلا فقرہ زبان مبارک سے یہ نکلا۔ الحمد للہ کبیرًا والحمد للہ کثیرًا ابن عائذ وغیرہ۔ میلاد کی بعض اور کتابوں میں اور فقرے بھی منسوب ہیں مثلاً: کہ آپ ﷺ نے لا الہ الا اللہ یا جلال ربی الرفیع پڑھا۔

واقدی کی سیر سے مراد اگر واقدی کی مغازی ہے تو اس کا مطبوعہ کلکتہ کا نسخہ جو میرے پیش نظر ہے۔ اس میں یہ واقعہ مذکور نہیں اور اگر ہوتا بھی تو واقدی کا اعتبار کیا ہے؟ ابن سبع اور ابن عائذ وغیرہ زمانہ متاخر کے لوگ ہیں اور قدما سے روایت کی نقل میں بے احتیاط ہیں۔ کسی قدیم ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی معلوم نہیں یہ روایتیں انہوں نے کہاں سے لیں۔

㉒ آنحضرت ﷺ کی رضاعت اور شیر خوارگی کے زمانہ کے فضائل اور معجزات

جب آپ ﷺ کو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی، بیہقی، ابونعیم، ابن عساکر اور ابن سعد میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا آنا اور آپ کا ان کو دیکھ کر مسکرانا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے خشک سینوں میں دودھ بھر آنا۔ آپ کا صرف ایک طرف کے سینہ سے سیر ہو جانا اور دوسرے طرف کا اپنے رضاعی بھائی کے لئے بنظر انصاف چھوڑ دینا۔ آپ کے سوار ہوتے ہی

---

[1] تاریخ ابن عساکر، ج ١، ص: ٣٥٤۔ [2] جلد ٦، ص: ٣٤٤۔

حلیمہ رضی اللہ عنہا کی کمزور اور دبلی پتلی گدھی کا تیز رو طاقتور اور فربہ ہو جانا اور حلیمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز و شاداب اور ہرا بھرا ہو جانا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بکریوں کا موٹا ہونا۔ اور سب سے زیادہ دودھ دینا۔ آپ ﷺ کا غیر معمولی نشو و نما پانا۔ دو برس کے سن میں آپ کے سینہ کا چاک ہونا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا کا اس واقعہ سے ڈر کر آپ کو آمنہ کے پاس واپس لانا۔ آمنہ کا حلیمہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دینا۔ یہ تمام واقعات ان کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

یہ واقعات دو طریقوں سے مروی ہیں ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابو یعلیٰ، طبرانی اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے اس کا سلسلہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولیٰ حارث بن حاطب جمحی نے کہا اور وہ کہتا ہے کہ ''مجھ سے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا، جس نے عبداللہ بن جعفر سے سنا اور عبداللہ بن جعفر نے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے سنا۔'' اس روایت میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جہم کا اس روایت کا خود عبداللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں آتا۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ ''عبداللہ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر مجھ سے کہا۔'' معلوم نہیں وہ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ ابو نعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے۔ اگر بالفرض جہم نے عبداللہ بن جعفر سے سنا تو عبداللہ بن جعفر کا جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے اور ۷ھ کے بعد حبش کے ملک سے مدینہ آئے تھے۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا سے ملنا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے۔ بلکہ علمائے سیر و رجال میں خود حلیمہ رضی اللہ عنہا سے ملنا اور ان کے بعد آپ سے ملاقات میں اختلاف ہے۔ صرف ایک دفعہ غزوۂ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہے۔ مگر اس موقع پر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا جو کمسن تھے موجود ہونا اور ان سے ملنا مطلق ثابت نہیں۔ جہم بن ابی جہم جو اس روایت کا سر بنیاد ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال [1] میں اسی روایت کی تقریب سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے: ''لا یعرف'' یعنی معلوم نہیں یہ کون تھا۔

دوسرا طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقدی ہے، اس سلسلہ سے ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔ یہ سلسلہ علاوہ ازیں کہ واقدی کے واسطہ سے ہے۔ موقوف بھی ہے۔ یعنی کسی صحابی تک وہ نہیں پہنچتا۔ اس کو واقدی زکریا بن یحییٰ بن یزید سعدی سے اور وہ اپنے باپ یحییٰ بن زید سعدی سے نقل کرتا ہے۔ [2] ابن سعد نے دوسری جگہ (جلد اول صفحہ ۹۷) ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہے اور واقدی، عبداللہ بن زید بن اسلم سے اور عبداللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہیں، یہ سلسلہ بھی علاوہ ازیں کہ اس کا پہلا راوی وہی واقدی ہے اور روایت بھی موقوف ہے زید مذکور کی نسبت اہل

---

[1] ج ۱، ص: ۱۹۷۔ [2] ابن سعد، ج ۱، ص: ۶۹۔

مدینہ کلام کرتے تھے اور ان کے بیٹے عبداللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے۔اس لئے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں ہے۔ابونعیم نے تیسری روایت میں واقدی کے واسطہ سے ان واقعات کو بے سند لکھا ہے۔

(23) شق صدر یعنی سینہ مبارک کے چاک ہونے کا واقعہ معراج میں پیش آنا مسلم ہے۔مگر بعض لوگوں نے بچپن کے زمانہ میں بھی اس واقعہ کا پیش آنا بیان کیا ہے۔بچپن کے وقت کی تعیین میں ان روایتوں میں اختلاف ہے۔اکثر روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس قیام کے زمانہ میں یہ پیش آیا۔جب عمر شریف غالباً صرف چار برس کی تھی۔ایک دو روایتوں میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ دس برس کے تھے۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہد طفولیت میں شق صدر کی جس قدر روایتیں ہیں۔صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ وہ تمام ترضعیف ہیں۔صحیح مسلم کی روایت میں حماد بن سلمہ کی غلطی سے معراج کا واقعہ عہد طفولیت میں بیان ہو گیا ہے۔اس بارہ میں میں نے اپنی تحقیق شرح صدر کی بحث میں مفصل بیان کی ہے۔ [1]

(24) حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس قیام کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر بعض یہودیوں نے یا عرب قیافہ شناسوں نے (روایت میں اختلاف ہے) یہ معلوم کر لیا کہ نبی آخر الزمان ہیں اور یہی ہمارے آبائی کیش اور مذہب کو دنیا سے مٹائیں گے۔یہ سمجھ کر انہوں نے آپ ﷺ کو خود قتل کرنا چاہا، یا دوسروں کو آپ کے قتل پر آمادہ کرنا چاہا (روایت میں اختلاف ہے) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا۔جب حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو پہلے پہل مکہ معظمہ سے لے کر عکاظ کے میلہ میں آئیں۔وہاں قبیلہ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا تھا۔عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر اس کے پاس آتی تھیں اور فال نکلواتی تھیں۔اس کی نظر جب آنحضرت ﷺ پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اس کو قتل کر ڈالو مگر آپ لوگوں کی نظر سے غائب ہو چکے تھے۔حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر چل دی تھیں۔لوگوں نے بڈھے سے واقعہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمہارے اہل مذہب کو قتل کرے گا اور تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ کامیاب ہوگا، اس کے بعد لوگوں نے آپ ﷺ کو بہت ڈھونڈا، مگر آپ نہ ملے حضرت حلیمہ نے اس کے بعد آپ کو پھر کسی قیافہ شناس اور فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہ کیا، ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد اس بڈھے کی عقل جاتی رہی اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گیا۔دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت آمنہ نے حلیمہ کو کہہ دیا تھا کہ میرے بچے کو یہودیوں سے بچائے رکھنا، اتفاق سے جب وہ آپ کو لے کر چلیں تو کچھ یہودی راستہ میں مل گئے انہوں نے آپ کا حال سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ اس کو مار ڈالو پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حلیمہ نے کہا، نہیں میں اس کی ماں ہوں اور اپنے شوہر کو بتایا کہ وہ اس کا باپ ہے۔انہوں نے کہا کہ اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے (یعنی آخری پیغمبر کی ایک علامت یتیمی بھی تھی اور چونکہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت بچہ میں پائی نہیں جاتی اس سے ان کا

[1] اس کے لیے اسی کتاب کے صفحات شرح صدر ملاحظہ ہوں۔

یقین جاتا رہا۔)

یہ روایتیں ابن سعد جلد اول ص ۷۱ و ۹۸ میں ہیں، مگر حالت یہ ہے کہ پہلی روایتوں کا ماخذ واقدی کی داستانیں ہیں اور اس پر بھی ان کے سلسلے ناتمام ہیں۔ آخری راویت کا سلسلہ یہ ہے کہ عمرو بن عاصم کلابی، ہمام بن یحییٰ، اسحاق بن عبداللہ گو یہ تینوں عموماً ثقہ اصحاب ہیں۔ مگر ان کی یہ روایت موقوف ہے، یعنی آخری راوی اسحاق بن عبداللہ گو تابعی ہیں۔ مگر وہ کسی صحابی سے اس کا سننا ظاہر نہیں کرتے۔ معلوم نہیں یہ روایت ان کو کہاں سے پہنچی؟ تقریباً اسی واقعہ کو ابونعیم نے دلائل [1] میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حلیمہ جب آپ ﷺ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئیں تو ایک وادی میں پہنچ کر ان کو حبش کے کچھ لوگ ملے۔ جو غالباً عیسائی ہوں گے۔ حلیمہ ان کے ساتھ ہو گئیں۔ انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو آپ کی نسبت کچھ دریافت کیا۔ اس کے بعد بہت غور سے انہوں نے آپ کو دیکھنا شروع کیا۔ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر نبوت تھی وہ دیکھی۔ آپ کی آنکھوں میں تھوڑی سرخی تھی اس کو دیکھتے رہے۔ پھر پوچھا کہ کیا بچہ کی آنکھوں میں یہ سرخی کسی بیماری سے ہے؟ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے۔ انہوں نے کہا ''خدا کی قسم! یہ پیغمبر ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے چاہا کہ بچہ کو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے چھین لیں۔ لیکن خدا نے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ ابونعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے، اور اس کے رواۃ مجہول الحال لوگ ہیں۔

㉕ کہتے ہیں کہ پیار اور محبت سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو دھوپ میں نکلنے نہیں دیتی تھیں ایک دن آپ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں نکل پڑے۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو لڑکی پر خفا ہوئیں کہ تم دھوپ میں کیوں لے گئیں۔ لڑکی نے کہا، اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگتی۔ میں نے دیکھا کہ اس پر بادل سایہ کئے تھے۔ جدھر وہ جاتا تھا وہ بھی چلتے جاتے تھے اور جہاں وہ رک جاتا تھا وہ بھی رک جاتے تھے۔ اس کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچا ہے۔ ابن سعد نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ایک میں تو صرف واقدی کا حوالہ ہے اور اس کے آگے کوئی نام نہیں دیا۔ (ص ۷، جلد اول) اور دوسرے میں ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطاء سے اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا (صفحہ ۹۸ جلد اول۔) ابن سعد کے علاوہ ابونعیم، ابن عساکر اور ابن طرماح نے بھی اسی سلسلہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، مگر اس سلسلہ میں واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور نامعتبر ہے۔

یہاں تک تو ہم نے فضائل و معجزات کی غلط اور ضعیف روایتوں کی مسلسل تنقید کی ہے۔ اگر اسی طرح ہم آخر تک نبھانا چاہیں تو یہ دفتر ان اوراق میں نہیں سما سکتا۔ اس لئے ہم صرف مشہور ترین روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں۔

㉖ سب سے مشہور بحیرا راہب کا قصہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ دس بارہ برس کے

---

[1] ص: ۱۱۶۔

تھے، تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ راہ میں ایک عیسائی خانقاہ ملی جس میں بحیرا نام ایک راہب رہا کرتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر اور علامتوں سے پہچان کر یہ جان لیا کہ پیغمبر آخر الزمان اور سردار عالم یہی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ابر آپ پر سایہ فگن ہے جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہیں۔ اس کی شاخیں آپ پر جھکی آتی ہیں۔ اس نے آپ کی خاطر قافلہ کی دعوت کی اور ابوطالب سے با اصرار کہا کہ اس بچہ کو مکہ واپس لے جاؤ ورنہ رومی اگر اس کو پہچان گئے تو اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ (شاید اس لئے کہ آپ کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا) ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رومیوں کا ایک گروہ پہنچ گیا۔ دریافت سے ظاہر ہوا کہ رومیوں کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا وقت آ گیا ہے۔ اس لئے رومیوں نے تحقیق حال کے لئے ہر طرف اپنے دستے روانہ کئے ہیں۔ بحیرا نے ان سے کہا کہ ''خدا کی تقدیر ٹل نہیں سکتی۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم واپس جاؤ'' وہ رک گئے اور ادھر ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ کے ساتھ کر دیا اور بحیرا نے کیک اور ناشتہ آپ کے ساتھ کیا۔

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہے۔ مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں، ان سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس قصہ کا سب سے محفوظ طریقہ سند وہ ہے جس میں عبدالرحمٰن بن غزوان جو ابونوح قراد کے نام سے مشہور ہے۔ یونس بن اسحاق سے اور وہ ابوبکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

یہ قصہ اس سلسلہ سند کے ساتھ جامع ترمذی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے۔ ترمذی نے اس کو ''حسن وغریب'' اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد (طبع اول ص ۱۳۰) وطبع دوم ص ۱۶۸) [1] میں اس روایت پر پوری تنقید کی ہے اور عبدالرحمٰن بن غزوان کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ سند میں نہ صرف عبدالرحمٰن بن غزوان بلکہ دوسرے رواۃ بھی جرح کے قابل ہیں۔

(۱) سب سے اول یہ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر ۷ھ میں یمن سے مدینہ آئے تھے اور یہ واقعہ اس سے ۵۰ برس پہلے کا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نہ تو خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے اور نہ کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں۔ اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔

(۲) اس واقعہ کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کے صاحبزادے ابوبکر روایت کرتے ہیں۔ مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں، چنانچہ ناقدین فن کو اس باب میں بہت

[1] طبع ہذا، ج ۱ ص: ۱۴۱۔

کچھ شک ہے۔امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ ❶ بنا بریں یہ روایت منقطع ہے۔اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ ''وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔''

(۳) ابوبکر سے یونس بن اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔گو متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ ❷ یحییٰ کہتے ہیں کہ ''ان میں سخت بے پروائی تھی۔'' شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا ہے۔امام احمد اُن کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اوران کی عام روایتوں کو مضطرب اور ''ایسی ویسی'' کہتے ہیں، ابو حاتم کی رائے ہے کہ وہ راست گو ہیں۔لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں۔ساجی کا قول ہے کہ ''وہ سچے ہیں اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے'' ابو حاکم کا بیان ہے کہ اکثر ان کو اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے، جس کا نام مستدرک اور ابونعیم میں ابونوح قراد ہے۔اس کو اگر چہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے۔ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے۔ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے۔ابن حبان نے لکھا ہے کہ ''وہ غلطیاں کرتا تھا اور امام لیث اور مالک سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔'' ❸

(۵) حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا راہب کا قصہ ہے۔اس قصے کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے ساتھ کر دیا۔حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت بچہ تھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۶) حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔حافظ ذہبی مستدرک کی تلخیص میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں اس روایت کو بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں۔ ❹

(۷) امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اسی قدر تسلیم کرتے ہیں کہ ''یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے'' حافظ سیوطی نے خصائص میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں۔اس لئے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے نقل کیے ہیں، ❺ مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

㉗ اسی قسم کا ایک اور واقعہ دوسری دفعہ کے سفر شام میں جب آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر بصریٰ تک تشریف لے گئے تھے، بیان کیا جاتا ہے آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی تھا۔اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ ابر آپ پر سایۂ افگن رہتا، کبھی فرشتے اپنے پروں کا سایہ کرتے

❶ تہذیب التہذیب، ج۱۲، ص: ٤١۔ ❷ ایضًا، ج۱۱، ص: ٤٣٤۔ ❸ ایضا، ج٦، ص: ٢٢٨۔
❹ مستدرك، ج٢، ص: ٦١٥۔ ❺ خصائص، ج١، ص: ٨٤۔

تھے۔ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہاں نسطورا راہب رہتا تھا۔آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔راہب نے یہ دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟اس نے نام ونشان بتایا۔راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہرا ہے۔پھر دریافت کیا کہ ان کی آنکھوں میں ہمیشہ یہ سرخی رہتی ہے۔،غلام نے اثبات میں جواب دیا۔راہب نے کہا ''تو یہ یقیناً آخر زمانہ کا پیغمبر ہے۔تم کبھی اس کی رفاقت نہ چھوڑنا''اسی درمیان میں ایک شخص سے خرید وفروخت میں کوئی جھگڑا پیش آیا۔خریدار نے آپ ﷺ سے کہا کہ تم لات وعزیٰ کی قسم کھاؤ۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا:''میں کبھی ان کی قسم نہیں کھاتا۔''راہب نے میسرہ سے کہا،خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے۔اس کی صفتیں ہماری کتابوں میں لکھی ہیں۔میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کی سخت دھوپ پڑتی تو دو فرشتے آپ پر سایہ کر لیتے،جب آپ تجارت سے فارغ ہوکر مکہ آرہے تھے۔اتفاق سے اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چند سہیلیوں کے ساتھ چھت پر تھیں۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نظر آپ ﷺ پر پڑی کہ آپ اُونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ افگن ہیں۔انہوں نے یہ منظر اپنی سہیلیوں کو دکھایا اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا۔میسرہ نے کہا،پورے سفر میں یہی تماشا دیکھتا آیا ہوں اور اس کے بعد اس نے نسطورا راہب کی گفتگو بھی ان سے دہرائی۔

یہ واقعہ ابن اسحاق،ابن سعد،ابونعیم اور ابن عساکر [1] میں ہے۔ابن اسحاق میں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے۔بقیہ کتابوں میں اس کی سند یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین واقدی سے اور واقدی موسیٰ بن شیبہ سے اور وہ عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب سے اور عمیرہ ام سعد بنت کعب سے اور وہ یعلیٰ بن منیہ رضی اللہ عنہ صحابی کی بہن نفیسہ بنت منیہ سے جو صحابیہ تھیں،روایت کرتے ہیں۔واقدی کی بے اعتباری تو محتاج بیان نہیں۔اس کے علاوہ موسیٰ بن شیبہ کی نسبت امام ابن حنبل کہتے ہیں: احادیثہ مناکیر۔ [2] اس کی حدیثیں منکر ہیں۔عمیرہ بنت ابن کعب اور ام سعد کا حال معلوم نہیں۔

(28) ابن سعد [3] ابن اسحاق،بیہقی اور ابونعیم [4] میں ہے کہ ''قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں محصور کیا اور باہم ایک معاہدہ مرتب کر کے خانہ کعبہ میں رکھ دیا،تو چند سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیجا،جس نے کاغذ کو کھالیا۔ایک روایت میں ہے کہ خدا کا نام چھوڑ کر باقی عبارت کو جس میں بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد تھا۔اس نے کھالیا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ خدا کا نام کھالیا تھا اور بقیہ عبارت چھوڑ دی تھی۔پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا۔آنحضرت ﷺ نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا۔ابوطالب نے قریش کو اس کی خبر کی اور بالآخر اس واقعہ کو جھوٹ اور سچ ہونے پر معاہدہ باقی رہنے یا ٹوٹ جانے کا فیصلہ قرار پایا۔کفار نے جب کاغذ کو اتار کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ کے

[1] طبقات جزء اوّل، ص:۸۳؛ دلائل النبوۃ، ص۱۳۳؛ خصائص الکبریٰ، ج۱، ص:۹۱۔
[2] تہذیب التہذیب، ج۱، ص:۳۴۹۔ [3] طبقات جزء اوّل، ص:۱۴۰۔
[4] دلائل النبوۃ، ص:۲۲۸، ۲۲۹۔

گیا، جس کا ترجمہ اب عام طور سے ”تسلی دہندہ“ کیا جاتا ہے، عیسائی اور مسلمان علما کے درمیان اس لفظ کی تحقیق پر سینکڑوں برس سے مناظرہ قائم ہے اور مسلمان علماء نے خود قدیم عیسائی علما کی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ ”پریکلیوطاس“ ہے سب سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ فقرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے تھے، ان کی زبان سریانی آمیز عبرانی تھی یونانی نہ تھی، اس لئے جو لفظ ان کی زبان سے نکلا ہوگا، وہ عبرانی یا سریانی ہوگا۔ اس لئے یہ بالکل صاف ہے کہ انہوں نے فارقلیط کا لفظ کہا ہوگا، جو احمد یا محمد کا مترادف ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں قرآن کا دعویٰ ہے۔ [1]

گزشتہ صفحات میں یہ کہیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ توراۃ وانجیل کی انسانی تعلیم سے قطعاً نا آشنا تھے، بااین ہمہ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس آنے والے پیغمبر کی جو صفتیں گنوائی ہیں، وہ حرف بحرف آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہیں:

> ”لیکن وہ فارقلیط (احمد) جو روح القدس (پاکیزگی کی روح) ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔“ (یوحنا ۱۴۔۲۶)

> ”وہ فارقلیط (احمد) جو باپ (خدا) سے نکلتی ہے آئے تو وہ میرے لئے گواہی دے گا۔“ (یوحنا ۱۵۔۲۶)

> ”اور وہ فارقلیط آن کر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا، گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے ...... میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی، تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی، لیکن جو کچھ سنے گی سو کہے گی میری بزرگی کرے گی۔“ (یوحنا ۱۶۔۸)

انجیل کے ان فقروں میں آنے والے پیغمبر کی یہ صفات گنائی گئی ہیں:

1. مسیح کی اصلی تعلیم لوگ بھول جائیں گے اس لئے وہ پیغمبر آ کر اس کو یاد دلائے گا۔
2. وہ مسیح کی ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا اور وہ ساری سچائی کی باتیں بتائے گا اور سب باتوں کی خبر دے گا۔
3. مسیح کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے گا اور ان کی گواہی دے گا اور ان پر ایمان نہ لانے پر دنیا کو گناہ گار ٹھہرائے گا۔
4. اس کی باتیں خود اس کی نہ ہوں گی، بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے اس کو سنایا جائے گا وہی کہے گا۔

[1] خطبات احمدیہ، خطبہ بشارات محمدی، منقول از گاڈفری ہیگنس صاحب، ص: ۶۳۹، ۶۴۰۔

اس صداقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی اصلی تعلیم عیسائی بھلا چکے تھے، توحید کی جگہ تثلیث تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیماتِ صادقہ میں ابنیت، الوہیتِ مسیح علیہ السلام، مجسمہ پرستی اور بیسیوں عقائد فاسدہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا، وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات مبارک ہے، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھلائی ہوئی باتوں کو پھر یاد دلایا اور بتایا کہ ان کی اصلی تعلیم کیا تھی؟ قرآن مجید نے پورے واشگاف طریق سے نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور غلط تعلیمات کی تشریح کی اور دنیا میں تثلیث کے بجائے توحید کا علم نصب کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی الوہیت کی تردید کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور ان کی حیات وموت کے مسئلہ کو صاف کیا۔

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا کہ وہ میری ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا، یہ خصوصیت بھی خاتم النبیین ﷺ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آ سکتی، مسیح کے اس فقرہ سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ مسیح تک دین الٰہی ناتمام ہے اور دوسری یہ کہ آئندہ آنے والے پیغمبر کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہوگی اور وہ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور ساری باتوں کی خبر دے گا یہ پیشین گوئی آنحضرت ﷺ کی ذات سے پوری ہوئی آپ کی ذات سے دین الٰہی تکمیل کو پہنچا اور آپ نے عقائد، عبادات، اخلاق، احکام، آثار قیامت، جنت، دوزخ، سزا، جزا وغیرہ تمام باتوں کو اس تفصیل، تشریح اور تکمیل کے ساتھ بتایا، جس کی مثال دنیا کے کسی پیغمبر کی تعلیم میں نہیں ملتی، اسی لئے آپ کو خاتم النبیین کا لقب دیا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس پیغمبر کی تیسری نشانی یہ بتائی کہ وہ دنیا میں میری عظمت کو قائم کرے گا اور میرے لئے گواہی دے گا۔ یہ نشانی بھی آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس کے سوا کسی اور پر صادق نہیں ہو سکی۔ وہ آنحضرت ﷺ ہی ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشکار کیا اور دوستوں اور دشمنوں کی طرف سے ان پر جو غلط اتہامات قائم کئے گئے تھے، ان کی پردہ دری کی اور ان کی نبوت ورسالت کی گواہی دی اور ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اسلام کا ضروری رکن قرار دیا۔ ان کے حقیقی اوصاف ومحامد کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی سے اور نصاریٰ نے محبت سے دھندلی کر دیا تھا، اپنی روشنی سے اجاگر کر دیا۔ یہودیوں نے ان پر اور ان کی ماں حضرت مریم علیہا السلام پر جو بہتان باندھے تھے۔ ان کی علی رؤس الاشہاد تردید کر دی اور نصاریٰ نے ان کی ولادت، وفات، ابنیت، الوہیت اور تعلیمات پر رومی مشرکانہ اعمال وعقائد کا جو پردہ ڈال رکھا تھا، اس کو چاک کر دیا اور قرآن کی بیسیوں آیتوں میں نہایت صفائی کے ساتھ ان امور کی تشریح کی گئی اور اب کروڑوں دلوں میں ان کی اصلی عظمت اور حقیقی بزرگی کا نقش کندہ ہے۔

چوتھی نشانی حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بتائی کہ وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا بلکہ وہی کہے گا جو اس کو اوپر سنایا جائے گا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا خاص وصف ہے، قرآن نے کہا:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ ﴾ (۵۳/ النجم:۳، ۴)

''اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ جو کچھ بولتا ہے وہی بولتا ہے جو اس پر وحی کی جاتی ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ جو کچھ ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ کبھی غصہ میں کچھ کہہ دیتے ہیں، ان کو نہ لکھا کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جا کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اس سے رضامندی اور نارضامندی دونوں حالتوں میں حق اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔'' قرآن مجید نے اپنی نسبت بارہا کہا کہ وہ سچائی کی روح ہے، وہ حق ہے، وہ تذکرہ ہے، وہ ہدایت ہے، اور اس کا پیغمبر چراغ ہدایت ہے، راہنمائے عالم ہے، مذکر (یاد دلانے والا) ہے، اس تفصیل کے بعد کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح کی پیشین گوئی آنحضرت ﷺ کے ظہور سے حرف بحرف پوری نہیں ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی اور ہستی نہیں، جس پر یہ اوصاف صادق آ سکیں۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشین گوئی توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس پیشین گوئی کو جانتے ہیں:

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ ﴾ (۷/ الاعراف:۱۵۷)

''جو لوگ اس ان پڑھ پیغام رساں قاصد کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''

انجیل میں گزشتہ بشارت فارقلیط کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی دو اور بھی پیشینگوئیاں مذکور ہیں۔

انجیل لوقا میں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا:

''دیکھو میں اپنے باپ خدا کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے۔ یروشلم میں ٹھہرو۔'' (لوقا۔۴۲۔۴۹)

اس کی چند سطروں کے بعد لوقا کی انجیل ختم ہوگئی ہے اور اس موعود کے ظہور کا کوئی ذکر نہیں وہ رسول موعود کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ انجیل کے اس فقرہ میں یہ الفاظ غور کے قابل ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کہتے ہیں کہ اس قوت آسمانی کے ظاہر ہونے کے وقت تک شہر یروشلم میں ٹھہرو، اس سے مقصود اس قوت آسمانی کے ظہور تک شہر یروشلم میں محض اقامت نہیں ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس رسول موعود کے ظہور تک تمہارا کعبہ اور قبلہ بیت المقدس رہے گا، لیکن جب وہ

آئے گا تو رخ شہر مکہ کی طرف بدل جائے گا۔ اسی لئے قرآن مجید نے تحویل قبلہ کے موقع پر یہ کہا ہے:

﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ ﴾ (۲/ البقرہ:۱٤٤)

''تو تو اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر اور تم جہاں بھی ہو اسی کی طرف اپنے منہ پھیرو اور جو اہل کتاب ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، ان کے پروردگار کی جانب سے۔''

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی آمد کی بشارت کس قدر کھلے کھلے لفظوں میں دی تھی، اسی لئے احادیث میں ہے کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''میں اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔'' [1] انجیل کی دوسری بشارت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ظہور کے موقع پر مذکور ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام جب ظاہر ہوتے ہیں، تو لوگ ان سے پوچھتے ہیں کہ تین آنے والے پیغمبروں میں سے تم کون ہو؟

''یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے؟ اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ تب انہوں نے اس سے پوچھا، تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا، میں نہیں ہوں پس آیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں...... اور انہوں نے اس سے سوال کیا اور کہا، اگر تو نہ مسیح ہے نہ الیاس اور نہ وہ نبی تو کیوں بپتسمہ دیتا ہے۔'' (یوحنا ۱۔۱۹)

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ کی پیشین گوئی کے مطابق یہود کو تین پیغمبروں کا انتظار تھا۔ جن میں سے دو کے نام الیاس اور مسیح علیہما السلام تھے، لیکن تیسرے کا نام صرف وہ نبی لیا گیا ہے۔ یہ تیسرا نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کون ہے؟ کہ یہود و نصاریٰ دونوں یقین رکھتے ہیں کہ اب مسیح علیہ السلام کے سوا کوئی اور آنے والا نہیں۔ صرف آنحضرت ﷺ ہی کی ذات ہے جو نبی اور پیغمبر کے مطلق نام سے دنیا میں مشہور ہے۔ مسلمان آپ کو آنحضرت ﷺ، وہ حضرت یعنی پیغمبر کہتے ہیں اور مسیحیوں میں آپ کا نام ''دی پرافٹ'' وہ پیغمبر مشہور ہو گیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں جن لوگوں کو توراۃ سے واقفیت تھی، یا علمائے یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے، ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کی بشارت گزشتہ صحف انبیا علیہم السلام میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما گو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کم سن تھے۔ مگر وہ مطالعہ کتب کے شائق تھے اور وہ توراۃ پڑھا کرتے تھے، سورۂ فتح میں آنحضرت ﷺ کی شان میں ہے:

﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ ﴾ (٤٨/ الفتح:٨، ٩)

---

[1] مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ٦٠٠۔

''ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تا کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرو۔''

سورۂ احزاب میں کچھ اوصاف اور زیادہ مذکور ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۴۵، ۴۶)

''اے پیغمبر ﷺ! ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے جو اوصاف گنائے گئے ہیں وہ بعینہٖ توراۃ میں ہیں۔

عن عبدالله بن عمرو ان هذه الاية التى فى القران ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ قال فى التوراة: يا ايها النبى انا ارسلنك شاهدا ومبشرا [1] وحرزا للاميين انت عبدى ورسولى سميتك المتوكل ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب بالاسواق ولا يدفع السيئة بالسيئة ولكن يعفو ويصفح ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء بان يقولوا لا اله الا الله فيفتح بها اعينا عميا واذانا صما وقلوبا غلفا۔[2]

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا کہ قرآن کی یہ آیت کہ اے پیغمبر ﷺ! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ توراۃ میں یونہی ہے کہ اے نبی! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور امیوں کا ماویٰ وملجا بنا کر بھیجا، تو میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے اور میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ رکھنے والا رکھا، وہ سخت اور سنگ دل نہ ہوگا اور بازاروں میں وہ شور نہ کرے گا، وہ برائی کے بدلہ برائی نہ کرے گا، بلکہ عفو اور درگزر کرے گا اور اس وقت تک خدا اس کی روح قبض نہ کرے گا، جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کرلے گا کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پس وہ اس دین سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور نافہم دلوں کو کھول دے گا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کعب ایک مشہور یہودی عالم تھے جو مسلمان ہوگئے تھے۔ تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت عطاء تابعی نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بشارت توراۃ میں مذکور ہے؟ انہوں نے کہا،

---

[1] بخاری میں ''ونذیرا'' کے الفاظ بھی ہیں۔

[2] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ﴿انا ارسلنك شاهدا......﴾: ۴۸۳۸۔

ہاں، ہے اور اس کے بعد انہوں نے توراۃ کی اسی عبارت کا ترجمہ پڑھا۔ چنانچہ اس وقت توراۃ کے جو نسخے موجود ہیں، ان میں اشعیاء نبی کی کتاب میں کسی قدر الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ پیشین گوئی اب تک موجود ہے اور جس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت کعب نے اپنی پیشین گوئی کو اختصار اور اجمال کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔ اشعیاء نبی کی پیشین گوئی یہ ہے:

''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا، میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے، میں نے اپنی روح اس پر رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا، وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا نہ بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے، اس وقت تک اس کا زوال نہ ہو گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔ خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انہیں تانتا جو زمین کو اور انہیں جو اس میں سے نکلتے ہیں، پھیلاتا اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں۔ سانس دیتا اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں، روح بخشتا ہے۔ یوں فرماتا ہے میں خداوند نے تجھے صداقت کے لئے بلایا، میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا [1] کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں، قید خانہ سے چھڑائے۔ یہوداہ میں ہوں، یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے، کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا۔ دیکھو تو سابق پیشین گوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں۔ میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ۔ اے تم جو سمندر پر گزرتے ہو اور تم جو اس میں بستے ہو، اے بحری ممالک اور ان کے باشندو تم زمین پر سرتا سر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کے مانند اپنی عزت کو اکسائے گا۔ وہ چلائے گا، ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو گا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہو رہا اور آپ کو روکتا گیا، پر اب میں اس عورت کی طرح جسے دردزہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا۔ میں

[1] اس فقرہ کا اردو ترجمہ میرے پیش نظر اردو نسخہ میں صحیح نہ تھا، میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء سے درست کیا ہے۔

پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا اور ان کی ندیاں، بسنے کے لائق زمین بناؤں گا اور تالابوں کو سکھادوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو میدان کر دوں گا۔ میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور انہیں ترک نہ کروں گا، وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو، سنو اے بہرو، اور تاکو اے اندھو! تاکہ تم دیکھو اندھا کون ہے مگر میرا بندہ؟ اور کون ایسا بہرا ہے، جسے میرا رسول جیسے میں بھیجوں گا اندھا کون ہے؟ جیسا کہ وہ جو کامل ہے اور خداوند کے خادم کی مانند اندھا کون ہے؟ تو نے بہت چیزیں دیکھی ہیں پر ان پر لحاظ نہیں رکھا اور کان تو کھلے ہیں، پر کچھ نہیں سنتا خداوند اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا اور وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا۔'' (باب ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت کعب رضی اللہ عنہما کی پیش کردہ بشارت میں جو الفاظ ہیں، وہ حرف حرف اس میں موجود ہیں۔ پہلا لفظ اس بشارت میں "شاهد" ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے وہ قوموں کے درمیان گواہ اور شاہد ہوگا۔ اشعیاء میں ہے: ''وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا اور اس عدالت کا وہ گواہ ہوگا۔'' اس کے بعد مبشر کی صفت ہے۔ یعنی وہ نیکوکاروں کو خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنائے گا۔ اشعیاء کے اس پورے باب میں اس آنے والے پیغمبر کے یہی اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ بعدازیں "حرزا للامیین" امیوں کا ماویٰ اور پناہ ہے۔ امّی وہ ہیں جن کو اب تک کوئی شریعت نہیں ملی تھی۔ چنانچہ اشعیاء میں ہے: کہ اس رسول کے ذریعہ سے اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے، لے جاؤں گا، میں انہیں ان رستوں (شریعت) پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ "انت عبدی ورسولی" یعنی تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ اشعیاء کے شروع میں ہے: ''دیکھو میرا بندہ'' اور آخر میں ہے۔ ''میرا بندہ میرا رسول جسے میں بھیجوں گا۔'' "سمیتك بالمتوکل" میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنے والا رکھا۔ اشعیاء میں ہے: ''میرا بندہ جس کو میں سنبھالتا ہوں...... میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔'' "لیس بفظ ولا غلیظ ولا یدفع السیئة بالسیئة ولکن یعفو ویصفح۔" وہ سنگ دل اور سخت نہ ہوگا، یعنی کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا اور برائی کا بدلہ برائی نہ دے گا بلکہ معاف کرے گا۔ اشعیاء تمثیل واستعارہ میں کہتے ہیں: ''وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھیمی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ عدالت کو جاری کرائے گا۔'' "ولا سخاب بالاسواق۔" وہ بازاروں میں نہ چلائے گا، یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہوگا اشعیاء نے کہا، وہ نہ چلائے گا، اپنی صدا بلند نہ کرے گا، اپنی آواز بازاروں میں نہ

سنائے گا" ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء۔" خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا، جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کرالے گا۔ اشعیاء میں ہے، اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا۔ "فيقولوا لا اله الا الله" تو لوگ کہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اشعیاء کہتے ہیں، میں خدا (یہودا) اپنی شوکت دوسرے معبودان باطل کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے۔ کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا...... وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو' فيفتح به اعينا عمياوا ذانا صما وقلوبا غلفا "وہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں بہرے کانوں اور زیر پردہ دلوں کو کھول دے گا۔ اشعیاء کہتے ہیں: لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لئے تجھے نہ دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے جو بند ہیں۔ ان کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں ہیں قید سے نکالے......سنو اے بہرو! تاکو اے اندھو!

حضرت اشعیاء کی یہ بشارت حرف بحرف آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہے۔ حضرت اشعیاء نے ان فقروں میں جس نبی کی پیشین گوئی کی ہے، وہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں کہ نہ تو وہ عیسائیوں میں خدا کے بندہ اور رسول کی حیثیت سے تسلیم ہوتے ہیں اور نہ وہ ایک جنگی مرد کی طرح دنیا میں آئے، نہ انہوں نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور نہ بت پرستی کا استیصال کیا، علاوہ ازیں اس پیشین گوئی میں اس کی طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار بن اسمٰعیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہاتوں میں پیدا ہوگا۔ قیدار بن اسمٰعیل کا مشہور خاندان قریش تھا اور قیدار کا دیہات مکہ معظمہ ہے۔ اس باب ۴۲ سے پہلے جس میں یہ بشارت ہے۔ باب ۴۱ میں بھی اس بشارت کا ایک حصہ مذکور ہے۔

کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا اور اپنے پاؤں کے پاس بلایا اور امتوں کو اس کے آگے دھر دیا اور اسے بادشاہوں پر مسلط کیا، کس نے انہیں (کافروں) خاک کے مانند اس کی تلوار کے اور اڑتی بھوسی کے مانند اس کی تلوار کے حوالہ کیا۔

اس درس میں یہ تصریح ہے کہ "وہ راستباز پورب کی طرف سے مبعوث ہوگا" توراۃ کے محاورہ میں پورب کی سرزمین سے عموماً عرب مراد ہوتا ہے [1] اس سے ثابت ہوا کہ وہ راستباز بندہ اور رسول ملک عرب میں مبعوث ہوگا۔

اس بشارت میں آنے والے پیغمبر کے سب سے پہلے وصف کا ترجمہ "برگزیدہ" کیا گیا ہے، جو آنحضرت ﷺ کے لقب مصطفٰے کا ترجمہ ہے، دوسرا وصف راستباز ہے، یہ امین کا وہ لقب ہے جو نبوت سے

[1] میں نے اپنی تصنیف ارض القرآن، ج ۱، ص: ۶۱ میں جغرافیہ عرب میں توراۃ کے حوالہ سے اس کو بہ تفصیل دکھایا ہے۔

پہلے اہل مکہ کی زبان سے آپ ﷺ کو ملا تھا۔ اب حضرت اشعیاء کی بشارت کے ایک ایک لفظ پر غور کرو تو آنحضرت ﷺ کے اوصاف و حالات سے اس کی عجیب مطابقت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اس پیغمبر کو بندہ اور رسول کے وصف سے یاد کیا ہے، یہ وہ وصف ہے جو آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی پیغمبر اس وصف خاص کے ساتھ شہرت نہیں رکھتا۔ یہ اسلام ہی کا پیغمبر ہے، جس کا طغرائے فخر صرف عبدیت اور رسالت ہے۔ اس نے دنیا میں اپنے نام کا اعلان ہی ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ عبدہ، ورسولہ، کسی مسلمان کی کوئی نماز اس وقت تک ختم نہیں ہوتی۔ جب تک وہ اپنی زبان سے تشہد میں یہ نہیں ادا کر لیتا''واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ اس موقع پر ایک خاص نکتہ بیان کے لائق ہے کہ دیگر انبیا جس طرح خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ وغیرہ کے خطابات سے مشرف ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا خطاب ''عبداللہ'' خدا کا بندہ ہے معراج میں جو تقرب الٰہی کی آخری منزل اور انسانی رتبہ کی آخری شرف یابی تھی، آنحضرت ﷺ اسی لقب خاص سے پکارے گئے:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ ﴾ (۱۷/ بنیٓ اسرآئیل:۱)

''پاک ہے وہ خدا جو معراج میں اپنے بندہ کو لے گیا۔''

اس کے علاوہ اور متعدد آیتوں میں آپ ﷺ کو اس خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا ﴾ (۲/ البقرۃ:۲۳)

''اگر تم کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر اتارا۔''

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ ﴾ (۲۵/ الفرقان:۱)

''بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا۔''

﴿ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ ﴾ (۷۲/ الجن:۱۹)

''اور جب خدا کا بندہ اس کو پکارتے ہوئے کھڑا ہوا۔''

آنحضرت ﷺ دونوں زانوں کھڑے کر کے کھانا تناول فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی: ''میں خدا کا بندہ ہوں'' اسی طرح کھاتا ہوں، جس طرح غلام کھاتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ کا دوسرا وصف ''رسول'' ہے گو دنیا میں پیغمبر ہزاروں آئے، مگر لفظ رسول سے ان کے نام کو شہرت نہیں، یہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کا وصف ہے، جو تمام مسلمانوں کی زبانوں پر رسول اللہ ﷺ کے نام سے ملقب ہیں، یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی ''دی پرافٹ'' یعنی پیغمبر مخصوص آپ کا نام ہے۔ قرآن نے بتصریح کہا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ ﴾ (٤٨/ الفتح:٢٩) ''محمد خدا کا رسول ہے۔''

﴿ يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ (٦٣/ المنافقون:٥)

''خدا کا رسول تمہاری مغفرت چاہے۔''

﴿ لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ (٩/ التوبة:١٢٨)

''تمہارے پاس خود تمہاری قوم کا رسول آیا۔''

﴿ اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ ﴾ (٤٩/ الحجرات:٧) ''تم میں خدا کا رسول ہے۔''

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (٣٣/ الاحزاب:٢١)

''تمہارے لئے خدا کے رسول کے اندر اچھی پیروی ہے۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ (٥/ المآئدة:٦٧)

''اے رسول تجھ پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دے۔''

ان مقامات کے علاوہ اور بیسیوں جگہ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو بشارت دی ہے، وہ بھی اسی رسول کے لفظ کے ساتھ دی ہے: ﴿ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾ میرے بعد احمد نام ایک رسول آنے والا ہے۔

حضرت اشعیاء علیہ السلام نے آنے والے پیغمبر کا تیسرا وصف برگزیدہ بتایا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ مصطفیٰ (برگزیدہ) کے لقب سے عام طور پر مشہور ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے:

((ان اللّٰہ اصطفٰی کنانۃ من ولد اسمٰعیل و اصطفٰی قریشا من کنانۃ و اصطفٰی بنی ھاشم من قریش و اصطفانی من بنی ھاشم)) [1]

''بے شک خدا نے اولاد اسمٰعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا اور بنی ہاشم میں مجھ کو برگزیدہ کیا۔''

چوتھی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ جس سے میرا جی راضی ہوا۔ یہ صفت نہ صرف آنحضرت ﷺ کے لئے بلکہ آپ کے وسیلہ سے تمام پیروان محمدی میں عام ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ ﴾ (٤٨/ الفتح:٢٩)

''محمد خدا کا رسول اور جو اس کے ساتھ ہیں...... وہ خدا کی مہربانی اور رضا کو ڈھونڈتے ہیں۔''

﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ﴾

(٥/ المآئدة:١١٩، ٩/ توبة:١٠٠، ٥٨/ المجادلة:٢٢، ٩٨/ البينة:٨)

---

[1] جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب ما جآء فی فضل النبی ﷺ: ٣٦٠٥، ٣٦٠٦۔

''خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔''

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (٤٨/ الفتح:١٨)

''بے شک خدا مومنوں سے راضی ہوا۔''

تمام انبیا کی امتوں سے یہ مخصوص وصف امت محمدی ہی کا ہے، اس کے پیرو رضی اللّٰہ عنہ کی دعا سے ہمیشہ مخاطب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اشعیاء اس پیغمبر کا وصف یہ بتاتے ہیں کہ خدا اس سے کہتا ہے: میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔ قرآن نے اس وصف سے بھی آنحضرت ﷺ کو متصف کیا ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ (٤٢/ الشوری:٥٢)

''ہم نے تیری طرف اپنی شان کی ایک روح وحی کی۔''

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴾ (٢٦/ الشعرآء:١٩٣)

''امانت دار روح اس کو لے کر اتری۔''

﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ ﴾ (١٦/ النحل:١٠٢)

''کہہ دے کہ روح القدس نے اس کو اتارا ہے۔''

پانچواں وصف یہ بتایا گیا کہ وہ نہ چلائے گا اور وہ اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی سیرت کے خط و خال کی بھی تصویر کھینچی ہے۔ متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ آپ کبھی زور سے نہیں ہنستے تھے۔ بلکہ صرف مسکراتے تھے [1] شمائل ترمذی میں حضرت ہند رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر چپ رہتے، بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا۔ ہنستے بہت کم تھے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے آپ کے اخلاق پوچھے، انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ بدگو نہ تھے اور نہ بازاروں میں شور کرتے تھے۔ [3] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کے اوصاف کیا تھے؟ فرمایا، آپ شور و غل نہیں کرتے تھے۔ [4]

سفر اشعیاء میں اس کے بعد ہے، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا مسکینوں، غریبوں اور کمزوروں کو نہ ستائے گا، وہ نرم دل اور نیک خو ہوگا۔ قرآن مجید نے آپ کے اس وصف کو نمایاں طریق سے بتایا ہے:

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (٦٨/ القلم:٤) ''اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔''

---

[1] شمائل ترمذی، باب ماجاء فی ضحك رسول الله ﷺ: ٢٢٥۔

[2] شمائل ترمذی، باب کیف کان کلام رسول الله ﷺ: ٢٢٤۔

[3] شمائل ترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول الله ﷺ: ٣٤٦۔ [4] ایضًا: ٣٥٠۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾

(۳/ آل عمران:۱۵۹)

''خدا کی رحمت کے سبب سے تو ان کے ساتھ نرم ہے، اگر تو کڑا اور دل کا سخت ہوتا تو یہ تیرے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (۹/ التوبة:۱۲۸)

''تمہاری قوم سے تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا، جس کو تمہاری تکلیف شاق ہوتی ہے، تمہاری بھی خواہی کا حریص ہے اور مسلمانوں پر مہربان اور رحمت والا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، آپ برائی کے بدلہ برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ معاف کرتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔ آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ خندہ جبین، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ جو گویا آپ کے آغوش پروردہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، خود اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ فرماتے اور نہ کسی سے انتقام لیتے۔ [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم خاص کہتے ہیں کہ میں نے دس برس آپ ﷺ کی خدمت کی مگر آپ نے کبھی کسی معاملہ کی مجھ سے باز پرس نہ فرمائی۔ [2] مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جو بیس دن تک آپ کی صحبت میں رہے تھے، کہتے ہیں کہ آپ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔ [3]

حضرت اشعیاء اس کے بعد کہتے ہیں کہ وہ عدالت کو قائم کرے گا کہ دائم رہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نبی آخر الزمان ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور نہ آپ کی شریعت منسوخ ہوگی، آپ آخری دین لے کر آئے، جو قیامت تک دائم رہے گا، پھر کہتے ہیں کہ اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے، یعنی جب تک اس کی شریعت اور تعلیم قائم نہ ہو جائے گی، اس کو موت نہ آئے گی، ظاہر ہے کہ یہ وصف حضرت عیسیٰ پر صادق نہیں آتا کہ وہ اپنی تعلیم وشریعت کے استحکام سے پہلے اس دنیا سے اٹھ گئے، یہ مخصوص وصف آنحضرت ﷺ کا ہے، جو اس وقت تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے، جب تک آپ کی تعلیم وشریعت نے ظہور تام اور استحکام کامل نہیں حاصل کر لیا، چنانچہ جب یہ بات حاصل ہوگئی تو آپ کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے کی اجازت ملی، حضرت اشعیاء کی یہ پیشین گوئی قرآن مجید کے

---

[1] یہ تمام روایات شمائل ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ: ۳٤٦ تا ۳٥٠ میں مذکور ہیں۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کان رسول اللہ ﷺ احسن خلقا:٦٠١١ وابوداود، کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی ﷺ: ٤٧٧٤۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبھائم:٦٠٠٨۔

اس سورہ کے مطابق ہے۔

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾ (۱۱۰/ النصر)

''جب خدا کی نصرت اور فتح آ چکی اور تو نے لوگوں کو گروہ در گروہ دین الٰہی میں آتے دیکھ لیا (تو تیرا فرض انجام پا چکا اور اس دنیا سے تیری رخصت کے دن قریب آ گئے) اب خدا کے حمد و استغفار میں مصروف ہو، کہ وہ رحم کرنے والا ہے۔''

جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا: ''خدا کے ایک بندہ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ اس دنیا کو قبول کرے یا دوسری دنیا کا سفر اختیار کرے، مگر اس بندہ نے آخرت کو پسند کیا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے، وہ سمجھ گئے کہ یہ بندہ کون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امتحاناً اس سورہ کا مطلب پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تصدیق کی۔ [1]

اس کے بعد اشعیاء کہتے ہیں کہ تمام بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔ یہ اسلام ہی تھا، جس کی شریعت نہر سیحون اور جیحون اور دجلہ و فرات سے ہو کر بحر روم تک اور بحر ہند سے بحر ظلمات تک پھیل گئی اور بڑے بڑے جزیرے اس کے نور سے منور ہو گئے، بعد ازیں اشعیاء اللہ کا وعدہ سناتے ہیں کہ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔'' یہ وعدہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ پورا ہوا، آپ نے یکہ و تنہا دعوت توحید کی اس وقت اشاعت کی جب ملک عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا اور خدا کے سوا کوئی آپ کا دستگیر نہ تھا، اس نے دشمنوں کے نرغہ میں نازک سے نازک اور خطرناک سے خطرناک حملوں سے آپ کی ذات گرامی کو محفوظ رکھا اور سفر اشعیاء کے وعدے کو قرآن کے ذریعہ سے دوبارہ دہرایا اور مکہ میں عین اس وقت جب دشمنوں کی عداوت کا آفتاب پوری تمازت پر تھا یہ آیت اتری:

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ ﴾ (۱۷/ الاسرآء:۶۰)

''اور یاد کرو اے محمد (ﷺ!) جب ہم نے تم سے فرما دیا کہ تمہارے پروردگار نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ تم پر ہاتھ ڈالیں۔''

﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ﴾ (۵۲/ الطور:۴۸)

''اور اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔''

مدینہ میں آ کر یہ وعدہ مکرر دہرایا گیا:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ﴾ (۵/ المائدہ:۶۷)

---

[1] صحیح بخاری، تفسیر سورۂ مذکور:۴۹۶۹، ۴۹۷۰۔

''اور خدا لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔''

صحابہ جان نثاری سے آنحضرت ﷺ کے خیمہ کے گرد پہرا دیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو آپ نے خیمہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا: ''لوگو واپس جاؤ کہ خدا نے میری حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے۔'' اس وصف کے مستحق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے جو عیسائیوں کے اقرار کے مطابق رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر سولی پر لٹکائے گئے۔

بشارات اشعیاء میں اس کے بعد ہے: ''میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھوں کو کھولے اور بندھے ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید سے نکالے۔'' تاریخ گواہ ہے کہ بشارت کا یہ حصہ پیغمبر اسلام کے وجود سے کس خوبی سے پورا ہوا، قرآن مجید نے بھی بشارت کے اس حصہ کو ان الفاظ میں مکمل کیا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۵۷، ۱۵۸)

''وہ لوگ جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں، جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچھی چیزیں ان کے لئے حلال کرتا ہے اور بری چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کی ان پابندیوں اور زنجیروں کو جو ان پر ہیں ہلکا کرتا ہے۔ تو جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس کی مدد اور نصرت کی اور اس کی روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ وہی کامیاب ہوں گے، کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ) اے لوگو! میں تم سب کے پاس خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۴۵)

''اے پیغمبر ﷺ! ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری دینے والا ہشیار کرنے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾

(۴/ النسآء: ۱۷۵)

''اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آ چکی۔ ہم نے تمہاری طرف وہ نور اتارا جو

ہر چیز کو روشن کرتا ہے۔''

﴿ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ ﴾ (٦٤/ التغابن:٨) ''اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا۔''

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ (٢١/ الانبیآء:١٠٧)

''اے محمد (ﷺ)! ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ (١٤/ ابراهيم:١)

''یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے۔ تاکہ تو لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔''

﴿ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (٤٢/ الشورىٰ:٥٢)

''لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے، تاکہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ دکھائیں اور تو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔''

اس کے بعد اس بشارت میں ہے کہ آنے والا پیغمبر توحید کامل کا مبلغ، بت شکن اور باطل پرستی کا دشمن ہو گا اور بت پرست کفار و مشرکین کو وہ شکست عظیم دے گا۔

''یہودا (اللہ) میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے (معبودان باطل) کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے نہ دوں گا...... وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو۔''

حضرت اشعیاء کے بعد دنیا میں وہ کون پیغمبر آیا جس نے توحید کامل کی تعلیم پیغمبر اسلام سے واضح تر اور کامل تر دی ہو۔ جس نے بت پرستی کی بیخ کنی کی ہو، جس نے بت خانوں کو منہدم کیا ہو، جس نے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کیا ہو اور باطل پرستی کے علم کو ہمیشہ کے لئے سرنگوں کر دیا ہو۔ قرآن اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا بڑا حصہ شرک و بت پرستی کے خلاف جہاد عظیم ہے اور تمام دنیا کو اعتراف ہے کہ اس فرض کو رسول اللہ ﷺ نے جس خوبی اور تکمیل کے ساتھ ادا کیا، وہ کسی اور سے نہ ہو سکا۔

بعد ازیں حضرت اشعیاء بتاتے ہیں کہ وہ آنے والا پیغمبر مجاہد اور تیغ زن ہو گا اور وہ باطل پرستوں کے خلاف اپنی تلوار اٹھائے گا۔

''خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت کو اکسائے گا، وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو گا۔''

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت نہیں ہو سکتی، یہ صرف بدرواُحد اور حنین وخندق کے سپہ سالار پیغمبر کی شان ہے:

''بیابان (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔''

اس فقرہ میں آنے والے پیغمبر کا وطن (بیابان عرب) اور خاندان (قیدار بن اسمٰعیل) بھی بتا دیا گیا ہے۔آخر میں ہے:

''اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔''

اس فقرہ میں یہ ارشاد ہے کہ وہ امیوں کا پیغمبر اور اس قوم کا داعی ہوگا۔جس کو کبھی راہ راست کی ہدایت نہیں ملی۔یہ صفت اہل عرب کی ہے، جن کو آپ ﷺ سے پہلے کوئی صاحب شریعت پیغمبر نہیں ملا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔جن کو شریعت مل چکی تھی۔اس لئے یہ ان کی صفت نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ صرف پیغمبر عرب کا وصف خاص ہے۔چنانچہ قرآن مجید نے صاف کہا:

﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ (۲۸/ القصص:۴۶)

''تا کہ ان کو ہوشیار کرے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ہوشیار کرنے والا نہیں آیا۔''

﴿ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۭ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ (۳۶/ یٰسٓ:۳ تا ۶)

''تو یقیناً پیغمبروں میں سے ہے اور سیدھی راہ پر ہے اور یہ غالب مہربان خدا کی طرف سے اترا ہے، تا کہ تو ان کو ہشیار کرے جن کے باپ دادا ہشیار نہیں کیے گئے تو وہ غفلت میں ہیں۔''

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (۶۲/ الجمعۃ:۲)

''وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بنا کر ان ہی میں سے کھڑا کیا، جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور کتاب اور دانائی سکھاتا ہے، اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۙ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰي طَاۗىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰي مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ ﴾

(۶/ الانعام ۱۵۶ تا ۱۵۸)

''یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اُتارا ہے، جو برکت والی ہے، تو اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے (یہ کتاب تم کو اس لئے دی گئی) تا کہ یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم

سے پہلے یہود اور نصاریٰ دو قوموں کو عطا ہوئی اور ہم اس کے پڑھنے سے غافل تھے یا یہ کہو کہ اگر خاص ہم پر کوئی کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ راہ راست پر ہوتے، تو لو تمہارے پاس خدا کی طرف سے کھلی دلیل، ہدایت اور رحمت آ چکی۔“

﴿ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴾

(۳۴/ سبا: ۴۴)

”اور ہم نے ان کو نہ تو کتابیں دیں جن کو وہ پڑھیں اور نہ تجھ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا۔“

اس بشارت کے تمام فقروں پر جو شخص اس تفصیل سے نظر ڈالے گا اور اس کے ایک ایک فقرہ کی قرآن پاک، احادیث شریف اور سوانح نبوی ﷺ کے ساتھ حرف حرف تطبیق پر غور کرے گا، وہ اس یقین کے پیدا کرنے پر مجبور ہو گا کہ اس بشارت کا مصداق محمد بن عبداللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا:

﴿ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾

(۵۷/ الحدید: ۹)

”وہی جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے، تا کہ وہ تم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جائے۔“

سورۂ فتح میں جس میں آنحضرت ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے۔ توراۃ اور انجیل کی ایک پیشینگوئی کا حوالہ دیا گیا ہے:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ﴾ (۴۸/ الفتح: ۲۹)

”محمد ﷺ خدا کا بھیجا ہوا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری آپس میں مہربان ہیں۔ دیکھتے ہو تم ان کو کہ (خدا کے سامنے) رکوع اور سجدے میں گرے رہتے ہیں اور خدا کی رحمت اور خوشنودی کے جویاں رہتے ہیں۔ ان کے چہروں میں سجدہ کے اثر سے نور ہے ان کی حالت کا یہ بیان توراۃ میں ہے۔“

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا یہ مجموعی وصف فتح مکہ کے موقع پر بیان کیا گیا ہے۔ جو اسلام کی دعوت کی تکمیل، توحید الٰہی کے انجام، خانہ خلیل کی کامل آزادی اور معبودانِ باطل کی دائمی شکست کا دن ہے اور اس کے بعد کوئی نیا پیغام سنانے والا دنیا میں آنے والا نہ تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی آخری

وصیت جس پر ان کی توراۃ اور ان کے صحیفہ حیات دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بنی اسرائیل کو یہ فرمائی:

''یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔ ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس (ہمراہی) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔'' (استثناء ۳۳۔ ۱، ۲، ۳)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری کلام ہے، جس میں آخری پیغمبر کی بعثت کی خبر دی ہے، اس بشارت میں کوہ فاران سے نور الٰہی کے طلوع ہونے کی خوشخبری ہے، اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جو قرآن مجید کے بیان کے عین مطابق ہیں:

① وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا:

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ ﴾ (٤٨/ الفتح: ٢٩)

''محمد ﷺ خدا کے فرستادہ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔''

② اس کے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت ہوگی:

﴿ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ ﴾ (٤٨/ الفتح: ٢٩)

''وہ اللہ کے منکروں پر سخت ہوں گے۔''

③ وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا:

﴿ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (٤٨/ الفتح: ٢٩)

''آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہونگے۔''

④ (اے خدا) اس (آنے والے پیغمبر) کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے:

﴿ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ﴾ (٤٨/ الفتح: ٢٩)

''دیکھتے ہو تم ان کو خدا کے آگے رکوع اور سجود میں جھکے ہوئے، خدا کی مہربانی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں، اطاعت وعبادت کے اثر سے ان کے چہروں میں نورانیت ہے۔''

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آنے والے پیغمبر کے مقدس ساتھیوں کی تعداد دس ہزار فرماتے ہیں۔ فتح مکہ کے دن بعینہٖ یہی دس ہزار مقدسین تھے۔ جو اس فاران سے آنے والے نورانی پیکر

کے ساتھ شہر خلیل (مکہ) کے دروازے میں داخل ہوئے اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا۔

سورۂ فتح میں اس کے بعد ہے:

﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ (۴۸/ الفتح:۲۹)

''اور ان کی مثال انجیل میں مثل کھیت کے ہے۔ جس نے ٹہنی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا۔ پھر موٹا ہوا۔ پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا۔ کھیت والوں کو خوش اور مسرور کر رہا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ تمثیل آسمانی بادشاہی کی دی ہے۔ چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں میں یہ تمثیل ان مختلف الفاظ میں مذکور ہے:

''آسمان کی بادشاہت رائی کے دانہ کے مانند ہے۔ جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا۔ وہ سب بیجوں میں چھوٹا ہے، پر جب اگتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اور ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ ہوا کی چڑیاں آ کے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کریں۔'' (متی ۱۳۔۳۱، مرقس ۴۔۳۰)

''خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص جو زمین میں بیج بوئے اور رات دن وہ سوئے، اٹھے اور بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، اس لئے کہ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے۔ پہلے سبزی پھر بال بعد اس کے بال میں تیار دانے اور جب دانا پک چکا تو وہ فی الفور ہنسوا بھجواتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ چکا ہے۔'' (مرقس ۴۔۲۶)

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمانی بادشاہت کی جو تمثیل دی ہے۔ قرآن مجید نے اسی کو سورۂ فتح میں دہرایا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اسلام کی جسمانی اور روحانی، ظاہری و باطنی دونوں بادشاہیوں کے جلوس وشوکت کا دن فتح مکہ کا دن ہے اور آسمانی بادشاہی کی تمثیل پوری ہوئی کہ محمد ﷺ نام ایک کاشتکار نے ایک بیج زمین میں ڈالا اور اس سے سینکڑوں ہزاروں خوشے پیدا ہو گئے اور اس نے آسمانی بادشاہی کی منادی کی۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے ہیں:

''خداوند! تیرا خدا تیرے لئے تیرے درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھرو۔'' (استثناء ۱۸۔۱۵)

''میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا، وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی

میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔
لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے، جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان لے کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔ بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈرو۔'' (استثناء ۱۸۔۱۹)

عیسائیوں نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ثابت کرنا چاہا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔ اس بشارت میں ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث ہوگا۔ بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسمٰعیل تھے، اس سے یہ مفہوم ہے کہ وہ پیغمبر نسل اسمٰعیل علیہ السلام سے ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسماعیلی نہ تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ آئندہ نبی میرے مانند ہوگا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام میں کوئی وجہ مماثلت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگجو اور مجاہد تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو غلامی سے نکال کر بادشاہی تک پہنچایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ظاہری و معنوی دونوں معنوں میں بادشاہ تھے،' حضرت عیسیٰ نہ تھے، حضرت موسیٰ صرف واعظ نہ تھے، عمل فرما اور کار پرداز بھی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف واعظ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوموں اور ملکوں کے فاتح تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک چپہ زمین پر بھی قابض نہ تھے۔ برخلاف اس کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ میں یہ تمام اوصاف مشترک تھے، اس لئے وہ موعود نبی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مانند پیدا ہونے والا تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ ہی تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بشارت میں جو کچھ فرمایا ہے، قرآن مجید نے اس کی حرف حرف تصدیق کی ہے۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ خدا نے روز اوّل تمام انبیا علیہم السلام سے یہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی دوسرے نبی کی تائید کرتا جائے اور اپنی امت کو یہ نصیحت کر جائے کہ جب کوئی پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس کی تصدیق کرے:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ ﴾ (۳/ آل عمران: ۸۱)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ ہم جو تم کو کتاب اور دانائی دیں اور پھر کوئی پیغمبر تمہارے پاس آئے جو کتاب اور شریعت تمہارے پاس ہے۔ اس کی تصدیق کرتا

ہو، تو ضرور اس کو ماننا اور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے۔اس کو تسلیم کیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔فرمایا تو تم گواہ رہو اور تمہارے ساتھ ہم بھی گواہ ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آنے والے پیغمبر کی اطاعت کی جو نصیحت فرمائی، وہ اسی ازلی عہد و پیمان کا ایفا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنے والے پیغمبر کی نسبت ارشاد فرمایا کہ وہ میرے مانند ہوگا۔قرآن مجید نے بھی اس کی تصدیق کی:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴾

(۷۳/ المزمل:۱۵)

"ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر کو بھیجا ہے۔جو تم پر گواہ ہے، جس طرح کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا۔"

اس پیغمبر کا وصف یہ ہوگا کہ خدا اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا۔قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی نسبت کہا:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (۵۳/ النجم:۳، ۴)

"اور اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے کہ جو اس سے خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔"

توراۃ میں ہے:

"اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا۔نہ سنے گا تو میں اس کا حساب لوں گا۔"

قرآن مجید نے بھی یہی اعلان کیا کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے منکر ہوگا، اس کو اپنے حساب کے لئے تیار رہنا چاہیے:

﴿ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾

(۱۳/ الرعد:۴۰)

"اور اے پیغمبر! عذاب وغیرہ کے جو وعدے (ان کفار سے) ہم کرتے ہیں۔ان میں سے بعض تو تمہاری زندگی ہی میں تم کو پورا کر کے دکھائیں گے۔یا ان کے پورا ہونے سے پہلے تم کو دنیا سے اٹھا لیں گے۔تمہارا کام ہمارے احکام کو ان تک پہنچا دینا تھا اور ان کا حساب لینا میرا کام ہے۔"

توراۃ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اس بشارت میں یہ کہا:

''لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے۔ جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔''

قرآن مجید نے بھی اس فرمان کی صداقت پر اپنی مہر ثبت کر دی:

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ ﴾ (٦٩/ الحآقة: ٤٤ تا ٤٧)

''اگر پیغمبر (محمد ﷺ!) کچھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہتا تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی گردن کی شہ رگ کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی اس کو مجھ سے نہ بچا سکتا۔''

توراۃ نے اس آنے والے پیغمبر کی نشانی یہ بتائی کہ اس کی تمام پیشین گوئیاں سچی ہوں گی۔ سیرت نبوی ﷺ کے تمام ابواب تمہارے سامنے ہیں۔ دیکھو کہ اس نشانی کی صداقت میں ایک ذرہ بھی کبھی کمی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رؤیا میں جو کچھ آپ ﷺ دیکھتے تھے، وہ سپیدہ صبح کی طرح ظاہر ہوتا تھا [1] مسلمان تو مسلمان خود کفار تک کو اس پر یقین تھا کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی پیشین گوئی غلط نہیں ہوتی۔ یاد ہو گا کہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک صحابی عمرہ ادا کرنے مکہ گئے تھے۔ انہوں نے قریش کے رئیس امیہ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمادیا ہے کہ ''تو قتل ہوگا۔'' اس پیشین گوئی کا یہ اثر اس پر ہوا کہ کانپ گیا۔ معرکہ بدر میں وہ گھر سے نکلتے ہوئے ڈرتا تھا، جاتے ہوئے اس کی بیوی نے دامن پکڑ لیا کہ کہاں جاتے ہو۔ تم کو اس مدینہ والے کی پیشین گوئی یاد نہیں [2] آنحضرت ﷺ نے سینکڑوں پیشین گوئیاں کیں اور ان میں سے ایک ایک سچائی کے معیار پر پوری اتری۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن ناطور جو قیصر روم کا محرم راز اور شام کا اسقف (بشپ) تھا، اس نے بیان کیا کہ ہرقل قیصر روم منجم تھا۔ ایک دن وہ دربار میں آیا تو چہرہ متغیر تھا۔ کسی درباری نے سبب دریافت کیا، تو اس نے کہا: رات ستاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ "ملك الختان" (ختنہ کا بادشاہ یا فرشتہ) ظاہر ہو گیا۔ تو تحقیق کرو کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے۔ درباریوں نے کہا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں۔ اس لئے آپ مضطرب نہ ہوں۔ صوبوں میں حکم جاری کر دیجئے کہ امسال یہودیوں کے یہاں جس قدر بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیے جائیں، اسی اثنا میں حدود شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے۔ قیصر نے کہا: دریافت کرو کہ کیا عرب ختنہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا تو اس نے کہا ہاں یہ اس امت کا ملک (بادشاہ یا فرشتہ) ہے۔ اور اس کے بعد اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم کو اپنی سلطنت بچانی منظور ہے تو اس پر ایمان لاؤ۔ درباریوں نے قیصر کی اس گفتگو کو سخت ناپسند کیا۔ مگر رومیہ میں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی:۳۔ [2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر: ۳۹۵۰۔

قیصر کا ایک اور صاحب علم دوست تھا۔ قیصر نے اس کو لکھا تو اس نے بھی قیصر کی رائے کی تائید کی۔ [1]

ہمارے محدثین اس خبر کی صحیح حقیقت نہیں سمجھ سکے ہیں اور اسی لئے لفظ ملك الختان کا تلفظ نہ ملک (بادشاہ) ہے اور نہ ملک (فرشتہ) ہے۔ بلکہ ملاک ہے، جس کے معنی ''فرستادہ اور پیغامبر'' کے ہیں، جس کی اصل عربی میں الوک بمعنی پیغام ہے اور اگر یہ لفظ عربی تلفظ میں ملک پڑھا جائے تو یہ لفظ اس موقع پر ''فرشتہ'' کے اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ فرستادہ کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ قیصر کا یہ لفظ ملاک الختان (ختنہ کا پیغامبر) استعمال کرنا درحقیقت توراۃ کی ایک پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے، ملاخیانبی کی کتاب میں یہ پیشین گوئی ان الفاظ میں مذکور ہے:

> ''دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں ختنہ کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے ''پر اس کے آنے کے دن کو کون ٹھہر سکے گا'' اور جب وہ ظاہر ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کے مانند ہے اور وہ روپیہ کا میل کاٹتا ہوا اور اسے خالص کرتا ہوا بیٹھے گا۔'' (باب۔۳)

آج کل کے ترجموں میں ''ختنہ کے رسول'' کے بجائے عہد کا رسول لکھا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے جواب میں جس رسول کی بعثت کا وعدہ فرمایا تھا اس کے متعلق یہ بشارت ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ توراۃ کی زبان میں ''ختنہ'' نسل ابراہیمی علیہ السلام کے جسم پر اللہ اور ابراہیم علیہ السلام کے باہمی عہد و میثاق کی مہر کا نام ہے۔ توراۃ میں جہاں ختنہ کا حکم ہے مذکور ہے:

> ''اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو اور یہ اس عہد کا نشان ہے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔'' (پیدائش ۱۷۔۱۰)

اس بنا پر ختنہ کے بجائے مترجمین نے عہد کا لفظ رکھ دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قرب مولد کے زمانہ میں اس پیشین گوئی کے مطابق اس ''رسول الختان'' کا یہود و نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا اور قیصر روم اسی پیشین گوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہ تھی۔ کیونکہ اگر ان کے حق میں ہوتی تو عیسائی قیصر اس کی آمد کا منتظر نہ ہوتا۔ ''رسول الختان'' کے لفظ سے اس بات کا ارشاد بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مختون قوم میں ظاہر ہوگا اور عیسائی مذہب نے اس رسم کو باطل قرار دیا ہے۔ یہودیت کے بعد اسلام ہی ہے۔ جس نے نسل ابراہیم کے اس عہد کو دنیا میں ہمیشہ برقرار

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی: ۷۔

رکھا ہے۔ تورات میں ایک اور بشارت ہے:

''خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔''
(استثناء ۳۳۔۲)

اس بشارت کا ایک ٹکڑا حضرت حبقوق نبی کے صحیفہ میں پھر دہرایا گیا ہے:

''خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا، اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔'' (۳۔۳)

صحیفۂ استثناء کی بشارت میں خداوند کا مظہر تین پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہے۔ کوہ سینا، کوہ سعیر اور کوہ فاران یہ در حقیقت خورشید نبوت کے تین مطلع ہیں۔ ان میں بہ ترتیب کوہ سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، کوہ سعیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کوہ فاران سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں کہ وہ مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے۔ حضرت حبقوق اس بشارت میں کہتے ہیں کہ وہ تیمان سے آیا۔ تیمان کے لغوی معنی جنوب کے ہیں اور استعمال میں ملک یمن کو کہتے ہیں اور یہاں دونوں معنی ٹھیک ہیں۔ پھر کہتے ہیں: ''اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔'' یہ معراج آسمانی کی تشریح ہے۔ پھر کہتے ہیں: ''اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی۔'' زمین کا کون سا گوشہ ہے جو محمد ﷺ کی حمد سے معمور نہیں۔ لفظ حمد کہ محمد ﷺ کا مادہ اور عبادت اسلامی کا آغاز (الحمد الخ) ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی تسبیح سے لبریز ہے۔

توراۃ کی اس بشارت کو قرآن مجید نے سورۂ والتین کے ان الفاظ میں ادا کیا:

﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ ﴾ (۹۵/ التین: ۱ تا ۳)

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی، طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔''

سب کو معلوم ہے کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد اور کوہ سعیر کا مبدأ ہے۔ طور سینا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عبارت ہے اور بلد امین یعنی مکہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ علمائے اسلام نے توراۃ اور انجیل کی اور بھی بشارتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے صرف ان ہی بشارتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی طرف قرآن مجید اور احادیث میں اشارے پائے جاتے ہیں۔ کتب سیر و دلائل میں بہت سی پیشین گوئیاں عرب کے کاہنوں اور بت خانوں کے پجاریوں سے منقول ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا بڑا حصہ اصول روایت کے رو سے کمزور ہے۔ اس لئے ہم ان کی تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں، تاہم ان روایات کا قدر مشترک اس قدر ضرور نکلتا ہے کہ عرب بھی ایک پیغمبر کے وجود کا تشنہ تھا۔ روم و فارس کی دہ سالہ جنگ نے مشرق و مغرب کی سرزمین کو لالہ زار بنا دیا تھا اور خیالات میں تلاش امن کی شورش برپا کر دی تھی اور عرب میں اصحاب الفیل کا واقعہ دلوں میں لرزش پیدا کرنے کے لئے کافی تھا اور عین یہی موسم دنیا میں روح اعظم کے ظہور کا ہوتا ہے۔ اس لئے مولد نبی کے قریب زمانہ میں عرب و روم اور یہود و نصاریٰ سب کو توراۃ اور انجیل کی

بشارتوں کے مطابق ایک آنے والے کا انتظار تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زبانی مروی ہے کہ جب قاصد نبوی ﷺ دعوت نامہ اسلام لے کر قیصر کے دربار میں پہنچا اور قیصر نے ابوسفیان کو بلا کر جو اس وقت تک کافر تھے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق چند استفسارات کیے اور ابوسفیان نے ان کے جو جوابات دیے ان کو سن کر اس نے بھرے دربار میں کہا تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اس کے قبضہ میں ہوگی۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر ممکن ہوتا تو میں خود جا کر اسکی زیارت کرتا اور اگر وہاں ہوتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔ [1]

قیصر کے محرم راز اور شام کے بشپ ابن ناطور کا بیان اوپر پڑھ چکے ہو کہ قیصر کا خیال تھا کہ ختنہ والے رسول کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اور رومیہ کے ایک مسیحی عارف نے بھی خط لکھ کر قیصر کے خیال کی تائید کی۔ مقوقس شاہ مصر کے دربار میں جو قاصد نبوی ﷺ خط لے کر گیا تھا، وہ بھی یہ جواب لایا کہ ہاں ہم کو بھی یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوگا، حبش کے عیسائی بادشاہ نے لکھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ سچے پیغمبر ہیں۔ [2]

یاد ہوگا کہ یمن کے شہر نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا اور فیصلہ حق کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ دونوں فریق مباہلہ کریں۔ لیکن وفد کے سمجھدار عیسائیوں نے وفد کو آنحضرت ﷺ کے مقابل میں مباہلہ سے منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم! اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو ہم ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں گے [3] اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی پیغمبر کی آمد کا گمان تھا، اسلام سے پہلے زید ایک عرب موحد تلاش حق میں مدتوں سے سر گرداں رہے، وہ پہلے یثرب (مدینہ کا پہلا نام) گئے، دیکھا تو وہاں کے یہودی بھی توحید کامل پر قائم نہ تھے۔ یہاں سے نکل کر خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان کا بھی یہی حال پایا۔ وہاں سے شام کے عیسائیوں میں گئے دیکھا کہ وہ بھی مشرک ہیں۔ آخر شام کے ایک راہب نے کہا کہ اگر تمہیں دین حق کی تلاش ہے تو عراق جاؤ، وہاں ایک بزرگ ہیں۔ زید جب ان کے پاس پہنچے اور لب سوال وا کیا تو دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ زید نے کہا، حرم مکہ سے۔ ان بزرگ نے کہا، جاؤ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ دین حق کا وہیں ظہور ہونے والا ہے۔ وہ لوٹ کر مکہ آئے لیکن اسلام سے پہلے ان کی وفات ہوگئی [4] ورقہ بن نوفل کا واقعہ تم سیرت جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ وہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ بعثت کے پہلے ہی روز جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو لے کر ورقہ کے پاس گئی تو ورقہ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور آرزو ظاہر کی کہ کاش! میں آپ کی ہجرت تک رہتا تو آپ کی مدد کرتا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو آنے والے پیغمبر کا اس وقت انتظار تھا۔ ابن سعد، ابن اسحاق، مسند احمد، تاریخ بخاری، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی،

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی: ۷۔ [2] سیرت نبوی۔
[3] سیرت نبوی، جلد دوم۔ [4] مسند ابوزرعة، خصائص، ج ۱، ص: ۲۴۔

معجم طبرانی، دلائل ابونعیم وغیرہ میں متعدد روایتیں ایسی ہیں جن سے مجموعی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودیوں میں بھی آنے والے پیغمبر کے جلد ظاہر ہونے کے چرچے رہا کرتے تھے اور انہیں سے سن سن کر اوس وخزرج کے کانوں میں پیغمبر کی بعثت کی خبر پڑی ہوئی تھی اور اکثروں کے لئے یہ خبر ہدایت کا باعث بنی۔ چنانچہ ابن سعد کے علاوہ دیگر کتب مذکورہ میں ایک نوجوان انصاری کا واقعہ بسند صحیح مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا تو مدینہ میں ایک یہودی واعظ تھے۔ اثنائے وعظ میں اس نے ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کب تک ظاہر ہوگا؟ اس نے ان انصاری کی طرف جو اس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے۔ اشارہ کرکے کہا کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو وہ اس کا زمانہ پائے گا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا آپ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اتفاق سے وہ بیمار پڑا۔ آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کو گئے اور اس کے باپ سے پوچھا کہ ''کیا میرا ذکر تم توراۃ میں پاتے ہو؟'' اس نے کہا نہیں۔ لڑکے نے فوراً جواب دیا ہاں یارسول اللہ! آپ کا ذکر ہم نے توراۃ میں پڑھا ہے اور یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ [1] عربوں اور یہودیوں میں جب لڑائی ہوتی تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں، ان کے عہد میں ہم کو کامل فتح ہوگی۔ قرآن مجید نے ان کے اسی عقیدہ کو دہرا کر ان کے عدم اسلام پر ملامت کی ہے:

﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (۲/ البقرة:۸۹)

''اس سے پہلے کافروں پر اسی آنے والے پیغمبر کا نام لے کر فتح چاہا کرتے تھے۔ پس جب وہ سامنے آگئے جس کو انہوں نے پہچان لیا تو انکار کر دیا۔ کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔''

قرآن مجید نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر یہودیوں کو ان کے اس سابق یقین کے خلاف ان کے موجودہ اظہار کفر پر ان کی سرزنش کی ہے:

﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ ﴾ (۲/ البقرة:۱۴۴)

''جن کو کتاب پہلے دی جا چکی ہے وہ یقیناً ان نشانیوں کی بنا پر جو اس کتاب میں مذکور ہیں جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔''

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (۲/ البقرة:۱۴۶)

''جب کہ ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں، اسلام کی صداقت کو اسی طرح جانتے ہیں، جس طرح

[1] بیہقی باسناد صحیح، مگر یہ روایت صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی:۱۳۵۶، سے کسی قدر مختلف ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کے مشورہ سے مسلمان ہوگیا۔

وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، لیکن ان میں سے ایک فریق جان کر حق کو چھپاتا ہے۔''

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ (٦/ الانعام: ٢٠)

''جن کو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں وہ اس کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو۔''

یہ انہی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا اثر تھا کہ علمائے یہود آنے والے نبی کے متعلق تورات کی بیان کردہ مختلف علامات اور نشانیوں کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضر خدمت ہوتے تھے اور سوالات کرتے تھے اور آپ ﷺ کا امتحان لیتے تھے اور جب ان کو تشفی ہو جاتی تھی تو وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔ نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسلام پر تقریر کی اور سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور کہا، خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اسلام کا جو عقیدہ سنا تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا واللہ! جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ [1]

کفار عرب کو مخاطب کر کے قرآن مجید نے کہا کہ اس کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں:

﴿ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ (٤٦/ الاحقاف: ١٠)

''اے پیغمبر ﷺ! ان سے کہو کہ غور کرو اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہے اور تم اس سے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس طرح کی ایک کتاب نازل ہونے کی گواہی بھی دی اور ایمان بھی لایا اور تم مغرور بنے رہے تو ایسی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا۔''

﴿ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ (٢٦/ الشعرآء: ١٩٧)

''کیا ان کفار کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔''

[1] مسند ابن حنبل، ج١، ص: ٢٠٢۔

خصائص محمدی ﷺ

خصائص وہ امور ہیں، جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں۔ آنحضرت ﷺ کو بہت سی چیزیں ایسی دی گئی تھیں، جو اوروں کو نہیں ملی تھیں۔ یہ خصائص محمدی ﷺ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو صرف آپ کے لئے تھے اور آپ کی امت میں سے کسی اور کے لئے نہ تھے۔ دوسرے وہ جو صرف آپ کو عطا ہوئے اور دوسرے انبیا علیہم السلام کو مرحمت نہیں ہوئے۔ غرض پہلی خصوصیتیں امت کے مقابلہ میں اور دوسری انبیا علیہم السلام کے مقابلہ میں تھیں، ہم نے پہلے کا نام خصائص ذاتی اور دوسرے کا خصائص نبوی ﷺ رکھا ہے۔

ارباب سیر نے ان خصائص کی توسیع اور کثرت کو آنحضرت ﷺ کی فضیلت کا بڑا معیار قرار دیا ہے کہ اس سے بارگاہ الٰہی میں آپ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے معمولی معمولی سی باتوں کو خصوصیت میں شمار کر کے خصائص نبوی کا ایک انبار لگا دیا ہے۔ مثلاً: حافظ ابو سعید نیشاپوری نے شرف المصطفیٰ میں آپ ﷺ کے خصائص کی تعداد ساٹھ لکھی ہے۔ حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس پر سینکڑوں کا اور اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ ان میں اکثر کا ماخذ تاویل بعید نکتہ آفرینی اور ضعیف روایتیں ہیں۔ بعض ایسی باتیں بھی خصائص میں شمار کر لی گئی ہیں، جو گو عام افراد امت کے لئے نہیں۔ لیکن امرا اور خلفائے اسلام کا ان سے اتصاف یا تعلق جائز ہے۔

محدثین نے خصائص ذاتی کو یہ وسعت دی ہے کہ انہوں نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ حدیث قولی اور عملی میں اگر تصادم ہو تو حدیث قولی کو حدیث عملی پر ترجیح ہوگی۔ یعنی اگر ایک امر آنحضرت ﷺ کے قول سے ثابت ہے اور اس کے مخالف دوسرا امر آپ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو عام امت کو آپ کے ذاتی عمل کی تقلید کے مقابلہ میں آپ کے قول کی تعمیل کرنی چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عمل محض آپ کے لئے مخصوص اور آپ کے خصائص ذاتی میں ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ انبیا علیہم السلام دنیا میں اپنی امت کے لئے نمونہ اور عملی مثال ہی بن کر آتے ہیں۔ خصوصاً حضرت مقتدائے اعظم ﷺ کو ان کے متعلق فرمان الٰہی نے اعلان کر دیا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۳۳/ الاحزاب: ۲۱)

''اور تمہارے لئے (اے مسلمانو!) رسول اللہ میں بہترین اقتدا ہے۔''

تو جب آپ ﷺ مقتدائے عالم اور امام اعظم بن کر آئے اور تمام لوگوں کو آپ کی تقلید اور پیروی کا حکم دیا گیا تو ایسی حالت میں آپ کا ہر فعل ہمارے لئے قابل تقلید اور لائق پیروی ہے۔ بے شک بعض امور ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو بحیثیت پیغمبر آپ کے ساتھ مخصوص ہوں۔ لیکن ضرورت ہے کہ دفع التباس اور رفع شک کے لئے ان تمام مخصوص امور کے متعلق ساتھ ساتھ یہ اعلان عام بھی کر دیا جائے کہ یہ مخصوصات

نبوی ﷺ ہیں اور یہ عام امت کے لئے نہیں ہیں۔اس بنا پر اس کے تسلیم کر لینے سے چارہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جس قدر خصائص ذاتی تھے۔شریعت نے ان کو برملا واضح کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ یہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔اس لئے جن امور کے متعلق یہ تصریح موجود نہیں کہ یہ مخصوصات نبوی ﷺ میں ہیں۔ان کو ہرگز خصائص کے باب میں جگہ نہیں دی جاسکتی اور اس طرح یہ معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے جو خصائص ذاتی ہیں۔وہ چند محدود امور ہیں اور کتاب وسنت نے ان کا مخصوص ہونا عالم آشکارا کر دیا ہے۔

خصائص ذاتی

نبوت اور لوازم نبوت

سب سے پہلی چیز جو آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص تھی اور جس کا کوئی حصہ افراد امت کو نہیں ملا، وہ نبوت اور اس کے لوازم وحی، تشریع، اخبار الٰہی، نزول جبریل، نسخ احکام وغیرہ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کے سوا نہ تو کسی فرد امت پر کوئی وحی آئی اور نہ آسکتی ہے۔ نہ کسی کو کوئی نئی شریعت لانے اور نئے مذہبی قانون وضع کرنے کا اختیار ہے۔ نہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے سن کر وہ خبر دے سکتا ہے۔ نہ اس کے پاس قاصد الٰہی آسکتا ہے۔ نہ وہ احکام شرعی کو منسوخ کر سکتا ہے۔ وغیرہ، صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو افراد امت کے لئے باقی ہیں اور وہ رؤیائے صادقہ اور کشف والہام ہیں۔

امور متعلقہ نکاح

مسئلہ نکاح میں آنحضرت ﷺ کے لئے چند امور مخصوص کر دیے گئے ہیں، جن کی رخصت عام امت کے لئے نہیں:

① عام مسلمان بشرط عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے۔

② آنحضرت ﷺ کے لئے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے مہر کے بغیر آپ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپ اس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، گو ایسا واقعہ نہیں ہوا لیکن افراد امت کے لئے بغیر مہر نکاح ممکن ہی نہیں۔

یہ دو رخصتیں تھیں، لیکن ان کے مقابلہ میں اس باب میں آپ ﷺ پر کچھ قیدیں بھی تھیں۔ جو عام افراد امت پر نہیں۔

③ آپ ﷺ پر وہی عورتیں حلال تھیں جن کو ادائے مہر یا بغیر مہر کے آپ اپنی زوجیت میں اب تک لے چکے تھے اور رشتہ کی بہنوں میں سے صرف وہی عورتیں آپ کی زوجیت میں رہ سکتی تھیں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ عام مسلمانوں پر قید نہ تھی۔

④ عام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے جنہوں نے گو اسلام نہ قبول کیا ہو نکاح کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں۔ مگر آپ ﷺ کو اس کی اجازت نہ تھی۔

⑤ جو بیویاں آپ ﷺ کے پاس تھیں، ان میں سے اب کسی کو نہ آپ طلاق دے سکتے تھے اور نہ ان کے بعد آپ اور کسی سے اب نکاح کر سکتے تھے۔

⑥ آپ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان بیویوں میں سے چند کو اپنے قریب کر لیں اور باقی کو پیچھے

کردیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چار کو یعنی حضرت عائشہ، حفصہ، زینب اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن کو پاس رکھ لیا تھا اور بقیہ کو شرف زوجیت بخشنے کے ساتھ اپنے سے علیحدہ رکھا تھا اور ان میں آپ ردوبدل بھی کر سکتے تھے۔

⑦ آنحضرت ﷺ کی بیویوں کو آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی:

﴿ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۵۳)

''اور نہ یہ مناسب ہے کہ اپنے پیغمبر کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی نکاح کرو۔''

یہ تمام احکام سورۂ احزاب میں بتصریح تمام مذکور ہیں اور ان کے خاص وجوہ و مصالح ہیں۔ اصل یہ ہے کہ عرب میں نکاح کی تعداد متعین نہ تھی۔ بلکہ بنی اسرائیل میں بھی اس کی تحدید نہ تھی، توراۃ میں ایسے انبیا علیہم السلام اور بزرگوں کے نام بھی ہیں، جن کی متعدد بلکہ سینکڑوں بیویاں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے پورے عہد شباب میں یعنی ۲۵ سال سے ۵۰ برس کی عمر تک صرف ایک بی بی (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) پر کفایت کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد ایک ساتھ دو نکاح کئے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے جو کبیر السن تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو صرف ۶ برس کی تھیں اتنی چھوٹی لڑکی سے نکاح ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف دو خاندانوں میں محبت اور یک جہتی کی ترقی ہی کے لئے ہو سکتا تھا۔ مدینہ میں آکر آپ نے چند اور نکاح کئے، ان نکاحوں پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے یہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں دو قسم کی عورتیں تھیں۔ ایک وہ جو روسائے قبائل کی لڑکیاں تھیں اور جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے لئے تعلقات کی توسیع اور اضافہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان رئیس بنی امیہ کی بیٹی تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنی المصطلق کی رئیسہ تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رئیس خیبر کی دختر تھیں۔

ازواج مطہرات میں دوسری وہ بیوہ عورتیں تھیں جن کا سن زیادہ تھا اور گویا اس طرح ان کی کفالت کا بار آپ ﷺ نے اٹھایا تھا۔ چنانچہ حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ، حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہن یہ سب بیوائیں تھیں۔ ایک اور بیوی حضرت زینب بنت جحش تھیں جو گو بیوہ نہ تھیں۔ لیکن مطلقہ تھیں۔ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تھی۔ اس تفصیل سے آپ ﷺ کی کثرت ازواج کے اسباب منکشف ہوئے ہوں گے۔ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ سورۂ احزاب میں یہ مخصوص احکام کب نازل ہوئے۔ لیکن اس بنا پر کہ آپ نے آخری سے آخری نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۷ھ میں ادائے عمرہ کے زمانہ میں کیا ہے اور اس کے بعد [1] آپ کا کوئی نکاح ثابت نہیں۔ اس لئے ان احکام کے نزول کی تاریخ اسی

[1] طبقات ابن سعد، جزء نساء، ج۸، ص:۹۴۔

۷ھ کو قرار دیا جاسکتا ہے کہ ۸ھ میں اسلام کی طاقت اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی اور خیبر، طائف اور مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ کو ان تعلقات کے ذریعہ سے کسی نئے قبیلہ کو مطیع کرنے کی ضرورت نہ تھی اور غریب سن رسیدہ مسلمان بیواؤں کی کفالت کی حاجت نہ تھی۔

اس تمہید کے بعد یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو وقار نبوت کے برقرار رکھنے اور ان کو تمام تر احکام اسلامی کے نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کا حکم دے کر ان کا آئندہ نکاح ناجائز قرار دیا اور ان کو تمام مسلمانوں کی ماؤں کا رتبہ دیا ﴿ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ﴾ (۳۳/ الاحزاب:٦) اب ایسی حالت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت کا حکم نازل ہوتا ہے۔ اب جناب رسالت مآب ﷺ کے لئے اس کے سوا چارہ کار کیا ہوتا، کہ وہ اپنی موجودہ بیویوں پر محدود رہیں کہ اگر ان میں سے کچھ کو طلاق دے دی جائے تو چونکہ وہ دوسرے مسلمانوں کے نکاح میں نہیں آ سکتیں۔ اس لئے ان پر یہ صریح ظلم ہوتا۔ بنابریں آنحضرت ﷺ کو موجودہ بیویوں کو آپ کی زوجیت میں رکھنے کی اجازت ہوتی ہے اور طلاق کی رخصت آپ سے سلب کر لی جاتی ہے اور ان محدود ازواج میں سے بھی چند کو قریب رکھنے اور بقیہ کو شرف زوجیت کے ساتھ علیحدگی (ارجاء) کا حکم دیا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ چار کو یعنی حضرت عائشہ، حفصہ، ام سلمہ، زینب رضی اللہ عنہن کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت سودہ، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہن سے ارجاء کرتے ہیں۔ [1] کتابیہ سے آنحضرت ﷺ کو اس لئے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی کہ نبوت محمدی پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے امور دین میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ اس کو محرم راز ہونے کا شرف بخشا جاسکتا تھا۔

نماز شبانہ

شروع میں جب نماز پنجگانہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ مسلمانوں پر رات کی نماز (تہجد) فرض تھی، اس کے بعد معراج میں جب پانچ وقت کی نماز فرض ہوگئی تو تہجد کی نماز عام امت پر فرض نہیں رہی بلکہ صرف مستحب رہ گئی۔ لیکن خود آنحضرت ﷺ کے لئے یہ نماز شبانہ فرض مزید کے طور پر باقی رہی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ پوری پابندی کے ساتھ اس کو ادا کرتے رہے۔ یہی وہ نماز تھی جس میں دیر تک کھڑے رہنے سے پائے مبارک میں ورم آ جاتا تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل جو معراج کی سورہ ہے اس میں نماز پنجگانہ کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسَىٰٓ أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ ﴾

(۱۷/ بنی اسرآئیل:۷۹)

''اور رات کے حصہ میں بیدار ہو کر نماز پڑھ! یہ تیرے لئے مزید ہے، قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھ کو مقام محمود (مرتبہ شفاعت) میں اٹھا لے۔''

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر سورۃ احزاب، ج ۲۲، ص: ۱٦ مصر۔

نماز چاشت اور قربانی

اسی طرح چاشت کے وقت نماز عام مسلمانوں کے لئے نفل ہے، مگر احادیث [1] میں ہے کہ یہ نماز آپ پر بمنزلہ فرض کے تھی اور اسی کے ساتھ قربانی کا حکم بھی، غالباً یہ حدیثیں سورۂ کوثر کی تفسیریں ہیں:

﴿ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ ﴾ (۱۰۸/ الکوثر:۱، ۲)

''اے پیغمبر ﷺ! میں نے تجھے کوثر عطا کیا تو، تو اس کے شکرانے میں اپنے رب کی نماز (چاشت) پڑھ اور قربانی کر۔''

مگر یہ بطریق صحاح مذکور نہیں، اسی لئے ہمیں ان کو خصائص نبوی ﷺ میں شمار کرنے میں اب بھی تامل ہے۔

عصر کے بعد نماز دوگانہ

عام امت کے لئے نماز عصر کے بعد سے غروب تک نماز پڑھنا ممنوع ہے، مگر آنحضرت ﷺ کو آخر میں بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا، دریافت کیا تو فرمایا کہ ''ایک وفد کی ملاقات میں ظہر کے بعد کی دو رکعتیں مجھ سے رہ گئی تھیں، میں ان کی قضا پڑھتا ہوں۔'' [2] یہ عام امت کے لئے تو اس کی قضا واجب نہ تھی اور اگر ہوتی بھی تو ایک دفعہ قضا پڑھ لینا کافی تھا، مگر آپ ﷺ نے اپنے لئے ایک نماز سنت کے ترک عمد کی تلافی کی شاید آخر عمر تک کوشش کرتے رہے۔

صوم وصال

یعنی کئی کئی دن کا متصل افطار کئے بغیر روزہ رکھنا عام امت کے لئے ممنوع ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کئی کئی دن کا روزہ رکھتے تھے اور بیچ میں افطار کے وقت کچھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی پیروی میں اس طرح کا روزہ رکھنا چاہا تو آپ نے روک دیا اور فرمایا: ''تم میں کون میری طرح ہے مجھ کو تو میرا پروردگار کھلاتا اور سیراب کرتا ہے۔'' [3]

صدقہ وزکوٰۃ کھانے کی حرمت

آنحضرت ﷺ اور اہل بیت پر کئی کئی دن کے فاقے گزر جاتے تھے۔ عام مسلمان غربت اور تنگ دستی کی حالت میں اس سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ مگر آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے اس مد کی ہر شے حرام کر دی اور کبھی صدقہ کا مال ذاتی مصرف میں لانا گوارا نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ اگر حسنین رضی اللہ عنہما لڑکپن کے اقتضا سے صدقہ وفطر کی کوئی کھجور بھی اپنے منہ میں ڈال لیتے تھے، تو آپ اگلوا دیتے تھے [4] اور فرمایا کرتے

---

[1] بحوالہ خصائص کبریٰ سیوطی، ج۲، ص:۲۰۷، ۲۰۸ طبع حیدرآباد۔ [2] ابوداود:۱۲۷۳؛ ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی الصلوٰۃ بعد العصر:۱۸۴۔ [3] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب ما یکرہ من التعمق......:۷۲۹۹۔ [4] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی ﷺ وآلہ: ۱۴۹۱ ومسلم کتاب الزکوٰۃ، باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ ﷺ: ۲۴۷۳۔

تھے: ''یہ لوگوں کے مال و دولت کا میل ہے، اس کا لینا اہل بیت نبوت کو روا نہیں۔'' [1] چنانچہ سادات کے لئے قیامت تک اس قسم کے صدقات کا لینا جائز نہیں۔ آپ ﷺ کے پاس جب کوئی ناواقف شخص کوئی چیز لے کر جاتا تھا کہ اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرے۔ تو آپ دریافت فرمایا کرتے تھے: ''یہ صدقہ ہے یا تحفہ؟'' اگر تحفہ کہتا قبول فرماتے اور اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ ہے تو اجتناب فرماتے [2] اس طرح آنحضرت ﷺ نے مخالفین کی اس بدگمانی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی صدقہ و خیرات کی اس تاکید کا مقصود (نعوذ باللہ) اپنی اور اپنے خاندان کی دائمی پرورش کا سامان تھا۔

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ علی الصدقۃ: ۲٤٨١۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب قبول النبی ﷺ الهدیة ورده الصدقة: ۲٤۹۱؛ صحیح بخاری، کتاب الهبة، باب قبول الهدیة: ۲۵۷٦۔

خصائص نبوی ﷺ

دیگر انبیا کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپ ﷺ کو عطا ہوئے ہیں، وہ متعدد معتبر حدیثوں میں مختلف تعدادوں میں نام بنام خود زبان اقدس سے ادا ہوئے ہیں۔ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔ مجھے رعب اور دھاک کے ذریعہ سے فتح ونصرت دی گئی۔ میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔ غنیمت کا مال میرے لئے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا۔ مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا۔ مجھ سے پہلے انبیا خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا۔'' [1]
صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں: ''مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، رعب و داب سے نصرت دی گئی۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔ تمام روئے زمین میرے لئے مسجد بنی۔ میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ انبیا علیہم السلام کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔'' [2]

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس سے بیان ہوئے ہیں، مثلاً: یہ کہ میرا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے۔ میرے پیرو تمام انبیا سے زیادہ ہیں۔ میری نبوت اولین ہے۔ مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں۔ فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری امت کے لئے فرض ہوئیں۔ مگر حقیقت میں ان میں بعض جزئیات ایسی ہیں جو ان ہی چھ عنوانوں کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے درج ہیں۔ سورتوں کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے۔ بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئی ہیں۔ وہ ان سب کو جامع ہیں۔ یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت۔ بہر حال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

رعب ونصرت

آنحضرت ﷺ سے پہلے جو انبیا دنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے، یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا۔ پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی دوسرے وہ انبیا ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں۔ حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجدًا: ٤٣٨، کتاب التیمم: ٣٣٥؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد: ١١٦٣؛ نسائی کتاب الغسل، باب التیمم بالصعید: ٤٣٢، نسائی کی روایت میں ''غنیمت کا مال میرے لیے حلال کیا گیا'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

[2] صحیح مسلم، کتاب المساجد: ١١٦٧؛ ترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی الغنیمة: ١٥٥٣۔

سلیمان علیہ السلام مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے۔ آنحضرت ﷺ کا آغاز گو ایوبی بیچارگی اور مسیحی غربت سے ہوا مگر انجام موسوی طاقت، داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان وشکوہ پر ہوا اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ کی تمام تر قوت، طاقت، رعب و ہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی۔ اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا۔ بھولوں نے یاد کیا۔ سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ جس راستہ سے نکل جاتے گناہ گار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے فتح ونصرت، رعب وہیبت کے ذریعہ بخشی گئی۔ یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے۔'' [1] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے وہ اسی وقت ہوتی ہے، جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرعوبیت چھا جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لئے عطا ہوا، تاکہ مزید خونریزی کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون واطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کے لئے راستہ صاف ہو۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا:

﴿ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ﴾ (۸/ الانفال:۱۲)

''عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔''

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی:

﴿ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۲۶، ۵۹/ الحشر:۲)

''اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔''

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے، مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی کانپ کر رہ گئے۔ بڑے بڑے سرکش قبائل آپ ﷺ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے۔ مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمان روائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا۔ جب انہوں نے سرتابی کی، بے لڑے بھڑے آپ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی۔ خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، جب ایک صبح کو ان کے قلعوں کے سامنے دفعتہً کوکبہ اسلام طلوع ہوا۔ تو ان کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ محمد ﷺ کا لشکر! ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پرے لگا تا رہا۔ فتح مکہ کے دن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کو لے کر اسلام کے موجزن دریائے الٰہی کا نظارہ دکھا رہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے

[1] صحیح بخاری: ٤٣٨ وصحیح مسلم عن ابی ھریرۃ: ١١٦٣ واحمد ابن ابی شیبہ بیھقی وبزار عن علی۔

گزر رہے تھے تو ہر نئے دستہ اور نئے علم کو دیکھ کر کانپ جاتا تھا۔

بااین ہمہ اس مجسمہ ہیبت کا حال کیا تھا، ناآشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا۔ بے خبر اس سے رعب کھاتے تھے اور آگاہ، پروانہ تھے کہ

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾

(٤٨/ الفتح:٢٩)

''محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بھاری اور آپس میں رحم دل ہیں۔''

ایک بدوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی چہرۂ مبارک پر نظر پڑی کانپ گیا۔ فرمایا: ''ڈرو نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔'' [1] حضرت مخرمہ صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے اسود سے کہا کہ آنحضرت ﷺ زنانخانہ میں ہیں۔ آپ کو آواز دو، وہ ہچکچانے لگے۔ باپ نے کہا: جان پدر محمد ﷺ جبار نہیں [2] یہ ہیبت، یہ وقار، یہ دبدبہ، یہ رعب، تیغ و سنا کی چمک، فوج و عسکر کے تلاطم، جلادوں کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مردِ صاحب دلق نیست [3]

سجدہ گاہ عام

اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں، وہ اپنے مراسم عبادت کے ادا کرنے لئے چند گھری ہوئی چار دیواریوں کے محتاج ہیں۔ گویا ان کا خدا ان ہی کے اندر بستا ہے۔ یہود اپنے صومعوں اور قربان گاہوں سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں اور نہ قربانی کے نذرانے پیش کر سکتے ہیں۔ عیسائی اپنے کنیسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے۔ یہاں تک کہ بت پرست قومیں بھی اپنے بت خانوں ہی کی چار دیواریوں کے اندر اپنے دیوتاؤں کو خوش کر سکتی ہیں۔ لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس آب و گل اور سنگ و خشت کی چار دیواریوں میں محدود نہیں۔ وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جا سکتا ہے۔ کوہ و صحرا، خشکی و تری، مسجد و کنشت [4] ہر جگہ اس کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے۔ مسجدوں کے باہر بھی ہے۔ اس کی قربانی مشرق و مغرب ہر جگہ گزرانی جا سکتی ہے:

﴿ اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ ''جدھر منہ پھیرو ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔''

ع ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد

---

[1] شمائل ترمذی، شمائل ترمذی، میں یہ روایت موجود نہیں البتہ سنن ابن ماجه، ابواب الاطعمة، باب القدير: ٣٣١٢ میں اس مفہوم کی روایت موجود ہے۔ [2] صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب المزرر بالذهب: ٥٨٦٢۔

[3] مثنوی معنوی مولانا روم، یافتن رسول قیصر را..... ج ا، ص: ۳۸۔ [4] صحيح بخاري، كتاب الصلوة، باب الصلوة في البيعة: ٤٣٤ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان گرجاؤں میں جن میں تصویریں نہ ہوتیں نماز پڑھ لیتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔'' [1] یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے اندر وہ صداقت پنہاں ہے۔ جو اسلام کی عالمگیری اور اس کے آخری مذہب ہونے کا اعلان عام کرتی ہے۔

پیروؤں کی کثرت

دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے، مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم وہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں۔ یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام ونشان نہیں۔ وہ انبیا جن کے صرف حالات معلوم ہیں، ان کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھ جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کے ماننے والے سو بھی ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں کے جولان گاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے۔ جو قدم قدم پر راہ حق سے ہٹ ہٹ جاتے ہیں۔ کہیں گوسالے کو پوجتے ہیں، کہیں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں، کہیں سرفروشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزانہ کارنامے صرف اسی قدر اثر دکھاتے ہیں کہ چند دہائی انسان ان کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں، مگر اس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے، ابن آدم کو دشمنوں کے پنجہ میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپ نے تن تنہا بے یارو مددگار متلاشیانِ حق کو صدائے توحید دی۔ جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی۔ لیکن ۲۳ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ کلمہ لاالٰہ الا اللّٰہ سے پرشور ہو گیا اور جب آپ نے اسی مکہ کی سرزمین کے لیے حجۃ الوداع کا اعلان کیا تو کم وبیش ایک لاکھ جان نثار وفدا کار دائیں بائیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا، کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیا ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی نکلا۔'' [2]

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دفعہ مجھ پر (عالم مثال میں) قومیں پیش کی گئیں۔ بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے۔ بعض تنہا ہی تھے ان کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی، خیال ہوا کہ یہ میری امت ہوگی، تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ اور ان کی قوم ہے پھر کہا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ: ۴۳۸ ومسلم، کتاب المساجد: ۱۱۶۳ ونسائی، کتاب الغسل: ۴۳۲ وترمذی، ابواب الصلوۃ: ۳۱۷۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبی ﷺ انا اوّل الناس یشفع......: ۴۸۵۔

گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو! تو اتنا سواد اعظم نظر آیا کہ اس سے افق چھپ گیا۔ پھر کہا گیا اسی طرح ادھر دیکھو، بڑی تعداد کثیر دکھائی دی۔ کہا گیا کہ یہ سب تیری امت ہے۔'' [1]

دعوتِ عام

محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروؤں اور حلقہ بگوشوں کی کثرتِ تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیا آئے، وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے، ان کی دعوت عام نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی۔ کالے، گورے، رومی، حبشی، عرب، عجم، ترک، تاتار، چینی، ہندی سب آپ ﷺ میں برابر کے حقدار ہیں۔ قرآن نے کہا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ (۳٤/ سبا:۲۸)

''اے محمد ﷺ! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔''

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ﴾ (۲۵/ الفرقان:۱)

''بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا، تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرے۔''

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں۔'' [2] اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں۔ اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھ جاؤ، سب کے پیروؤں کو ان کی زندگی میں خود انہیں کے قوم و ملک کے اندر محدود پاؤ گے۔ لیکن آپ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان عجمی، صہیب رومی، بلال حبشی رضی اللہ عنہم سب کو پاؤ گے۔ سلاطین عالم کے نام آپ کا دعوت نامہ بھی اسی تعمیمِ دعوت کی مستحکم عملی دلیل ہے۔

جوامع الکلم

دنیا میں ہی آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔ مگر ان میں ایک کے سوا وصف جامعیت سے سب محروم ہیں۔ توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام و قوانین کا مجموعہ ہے۔ عقیدہ توحید و رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام دقائق اخلاق سے یکسر خالی ہیں۔ زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے۔ سفر ایوب علیہ السلام میں صرف عقیدہ تقدیر و رضا کی تعلیم ہے۔ امثال سلیمان صرف مواعظ و حکم ہیں۔ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة......:۵۲۷ وبخاری کتاب الطب:۵۷۰۵ کتاب احادیث الانبیاء باب وفات موسٰی:۳٤۱۰۔ [2] بخاری، کتاب الصلوۃ، باب قول النبی ﷺ: جعلت لی الارض مسجدا: ٤۳۸ ومسلم، کتاب المساجد:۱۱٦۳۔

توبہ وندامت پیشین گوئی اور ماتم ہیں۔انجیل کا صحیفہ حضرت مسیح علیہ السلام کی سرگزشت اور تعلیمات اخلاقی کا مجموعہ ہے۔لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو جو صحیفہ ملا، وہ جوامع الکلم ہے۔یعنی وہ تمام باتوں کو جامع ہے وہ توراۃ بھی ہے، زبور بھی اور انجیل بھی اور کچھ ان سے زیادہ بھی۔اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے: ''مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے۔'' 1 بیہقی میں 2 حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''مجھے توراۃ کی جگہ سبع طول (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں اور سور مفصلات 3 زیادہ ملیں۔'' ابونعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ ''مجھے مثانی توراۃ کی جگہ، مئین انجیل کی جگہ، حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں۔'' 4

اس لئے قرآن مجید، توراہ، زبور اور انجیل کو جامع ہے اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق ومواعظ بھی ہے۔دعا و مناجات بھی ہے، اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں۔تمام مراسم عبادت ہیں، تمام معاملات کے احکام وقوانین ہیں۔اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لئے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں۔صرف توراۃ کے اسفار خمسہ یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں۔صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا سرمایہ نہیں۔یہاں تک کہ ان کے عقائد وعبادات بھی ان کے صحیفوں کے رہین منت نہیں اور وہ ان کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں۔لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں۔باہر جو کچھ ہے (احادیث) اس کی عملی توضیح وتفسیر ہے۔وہی تنہا مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل اور ہر سوال کا مجیب ہے اور اسی لئے اس کے پیرو کامل ''حسبنا کتاب اللّٰہ'' 5 (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں۔اس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہا نے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفیہ اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کیے، ہیں تاہم اس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا اور اس کی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہو سکا۔

---

1 صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ بعثت بجوامع الکلم:۷۲۷۳ وکتاب التعبیر، باب المفاتیح فی الید:۷۰۱۳ ومسلم کتاب المساجد:۱۱۶۸۔ 2 بحوالہ خصائص کبریٰ، ج۲، ص:۱۹۸۔

3 سبع طوال مئین اور مفصلات، قرآن مجید کی کئی کئی سورتوں کے مختلف مجموعوں کے نام ہیں۔

4 ابونعیم عن ابن عباس (بحوالہ خصائص سیوطی، ج۲، ص:۲۲۴، دوسری روایت کے الفاظ پہلے سے زیادہ قرین قیاس ہیں، کیونکہ مثانی اور سبع طوال ہماری تحقیق میں ایک ہی ہیں، اور پہلی روایت میں ان کو دو بتایا گیا ہے، حالانکہ خود قرآن نے ﴿سبعا من المثانی﴾ مثانی کی سات سورتیں، کہا ہے۔حوامیم وہ سورتیں ہیں، جن کے شروع میں حم ہے، سبعا من المثانی کی تفصیل میں روایات اور علما کی تشریحات میں بہت سے اختلافات ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سبعا من المثانی سورۂ فاتحہ کو کہا گیا ہے، جس میں سات آیتیں ہیں۔واللہ اعلم بالصواب۔ 5 صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ: ۴۴۳۲ ومسلم کتاب الوصیۃ، باب ترك الوصیۃ لمن لیس له شيء یوصی فیه:۴۲۳۴۔

تکمیل دین

اسلام کا صحیفہ جب ایسا جامع ہے۔ تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا۔ کامل ہوگا۔ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماع عظیم کے دن (حجۃ الوداع) یہ عام اعلان کیا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

(٥/ المآئدۃ:٣)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لئے پسند کیا۔''

اسلام قرآن کے عقیدہ کے مطابق اس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا اور وہ عہد بہ عہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا۔ یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کی تکمیل پر وہ اپنے معراج کمال کو پہنچ کر تمام ہو گیا اور یہ منصب خاص صرف آپ کی ذات پاک کے لئے روز اوّل سے مقدر ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **((انا خاتم النبیین وادم منجدل فی طینته))** [1] ''میں پیغمبر آخر تھا اور آدم علیہ السلام ابھی آب وگل میں پڑے تھے۔'' آنحضرت ﷺ نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے، فرمایا: ''میری اور دوسرے انبیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی۔ لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ لیکن دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ تو میں وہ آخری اینٹ ہوں۔'' [2] عمارت دین ونبوت ہے۔ اس کی ایک ایک اینٹ، ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین وشریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اقدس ہے۔

دائمی معجزہ

وہ دین جو مختلف انبیا علیہم السلام کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا۔ چونکہ وہ محدود زمانوں کے لئے آیا۔ کیا اس لئے ان کے معجزے بھی محدود الوقت تھے۔ یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے اور مٹ گئے، اب عصائے موسیٰ، لحن داؤد، تعبیر یوسف، ناقہ ہود، نفس عیسیٰ علیہم السلام کا کہاں پتہ ہے؟ لیکن جو دین محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ آیا کامل تھا اور قیامت تک کے لئے آیا تھا۔ بنا بریں اس کے لئے ایک دائمی اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفہ اسلام ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو وہ معجزہ ملا۔ جس

---

[1] مستدرك حاكم، تفسير سورة احزاب، ج٢، ص: ٤١٨۔ مگر اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: انی عبدالله وخاتم النبيين وابی منجدل فی طينته اور یہ روایت كتاب التاريخ، باب ذكر اخبار سيد المرسلين میں ان لفظوں کے ساتھ ہے: انی عندالله فی اول الكتاب لخاتم النبيين وان آدم لمنجدل فی طينته (ج٢، ص: ٦٠٠) "ض"

[2] صحيح بخاری، كتاب المناقب، باب خاتم النبيين: ٣٥٣٤، ٣٥٣٥؛ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب ذكر كونه خاتم النبيين: ٥٩٥٩ تا ٥٩٦٣۔

پر اس کی امت ایمان لائی ،لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے۔جو خدا نے بھیجی تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیا علیہم السلام سے زیادہ ہوں گے۔'' ❶ یہ خیال مبارک اسی لئے تھا کہ آپ ﷺ کا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے۔اس لئے اس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔دوسرے انبیا علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے۔اسی لئے وہ تحریف وتغیر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا۔اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا:

﴿ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ ﴾ (۱۵/ الحجر:۹) ''اور ہم ہیں اس کے محافظ۔''

ختم نبوت

یہ رعب ونصرت، یہ پیرووں کی کثرت، یہ سجدہ گاہی عام، یہ اعجاز دوام، یہ جوامع الکلم، یہ دعوت عمومی، یہ تکمیل دین، یہ آیات مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ ﷺ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ منتہی ہو گیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے کے وجود سے مستغنی ہو گئی۔اسی لئے قرآن پاک نے عہد نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ ﴾

(۵/ المآئدۃ:۳)

''آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔''

یہ آیت جو نو ذوالحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی۔اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی۔لیکن اس سے پہلے ۵ھ میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گزار ہو چکی تھی:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ ﴾

(۳۳/ الاحزاب:۴۰)

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔''

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ ❷ اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ بعثت بجوامع الکلم:۷۲۷۴؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان......۳۸۵۔

❷ دیکھو لسان العرب، ج۱، ص:۷۹۰ وصحاح جوھری واساس البلاغۃ زمخشری۔

جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے۔اس کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں۔قرآن مجید میں یہ تمام معنی مستعمل ہوئے ہیں۔مثلاً:

﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ ﴾ (۳۶/ یسٓ:۶۵)

''آج (قیامت کے دن) ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔'' (یعنی بند کر دیں گے کہ بول نہ سکیں)

یہاں ختم کے معنی بند کر دینے کے بالکل ظاہر ہیں:

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ (۲/ البقرۃ:۷)

''خدا نے ان (کافروں کے) دلوں پر مہر لگا دی ہے (یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کر دیئے)۔''

کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں:

﴿ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ ﴾ (۴۵/ الجاثیۃ:۲۳)

''اور خدا نے اس کے کان پر اور دل پر مہر لگا دی (یعنی اس کے کان اور دل بند کر دیئے)۔''

کہ اس کے کان کے اندر دعوت رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔

﴿ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴾ (۸۳/ المطففین:۲۵)

''اہل جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی۔''

وہ سربمہر یعنی بند ہوگی جو اس بات کا ثبوت ہوگا کہ یہ خالص شراب ہے۔یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے اندر باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے۔جس سے اس کی تیزی کم ہوگئی ہے۔اسی کے بعد یہ آیت ہے:

﴿ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ﴾ (۸۳/ المطففین:۲۶)

''اس کی مہر خشت ہوگی (یا) اس شراب کا آخر مشک ہوگا۔''

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اس میں سے نکلے گی، یا یہ معنی کہ بوتل یا صراحی کا منہ غایت صفائی اور نزاہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی، لاکھ یا موم کے بجائے مشک خالص سے بند ہوگا۔

بہر حال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہوگا کہ اس لفظ سے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں۔لفظ خاتم کی دو قراءتیں ہیں۔مشہور قراءت [1] تو خاتِم (بکسر تاء) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے اور دوسری قراءت خاتَم کی ہے۔جس کے معنی ہیں وہ شے جس

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری، جز ۲۲، ص: ۱۱ وتفسیر ابن حبان اُندلسی، تفسیر آیت مذکور، ج۷، ص: ۲۳۶۔

کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے، تاکہ وہ کھولی نہ جا سکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جا سکے۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ ﷺ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آیندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں۔ جس کے رشتہ کی بنا پر وراثت اور حرمت نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں۔ اس لئے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپ سے وہی پدرانہ محبت رکھنی چاہیے اور اسی طرح آپ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہیے۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے۔ مسند احمد میں حضرت ثوبان [1] اور حضرت خدیفہ رضی اللہ عنہما [2] اور ترمذی میں صرف حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔''

((وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی)) [3]

''بہ تحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔''

(لا نبی بعدی) خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ آپ کی تکمیل دین اور ختم نبوت کی جو مشہور تمثیل بیان کی ہے اور جس کو ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں۔ اس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور دیگر انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو، لوگ اس کو آ آ کر دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں، لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے، تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا ناتمام نہ رہ جاتا تو خوب ہوتا۔'' اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں:

((فانا تلك اللبنة)) [4] ''تو میں وہی آخری اینٹ ہوں۔''

((فانا اللبنة وانا خاتم النبیین)) [5]

''تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں۔''

---

[1] ج ۵، ص: ۲۷۸۔ [2] ج ۵، ص: ۳۹۶، اس روایت میں ۲۷ تعداد لکھی ہے جن میں چار عورتیں ہوں گی۔

[3] ابواب الفتن، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتی یخرج...... : ۲۲۱۹۔

[4] صحیح بخاری، کتاب المناقب باب خاتم النبیین: ۳۵۳۵؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ۵۹۵۹۔

[5] صحیح بخاری، ایضاً؛ صحیح مسلم: ۵۹۶۱۔

((فانا موضع اللبنة جئت فختمت الانبیاء)) [1]

''میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا۔''

((فی النبیین موضع تلك اللبنة)) [2]

''میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں۔''

آنحضرت ﷺ نے دیگر انبیا کے مقابلہ میں اپنے جو مخصوص فضائل گنائے ہیں۔ ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم (کتاب المساجد) ترمذی (کتاب السیر باب الغنیمہ) اور نسائی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((و ختم بی النبیون)) [3] ''اور انبیا مجھ سے ختم کیے گئے۔''

سنن دارمی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وانا خاتم النبیین ولا فخر)) [4]

''اور پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں۔''

آپ ﷺ کا خاتم نبوت ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا۔ بلکہ یہ آپ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ کے لئے روز اوّل سے مقرر ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انی عبداللّٰہ خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینته)) [5]

''میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیا تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب آپ ﷺ نے اہل بیت کی نگرانی کے لئے مدینہ میں چھوڑ کر تبوک جانا چاہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملال خاطر ظاہر کیا تو آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا:

((الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لیس نبی بعدی)) [6]

''کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ میں تھی، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

---

[1] صحیح مسلم، عن جابر: ٥٩٦٣۔ [2] ترمذی، ابواب المناقب، باب سلوا اللہ لی الوسیلة: ٣٦١٣۔

[3] صحیح مسلم، کتاب المساجد، :١١٦٧؛ جامع ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی الغنیمة:١٥٥٣۔

[4] سنن دارمی، المقدمة، باب ما اعطی النبی ﷺ من الفضل: ٤٩۔

[5] یہ حدیث حسب ذیل کتابوں میں ہے، مستدرك حاکم تفسیر سورة احزاب، ج ٢، ص: ٤١٨، حاکم اور ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے و تاریخ امام بخاری، بحواله فتح الباری، ج ٦، ص:٤٠٧ وحلیة الاولیاء ابی نعیم وشعب الایمان بیهقی (بحواله کنز العمال، ج ٦، ص: ١٠٤ حیدرآباد) ومسند احمد، ج ٤، ص: ١٢٧، ١٢٨۔

[6] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة تبوك:٤٤١٦۔

صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں:

((غیر انه لانبی بعدی)) [1] ''لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

((الا انه لا نبوة بعدی)) ''لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔''

صحیح بخاری [2] اور صحیح مسلم [3] میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنو اسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیا کرتے تھے، ایک نبی جب مرتا تھا تو دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا۔''

((وانه لا نبی بعدی)) ''اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔''

جامع ترمذی [4] اور مستدرک [5] میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرمایا:

((لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب))

''اور اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو وہ خطاب کے بیٹے عمر ہوتے۔''

عربی زبان جاننے والے کو معلوم ہے کہ ''لو "امر محال کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میرے پانچ نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا، میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا اور میں عاقب (آخری) ہوں۔ [6] "الذی لیس بعده نبی "جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے: ((الذی لیس بعدی نبی)) یعنی ''میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔'' [7]

صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔'' صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! خوشخبریاں کیا ہیں۔ فرمایا: ''رؤیائے صالحہ۔'' [8] (یعنی سچے خواب) پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا کو اپنے امور غیب سے مطلع کرنے کے متعدد ذرائع مقرر کئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک رؤیائے صالحہ بھی ہے۔ اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ ''نبوت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک جزو

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی: ٦٢١٨، ٦٢١٧۔

[2] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل: ٣٤٥٥۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب الوفاء......: ٤٧٧٣۔

[4] ابواب المناقب: ٣٦٨٦ حدیث غریب حسن۔ [5] مناقب عمر، ج٣، ص: ٨٥، حدیث صحیح صححه الذهبی۔ [6] صحیح بخاری: ٣٥٣٢؛ صحیح مسلم، باب اسمائه ﷺ: ٦١٠٥ صحیح بخاری میں عاقب کی تفسیر مذکور نہیں؛ مسند احمد، ج٤، ص: ٨٤، میں یہ حدیث اور عاقب کی یہ تفسیر امام زہری سے مذکور ہے۔

[7] فتح الباری شرح بخاری، ج٦، ص: ٤٠٦۔

[8] صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب المبشرات: ٦٩٩٠۔

ومومن کا رؤیائے صالحہ ہے۔" [1] ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے قوموں میں محدثین (بات کئے گئے) ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمر ہیں۔" [2] ائمہ حدیث نے محدث کے معنی ملہم کے لکھے ہیں۔

غرض ختم نبوت کے بعد اب جو نعمت اہل ایمان کے لئے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں۔ رؤیائے صالحہ اور الہام۔ لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے۔ اس لئے کسی مومن کے رؤیائے صالحہ اور الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر بھی حجت نہیں اور ان کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کامل کرنا اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ ان رؤیائے صالحہ اور الہامات صادقہ کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے۔ وہ احکام نہیں ہوتے بلکہ صرف خوشخبریاں ہوتی ہیں۔ یعنی امر غیب اور مستقبل سے کچھ اطلاعات اور مناظر۔

مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مرض الموت میں حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امام تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صف بستہ پیچھے، اس وقت یہ آخری اعلان فرمایا:

((یاایها الناس لم یبق من مبشرات النبوة الا الرؤیا الصالحة یراها المسلم او ترى له)) [3]

"اے لوگو! نبوت کی خوشخبریوں (غیبی ذرائع علم وخبر) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ لیکن ایک رؤیائے صالحہ جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے۔"

اس سے صاف ہو گیا کہ رؤیائے صالحہ شخصی احوال و مناظر سے متعلق ہے۔ اسی کتاب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہمارے مقصد کے اثبات کے لئے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی ﷺ میں خدام حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی))

"رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات سخت گزری تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((ولکن المبشرات)) "لیکن خوشخبریاں باقی ہیں۔" لوگوں نے عرض کی، یارسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہے؟ فرمایا: "مرد مسلم کی رؤیائے صالحہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التعبیر:٦٩٨٣ وصحیح مسلم، کتاب الرؤیا:٥٩٠٦ ومسند احمد، ج٣، ص: ١٤٩، عن انس۔ [2] بخاری، کتاب فضائل الصحابة:٣٦٨٩ ومسلم:٦٢٠٤ وترمذی: ٣٦٩٣۔

[3] مسند أحمد، ج١، ص:٢١٩۔

وہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے۔'' [1]

یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی [2] وحاکم میں ہے۔اس آیت کی تفسیر میں ہیں:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ (۱۰/ یونس:۶۳، ۶۵)

''ہاں! اولیائے الٰہی کو کوئی خوف اور غم نہیں۔ جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے تھے۔ان کو دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ دنیا میں ان کے لئے بشارت کیا ہے؟ فرمایا: ''رؤیائے صالحہ۔'' اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ان مبشرات کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی تکمیل ہے اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا، اولیائے اللہ ہے اور اس لئے ان کے اس رتبہ کا نام ولایت ہوگا۔اس کو جزئی نبوت، لغوی نبوت، مجازی نبوت، نبوت ناقصہ وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا ایسی لفظی گمراہی ہے، جو معنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے اور اس سے شرک فی النبوۃ کی اسی طرح برائیاں پیدا ہوں گی، بلکہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہہ کر حقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہو گئے، کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ ہو چکا، دین کی تکمیل ہو چکی، دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوت محمدی ﷺ کے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا، معمارِ قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھر کو اپنی جگہ پر رکھ کر اپنی تعمیر پوری کر چکا، درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا۔ جس کے لئے غروب نہیں۔طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغ کائنات میں وہ سدا بہار موسم آ گیا۔ جس کے بعد پھر خزاں نہیں۔

شفاعتِ اولین

عرصہ دار و گیر محشر میں جب جلال الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گناہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا۔اس وقت سب سے پہلے فخر موجودات، باعث خلق کائنات، سید اولاد آدم، خاتم الانبیا و رحمت عالم ﷺ ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور فرق مبارک پر تاج شفاعت رکھ کر گناہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔لفظ ''شفاعت'' اصل لغت میں شــفــع سے نکلا ہے۔ جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں۔، چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گزار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرنا۔آپ ﷺ

[1] مسند احمد، عن انس ج۳، ص: ۲۶۷ وترمذی، ابواب الرؤیا، باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات: ۲۲۷۲۔

[2] تفسیر سورة یونس وکتاب الرؤیا ومستدرك حاکم، ج۲، ص: ۳۴۰ تفسیر یونس (صحیح)

کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپ ﷺ گناہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اس کے سامنے ان کی بخشائش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے۔سورۂ اسراء میں ہے:

﴿ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝ ﴾ (۱۷/ الاسرآء:۷۹)

''قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ مقام محمود سے مراد رتبہ شفاعت ہے۔ [1] صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے۔ [2] صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں۔یعنی ان کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں۔ مدینہ منورہ آئے۔ یہاں مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے۔ان میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا، اے رسول اللہ کے صحابی! آپ یہ کیا فرمار ہے ہیں۔خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے۔یہ کہہ کر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیے جائیں گے:﴿ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ﴾(۳۲/ السجدۃ:۲۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا، ہاں۔فرمایا: تم نے اس مقام محمود کا حال سنا ہے۔جس میں اللہ تعالیٰ تمہارے پیغمبر ﷺ کو مبعوث کرے گا؟ اس نے کہا، ہاں سنا ہے۔فرمایا، تو یہی محمد رسول اللہ آنحضرت ﷺ کا مقام محمود ہے۔جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا۔نکالے گا۔یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدہ باطل سے تائب ہوگئے اور بولے کہ کیا یہ بوڑھا صحابی رسول پر جھوٹ بولے گا؟ [3]

بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ'' قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے وہ! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت ﷺ تک پہنچے گا۔یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود میں اٹھائے گا۔'' [4] جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے گا کہ اے خدا! جو پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے۔محمد کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقام محمود عطا فرما، جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت اترے گی۔'' [5] آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو کوئی نہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: عسى ان يبعثك...... : ٤٧١٨ وجامع ترمذی:٣١٣٧ ومستدرك تفسیر آیت مذکورة ج٢، ص: ٣٦٣ وصحیح مسلم کتاب الایمان: ٤٧٣۔ [2] صحیح بخاری، کتاب التوحید: ٧٤٤٠۔ [3] صحیح مسلم، کتاب الایمان:٤٧٣۔ [4] صحیح بخاری، تفسیر آیت مذکور:٤٧١٨۔

[5] صحیح بخاری، تفسیر آیت مذکور:٤٧١٩ باب الدعاء عندالنداء: ٦١٤۔

کوئی مستجاب دعا دی گئی، میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لئے چھپا رکھا۔'' [1] پھر فرمایا: ''مجھ کو دیگر انبیا پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں ...... ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔'' [2] (یعنی شفاعت اولین)

مؤطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع عطا کیا گیا تو انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کر لی گئی۔ لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے۔'' [3] فرمایا: ''میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔'' اور فرمایا: ''میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔'' [4]

اُس دن جب دنیا کی گناہگاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدمی کی اولاد ترساں و لرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی، کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا ڈھونڈھے گی، کبھی نوح و ابراہیم علیہما السلام کو یاد کرے گی۔ کبھی موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی طرف بے تابانہ لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی۔ بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرین آگے بڑھیں گے اور تسکین کا پیام سنائیں گے۔ حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا: ''قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی۔ لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا۔ آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے۔ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں۔ میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہو گا۔ نفسی نفسی (اے میری جان! اے میری جان!) لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے۔ آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے وہ کہیں گے، ہمارا یہ رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا۔ وہ اپنی قوم کی تباہی کے لئے مانگ چکا۔ نفسی نفسی! تم ابراہیم کے پاس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب فی المشیئة والارادة......: ٧٤٧٤؛ کتاب الدعوات، باب لکل نبی دعوة مستجابة: ٦٣٠٤، ٦٣٠٥؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اختباء النبی ﷺ دعوة الشفاعة: ٤٨٧۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب قول النبی ﷺ جعلت لی الارض......: ٤٣٨؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد: ١١٦٣۔ [3] صحیح بخاری، کتاب التوحید: ٧٤٧٤؛ کتاب الدعوات: ٦٣٠٤؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ٤٨٨۔

[4] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب انا اوّل الناس یشفع فی الجنة: ٤٨٣۔

جاؤ۔مخلوق ان کے پاس جائے گی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے اور اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے۔وہ بھی کہیں گے،میرا یہ رتبہ نہیں۔آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔نفسی نفسی!تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے موسیٰ علیہ السلام!آپ خدا کے پیغمبر ہیں۔خدا نے اپنے پیغام وکلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے۔اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے۔کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے؟حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔نفسی نفسی!تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اے عیسیٰ!آپ خدا کے وہ رسول ہیں،جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے وہ بھی کہیں گے،یہ میرا رتبہ نہیں۔آج خدا کا وہ غضب ہے۔جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔نفسی نفسی!تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔مخلوق آپ کے پاس آئے گی اور کہے گی اے محمد ﷺ آپ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں،جن کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔آپ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اذن طلب کریں گے۔اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے۔آپ ﷺ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا۔اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ کے دل میں القا فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القا نہ ہوئے۔آپ دیر تک سربسجود رہیں گے۔پھر آواز آئے گی۔اے محمد (ﷺ)!سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا۔مانگو دیا جائے گا۔شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔عرض کریں گے:((الٰھی امتی امتی))، خداوندا!میری امت،میری امت،حکم ہوگا،جاؤ جس کے دل میں جَو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا،اس کو نجات ہے۔آپ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد وثنا کر کے عرض پرداز ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے۔پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمد (ﷺ)!سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا۔مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی،عرض کریں گے:((الٰھی امتی امتی)) حکم ہوگا،جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ بخشا گیا۔حضور ﷺ جائیں گے اور پھر واپس آ کر عرض گزار ہوں گے۔حمد وثنا کریں گے اور سربسجود ہوں گے آواز آئے گی جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے نکالو۔آپ ﷺ پھر جا کر واپس آئیں گے اور گزارش کریں گے اور حمد وثنا کر کے سجدہ میں گر پڑیں گے،پھر ندا آئے گی۔اے محمد (ﷺ)!سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا،مانگو دیا جائے گا،شفاعت کرو قبول ہو گی،عرض کریں گے:جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔صدا آئے گی،

اس کا اختیار تم کو نہیں لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا((من قال لا الہ الا اللّٰہ))۔ [1]

کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کس نے سنایا۔

فضائل اُخروی

آنحضرت ﷺ کے یہ وہ خصائص تھے، جو آپ کو پیغمبر، مبلغ دین، صاحب مذہب اور پیشوائے امت ہونے کی حیثیت سے عطا ہوئے تھے۔ علاوہ بریں آپ کو آخرت کی دنیا میں بھی مزید فضائل عنایت ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت میں میں پیغمبروں کا نمائندہ اور امام اور ان کی شفاعت کا پیرو کار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں۔'' [2] پھر فرمایا ہے: ''میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا اور اس پر فخر نہیں اور قیامت کے دن آدم وغیرہ تمام پیغمبر میرے علم کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔'' [3] نیز ارشاد ہے: ''لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ ناامید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا۔ اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا۔'' [4]

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ

تمت الجزء الثالث من السيرة النبوية

على صاحبها الصلوٰة والتحية

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ

سید سلیمان ندوی

---

[1] یہ پوری حدیث صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ بنی اسرائیل: ۴۷۱۲ وکتاب احادیث الانبیاء: ۳۳۴۰ وصحیح مسلم، باب الشفاعۃ: ۴۷۵، ۴۷۹، ۴۸۰ میں مختلف صحابیوں سے تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر سے مروی ہے، ہم نے سب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

[2] ترمذی، ابواب المناقب، باب سلوا اللہ لی الوسیلۃ: ۳۶۱۳ حدیث حسن صحیح غریب۔

[3] ایضا: ۳۶۱۵ حدیث حسن۔ [4] ایضا: ۳۶۱۰ حدیث حسن غریب۔